بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الحسن والحسین

"ھما ریحانتای من الدنیا"

"حسن اور حسین میری دنیا کی بہار ہیں" رضی اللہ عنہما

الصحیح البخاری

ریحانِ عترت

بہارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند شگفتہ پھولوں کا گلدستہ

جمع و ترتیب

سید نفیس الحسینی

سید احمد شہید اکادمی

نفیس منزل کریم پارک راوی روڈ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

اور جو لوگ حکم میں چلتے ہیں اللہ کے اور رسول کے، سو اُن
کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا، نبی اور صدیق اور شہید اور
نیک بخت اور خوب ہے اُن کی رفاقت

ترجمہ: حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اللهم صلِّ على محمدٍ وعلى آلِ محمدٍ

كما صليتَ على إبراهيمَ وعلى آلِ إبراهيمَ

إنك حميدٌ مجيدٌ

اللهم بارك على محمدٍ وعلى آلِ محمدٍ

كما باركتَ على إبراهيمَ وعلى آلِ إبراهيمَ

إنك حميدٌ مجيدٌ

كتبه العبد نفيس الحسيني اللاهوري غفر الله له [illegible] في رمضان المبارك سنة ١٤١٣ھ

فہرست

رَیحانِ عِترت

لب پر درود	سید نفیس الحسینی	۹
ظہور قدسی	مولانا شبلی نعمانیؒ	۱۰
سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۲
سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ	۲۳
در معنیٔ حریت اسلامیہ و سرحادثہ کربلا	علامہ محمد اقبالؒ	۵۳
امام زین العابدین رضی اللہ عنہ	مولانا شاہ معین الدین ندویؒ	۵۵
قصیدہ فرزدق	فرزدق	۷۴
امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ	مولانا شاہ معین الدین ندویؒ	۷۷
امام زید بن علی رضی اللہ عنہ	مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ	۸۱
امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ	مولانا شاہ معین الدین ندویؒ	۹۸
امام محمد ذوالنفس الزکیۃ رضی اللہ عنہ	یحییٰ بن حسین بن ہارون	۱۰۴
امام ابراہیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	یحییٰ بن حسین بن ہارون	۱۰۷
امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی	۱۱۲
امام علی رضا رضی اللہ عنہ	سبط ابن جوزیؒ، ترجمہ: ڈاکٹر محمود الحسن عارف	۱۱۸
سید ابوالحسن زید الجندی رضی اللہ عنہ	سید نفیس الحسینی	۱۳۱
سید ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	سید صباح الدین عبدالرحمنؒ	۱۳۶
حضرت سید عبدالقادر الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۶۵
حضرت سید احمد توختہ رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۸
خواجہ سید معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۹۰
مخدوم عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ	میر غلام علی آزاد بلگرامیؒ، ترجمہ: سید نفیس الحسینی	۱۹۸
سید قطب الدین احمد المدنی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا محمد ثانی حسنیؒ	۲۰۲

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۲۰۹
سید علی لاحق رحمۃ اللہ علیہ	سید نفیس الحسینی	۲۴۳
سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ	سید صباح الدین عبدالرحمنؒ	۲۴۵
سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	مفتی شریف اللہ الکوثری	۲۸۵
سید بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید زوار حسین شاہؒ	۲۹۲
سید محمد حسینی گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ	سید نفیس الحسینی	۲۹۶
سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ	سید صباح الدین عبدالرحمنؒ	۳۵۴
شاہ اجمل بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا عبدالحی الحسنی	۳۷۹
سید بڈھن بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ: عبدالماجد ندیم	۳۸۰
سید بہاء الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر خالد سیف اللہ	۳۸۱
سید علی عواص ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	خود فرمودہ حالات	۳۸۳
سید محی الدین قمیص القادری رحمۃ اللہ علیہ	اظہار احمد گیلانی	۳۹۵
شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ	پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ	۴۰۱
سید موسیٰ گیلانی شہید رحمۃ اللہ علیہ	پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ	۴۰۵
خواجہ خاوند محمود رحمۃ اللہ علیہ	سید نفیس الحسینی	۴۰۹
سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید زوار حسین شاہؒ	۴۱۲
سید فتح محمد حسینی رحمۃ اللہ علیہ	سید نفیس الحسینی	۴۲۰
شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ رحمۃ اللہ علیہ	مولانا اعجاز الحق قدوسی	۴۲۵
شاہ علم اللہ رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا محمد ثانی حسنیؒ	۴۳۶
پیر محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ	مولانا اعجاز الحق قدوسی	۴۴۵
امیر المؤمنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ	حضرت شاہ اسماعیلؒ شہید، ومولانا سید سلیمان ندویؒ ومولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ومولانا محمد حمزہ حسنی ندوی	۴۵۳
مدحتِ سبطِ قسیمِ کوثر ﷺ	حکیم مومن خان مومنؒ	۴۸۰
شاہ عبدالرحیم ولایتی رحمۃ اللہ علیہ	سید نفیس الحسینی	۴۸۱
سید نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	سید نفیس الحسینی	۴۹۳
حبِ آلِ محمد ﷺ	سید ابوبکر غزنوی	۵۰۲

لب پر درود

لب پر درود ، دِل میں خیالِ رسولؐ ہے
اب مَیں ہُوں اور کیفِ وصالِ رسولؐ ہے

دائم بہارِ گلشنِ آلِ رسولؐ ہے
سینچا گیا لہُو سے نہالِ رسولؐ ہے

حُسنِ حسنؓ کو دیکھ ، حُسینِ حسینؓ کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسولؐ ہے

بُوبکرؓ ہوں ، عُمرؓ ہوں ، وہ عُثمانؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسولؐ ہے

اِسلام نے غُلام کو بخشی ہَیں عظمتیں
سردارِ مؤمنین ، بلالؓ رسولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے ختمِ رُسُل میرا تخت ہے
اور سر کا تاج خاکِ نعالِ رسولؐ ہے

جامِ جمؔ اُس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جامِ سفالِ رسولؐ ہے

(شوال المکرم ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء)

علامہ شبلی نعمانی

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخِ نادرہء کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اہل سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیّارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبحِ جان نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدّت طرازیاں، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیم علیہ السلام، جمال یوسف علیہ السلام، معجز طرازیِ موسیٰ علیہ السلام، جان نوازیِٔ مسیح، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارز شاہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جان نواز وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دور فرّخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایہء بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدہء فارس بجھ گیا، دریائے سادہ خشک ہوگیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شرّ، آتشکدہء کفر، آذرکدہء گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازہء مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا آئینہ پر تو قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ جگر گوشہ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرماں روائے عالم، شہنشاہِ کونین۔

شمسۂ نہ مسندِ ہفت، اختراں   ختمِ رسُل خاتمِ پیغمبراں
احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست   ہر دوجہاں بستۂ فتراکِ اوست
اُمّی وگویا بہ زبانِ فصیح   ازالف آدم ومیمِ مسیح
رسمِ ترنج است کہ در روزگار   پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزّت واجلال ہوا، اللّٰھُمّ صَلِّ عَلَیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وَسَلِّم ۔

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۹ ربیع الاوّل روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی[1]۔

آپ کا نام "محمد" رکھا گیا، اورعام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔
(ماخوذاز: سیرۃ النبی ﷺ)

---

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحوں میں آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام (آنحضرت ﷺ کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب مین گہن لگا تھا، اور سنہ ۱۰ ھ تھا، (اور اس وقت آپ کی عمر کا ترسٹھواں سال تھا)

(۲) ریاضی کے قاعدہ سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱۰ ھ) کا گرہن، جنوری ۶۳۴ء کو ۸ بجکے ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔

(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹیں تو آپ ﷺ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء جس میں ازروئے قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

مولاناسیّدابوالحسن علی ندویؒ

سیّدنا اِمام حسنؑ بن علیؓ

م ۵۱ھ

حسن بن علی بن ابی طالبؓ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت سیدۃ فاطمۃ الزہراؓکے فرزند اکبر، رسول اللہ ﷺ کے دلبند، خلق خدامیں رسول خدا ﷺ سے سب سے زیادہ قریب اور مشابہ تھے۔ پیدائش صحیح روایات کے بموجب سنہ ۳ھ کی ہے، زیادہ خیال یہی ہے کہ نصف شعبان میں ہوئی، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آخر شعبان میں رمضان سے دو ایک روز پہلے ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے، جب یہ بچے تھے تو آنحضرت ﷺ کبھی ان کے رخسارولب چومتے اور کبھی ان کی زبان اپنے دہان مبارک میں لے کر چوستے، کبھی گود میں کھلاتے، کبھی سینہ اورپیٹھ پر بٹھاتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ سجدہ میں ہوتے اور یہ پشت مبارک پر سوار ہوجاتے اور آپ نہ صرف یہ کہ بیٹھنے دیتے بلکہ ان کی خاطر سجدہ کو اور طول دیتے، کبھی اپنے ساتھ منبر پر چڑھاتے[1]۔

زُہری حضرت انسؓ سے راوی ہیں کہ حسنؓ بن علیؓ رسول اللہ ﷺ سے بہت ہی مشابہ تھے[2]، ہانیؓ، حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حسنؓ کو مشابہت رسول اللہ ﷺ حاصل تھی سینہ سے سر تک، اور حسینؓ سینہ سے قدمہائے مبارک تک اپنے نانا کے مشابہ تھے[1]۔

---

1 البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ ص ۳۳

2 مصنف عبدالرزاق(المجلس العلمی ڈابھیل۔ط ۱ ۱۹۷۰ء

حضرت علیؓ کے دل میں اپنے صاحبزادہ حضرت حسنؓ کی بڑی عزت تھی، وہ ان سے احترام و توقیر کا معاملہ فرماتے، ایک روز فرمایا کبھی تم تقریر کرتے تو میں بھی سنتا، کہنے لگے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ آپکے سامنے زبان کھولوں۔ ایک روز حضرت علیؓ ایسی جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں حضرت حسنؓ کو نظر نہ آسکیں، حضرت حسنؓ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سن رہے تھے، جب وہ اپنی تقریر ختم کرکے چلے گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''ذریة بعضها من بعض واللہ سمیع علیم[2]'' (یہ ایک ہی نسل تو ہے، جس میں ایک دوسرے کا فرزند ہے)۔(سورۃ آل عمران۔۳۴)

وہ بہت کم بولتے اور اکثر خاموش رہتے، لیکن جب بات کرتے تو کوئی ان کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا تھا، دعوتوں میں کم شرکت فرماتے، کسی لڑائی جھگڑے کے معاملہ میں نہ پڑتے، کسی کے معاملہ میں دخل اندازی نہ کرتے، جب ان سے رجوع کیا جاتا تو دلیل سے بات سمجھا دیتے۔[3]

انھوں نے تین بار اللہ کی راہ میں اپنا مال نکال دیا، دو مرتبہ تو اس طرح دے دیا کہ ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا، پچیس بار پیدل حج کئے، قربانی کے جانور آپ کے آگے آگے چلائے جاتے۔[4]

حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے کوئی گھوڑے پر سوار ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نظر پڑتی تو بڑھ کر رکاب تھام لیتے اور اس کو اپنے لئے شرف سمجھتے، ان دونوں میں کوئی طواف بیت اللہ کو نکلتا تو آپ کو سلام کرنے، مصافحہ کرنے کے لئے لوگ ان پر اس طرح پروانہ وار ٹوٹ کر گرتے کہ ڈر لگتا کہ کہیں ان کو صدمہ نہ پہنچے[5]۔

حضرت حذیفہؓ سے مرفوعاً روایت ہے ''الحسن والحسین سیّدا شباب اهل الجنة'' یعنی حسن و

---

1 روایت احمد بن حنبل (ابن کثیر۔ج ۸ ص ۳۳)

2 البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ ص ۳۷

3 ایضاً ص ۳۹

4 تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''مکارم سیدنا الحسن'' البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ ص ۳۷۔۳۹

5 ایضاً

حسین جنتیوں کے سردار ہوں گے، اس حدیث کی اور سندیں بھی ہیں ، نیز اس باب میں حضرات علیؓ، جابرؓ، بریدہؓ اور ابو سعیدؓ سے بھی روایتیں ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو بکرہ ؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا، آپ کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی بیٹھے تھے، اور آنحضرت ﷺ ایک بار حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے، ایک بار حضرت حسنؓ کی طرف، اور فرماتے "میرا یہ بچہ سردار ہے، امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرادے گا[1]"۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ہاشم بن القاسم نے کہا، ان سے مبارک بن فضالہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسن بن ابی الحسن نے بیان کیا کہ ہم سے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار نماز پڑھا رہے تھے، آپ جب سجدہ میں گئے تو حسن بن علیؓ آپ کی پشت مبارک پر چڑھ گئے اور کئی بار اس طرح دیکھا گیا تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان کو جس قدر چاہتے ہیں، کسی اور کو نہیں چاہتے، فرمایا "میرا یہ بچہ سردار ہے اللہ اس کے ہاتھوں مسمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرادے گا[2]"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا: "میرا یہ فرزند سید (سردار) ہے اس کے ہاتھوں اللہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کو ملادے گا" اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرا یہ فرزند سید ہے امید ہے کہ اللہ اس کو باقی رکھے تاکہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان اس کے ذریعہ صلح کرائے" صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا ہے[3]۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنے دوش مبارک پر حضرت حسن بن علیؓ کو لئے ہوئے جا رہے تھے تو ایک شخص نے دیکھ کر کہا: "نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ" صاحبزادے بڑی اچھی سواری پر بیٹھے ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وَنِعْمَ

---

[1] الجامع الصحیح للبخاری کتاب الفتن

[2] الاصابة تمییز الصحابة ج ۱ ص ۲۳۰

[3] الجوہرة فی نسب النبیؐ واصحابہ العشرة ج ۲ ص ۲۰۱

الرَّاکبُ ھُوَ" اور سوار بھی بہترین ہے[1]۔ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما اسلام کے شہ سواروں میں ہوئے ہیں۔

نعیم کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوھریرہؓ نے کہا کہ میں جب حسنؓ کو دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں، اس لئے کہ میں نے دیکھا کہ ایک روز دوڑتے ہوئے آئے اور آ کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں بیٹھ گئے (حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے ہاتھ اپنی ڈاڑھی پکڑ کر دکھایا کہ یہ) اس طرح ریش مبارک ہاتھ سے پکڑنے لگے، اور رسول اللہ ﷺ پنا دہن مبارک کھول کر ان کے منہ میں ڈالنے لگے اور فرماتے جارہے تھے "اللّھم! انی أحبّہ فأحبّہ" اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما، یہ بات آپ ﷺ نے تین بار فرمائی۔[2]

ابن عساکر نے کہا: "حضرت حسنؓ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک بار مدینہ منورہ کے کسی (چہاردیواری سے گھرے ہوئے) باغ کی طرف سے گزر رہے تھے تو ایک نوعمر حبشی غلام کو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک روٹی تھی، اور اس کے سامنے کتا بیٹھا تھا، وہ لڑکا ایک لقمہ خود کھاتا اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا، اس طرح پوری روٹی تقسیم کرکے آدھی اس کو کھلادی، حضرت حسنؓ نے پوچھا تم نے کیوں اپنی روٹی میں آدھے کا شریک کتے کو بنالیا اور خود زیادہ حصہ نہیں لیا؟ کہنے لگا، میری آنکھیں اس کی (یعنی کتے کی) آنکھیں دیکھ کر شرم محسوس کرتی تھیں کہ میں زیادہ کھاؤں، حضرت حسنؓ نے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ کہا میں ابان بن عثمانؓ کا غلام ہوں، فرمایا اور یہ احاطہ کس کا ہے؟ کہا: ابان کا، حضرت حسنؓ نے فرمایا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ جب تک واپس نہ آجاؤں تم یہیں بیٹھے رہنا، چنانچہ آپؓ گئے اور اس غلام کو خرید لیا اور احاطہ بھی خرید لیا، اور غلام کے پاس آ کر فرمایا: میں نے تم کو خرید لیا، اس نے اٹھ کر کہا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور ان کے بعد میں آپ کے احکام سننے والا اور فرمانبردار ہوں، پھر حضرت حسنؓ نے فرمایا: تو میری طرف سے آزاد ہے اور یہ احاطہ تجھے ہبہ کردیا[3]"۔

حضرت حسنؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کی اہمیت اور اس کے نفسیاتی

اثرات: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کہ "اللہ تعالی ان کے

---

1 ایضاً ص ۲۰۳

2 حلیۃ الاولیاء وطبقات الأصفیاء از حافظ ابی نعیم احمد عبداللہ الاصفہانی ج ۱ ص ۳۵

3 تہذیب تاریخ دمشق الکبیر (لابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۷-۲۱۸ طبع ثانی دار المسیرۃ ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹ء)

ذریعہ دو مسلم گروہوں کے درمیان مصالحت کرادے گا" محض ایک اطلاع نہ تھی، جس کو دوسری پیشین گوئیوں کی طرح حضرت حسنؓ اور دوسرے مسلمان سن لیتے اور تصدیق کرتے، بلکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لئے ایک اشارہ اور تلقین کی نوعیت رکھنے والا مقولہ بھی تھا، جو ان کی پوری زندگی میں ان کے رجحانات و اعمال کا رخ مقرر کرنے اور ایک معیار قائم کرنے میں "عنوان حیات" کا کام دے اور یقیناً یہ جملہ ان کے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر ان کے اعصاب و احساسات پر طاری رہا ہوگا ور ان کے رگ و پے میں سرایت کرچکا ہوگا اور اس کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وصیت کی ہوگی، یہ ضروری ہے کہ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہوگی، جو آپ کے جد مجد بھی تھے، اور نبی برحق بھی، کہ یہ بات آپ کی شفقت و محبت کا سبب ہے، تو حضور انور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر مسرت کی لہر اور آنکھوں میں امید کی چمک بھی دیکھی ہوگی، اور اس کو اپنی زندگی کے مقاصد میں بڑ مقصد، عی ترین اسوہ و نمونہ اور اپنے مستقبل کے لئے رہنما اصول قرار دیا ہوگا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی ان کی حرکات و سکنات سے ظاہر تھی، یہاں تک کہ انکے عالی مرتبت والد ماجد جن کی شفقتیں اس درجہ حاصل تھیں جو سراپا محبت اور صاحب فراست آباء کی طرف سے فرمانبردار اور ہونہار اولاد کو حاصل ہو سکتی ہیں، وہ آباء جن کو اللہ تعالے نے جبلی طور پر ایسے اعلی کمالات اور فضائل سے نوازا تھا جن کی نظیر ملنی مشکل ہے، ایسے جلیل القدر باپ سے ایسا سعادت مند و مرتبہ شناس فرزند (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد) عرض کرے کہ آپؓ لوگوں کو چھوڑ کر کنارہ کش ہوجائیں، اور اللہ کی زمین میں کہیں بھی چلے جائیں یہاں تک کہ عربوں کا دماغ صحیح طور پر کام کرنے لگے اور ان کو ہوش آجائے، اس وقت اگر آپؓ کسی گوہ کے بل میں بھی ہوں گے تو لوگ آپؓ کو ڈھونڈ نکالیں گے، بغیر اس کے کہ آپؓ اپنے کو ان کے سامنے پیش کریں، یہ خود آ کر بیعت قبول کرنے کی درخواست کریں گے، پھر جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل شام سے جنگ کا ارادہ کیا، اور اس کے لئے تیاریاں مکمل کرکے مدینہ سے نکل رہے تھے کہ اپنے حامیوں اور انصار کے ساتھ حریف اور برسر مقابلہ

---

[1] کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

بہرِ تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر　　جو بوقتِ ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

لشکر سے جنگ کریں تو اس وقت حضرت حسنؓ ہی تھے جو سامنے آئے اور عرض کیا: "يَا أَبَت دَعْ هذَا" ابا جان آپ اس ارادہ سے باز رہیں، کیونکہ اس راہ میں مسلمانوں کا بڑا خون بہے گا، اور ان کے درمیان اختلافات اور صف آرائی کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہوجائے گا"[1]۔

ظاہر ہے جو فرزند اپنے والد ماجد سے اس طرح کی باتیں کرے اس کے خمیر میں رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی اور دعاؤں ہی کا اثر ہوگا۔ لیکن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسنؓ کے مشورہ کو قبول نہیں فرمایا، وہ لوگوں کو اس اشتباہ کی حالت میں چھوڑنا پسند نہیں فرماتے تھے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر، خلافت کو اپنے مرکز صحیح پر لانے اور اہل حق کو ان کا حق دلانے کی اپنے اوپر جو ذمہ داری سمجھتے تھے، اس سے عہدہ برآہونا ان کے نزدیک ضروری تھا، قرآن کریم میں آیا ہے "وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا" (سورۃ البقرہ۔ ۱۴۸) (ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔[2])

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت اور حضرت معاویہؓ سے صلح: جب ابن ملجم کے ہاتھوں سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ مجروح ہوگئے اور شہادت کی وفات کا وقت قریب تھا، لوگوں نے عرض کیا: "امیر المومنین کسی کو خلیفہ بنادیجئے! فرمایا: نہیں، میں یہ کام تم پر چھوڑتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا تھا (یعنی بغیر خلیفہ نامزد کئے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے) اگر اللہ تمہارے لئے بہتری کا ارادہ فرمائے گا تو تم میں سے جو مناسب ترین فرد ہوگا، اس پر تم کو جمع کر دے گا، جیسا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کے بعد سب میں بہتر فرد پر جمع کردیا تھا[3]۔ لیکن لوگوں نے اسی روز جب کہ حضرت علیؓ پر حملہ ہوا تھا، حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، یہ جمعہ کا روز رمضان کی سترہ تاریخ اور ۴۰ھ تھا[4]۔"

ابن کثیر کا بیان ہے: "جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات ہوگئی (اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت لے لی گئی) قیس بن عبادہ نے حضرت حسنؓ سے اصرار شروع کردیا کہ اہل شام سے جنگ کرنے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۲۹-۲۳۰

[2] یہ آیت مختلف مذاہب کے قبلوں کے بیان میں تحویل قبلہ کے موقعہ پر نازل ہوئی، لیکن اس سے اہل اخلاص ور بل جتہاد کے (خلوص اور امکانی غور وفکر کے بعد) سعی وعمل کی منزلوں کے اختلاف اور تنوع پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

[3] حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف اشارہ ہے "البدایۃ والنہایۃ" ج ۸ ص ۱۴

[4] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۴

کے لئے پیش قدمی کریں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی کسی سے جنگ کرنے کی نیت نہیں تھی، لیکن لوگوں نے اصرار کے ساتھ دباؤ ڈالا اور سب مل کر اتنی تعداد میں جمع ہوئے جس قدر پہلے جمع نہیں ہوئے تھے، چنانچہ حضرت حسن بن علیؓ نے قیس بن سعد کو بارہ ہزار فوجیوں کے ساتھ آگے بھیجا اور خود فوجیوں کے ساتھ شام کی طرف بڑھے کہ معاویہؓ اور اہل شام سے قتال کریں، جب مدائن سے آگے نکلے تو وہاں آ کر رک گئے اور مقدمۃ الجیش کو اپنے سامنے ٹھہرایا۔

مدائن کے بیرونی حصہ پر جب وہ لشکر کے ساتھ تھے کسی نے باآواز بلند کہا: قیس بن سعد بن عبادہ قتل ہوگئے! لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور ایک دوسرے کا سامان لوٹنے لگے، یہاں تک کہ حضرت حسنؓ کے خیمے تک اکھاڑ لے گئے یہی نہیں جس فرش پر وہ بیٹھے تھے اس کو بھی کھینچ کر اٹھانے لگے اور اس حال میں ایک دوسرے کو زخمی کرنے لگے، اور خود حضرت حسنؓ کو بھی زخم آیا جو کاری نہ تھا، آپ زخمی حالت میں اٹھ کر سوار ہوئے اور مدائن کے قصر میں چلے گئے مختار بن ابی عبید نے اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہا، جو کہ مدائن کا گورنر تھا، کیا تم کو دولت وعزت حاصل کرنے کا راستہ بتاؤں؟ کہا: کیا مطلب؟ کہا حسنؓ کو پکڑو اور قید کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دو، سعد بن مسعود نے کہا: خدا تجھ کو رسوا کرے اور تیری تدبیر کو غارت کرے، کیا میں نواسۂ رسول کریم ﷺ سے دھوکہ بازی کروں۔[1]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”اہل عراق نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کا انتخاب اس نیت سے کیا تھا کہ وہ اہل شام سے جنگ کریں گے لیکن وہ جو چاہتے تھے وہ پورا نہیں ہوا، اور اس کے ذمہ دار خود اہل عراق تھے، کہ وہ خود جنگ سے پہلو تہی کرتے تھے، اور اپنے ذمہ داروں اور قائدین کی مانتے نہیں تھے، اگر وہ سمجھدار ہوتے تو اس نعمت خداوندی کی قدر و عظمت کرتے جوان کو سبط رسول اللہ ﷺ، سید المسلمین اور ایک عظیم صحابی اور صحابہ میں بھی عالم و فرزانہ، صاحب عزیمت شخصیت کی بیعت سے حاصل ہوئی تھی۔“[2]

”جب حضرت حسنؓ نے دیکھا کہ ان کی فوج میں اختلاف وانتشار ہے، تو آپ ان سے بیزار اور مایوس ہوئے، اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو (جو اہل شام کے ساتھ سوار ہو کر مسکن تک آ چکے تھے) ایک خط

---

1 لبدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۱۴

2 ایضاً ص۱۶

لکھا جس میں ان کے سامنے صلح کی تجویز رکھی، اور چند شرطیں رکھیں کہ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوجائیں گے، اور مسلمان خونریزی سے بچ جائیں گے، لوگوں کو اس خط کا علم ہوا، اور حضرت معاویہؓ کے حق میں اتفاق رائے ہوگیا[1]۔"

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی، چنانچہ حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ کے حق میں ربیع الاول ۴۱ھ میں دستبردار ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے اس دن تک تیس سال پورے ہوتے ہیں[2]۔"

حضرت معاویہؓ کی فرمائش و خواہش پر حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا:۔ "اما بعد، لوگو! اللہ نے تم کو ہمارے پہلے بزرگوں کے ذریعہ ہدایت دی اور آخر کے لوگوں کے ہاتھوں تمھیں باہمی خونریزی سے بچایا، اور اس کام کی ایک مقررہ مدت اللہ کی طرف سے ہے، اور دنیا نام ہی ہے الٹ پھیر اور کسی کے غلبہ اور کسی کے مغلوب ہونے کا، اور یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہلوایا تھا: وَإِنْ أَدْرِيْ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍ(سورۃ الأنبیاء۔ ۱۱۱) "میں خود بھی نہیں جانتا شاید یہ تمھارے لئے آزمائش کا سبب اور محدود مدت کے لئے نفع و انتفاع کی چیز ہو۔"

حضرت معاویہؓ کو یہ بلیغ مختصر لیکن عمیق و معنی خیز تقریر جچی اور وہ اس کو اپنے دل میں لئے رہے۔[3]

یک شخص جس کو ابو عامر کہا جاتا تھا، اس نے حضرت حسن بن علیؓ کو خطاب کرکے کہا: "السَّلامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَّ الْمُؤمِنِينَ" (یعنی مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے) کیونکہ آپ نے شامیوں سے جنگ جاری نہیں رکھی، حضرت حسنؓ نے فرمایا: ابو عامر! ایسا نہ کہو، میں نے مسلمانوں کو ذلیل نہیں کیا صرف اس کو ناپسند کیا ہے کہ میری حکومت کی خاطر ان کا خون بہے[4]۔"

جب حضرت معاویہؓ کی حکومت قائم ہوگئی اسی سال حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے بھائی حضرت حسینؓ بن علیؓ اور اہل خاندان کے ساتھ مدینہ منورہ (عَلَى ساكِنِهَا أَفْضَلُ الصَّلاةِ وَالسَّلام)

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ ص ۱۶

[2] ایضاً

[3] البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ ص ۱۸

[4] ایضاً ص ۱۹

واپس آگئے، حضرت حسنؓ جب بھی ان محلوں کی طرف سے گزرتے جو ان کے ہمنوا اور ان کے گروہ کے تھے، وہ ان پر ملامت آمیز فقرے کستے کہ آپ کیوں حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے، وہ ایک عالی ظرف، کریم النفس اور ہر دل عزیز ہستی کے مالک تھے، اور انھوں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا، اپنے دل میں کسی کے لئے کینہ نہیں رکھتے تھے، اور نہ ملامت کا جواب دیتے اور نہ اپنے عمل پر نادم تھے، بلکہ وہ اس سے خوش تھے اگرچہ یہ بات ہزاروں کو بری لگی تھی، جس میں خود ان کے خاندان کے بعض افراد بھی تھے، اور ان کے جاں نثار و محب بھی، یہ ملامت کا سلسلہ عرصہ کے بعد پھر شروع ہوا، اور آج تک بہت سے دلوں اور دماغوں میں یہ کھٹک ہے، لیکن حق یہ ہے کہ ان کا یہ طرز قابل قدر اور جن کو ان حالات کا سامنا کرنا پڑے ان کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے، وہ تعریف کے مستحق تھے اور ہیں کہ امت کے افراد کو خونریزی سے بچا لیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی کی تھی، اور ان کی مدح میں فرمایا تھا[1]۔

آپ کی محبت کا دم بھرنے والے کہا کرتے تھے "یا عار المؤمنین" (اے اہل ایمان کے لئے باعث ننگ و عار) اس کے جواب میں فرماتے: "العارُ خیرٌ مِنَ النّارِ[2]" (عار نار سے بہتر ہے) یعنی یہ طعن و ملامت جہنم کی آگ سے بہتر ہے، جس کا مسلمانوں کی خونریزی سے خطرہ تھا۔ ابوداود الطیالسی زہیر بن نفیر الحضرمی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے حسنؓ بن علیؓ سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خلافت چاہتے ہیں؟ فرمایا: "عربوں کی کھوپڑیاں میرے ہاتھ میں تھیں جس سے میں صلح کرتا وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا وہ جنگ کرتے، مگر میں نے اس کو (حکومت کو) اللہ کی رضا جوئی کے لئے چھوڑ دیا، کیا اب میں پھر حجاز کے اطراف میں اس آگ کو بھڑکاؤں گا[3]؟" اور ایک بار فرمایا: "مجھے خوف تھا کہ قیامت کے روز میرے سامنے ستر ہزار یا اسی ہزار یا اس سے زیادہ یا کم لائے جائیں اور ان سب کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو، اور جن کا خون بہا، وہ اللہ تعالے سے میرے خلاف شکوہ کریں[4]۔"

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ ص ۱۹

[2] ایضاً ص ۴۱

[3] ایضاً ص ۴۲

[4] ایضاً

شہادت کا واقعہ: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا، جو ان کی وفات کا باعث ہوا، عمیر بن اسحاق کہتے ہیں، میں اور قریش کے ایک آدمی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو انھوں نے بتایا کہ مجھے بار بار زہر دیا گیا اور ہر مرتبہ پہلی بار سے زیادہ تیز اور سخت قسم کا زہر دیا گیا، اس وقت آپ پر نزع کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور سرہانے بیٹھ گئے اور کہنے لگے بھائی صاحب! کون ہے آپ کو زہر دینے والا؟ فرمایا کیا تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو؟ کہا: ہاں، فرمایا اگر مجھے زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کو سمجھ رہا ہوں تو اللہ زیادہ سخت انتقام لینے والا ہے، اور ایک روایت میں ہے "وَاللهُ أَشَدُّ بَاسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيْلًا" (اللہ زیادہ قوت والا اور زیادہ عبرتناک عذاب دینے والا ہے) اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ تم کسی بے قصور کو (شبہ میں) قتل کرو۔[1] آپ کے جنازہ میں اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ کثرت ازدحام سے "بقیع" میں جگہ نہ تھی، الواقدی نے ثعلبہ بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں اس روز موجود تھا، جس روز حضرت حسنؓ بن علیؓ کی وفات ہوئی اور بقیع میں تدفین ہوئی، میں نے بقیع میں اتنا مجمع دیکھا کہ اگر سوئی ڈالی جاتی تو زمین پر نہیں کسی کے سر پر گرتی[2]۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی جس وقت وفات ہوئی ان کی عمر صحیح روایتوں کے بموجب ۴۷ سال تھی۔[3]

حضرت حسنؓ اپنے والد ماجد کی جگہ پر رمضان ۴۰ھ میں والی ہوئے، حضرت معاویہؓ سے ربیع الاول ۴۱ھ میں صلح کی، معاویہؓ سے صلح کے سال کو "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے، آپ کی خلافت چھ ماہ رہی جس سے خلافت کے تیس سال پورے ہوئے[4]۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ص ۴۲

[2] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ۔ج ۱ص ۲۳۱

[3] البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ص ۴۴

[4] الجوہرۃ ص ۲۰۴

حضرت حسنؓ کا صحیح موقف: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہؓ سے صلح اور ان کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا جو فیصلہ فرمایا وہ برمحل اور بروقت تھا، جس طرح کہ حضرت حسینؓ نے یزید بن معاویہؓ کے معاملہ میں جو موقف اختیار کیا (جس کا تذکرہ آگے آئے گا) وہ بھی اپنی جگہ اور اپنے وقت پر بالکل حق بجانب تھا، کیونکہ حالات، ماحول، زمان ومکان جن میں حوادث پیش آتے ہیں، وہ اپنے اندر ایک خاص ڈگری کی گرمی یا سردی رکھتے ہیں، اور حالات وماحول اور وقت کی نزاکت اور حالات کی شدت کو دیکھ کر انسان کسی فیصلہ پر پہونچتا ہے، اور وقت کے تقاضے کو پورا کرتا ہے، ہر جگہ اور ہر حالت میں ایک ہی عمل روا نہیں رکھا جاسکتا، حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند یزید کے درمیان سیرت و اخلاق، رسول اللہ ﷺ کا زمانہ دیکھنے، صحبت اٹھانے اور اسلام میں ان کی خدمات کو سامنے رکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ حضرت معاویہؓ سے جنگ جاری رہنے کا نتیجہ صرف مسلمانوں کے درمیان خون ریزی اور غیر مختتم جنگ ہوتا، اسلامی معاشرہ جو اس وقت تک اندرونی انتشار اور بیرونی خطروں سے دو چار تھا، کشیدگی اور کشمکش کا شکار رہتا، اور ہر وقت امکان تھا کہ بغاوت، پھر بدعہدی اور دھوکہ بازی کی صورت پیش آئے، حضرت حسنؓ دوسروں کی بہ نسبت عراقی فوجوں کی نفسیات سے زیادہ واقف تھے، جن کو ان کی اور ان کے والد ماجد کی حمایت کرنے کا دعوی تھا، ایک سے زیادہ بار یہ فوج ان کے عظیم المرتبت والد ماجد کا عین وقت پر ساتھ چھوڑ چکی تھی، اور مستقل مزاجی اور پامردی سے جنگ کے بجائے فرار وفریب کا راستہ اختیار کر چکی تھی، حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ان لوگوں کے ہاتھ جو جھیلا اور جس طرح یہ لوگ نافرمانی، خودرائی اور نفس پرستی کی راہ پر لگے رہے (جن کے اثرات حضرت علیؓ کے خطبوں، مکاتیب اور طنز وعتاب میں صاف طور پر ملتے ہیں) حضرت حسنؓ کے سامنے کل کی بات اور عینی مشاہدہ تھا۔

(ماخوذ از: "المرتضی")

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

سیّدنا اِمام حُسینؓ بن علی رضی اللہ عنہما

م ۶۱ ھ

حضرت حسینؓ بن علیؓ پانچویں شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے شہد چٹایا اور ان کے دہن پاک کو اپنی زبان بابرکت سے تر کیا، ان کو دعائیں دیں، اور حسینؓ نام رکھا، اور جیسا کہ پہلے گزر چکا، حضرت حسنؓ کا چہرۂ مبارک رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور سے مشابہ تھا، اور حضرت حسینؓ کا جسم پاک رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کے مشابہ تھا، وفات نبوی کے وقت (جو ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی) حضرت حسینؓ کی عمر ساڑھے چھ سال کی تھی۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حسنؓ و حسینؓ دونوں آپ ﷺ کے صدر مبارک پر چڑھے کھیل رہے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ان دونوں سے اس درجہ محبت کرتے ہیں؟ فرمایا: ''کیوں نہیں، یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں[1]''، اور حارث حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حسنؓ و حسینؓ جوانان جنت کے سردار ہیں[2]۔''

---

[1] رواہ الطبرانی فی المعجم

[2] ایضاً

یزید بن ابی زیاد کی روایتوں میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حسینؓ کے رونے کی آواز سنی تو ان کی والدہ سے کہا: "کیا تم کو معلوم نہیں کہ ان کا رونا مجھے اندوہگیں کرتا ہے[1]"۔

حضرت حسینؓ نے اس جنگ میں بھی شرکت فرمائی تھی جس نے ۵۱ ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، اس حملہ میں یزید بن معاویہ بھی تھے[2]، حضرت حسین رضی اللہ عنہ بہت عبادت گزار تھے، نماز، روزہ، اور حج کا بہت اہتمام فرماتے تھے، آپ نے بیس حج پا پیادہ کئے تھے[3]، حضرت حسین بن علیؓ انتہائی متواضع تھے، ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے، غرباء کی ایک جماعت نظر آئی جو زمین میں بیٹھی روٹی کے ٹکڑے کھا رہی تھی، آپ نے ان کو سلام کیا، ان لوگوں نے کہا: "هَلُمَّ يَا ابْنَ رَسُوْلِ الله" (فرزند رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمائیے!)۔ آپ گھوڑے سے اتر کر ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور کھانے میں شریک ہوئے، آپ نے اس موقع پر یہ آیت پڑھی: "إِنَّهُ لا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ[4]" یعنی اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب ان لوگوں کی روٹی کے ٹکڑوں پر شرکت فرما چکے اور فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: بھائیو! آپ نے مجھے دعوت دی میں نے قبول کیا، اب آپ سب میری دعوت قبول کیجئے، ان لوگوں نے بھی دعوت قبول کی، اور آپ کے مکان پر آئے، جب سب آکر بیٹھے تو آپ نے فرمایا، رباب! لانا جو بھی بچا ہوا محفوظ رکھا ہے[5]۔

حضرت ابن عیینہ نے کہا کہ عبداللہ بن ابی زید سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے حسین بن علیؓ کو اس وقت دیکھا جب آپ کے سر اور ریش مبارک کے بال سیاہ تھے سوائے چند بالوں کے جو

---

1 الطبرانی

2 لبدایۃ والنہایۃ۔ج۸ص ۱۵۱، بعض مؤرخین نے، جن میں امام بخاری کے استاد الحافظ الخلیفہ ابن خیاط بھی ہیں، حضرت حسینؓ کا جنگ میں شریک ہونے والوں میں ذکر نہیں کیا ہے

3 الجوہرۃ ج ۲ص ۲۱۳

4 سورۃ النحل ۲۳

5 الجوہرۃ ۲ص ۲۱۳-۲۱۴

ریش مبارک کے اوپری حصہ میں سفید تھے، عمر بن عطا نے کہا: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو میں نے وسمہ (ایک طرح کے خضاب) سے بال رنگتے ہوئے دیکھا ہے، ان کے سر اور ریش کے بال بالکل سیاہ تھے[1]۔

یزید بن معاویہؓ کی ولایت: حضرت معاویہؓ نے اپنے بعد حضرت حسنؓ کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، ان کے بعض عمال نے یزید کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی اس میں ان کو تردد تھا، مگر جب حضرت حسنؓ کی وفات ہو گئی تو یزید کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ کی توقعات اور ولیعہدی کے امکانات روشن ہوگئے، پدرانہ محبت و تعلق کی بنا پر معاویہؓ سے ایسا ہونا غیر طبعی اور غیر فطری بھی نہ تھا، انھوں نے عبد اللہؓ بن عمرؓ سے اثنائے گفتگو کہا کہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ رعیت کو اپنے بعد بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح چھوڑدوں جو بارش میں بھیگ رہی ہو، اور اس کا کوئی راعی نہ ہو[2]، یزید کی بیعت جس روز لی گئی اس کی عمر چونتیس سال تھی[3]۔

حضرت معاویہؓ نے یزید کی بیعت کے لئے لوگوں کو ۴۹ھ میں بلایا، مسلمانوں نے اس کو عام طور پر ناپسند کیا، اور سخت اختلاف کا اظہار کیا، کیونکہ لوگوں کو یزید کے مشاغل، شکار و تفریح سے شغف کا علم تھا، لوگوں نے یزید سے کہا کہ وہ اس کے لئے آگے نہ بڑھیں کیونکہ اس سے اجتناب و احتیاط اس کے لئے سعی و کوشش کرنے سے بہتر ہے۔ یزید اس عام تاثر کو معلوم کرکے اس ارادہ اور اس کے لئے سعی کرنے سے باز رہے، اور اپنے والد سے گفت و شنید کی اور دونوں اس کے ترک کرنے پر متفق ہوگئے[4]۔

جب ۵۶ھ شروع ہوا تو معاویہؓ نے یزید کے لئے بیعت لینے کا انتظام شروع کیا، اور لوگوں کو اس امر کی دعوت دی اور تمام ممالک میں اس کی اطلاع بھیج دی، سبھوں نے تمام ممالک میں بیعت

---

[1] سیر اعلام النبلاء از ذہبی ج۳ ص ۲۸۱

[2] البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص ۸۰

[3] ایضاً ص ۱۴۶

[4] ایضاً ص ۸۰

کرلی، سوائے حضرات عبداللہ بن عمرؓ، حسین بن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور عبداللہ بن عباسؓ کے، حضرت معاویہؓ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آئے، جب (مکہ مکرمہ سے واپسی میں) مدینہ طیبہ سے گزرے تو ایک تقریر کی یہ لوگ منبر کے پاس موجود تھے، لوگوں نے یزید کی بیعت کرلی، اور یہ حضرات بیٹھے رہے نہ موافقت کی نہ مخالفت کی کیونکہ اس سلسلہ میں خاصا ڈرایا دھمکایا گیا تھا، پس یزید کی بیعت سارے ملکوں میں تسلیم کرلی گئ، اور تمام ملکوں سے یزید کے پاس وفود آنے لگے[1]۔

یزید کا طرز زندگی اور اس کی اخلاقی حالت: طبرانی نے بیان کیا ہے کہ "یزید اپنی نوجوانی میں پینے پلانے والا آدمی تھا، اور نوعمروں کی راہ پر چلتا تھا[2]۔" ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "یزید میں اچھی عادتیں بھی تھیں، سخاوت، مروت، فصاحت بیانی، شعر گوئی، بہادری، ملکی معاملات میں صحیح رائے دینا اور صورت شکل بھی اچھی تھی، ملنے جلنے میں خوش اخلاق تھا، اس کے ساتھ ساتھ آزادی اور تعیش کیطرف بھی میلان تھا، بعض اوقات نمازیں چھوڑدیتا تھا، اور اکثر اوقات بالکل غائب کر دیتا[3]" سب سے زیادہ جو بات قابل اعتراض اور لوگوں کی ناراضگی کا سبب تھی، وہ شراب نوشی کی شہرت، غیر اخلاقی طرز عمل اور خلاف شرع وضع حرکات تھیں[4]، اس پر الحاد و زندقہ کا الزام نہیں تھا، البتہ اس کے بعض اخلاق و اعمال فاسقانہ تھے[5]، کہا گیاہے کہ یزید کی ناچ گانے، شراب نوشی، راگ ورنگ اور شکار میں عام شہرت تھی، نابالغ لڑکے اور گانے والیاں اور کتے اپنے پاس رکھتا تھا، بینڈھے، بندر اور بھالو کو آپس میں لڑانے اور اس کا تماشہ دیکھنے کا شوقین تھا[6]، ۲۵ھ یا ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں پیدا ہوا، ان کے زمانہ میں اس

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص ۸۰

[2] ایضاً ص ۲۲۸

[3] ایضاً ص ۲۳۰

[4] ایضاً ص ۲۳۲

[5] ایضاً

[6] البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص ۲۳۵

کے ہاتھ پر اس خیال سے بیعت کرائی گئی کہ وہ ان کے بعد خلیفہ ہوگا اور ان کے انتقال کے بعد رجب ۶۰ ھ میں اپنی بیعت کی تجدید کرائی[1]۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''مجھے معلوم ہے رب کعبہ کی قسم کہ عرب کب ہلاک ہوں گے؟، جب ان کی قیادت وہ شخص کرے گا جس نے جاہلیت کا زمانہ نہیں دیکھا، اور اسلام میں بھی اس کو رسوخ اور خصوصیت حاصل نہیں ہے[2]۔''

یزید کی ولایت اور جیسا کہ اس کے طرز زندگی اور اخلاق کا ذکر کیا گیا، ایک ایسا واقعہ تھا جو اس عہد میں (جو خلافت راشدہ سے متصلاً بعد آیا) برداشت کے لائق نہیں تھا، اس وقت عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین زندہ تھے، ان میں ایسے حضرات بھی تھے، جو خلافت اور مسلمانوں کی سربراہی اور قیادت کے بدرجہا زیادہ مستحق تھے، اور ان مقاصد کو پورا کرنے کی بہتر صلاحیت رکھتے تھے جو اسلام لے کر آیا تھا، اور جن پر قرآن شاہد ہے اور جو قیام خلافت کی غرض اولین ہیں لہذا یہ قدرتی بات تھی کہ لوگوں کو بشدت اس فرق اور عدم تناسب کا احساس ہوا، اگر خاصے عرصہ کے بعد یہ شکل پیش آئی ہوتی تو اس شدت کے ساتھ اس کا احساس نہ ہوتا اور یہ نفسیاتی رد عمل پیش نہ آتا، جیسا کہ بعد کے واقعات نے (جو خلافت اموی و عباسی میں پیش آئے) ثابت کر دیا۔

حادثۂ کربلا: اگر اس دل فگار حادثہ کو چھوڑ دینے کی گنجائش ہوتی جو ہر صاحب ایمان اور صاحب ضمیر انسان کا سر شرم سے جھکا دینے اور ندامت سے اس کی پیشانی عرق آلود کر دینے کے لئے کافی ہے تو ہم اس کا سرے سے ذکر ہی نہ کرتے لیکن تاریخ جو حوادث و واقعات کے ساتھ قدم ملا کر چلتی ہے اور وہ ہر نوع اور ہر درجہ کے حوادث ہوتے ہیں (خواہ ان کا دل و دماغ پر کیسا ہی اثر ہو) ان کا مؤرخ و راوی اپنی

---

[1] ایضاً ص ۲۲۶، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ کا انتقال دمشق میں رجب ۶۰ ھ میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۷۸ سال کی تھی، اور بیان کیا جاتا ہے کہ ۸۰ سے متجاوز تھی، دیکھئے البدایۃ و النہایۃ۔ ج ۸ ص ۱۴۳

[2] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳۲

خواہش، عقیدہ اور ضمیر کے علی الرغم اور دل پر پتھر رکھ کر بھی ان ناشدنی واقعات کے ذکر کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر تاریخ نامکمل رہتی ہے اور حالات وواقعات کا جائزہ مکمل طور پر نہیں لیا جا سکتا، اور ان سے صحیح نتائج نہیں نکالے جاسکتے، قلب وضمیر اور ان صاحبِ غیرت وایمان قارئین سے معذرت کرتے ہوئے (جو اہل بیت رسول اللہ ﷺ اور خاندان نبوت کے مقام وحقوق سے واقف ہیں) اس حادثہ کو قلم بند کیا جارہاہے۔

حضرت حسینؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی، اور انکار بیعت پر مصر رہے، وہ اپنے جد امجد علیہ الصلاۃ والسلام کے شہر میں مقیم تھے، لیکن حکومت یزید کے کارندے، اس کے عمّال نے ان کے انکار بیعت کو وہ اہمیت دی جو حضرات عبد اللہ بن عمرؓ ـــــ عبد اللہ بن زبیرؓ وغیرہ کے انکار کو اہمیت نہیں دی تھی، کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کے مقام اور رسول اللہ ﷺ سے ان کا جو رشتہ اور نسبت تھی اس کی اہمیت وعظمت اور اس کے دوررس اثرات سے واقف تھے، اور چونکہ ان کے عظیم المرتبت والد کی تاریخ سے یہ بات مربوط تھی، اور حضرت معاویہؓ کی حکومت میں جو واقعات پیش آئے تھے، وہ بھی ان کارندوں کے علم میں تھے، مگر ان کی کوششوں کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جھکنا یا نرم پڑنا قبول نہیں فرمایا، انھوں نے جو موقف اختیار فرمایا تھا وہ پوری بصیرت اور عزم وارادہ کے ساتھ اختیار کیا تھا، اس سے وہ سرِ مو منحرف نہیں ہوئے۔

حضرت حسینؓ کو اہل عراق کی دعوت اور حضرت مسلم بن عقیلؓ کو ان کے پاس بھیجنا: جب یزید اور اس کے عمال کی طرف سے بیعت طلب کرنے میں سختی ہوئی تو حضرت حسینؓ مکہ میں آکر پناہ گزیں ہوئے اور ان کے پاس کثرت سے ملک عراق سے خطوط آئے جن میں ان کو دعوت دی گئی کہ عراق آجائیں، اہل عراق نے حضرت حسینؓ کو ڈیڑھ سو کے قریب خطوط لکھے، جن میں انھوں نے لکھا تھا کہ آپ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی ہیں ان خطوط میں ان سے جلد آنے کا مطالبہ کیا گیا تھا، عراقی ہر خط میں اصرار کرتے اور ان کو بلاتے کہ وہ آکر یزید بن معاویہؓ کی جگہ بیعت لیں، اس وقت حضرت

حسینؓ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ بن ابی طالب کو عراق بھیجا کہ حقیقت حال کا پتہ چلائیں، عراقیوں کو بھی اس سلسلہ میں ایک خط لکھا۔

حضرت مسلم کوفہ آئے کوفیوں نے ان کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا، اور حضرت حسینؓ کی امارت پر بیعت کی، اور قسم کھائی کہ وہ اپنے جان ومال سے مدد کریں گے، ان کی بیعت پر بارہ ہزار اور پھر بڑھ کر اٹھارہ ہزار جمع ہوگئے تو حضرت مسلم نے حسینؓ کو لکھا کہ وہ تشریف لے آئیں ان کے لئے تمام معاملات اور بیعت کی راہ ہموار ہے، حضرت حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کا قصد کیا، اور یزید نے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو معزول کردیا کہ اس کا موقف حسینؓ کے بارے میں کمزور تھا، اور اس جگہ پر عبیداللہ بن زیاد بن سمیہ کو مقرر کیا اور بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری بھی ملادی[1]۔

اہل کوفہ کا حضرت مسلم کو بے یارومددگار چھوڑ دینا: حضرت مسلم بن عقیل سوار ہوئے اور اپنا شعار جو "یا منصور امت" تھا کا آوازہ بلند کیا، چنانچہ چار ہزار کوفی جمع ہوئے، عبیداللہ بن زیاد اپنے انصار واعوان کے ساتھ قصر میں داخل ہوا، اور دروازے بند کرلئے جب حضرت مسلمؓ اپنی فوج کے ساتھ قصر کے دروازہ پر پہونچے تو امرائے قبائل نے (جو عبیداللہ کے ساتھ قصر میں تھے) اپنے قبائلی قوم کے لوگوں کو (جو مسلمؓ کے ساتھ تھے) اشارہ کیا کہ مسلم کو چھوڑ کر چلے جائیں اور ان کو دھمکیاں دیں اور ڈرایا، بعض حکام کو عبیداللہ نے نکالا کہ کوفہ میں گشت کریں اور لوگوں کو مسلم بن عقیلؓ سے علیحدہ ہونے پر مائل کریں، لوگوں نے یہی کیا، عورتیں آ کر اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے کہنے لگیں کہ گھر چلو، اور مرد آکر اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے کہتے کہ نکل بھاگو، ورنہ کل شام کی فوج آپہونچے گی تو پھر کیا کروگے، لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑا اور تتر بتر ہو گئے، اور مسلم بن عقیلؓ سے پھر گئے، یہاں تک کہ ان کے پاس صرف پانچسو آدمی رہ گئے، پھر اور کم ہوئے یہاں تک کہ تین سو رہ گئے، پھر اور گئے یہاں تک کہ صرف تیس رہ گئے، انھوں نے مغرب کی نماز پڑھائی اور کندہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ج ۸ ص ۱۵۲

کے دروازوں کی طرف بڑھے یہاں ان کے ساتھ صرف دس آدمی تھے، پھر وہ لوگ بھی پھر گئے، اور وہ تنہارہ گئے، یہاں تک کہ کوئی راستہ بتانے والا بھی نہیں تھا، یا جو ان سے موانست کرتا، یا اپنے گھر میں پناہ دیتا، وہ جیسا سمجھ میں آیا ایک طرف چل پڑے تاریکی پھیل گئی تھی، وہ تن تنہا پھر رہے تھے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائیں [1]۔

اہل کوفہ نے حضرت مسلمؓ کا جس طرح ساتھ چھوڑا، یہ حکایت بہت طویل اور درد ناک ہے، اور اس میں اس بات کے واضح دلائل ہیں کہ مادی قوت اور جاہ و منصب سے مرعوبیت اور طمع، انسان کی پرانی کمزوری ہے، خواہ اس کے مقابلہ میں اصول، قدریں اور نمونے جس قدر بھی بلند ہوں [2]، بہر حال انجام یہ ہوا کہ حضرت مسلم بن عقیل ایک گھر میں پناہ گزیں ہوئے، اس گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا، اور ان پر لوگ حملہ آور ہوئے، یہ بھی تلوار سونت کر کھڑے ہوئے، انھوں نے ان کو گھر سے تین مرتبہ نکالا، ادھر سے ان لوگوں نے پتھر پھینکنا شروع کئے اور پھر بانسوں کے ڈھیر میں آگ لگا دی، جس سے ان کا دم گھٹنے لگا، مجبور ہو کر وہ تلوار لے کر نکلے اور ان سے دست بدست جنگ کی، عبدالرحمن نے جن کے گھر میں وہ تھے، امان دیا، انھوں نے اپنے کو اس کے حوالے کردیا، مگر اس نے دشمنوں کے سپرد کر دیا، اور وہ لوگ ان کو ایک خچر پر سوار کر کے لے گئے، تلوار بھی چھین لی، اب ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تھا، اس وقت وہ رو پڑے اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے جائیں گے۔

---

1 البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۵۴-۱۵۵

2 یہ بات پیش نظر رہے کہ عراق کی اس مسلم آبادی میں جس سے مسلمؓ اور حضرت حسینؓ کا سابقہ پڑا، بڑی تعداد جدید الاسلام لوگوں، آزاد کردہ غلاموں (موالی) اور مشرقی عرب کے قبائل کے ان افراد کی تھی جن پر پورے طور پر اسلامی رنگ نہیں چڑھا تھا، نیز طویل مدّت تک مطلق العنان اور عیش پسند ساسانی سلطنت کے زیر سایہ رہنے سے عراق کی آبادی میں طاقت و دولت پرستی ابن الوقتی اور موقعہ پرستی کی صفات قومی و انفرادی کردار کے طور پر پیدا ہو گئی تھیں، ان خصوصیات کا ظہور اس وقت پورے طور پر ہوا، جب ایک طرف عقیدہ و اصول و اخلاق تھے دوسری طرف دولت، جاہ و منصب اور وقتی منافع۔

حضرت مسلمؓ کا پیغام حضرت حسینؓ کے نام اور لوگوں کی نصیحت ومشورہ: اسی دن یا اس سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ مکہ سے نکل چکے تھے، حضرت مسلمؓ نے محمد بن اشعثؓ سے کہا کہ اگر تم سے ہو سکے تو میری زبانی حسینؓ کو یہ پیغام بھیج دو کہ وہ واپس جائیں، محمد بن اشعثؓ نے حضرت حسینؓ کو کہلایا کہ واپس جائیں، لیکن انھوں نے اس پیغام رساں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا جو بھی اللہ نے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

حضرت مسلمؓ کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا اور ان کے اور ابن زیاد کے درمیان سخت باتیں ہوئیں، حضرت مسلمؓ ابن عقیل کو زیاد کے حکم سے محل کی چوٹی پر چڑھایا گیا، اور وہ تکبیر و تہلیل، تسبیح واستغفار اور اللہ کے ملائکہ پر صلوۃ وسلام پڑھتے رہے کہ اتنے میں ایک شخص جس کا نام بکیر بن عمران تھا، اس نے ان کی گردن ماردی اور ان کا سر قصر کے نیچے پھینک دیا، پھر جسم بھی گرادیا[1]۔

حضرت مسلمؓ بن عقیل نے محمد بن الاشعث سے خواہش کی تھی کہ ایک آدمی سیدنا حسینؓ کے پاس بھیج دیں جو ان کی جانب سے یہ پیغام دے کہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ واپس جائیے، اہل کوفہ کے دھوکہ میں نہ آئیے، کیونکہ یہ آپ کے والد ماجد کے وہی ساتھی ہیں جن سے وہ اپنی موت یا شہادت کے ذریعہ جدائی چاہتے تھے، اور یہ کہ اہل کوفہ نے آپ سے بھی دروغ بیانی کی، اور مجھ سے بھی، اور جھوٹے کی کوئی رائے نہیں ہوتی ہے، وہ پیغام رساں حضرت حسینؓ سے مقام زبالہ میں ملا جہاں سے کوفہ کی مسافت چار راتوں کی تھی، اس نے خبر دی، پیغام پہنچایا، تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا، اللہ ہم کو ہمارے اقدام اور عزم کا اور حکام کی خرابی پر صبر کا اجر عطا فرمائے[2]۔

جب لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت حسینؓ کوفہ پہنچنے پر مصر ہیں تو ان کو ان کے بارے میں اندیشہ ہوا، اور ان سے اس سے باز رہنے کی درخواست کی، بعض صاحبِ رائے اور محبت رکھنے والے اشخاص نے بھی عراق جانے سے منع کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا کہ اہل عراق دھوکہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ-ج۷ ص۱۵۶-۱۵۷

[2] ایضاًص۱۵۹

باز لوگ ہیں، ان سے دھوکہ نہ کھائیے، اسی شہر میں رہیے تاآں کہ اہل عراق اپنے دشمن کو نکال دیں، پھر وہاں جائیے، حضرت حسینؓ نے کہا: اے ابن عم! میں اچھی طرح جانتاہوں کہ آپ خیر خواہ اور شفیق عزیز ہیں، لیکن اب تو میں نکلنے کا قصد کرچکاہوں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اگر آپ جانا ہی طے کر چکے ہیں تو بچوں اور عورتوں کو لے کر نہ جائیے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ کو کہیں اسی طرح شہید نہ کیاجائے جیسے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا ان کی عورتوں اور بچوں کے سامنے[1]۔

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی روکا، مگر حضرت حسینؓ نے واپس جانے سے انکار کیا، اس پر ابن عمرؓ نے گلے لگایا اور رو دیے اور کہا میں اللہ کے سپرد کرتاہوں ایک شہید کو، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی روکا تو حضرت حسینؓ نے کہا کہ میرے پاس چالیس ہزار آدمیوں کی اطلاع آئی ہے کہ انھوں نے طلاق وعتاق کی قسم کھائی ہے کہ وہ میرے ساتھ ہیں[2] (طلاق کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ اگر انھوں نے غلط بیانی کی تو ان کی بیویوں کو طلاق، اور عتاق کا مطلب یہ ہے کہ اگر قسم کی خلاف ورزی کی تو ان کے سب غلام آزاد۔)

حضرت ابوسعید الخدریؓ، جابر بن عبداللہؓ اور سعید بن المسیبؒ جیسے جلیل القدر حضرات نے بھی ان کو روکا، لیکن وہ سفر پر مصر رہے[3]، راستہ میں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی، اس سے صورت حال دریافت کی، اس نے کہا اے فرزند رسول اللہ ﷺ ان کے (اہل کوفہ) دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں آپ کے خلاف اور مدد آسمان سے آتی ہے[4]۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ اور کربلا میں: حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف اپنے خانوادہ کے افراد اور ساٹھ لوگوں کی معیت میں جو کوفہ کے رہنے والے تھے، کوفہ کی طرف

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج۸ ص ۱۶۰

[2] ایضاً ص ۱۶۱

[3] ایضاً ۱۶۰-۱۶۲

[4] ایضاً ص ۱۶۷

اپنا سفر جاری رکھا، ان کو کچھ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہاں کیا پیش آیا؟ راستہ میں ان کو حضرت مسلمؓ کی شہادت جس طرح پیش آئی اس کی خبر ملی، وہ بار بار "انّاللہ وانّاالیہ راجعون" پڑھتے رہے، لوگوں نے کہا کہ اب اللہ ہی آپ کا محافظ ہے، فرمایا: ان کے بعد اب زندگی میں لذت بھی نہیں ہے، جب حاجر پر پہونچے تو فرمایا کہ ہمارے گروہ والوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے، اب لوگوں میں سے جو شخص واپس جانا چاہے جا سکتا ہے، اس پر کوئی اعتراض یا دارو گیر نہیں ہوگی، چنانچہ لوگ ان کے ارد گرد سے ہٹنا شروع ہوئے، یہ وہ اعراب تھے جو دائیں بائیں سے راستہ میں آ کر مل گئے تھے، اور آپ کے ساتھ وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ساتھ تھے[1]۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے اٹھائے اور ان کو کھول کر پھیلا دیا، کچھ حصے پڑھ کر سنائے حر نے کہا: ہم وہ لوگ نہیں ہیں جنھوں نے آپ کو ان خطوط میں سے کوئی بھی خط لکھا ہو، حر وہاں سے ٹل گئے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلنے لگے، کوفہ کے چند افراد حضرت حسینؓ کے پاس آئے، ان سے آپ نے دریافت کیا کہ تمھاری پارٹی کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس پر مجمع بن عبد اللہ العامری نے کہا: سربرآوردہ قسم کے لوگ سب آپ کے خلاف جتھہ بنائے ہوئے ہیں کیونکہ ان کو بڑی بڑی رشوتیں مل چکی ہیں، اور ان کی خواہشات پوری کی گئی ہیں، وہ سب کے سب آپ کے خلاف بر سر پیکار ہیں، رہے عوام تو ان کے دل آپ کی جانب مائل ہیں، مگر ان کی تلواریں کل آپ ہی کے خلاف اٹھیں گی[2]۔

عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو بھیجا تو حضرت حسینؓ نے فرمایا: عمر! تین باتوں میں سے میرے لئے ایک بات مان لو، یا تو مجھے چھوڑ دو جیسے آیا ہوں واپس جاؤں، اگر اس سے انکار کرتے ہو تو مجھے یزید کے پاس لے چلو، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دوں، وہ جو پسند کرے فیصلہ کرے، اور اگر یہ بھی ناپسند ہو تو ترکوں کی طرف جانے دو تاکہ میں ان سے جہاد میں اپنی جان دوں، اس نے یہ پیغام ابن

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ج۸ص ۱۶۹

[2] البدایۃ ولنہایۃ ج۸ص ۱۷۳ (مختصراً)

زیاد تک پہونچایا، اور اس نے چاہا کہ یزید کی طرف بھجوادیں، مگر شمر ذی الجوشن نے کہا کہ نہیں ان کو (حضرت حسینؓ کو) آپ کا حکم ماننا چاہیے، یہ بات حضرت حسینؓ تک پہنچائی گئی، آپ نے فرمایا نہیں یہ نہیں کروں گا، عمر بن سعد نے آپ سے جنگ میں سستی کی، ابن زیاد نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا کہ اگر عمر آگے بڑھیں تو جنگ میں شریک ہو، ورنہ اس کو قتل کر دے اور اس کی جگہ لے لے، میں نے تجھ کو والی بنایا، عمر کے ساتھ تقریبا بیس آدمی اہل کوفہ کے بڑے آدمیوں میں سے تھے، انھوں نے کہا کہ نواسہ رسول ﷺ تین باتیں پیش کررہے ہیں، تم اس میں سے کچھ بھی قبول نہیں کرتے؟ یہ سب لوگ حضرت حسینؓ کی جماعت میں آگئے اور ان کی معیت میں جنگ کی [1]۔

کربلا میں: ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی سے روک دیا جائے [2]، حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی سب تلواریں حمائل کئے ہوئے تھے، حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ پانی لیں اپنے گھوڑوں کو پلائیں، اور دشمنوں کے گھوڑوں کو بھی، حضرت حسینؓ نے ظہر کی نماز ادا کی۔

عمر بن سعد نے شمر ذی الجوشن کو پیدل فوجوں میں رکھا اور وہ لوگ حضرت حسینؓ اور اصحاب حسینؓ کی طرف جمعرات کے دن نویں محرم کی شام کو پہونچے، اور پیدل و سوار دونوں نے گھیراؤ کرلیا، اس موقع پر حضرت حسینؓ نے اس رات اپنے اہل خاندان کو وصیت کی اور اپنے ساتھیوں کے سامنے تقریر کی، اور ان کو اختیار دیا کہ جہاں چاہیں چلے جائیں، اور فرمایا کہ دشمنوں کا ہدف تنہا میں ہوں، ان کے بھائیوں کے صاحبزادوں نے کہا، آپ کے بعد ہماری زندگی بیکار ہے، اللہ ہم کو آپ کے سلسلہ میں وہ نہ دکھائے جسے ہم پسند نہیں کرتے، حضرت عقیل بن ابی طالب کے صاحبزادوں نے کہا کہ

---

1 ایضاً ص ۱۷۰

2 ایضاً ص ۱۷۵ و ۱۸۷ بہت سے مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء سے پانی نہیں روکا گیا آگے کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء نے آزادی سے پانی استعمال کیا، اور حریف لشکر کے لئے بھی اس کی اجازت دی۔

ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہمارے اہل وعیال سب آپ پر فدا، جو انجام آپ کا ہوگا وہ ہمارا ہوگا اور آپ کے بعد زندہ رہنے پر تف ہے[1]۔

جمعہ کے دن صبح کی نماز حضرت حسینؓ نے ادا کی (بعض روایتوں میں ہے کہ سنیچر کا دن تھا) اور یہ عاشورہ کا دن تھا، آپ کے ساتھیوں میں بتیس سوار اور چالیس پیادہ تھے، حضرت حسینؓ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن کریم اپنے سامنے رکھا، اور آپ کے صاحبزادے حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدین) جو بیمار اور کمزور تھے، وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہوئے، حضرت حسینؓ لوگوں کو یاد دلانے لگے کہ وہ کون ہیں، کس کے نواسے اور بیٹے ہیں، اور ان کی کیا حیثیت اور مقام ہے؟ وہ فرماتے تھے کہ لوگو! اپنے دلوں کو ٹٹولو اور اپنے ضمیر سے پوچھو، کیا مجھ جیسے شخص سے جنگ کرنا، جبکہ میں تمہارے نبی ﷺ کا نواسہ ہوں درست ہے[2]؟ حر بن یزید الریاحی آپ سے آکر مل گئے، اور اپنے گھوڑے پر یزیدی فوج کے سامنے آگئے اور جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ اس اثناء میں شمر کھڑا ہوا اور آگے بڑھا، اور حضرت حسینؓ کے رفقاء پر حملے کرنا شروع کیا، اور آپ کے ساتھی تنہا یا دو دو آپ کے سامنے جنگ کرتے رہے، اور آپ ان کے لئے دعا کرتے رہے، آپ فرماتے "جزاكم الله أحسن جزاء المتقين" وہ لوگ آپ کے سامنے جنگ کرکے ختم ہوگئے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فرزندوں اور حضرت حسینؓ کے بھائیوں میں بہت سے لوگ شہید ہوگئے۔

شمر ذی الجوشن نے آواز دی کہ اب (حضرت) حسینؓ کا کام تمام کرنے میں کیا انتظار ہے؟ چنانچہ آپ کی طرف زرعہ بن شریک التمیمی بڑھا اور آپ کے شانۂ مبارک پر وار کیا، پھر سنان بن انس بن عمرو النخعی نے نیزہ چلایا اور گھوڑے سے اتر کر سر مبارک تن سے جدا کر دیا، اور اس کو خولی کی طرف پھینکا، ابو مخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے جسم اطہر کو دیکھا تو اس پر

---

[1] البداية والنهاية ج٨ ص ١٧٦، ١٧٧

[2] البداية والنهاية ج ٨ ص ١٧٨ - ١٧٩

۳۳ نشان نیزوں کے اور ۳۴ نشانات دوسری ضربوں کے آئے[1]۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ ۷۲ آدمی شہید ہوئے اور محمد بن حنفیہ کا بیان ہے کہ آپ کے ساتھ سترہ افراد شہید ہوئے، وہ سب حضرت سیدہ فاطمہؓ کی اولاد سے تھے[2]۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جس روز شہید ہوئے، وہ یوم عاشورہ جمعہ کا دن محرم کا مہینہ ۶۱ھ تھا، آپ کی عمر شریف چوّن ۵۴ سال ساڑھے چھماہ تھی۔

یزید کے سامنے: ہشام کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک آیا ہے تو یزید بن معاویہؓ کی آنکھ ڈبڈبا گئی، اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے جب بھی میں تم سے کچھ نہ کہتا، اللہ ابن سمیہ پر لعنت بھیجے، بخدا اگر میں وہاں ہوتا تو معاف کر دیتا[3]۔

معاویہؓ بن ابی سفیان کے ایک آزاد شدہ غلام نے بیان کیا کہ جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر لا کر رکھا گیا تو میں نے اس کو روتے دیکھا، انھوں نے کہا کہ ابن زیاد اور حسینؓ کے درمیان کوئی رشتہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا[4]۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۸۸ عبرت کا مقام یہ ہے کہ جس جس شخص کا حضرت حسینؓ سے صف آرا ہونے اور ان کو شہید کرنے میں حصہ تھا وہ سب ان کے بعد کیفر کردار کو پہونچے مختار نے (باوجود اپنی مشور گمراہیوں اور بے راہ رویوں کے) قاتلان حسینؓ کا پیچھا کیا اور ان لوگوں کو جن کا اس سلسلہ میں ہاتھ رنگین تھا، سب کو موت کے گھاٹ اتارا واللہ عزیز ذوانتقام

ڈاکٹر جمیل عبداللہ مصری لکھتے ہیں:۔

شمر بن ذالجوشن اپنے باپ ذی الجوشن کی طرح (میکا فیلی) قسم کی فطرت رکھتا تھا، جو اپنی مطلب براری کے لئے جو بھی ہو اس کو اختیار کر سکتا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ سخت دلی اور کینہ پروری میں وہ مشور تھا" (اثر اھل الکتاب فی الفتن والحروب الاھلیۃ فی القرن الاول الھجری ص) ۴۹۰

[2] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۸۹ (مختصراً)

[3] ایضاً ص ۱۹۱

[4] ایضاً ص ۱۷۱

یزید کے سامنے رفقائے حضرت حسینؓ میں سے جو لوگ بچے تھے، وہ لائے گئے تو پہلے اس نے بدزبانی کی پھر بہت نرمی کا معاملہ کیا، اور اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیا، اور ان کو سامان سفر دے کر مدینہ عزت کے ساتھ روانہ کر دیا، کوئی روایت اس طرح کی نہیں ہے کہ اس نے ابن زیاد کو ملامت کی ہو، یا سزا دی ہو یا معزول کیا ہو۔

اس کے مخالف بھی کچھ روایتیں ہیں جن میں یزید کی خوشی اور مسرت کا اظہار اور شماتت کا بیان ہے، جو کسی مسلمان کے لائق نہیں۔

حَرّہ کا واقعہ اور یزید کی موت: ۶۳ھ میں حرہ کا واقعہ پیش آیا جو اسلام کی اولین تاریخ کی پیشانی پر بدنما داغ ہے، یزید نے مسلم بن عقبہ کو اجازت دیدی کہ مدینہ میں تین دن تک اس کو ہر طرح کی کاروائی کرنے کی آزادی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: "ان تین دنوں میں مدینہ نبوی ﷺ میں وہ افسوسناک واقعات ہوئے، جن کا بیان کرنا مشکل ہے، یزید کا مقصد صرف اپنی سطوت وحکومت کا استحکام اور ہر طرح کی رکاوٹ اور مخالفت کا خاتمہ کرنا تھا، لیکن اللہ نے (اس کے منصوبہ وانتظامات کے برخلاف) اس کو ناکام ونامراد بنا دیا[1]"۔

یزید اس کے بعد زیادہ دن زندہ نہیں رہا، وہ بادشاہت سے صرف چار سال لذت اندوز ہوا اور ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوا[2]"۔

یزید کی موت پر آل ابی سفیان کی خلافت ختم ہوئی اور مروان بن حکم کی طرف منتقل ہوئی[3]، یہاں تک کہ ان کے جانشین بنی عباس ہوئے۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص ۲۲۲

[2] ایضاً ص ۲۲۶

[3] معاویہ یزید بن معاویہ اپنے باپ کے بعد حاکم ہوا اور ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو اس کی بیعت لی گئی یہ شخص عبادت گزار اور صالح تھا، مگر اس کی حکومت کی مدت زیادہ طویل نہیں رہی وہ اپنی حکومت کے زمانہ میں زیادہ تر بیمار رہا لوگوں کے سامنے نہیں نکلتا تھا ۲۱ سال کی عمر میں فوت ہوا (کچھ لوگ زیادہ یا کم بھی بتاتے ہیں) بنو امیہ نے اس کے بعد جمع ہو کر ۳ ذی قعدہ ۶۴ھ کو مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعت کی، مروان ۶۵ھ میں فوت ہوا اور اس کا جانشین عبدالملک بن مروان بنا، آل مروان میں عرصہ تک حکومت باقی رہی یہاں تک کہ ان کے

سیدنا حسینؓ کی شہادت اور حادثہ کربلا پر کبار اہل سنت کی رائیں اور تائثرات: ائمہ اہل سنت اور ان کے بزرگ ترین افراد ہمیشہ یزید اور یزیدی افواج کے قائدین مثلاً عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی حرکت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے، اور ان سے براءت و بیزاری کا اظہار کرتے رہے ہیں، انھوں نے حضرت حسینؓ کی شہادت پر، اور ان کے ساتھ جو اہل بیت شہید ہوئے ان کی مظلومانہ شہادت پر اپنے دلی رنج و غم اور ناقدانہ و نفرت آمیز جذبات و تاثرات کا اظہار کیا ہے، ان بیانات و تائثرات کا استیعاب واستقصا تو مشکل ہے، یہاں چند نمونے ذکر کئے جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادہ صالح بن احمد کہتے ہیں:

> ''میں نے والد سے پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو یزید سے محبت ہے تو فرمایا: میرے بیٹے کیا کوئی شخص جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند کر سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ والد محترم! پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا بیٹے! تم نے کب اپنے باپ کو دیکھا ہے کسی پر لعنت کرتے ہوئے[1]''۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک گفتگو میں جو ان کے اور مغل امیر وقائد بولائی کے درمیان اس وقت ہوئی جب وہ فتنۂ کبریٰ کے بعد دمشق آیا تھا۔ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا:

> ''جس نے بھی حسینؓ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالے نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا، اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا[2]۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالے نے شہادت کے ذریعہ عزت بخشی اور ان کو

خاندان سے بنی عباس کے خاندان میں منتقل ہو گئی اور کئی صدی تک انھوں نے کرّوفر کے ساتھ حکومت کی والارض للہ یورثہا من یشآء۔

1 فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۴ ص ۴۸۳ (طبع اول ۱۳۸۱ ھ الریاض)

2 فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۴ ص ۴۸۷

جن لوگوں نے شہید کیا اور اس میں مدد کی یا اس عمل پر راضی ہوئے ان کو رسوا کیا، سیدنا حسینؓ اپنے پیش روشہدائے اسلام کا نمونہ تھے، کیونکہ وہ اور ان کے بھائی دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں، اور ان دونوں کی تربیت اسلام کے عین عروج کے زمانہ میں ہوئی، ان دونوں کو، ہجرت، اللہ کے دین کی راہ میں اذیت اور اس پر صبر کا وہ حصہ نہیں ملا تھا، جو ان کے خانوادہ عالی کے دوسرے افراد کو مل چکا تھا، اللہ تعالے نے شہادت سے سرفراز کرکے ان دونوں کی عزت و توقیر کو یہاں تک پہونچا دیا، ان کے درجات بلند کئے، ان کی شہادت ایک انتہائی دردناک حادثہ ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مصیبت کے موقع پر "إنا لله وإنا اليه راجعون" پڑھنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ من ربّهم ورحمة و أولٰئك هُمُ الْمُهْتَدُون[1]۔ (سورۃ البقرہ، ۱۵۵-۱۵۷)

"اور صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو، ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔"

امام ربانی شیخ احمد بن عبد الاحد السرہندی (جو مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے مشہور ہیں) اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یزید سعادت و توفیق سے محروم اور زمرۂ فساق میں داخل ہے، اس پر لعنت بھیجنے میں تامل صرف اس لئے ہے کہ اہل سنت کا یہ اصول ہے کہ کسی پر لعنت نہ بھیجی جائے، کوئی متعین شخص اگرچہ کافر ہو اس پر لعنت کرنے میں عجلت نہیں کرنا چاہیئے، الّا یہ کہ قطعی طور پر معلوم ہو کہ اس کا کفر پر خاتمہ ہوا ہو جیسے ابولہب اور اس کی بیوی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ (یعنی یزید) لعن کا سزاوار نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۴ ص ۵۱۱

اللہ وَرَسُوْلَہُ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَۃِ[1]۔ ''(سورۃ الاحزاب ۵۷)

''جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر خدا دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔ ''

محدث جلیل شیخ عبد الحق بخاری دہلوی (م ۱۰۵۲ ھ) اپنی کتاب ''تکمیل الایمان '' میں لکھتے ہیں :۔

''خلاصہء کلام یہ کہ یزید ہمارے نزدیک مبغوض ترین افراد میں ہے، وہ جرائم جن کا اس شقی نے (توفیق خداوندی سے محرومی کی بنا پر) ارتکاب کیا ہے، وہ ایسے جرائم ہیں کہ اس امت میں کسی سے سرزد نہیں ہوئے ہوں گے[2]''۔

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ ھ) اپنی شہرہٴ آفاق و بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ '' میں ''مبحث الفتن'' اور حدیث کے الفاظ ''ثم ینشأ دعاۃ الضلال'' (پھر گمراہی کی دعوت دینے والے ابھریں گے) کی شرح میں لکھتے ہیں:

''گمراہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار ہے[3]۔ ''

لعنِ یزید کے جواز و عدم جواز کے سلسلے میں دونوں مسالک پر بحث کرنے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:

''پس جواز لعن و عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے، اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے، نہ واجب نہ سنت نہ مستحب، محض مباح ہے، اور جو وہ محل نہیں ہے تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں[4]۔ ''

صالح نظام حکومت کے قیام کی کوششیں، غلط صورت حال کی تبدیلی کی کاوشیں اور ان کی قیمت:

خلفائے راشدین کے بعد جو خلافت قائم ہوئی وہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موروثی و خاندانی

---

1 مکتوبات امام ربّانی ج ا، مکتوبات ۲۵۱ (ج ا مکتوبات امام ربانی ص ۶۰، طبع مطبعہ مجدّدی امرتسر ۱۳۲۹ھ)

2 ''تکمیل الایمان ''ص ۱۷ (مطبع فخر المطابع لکھنؤ طبع ۱۹۰۵ء)

3 حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۲۱۳ (طبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور۔ پاکستان)

4 فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹ (مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

نظام پر قائم تھی، عرب اور مسلمان جس کے زیر نگیں تھے، کسی کی ہمت نہ تھی کہ خلفائے بنی امیہ یا خلفائے بنی عباس سے مقابلہ کی ہمت کرتا اور کامیابی کی ذرا بھی توقع ہوتی، صرف وہ شخصیتیں اس بارہ میں مستثنیٰ تھیں جن کی عالی نسبی اور علوِ خاندانی معروف و مسلم تھا، اور ان کو وسیع پیمانے پر مسلمانوں کی حمایت و دینی حمیت کی قوت حاصل ہو، حقیقت میں لوہا ہی لوہے سے ٹکرا سکتا ہے، اور ہوا کا مقابلہ آندھی ہی کر سکتی ہے۔

اسی لئے دیکھا گیا کہ اموی اور عباسی خلفاء کے مقابلہ میں جس نے جہاد کا علم بلند کیا اور اصلاح حال کے لئے آواز لگائی وہ رسول اللہ ﷺ کے خانوادہ کے افراد گرامی، اور علوی خاندان کے گل سرسبد تھے، ان ہی لوگوں کو اس کا حقیقی غم تھا کہ زمین میں فساد پھیل رہا ہے، بگاڑ بڑھ رہا ہے، خلافت کی روح ختم ہو گئی ہے، مسلمانوں کی دولت و قوت، نفسانی خواہشات کے پورا کرنے اور عیش کوشی کے اسباب فراہم کرنے اور جاہلیت کی سنّتوں کے احیاء میں صرف ہو رہی ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ و عن آبائہ کے بعد ان کے پوتے زید بن علی بن حسینؓ نے ہشام بن عبد الملک الاموی کے خلاف علم جہاد بلند کیا ۱۲۲ھ میں وہ سولی دے کر شہید کئے گئے، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی[1]۔

پھر حضرت حسن بن علیؓ کی اولاد میں محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علی ذو النفس الزکیۃ (رضی اللہ عنہ و ارضاہ) مدینہ منورہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم آپس میں اتفاق کر کے (منصور عباسی کے مقابلہ میں) کھڑے ہوئے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں حضرات ذو النفس الزکیۃؓ کے طرفداروں میں تھے، اور امام ابو حنیفہؒ نے اعلانیہ ان کا ساتھ دیا، اور رقم بھی ان کی خدمت میں بھیجی، اور منصور کے کمانڈر حسن بن قحطبہ[2] کو ان سے جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا، اور اس کو اس سے باز رکھا، اور یہی حقیقی سبب تھا، امام ابو حنیفہؒ سے منصور کی عداوت کا جو ان کی زندگی کے خاتمہ کا سبب ہوا۔

---

[1] مناقب ابی حنیفہ ج ۱ ص ۵۵

[2] بعض تاریخوں میں حمید ابن قحطبہ نام آیا ہے۔

علامہ ابن الاثیر کی "تاریخ الکامل" میں مذکور ہے کہ امام مالکؒ (بن انس) سے محمد ذوالنفس الزکیہؒ کے جہاد میں ساتھ دینے یا نہ دینے کے سلسلہ میں فتویٰ مانگا گیا، اور استفتاء میں کہا گیا کہ کیا یہ جائز ہے، اس حال میں کہ ابو جعفر (منصور) کی بیعت کا قلادہ ہماری گردنوں میں ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا:۔

"تم لوگوں سے زبردستی بیعت لی گئی ہے، اور مکرہ (جس سے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود کوئی کام کرایا جائے) کی قسم کا اعتبار نہیں"۔

اس فتویٰ کے بعد لوگ محمد ذوالنفس الزکیۃ سے جا کر مل گئے اور امام مالکؒ اپنے گھر سے نہیں نکلے[1]، محمد ذوالنفس الزکیۃ کو ۱۴۵ھ میں رمضان کے مہینہ میں شہید کیا گیا، اور ان کے بھائی اسی سال ذوالقعدہ میں شہید ہوئے۔

یہ کوششیں ناکام رہیں، اور ان کا عملی نتیجہ نہیں نکلا، کیونکہ جن حکومتوں کے خلاف یہ اقدام کیا گیا تھا، وہ نہایت مستحکم اور منظم تھیں، ان کے پاس ہتھیار اور مکمل جنگی سامان تھا، ہم نے ماضی اور زمانہ حال کی تاریخوں میں بکثرت ایسی کوششوں کا حال دیکھا ہے جو باوجود اس کے کہ اخلاص، شجاعت، ایمان، اور سرگرمی پر مبنی تھیں، ان کے علم برداروں اور رہنماؤں کے اخلاص میں کوئی شک نہیں، ان کے پیروؤں نے بھی ایثار وقربانی اور مہم جوئی میں کوئی کمی نہیں کی، یہ تحریکیں (منظم اور مضبوط حکومتوں کے مقابلہ میں) ناکام رہیں، تاریخ میں یہ انوکھی مثال اور اس دنیا کے نظام تکوینی اور قانون فطری میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، لیکن سیاسی اور مادی نتائج کے لحاظ سے ناکامی کے باوجود ان تحریکوں نے اسلام کی روح ومزاج کے بقاو تسلسل میں بڑا کردار انجام دیا ہے، کیونکہ ان اقدامات نے تاریخ میں اسلام کی عظمت اور اس کی حیثیت کو نمایاں کر دیا، اگر اس طرح کے

---

[1] الکامل لابن الاثیر ج ۵ ص ۱۵۲ یاد رہے کہ اپنے عہد کے دو جلیل القدر اماموں (جن کا شمار، اہلِ سنت کے مؤقر ائمہ اربعہ میں ہے) کی تائید وحمایت اعانت وتعاون بڑی اہمیت کا حامل ہے، اور اس کی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

واقعات عہد بہ عہد کچھ وقفوں سے پیش نہ آتے تو اسلامی تاریخ نفس پرستی، خودرائی، نفع اندوزی، مطلق العنان سلاطین کے جور و استبداد اور خود غرض افراد کے استحصال و موقع پرستی کی ایک مسلسل داستان ہوتی، لیکن ان سر فروش قائدین اور ان کے صاحبِ ایمان وعزیمت متبعین نے اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر آنے والی نسلوں کے لئے روشنی کے ایسے منارے قائم کر دیئے جن کے ذریعہ تاریخ کے دھندلکے میں ایمان کی روشنی جگمگاتی اور بعد میں آنے والی نسلوں کو راستہ دکھاتی رہی ہے، اور ان کو اسلام کی فروسیت سابقہ کی یاد دلاتی اور باطل کا مقابلہ کرنے کی ہمت بخشتی رہی، اور اس نے اسلام کی غربت، اور حدود و قوانین اسلام کے تعطل پر خلش کو زندہ رکھا۔

یہ ایک قابل صد احترام وراثت ہے جو مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہے، یہ وہ بیش بہا دولت ہے جس سے نسل در نسل افراد کو رخصت پر عزیمت، سہولت پسندی اور

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

کے جاہلی اصول پر

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

کے بہادرانہ وجرأت مندانہ اسلامی اصول کو ترجیح دینے پر آمادہ کیا، یہ مجاہدانہ کارناموں کا ایک تسلسل ہے جو دل کو ایمان و یقین اور اعتماد سے معمور اور جوشِ اسلامی سے مخمور کرتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ (سورۃ الاحزاب ۲۳)

''مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انھوں نے خدا سے کیا تھا، اس کو سچ کر دکھایا، تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں۔''

ماخوذ از ''المرتضیٰ''

○

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

حادثۂ کربلا

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ خون آلودہ حرفوں میں لکھا گیا، اور اشکبار آنکھوں سے پڑھا گیا ہے — لیکن اس درد انگیز واقعہ اور ماتم خیز حادثہ کے اندر شریعت اسلامیہ کی بے شمار بصیرتیں مضمر تھیں جن کو خون کی ان چادروں نے چھپا دیا، اور ہزاروں اسوہ ہائے حسنہ مخفی تھے جن کو آنسوؤں کے سیلاب بہا لے گئے —

اس لیے اب ہم کو قدیم زمانے کی مجلس ہائے ماتم میں ایک نئے حلقہ ماتم کا اضافہ کرنا چاہئے، اور خون آلودہ آنسوؤں کا جو چشمہ ہمارے زخم رسیدہ دلوں سے ابل رہا تھا، اسکو کچھ دیر کے لئے ملتوی کر کے خود واقعہ شہادت کو اسرار شریعت اسلامیہ کا سر چشمہ بنانا چاہئے — حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر ماتم کرنے کا یہ ایک نتیجہ خیز طریقہ ہو گا اور شریعت نے امت محمدیہ کو اسی قسم کے طریق ماتم کی ہدایت فرمائی ہے۔

اسلاف پرستی کے غیر اسلامی طریقے

دنیا میں اسلاف پرستی کا فطری مادہ ہر قوم کے اندر ہمیشہ موجود رہا ہے — اسی بنا پر تمام قوموں نے اپنے اپنے اسلاف کا ماتم مختلف طریقوں سے منایا ہے، اور ان کے اعمال کو آئندہ نسل کی

عبرت و بصیرت کے لئے زندہ رکھنا چاہا ہے لیکن ان تمام طریقوں میں جو طریقہ سب سے زیادہ مقبول ہوا، وہ وہی ہے جس کی بنیاد دنیا کی بت پرستی نے رکھی، اور دراصل اصنام پرستی کی زنجیر عمل کی پہلی اور آخری اس لئے کہ بت پرستی خود تو چلی گئی مگر اپنا نقش قدم اس شکل میں اب تک چھوڑ گئی ہے۔

ہمارہ اشارہ اسلاف پرستی کے اس طریقہ کی طرف ہے جس کی بنا پر مشاہیر ملک و قوم کے مجسمے (اسٹیچیوز) بنائے جاتے ہیں اور ان کو اس لئے نصب کیا تا کہ ان کے ذریعے قوم کو ہمیشہ مشاہیر کی یاد دلائی جائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت ملے۔

اگرچہ اسلاف پرستی کا یہ نہایت قدیم طریقہ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک اس قسم کے متعد مجسمے قائم ہو چکے تھے اور ان کی علانیہ پرستش کی جاتی تھی۔ لیکن یونان و مصر نے ان مجسموں پر تمدن و تہذیب کا آب و رنگ چڑھا کر ان کو اور بھی شاندار و دلفریب بنادیا۔ آج یورپ بانیان تہذیب و تمدن کے دیوتاؤں کی جو نمایش مجسموں کی شکل میں کررہاہے، ان کے اندر یونان کی اس قدیم تہذیب کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی سطح پر بھی تصویروں کی جو صفیں نظر آرہی ہیں، ان میں بھی اُسی کی جھلک پائی جاتی ہے۔

اسلامی انقلاب:

لیکن اسلام ایک دین خالص تھا جو توحید خالص کو قائم کرنا چاہتا تھا اور انسانی عظمت کی ان تمام خالص راہوں کا ہمیشہ کے لئے دروازہ بند کردینا چاہتا تھا، جو کسی حال میں بھی الٰہی عظمت کے نقطہ تک پہنچ سکتی تھیں یا قریب ہوسکتی تھیں پس وہ کسی طرح بھی قیام ذکر و بقائے عظمت کا ایسا طریقہ اختیار نہیں کرسکتا تھا جس میں پڑ کر دنیا بار بار ٹھوکر کھاچکی تھی۔

اسلام نے ظاہر ہوتے ہی دنیا کے تمام اعمال و معمولات پر نظر ڈالی، اور ہر عمل کی حقیقت و روح کو لے لیا اور غیر مناسب و موزوں جسم و لباس کو چھوڑ دیا۔

وحشت نے جن حقیقتوں کو تاریک پردوں میں چھپا دیا تھا وہ دفعۃً چاک چاک ہوگئے، جہالت نے جن موتیوں کو پتھروں کے ڈھیر میں گم کردیا تھا، وہ ان سے الگ ہو کر دنیا میں دامنِ مراد میں آگئے، غیر معتدل تمدن نے جن کھلی ہوئی بصیرتوں کو خوشنما چادروں کے آب ورنگ میں رازِ سربستہ کی طرح مقفل کردیا تھا، وہ یکسر فاش ہوگئے، اور حقیقت، آفتاب کی طرح علانیہ بے نقاب ہو کر ہر انسان کو نظر آگئی، قرآنِ حکیم نے اسی انقلاب کو ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

اللّٰہ وَلِیّ الّذینَ آمنوا یخرجُھم من الظّلمَات إلَی النُّورِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا أَوْلِیَاءُ ھُمُ الطَّاغُوتُ یُخرِجُوْنَھُمْ مِنَ النُّورِ إلَی الظُّلُمَاتِ (بقرہ:۲۵۷)

خدا مسلمانوں کا دوست اور ساتھی ہے ان کو ہر طرح کی انسانی تاریکیوں سے نکال کر فطرت صالحہ کی ربانی روشنی میں لاتا ہے، مگر کفار کے دوست انکے طاغوت ہیں، جو انکو خدا کی بخشی ہوئی روشنی سے نکال کر (جہل وضلالت) کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔

قیام یادگار کا اسلامی طریقہ

یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا جس کی جھلک اسلام کی تمام تعلیمات میں نظر آتی ہے، اور مشاہیر پر ماتم کرنے کا طریقہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ قدماء کی یادگار قائم کرنے اور ان کے اعمال وآثار کے زندہ رکھنے کا جو طریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آتا تھا، اسلام نے اس میں بھی ایک روحانی انقلاب پیدا کردیا۔ اس نے مسلمانوں کو مجسموں کی شکل میں اسلاف پرستی کی اجازت نہیں دی، کیونکہ وہ بت پرستی تک منتج ہوتی ہے اور اسلام زندہ انسانوں کے شرف کو پتھروں کے آگے نہیں جھکانا چاہتا، مگر اس نے مشاہیر کرام اور اسلاف صالحین کے نمونوں کے فوائد عظیمہ کو بھی ضائع ہونے نہ دیا، اور ان کے اثر کو اس طرح حی وقائم کردیا کہ ہر مومن کے آگے ان کی عملی زندگی کے نمونے پیش کردیئے، اور کہا کہ دن میں پانچ بار جب خدا کے حضور آؤ تو صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت مانگو۔ ساتھ ہی تشریح کردی کہ صراط مستقیم انبیاء، صدیقین، اور صالحین کی راہِ علم وعمل ہے۔ اور اس

لئے ان کے نمونے ہر وقت تمہارے سامنے رہنے چاہییں۔

پس ماتم کی رسم پر وحشت نے جن تاریک پردوں کو ڈال کر اصل حقیقت کو چھپا دیا تھا، اور تمدن و تہذیب نے ان پردوں پر نظر فریب رنگ چڑھا کر جن بصیرتوں کو گم کر دیا تھا، اسلام نے ان سب کو چاک چاک کر دیا، اور مغزِ حقیقت جن چھلکوں میں چھپا ہوا تھا، ان سے نکل کر علانیہ آشکارا ہو گیا۔ قرآن حکیم میں انبیائے سابقین کے جو قصص مذکور ہیں ان کے اندر در حقیقت انہیں بصائر و حکم کی روح مضمر ہے، جو مجسموں کے قالب میں حلول کر کے بالکل بے اثر، اور محض ظاہر فریب ہو جاتی تھی۔ قرآن مجید قدماء اکابر کی یادگاروں کے قائم کرنے کے اصل مقصد کو ''اسوہ حسنہ'' کے جامع لفظ سے تعبیر کرتا ہے، اور مسلمانوں کو جابجا اس پر توجہ دلاتا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے نمونہء حیات کو مسلمانوں کا قبلہء وجوہ و کعبہء انظار قرار دیا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ　　تمہارے لیے ابراہیم کی حیات طیبہ میں، اور ان کی زندگی میں
فِي اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ　　جو ان کے ساتھی ہیں، پیروی کے لیے بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔
[ممتحنہ : ۴]

واقعہء شہادت کی بصیرتیں:

اس بنا پر اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے، جو اسلاف پرستی کی صحیح اصول پر تعلیم دیتا ہے، اور اسی صحیح اصوں کے مطابق چاہیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت کے اندر عزم و استقلال، صبر و ثبات، استبداد شکنی، قیام جمہوریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جو عظیم الشان بصیرتیں موجود ہیں، ان کی یاد کو ہر وقت تازہ رکھیں، اور کم از کم سال میں ایک بار اس مذہبی قربانی کی روح کو تمام قوم میں ساری و جاری کر دیں۔

لیکن ان بصیرتوں کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات میں ایک اور عظیم الشان بصیرت بھی موجود ہے، جس کا سلسلہ مذہب کی ابتدائی تاریخ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کی آخری کڑی اسلام کی تکمیل سے جا کر مل جاتی ہے۔

مذہب کی ابتدائی تاریخ اور عالم بیکسی:

دنیا کی مذہبی تاریخ کی ابتداء عجیب بیکسی کی حالت میں ہوئی۔ ہم نے دنیا کے سخت سے سخت معرکوں میں باپ کو بیٹے کا شریک، بھائی کو بھائی کا حامی، بی بی کو شوہر کا مددگار پایا ہے۔ لیکن صرف مذہب ہی کا روحانی عالم ایک ایسا عالم ہے، جہاں باپ کو بیٹے نے، بھائی کو بھائی نے، شوہر کو بی بی نے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ ان کی مصیبتوں میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔

یہی سبب ہے کہ خاندان نبوت ہمیشہ اعزّہ واقارب کی اعانت سے محروم رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک شب وروز اپنی قوم کو دعوت توحید دی اور قوم نے فرطِ بغض و عناد سے ان کی دعوت کو رد کردیا، ان سے علیحدگی اختیار کرلی، اور کانوں میں انگلیاں تک دے لیں۔

قَالَ رَبِّ إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلاً وَنَهَاراً فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآئِيْ إِلَّا فِرَاراً وَإِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَلَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَاراً [نوح ۵،۷]

نوح نے عرض کیا: خداوندا! میں نے شب وروز دعوت حق کی، لیکن اُس کا الٹا اثر یہی ہوا کہ لوگ مجھ سے اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب جب ان کو تیری مغفرت کے لیے پکارا، انہوں نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں، اپنے کپڑوں میں لپٹ گئے کہ ان تک تیری آواز نہ پہنچ جائے آہ! یہ حق ناشناس قوم ہمیشہ سخت ہٹ دھرمی اور باطل پرستانہ گھمنڈ کا اظہار کرتی رہی۔

لیکن اس پیغمبرانہ آواز کی صدائے بازگشت صرف ان کی قوم ہی کے درودیوار سے ٹکرا کر ناکامیاب واپس نہیں آئی بلکہ خود ان کے گھر کے درودیوار نے بھی اس کو ٹھوکر لگائی، اور خاندان نبوت کے چشم وچراغ یعنی ان کے بیٹے نے بھی اس نور کو قبول نہ کیا۔ آخری وقت میں حضرت نوح علیہ السلام نے پھر اپنے بیٹے کو خدا کی پناہ میں بلایا لیکن اس وقت بھی اس کا گوشِ نصیحت نیوش وانہ ہوا۔ اس لئے وہ بھی تمام قوم کے ساتھ عذاب الہی کی طوفان خیز موجوں میں بہ گیا۔

وَنَادَى نُوْحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يَابُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَاتَكُنْ مَعَ

اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو اس وقت شامت اعمال کی وجہ سے ان سے علیحدہ تھا پکارا کہ اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ

الْكَافِرِيْنَ قَالَ سَآوِيْ إِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَاعَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللهِ اِلَّا مَن رَّحِمَ وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ المغرقين. (ھود ۴۲،۴۳)

کشتی میں سوار ہوجا اور کافروں کا ساتھ نہ دے۔ اس نے کہا: میں کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور وہ مجھے اس طوفان سے بچالے گا۔ نوح نے کہا (تو کسی ضلالت عقل میں مبتلا ہے؟) آج خدا کے عذاب سے کوئی بھی نہ بچاسکے گا مگر جس پر اس کی رحمت ہوجائے (چنانچہ نوح کی پکار کچھ بھی سود مند نہ آئی) اور اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان موج حائل ہو گئی اور تمام لوگوں کے ساتھ وہ بھی ڈوب گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے تمام خاندان نے اگرچہ ان کا ساتھ دیا، لیکن خود ان کی بی بی ان سے علیحدہ ہو کر تمام قوم کے ساتھ عذاب الٰہی میں شامل ہو گئی۔

قَالُوْا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ إِلَّا آلَ لُوْطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ أَجْمَعِيْنَ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِيْنَ (الحجر ۵۸-۶۰)

فرشتگان عذاب نے کہا: ہم اس گنہگار قوم کو ان کے اعمال بد کا نتیجہ دکھلانے کے لیے بھیجے گئے ہیں، ہمارے عذاب سے صرف لوط کا خاندان محفوظ رہے گا اور ان میں سے بھی ان کی بی بی تمام قوم کے ساتھ عذاب الٰہی میں شامل کرلی جائے گی کیونکہ وہ بھی کافرہ ہے۔

تاریخ مذہب میں انقلاب:

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے خاندانِ نبوت میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان سے علیحدہ ہو گیا تھا، حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی نے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ لیکن اس دورا براہیمی میں بیٹے نے باپ کی، بی بی نے شوہر کی، بھائی نے بھائی کی دعوتِ حق پر لبیک کی صدا بلند کی، اور اس دعوت کی اشاعت میں جو جو مصیبتیں ان پر پیش آئیں، ان میں برابر کے شریک رہے۔

(۱) سب سے پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس جہادِ روحانی کی طرف قدم بڑھایا اور اپنے شوہر کے ساتھ اپنے لختِ جگر کو ایک "وادی غیر ذی زرع" میں ڈال دیا، جہاں کئی سو میل تک آب و گیاہ کا پتہ نہ تھا،

یہ اسی سخت امتحان کی پہلی منزل تھی، جس کے لئے خداوند تعالی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو انتخاب کیا تھا۔ چنانچہ جب اس آخری امتحان کا وقت آیا تو انھوں نے باپ کے آگے سر اطاعت خم کر دیا۔

فلمّا بلغ معهُ السَّعْيَ قالَ يابُنَيَّ إنّي ارٰى في المَنَامِ أنّي أذْبَحُكَ فانْظُرْ مَا ذَا ترى، قال يآابَتِ افْعَلْ ماتُؤْمَرُ، سَتَجِدُنِي إنْ شآءَ اللهُ من الصّابرينO فَلَمَّآ أسْلَمَا وتَلَّه لِلْجَبِينO وَنَادَيناه أنْ يآإبراهِيمُO قدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيا،إنّاكَذالكَ نجزي الْمُحْسِنِيْنَOإنّ هذا لَهُوَ الْبَلآؤُا الْمُبِيْنُO (الصافات: ۱۰۲ — ۱۰۶)

ترجمہ: جب اسمعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے تو انہوں نے ایک دن کہا: اے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ تمہیں راہ حق میں ذبح کر رہا ہوں۔ (میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ماجرا ہے) تم (بھی) اس پر غور کرو کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ بیٹے نے بلاتامل کہا: اے میرے باپ! (اس خواب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ایک اشارہ ہے) آپ حکم الہی کو پورا کیجئے، مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں اور ثابت قدموں میں پائیے گا۔ جب باپ بیٹے دونوں خدا کے آگے جھک گئے اور باپ نے ذبح کرنے کے لیے بیٹے کو زمین پر بچھاڑا تو اس وقت ہم نے آواز دی: اے ابراہیم! بس کرو، تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہم صاحبانِ احسان کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ دراصل یہ ایک بہت ہی بڑی قربانی تھی (جس کی تعمیل کے لیے تم تیار ہوگئے تھے)۔

(۲) حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ بھی ان کے خاندان کی اعانت ورفاقت شریک رہی۔ چنانچہ جب ان کو شعلہ ء طور کی زبان نے بشارت نبوت دی، تو ان کی بی بی ان کے ساتھ تھیں۔ بلکہ انہیں کے لیے وہ آتشکدہ طور سے آگ لینے گئے تھے۔

فَلَمَّا قضَى مُوْسَى الْأَجَلَ وسارَ بأهْلِه آنَسَ مِنْ جانبِ الطُّورِ ناراً، قالَ لأهْلِهِ امْكُثُوآ إنّي آنَسْتُ ناراً لَّعَلّيْ اٰتِيْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أو جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ(القصص: ۲۹)

جب موسی علیہ السلام نے مدت مقررہ پوری کرلی اور (مدین سے) اپنی بی بی کو لے کر چلے تو ان کو کوہ طور کے دامن میں آگ کی روشنی نظر آئی۔ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، اس کا پتہ لگاتا ہوں شاید کوئی خبر مل جائے، تمہارے تاپنے کے لیے آگ حاصل کر سکوں۔"

لیکن وادیٔ ایمن میں جاکر معلوم ہوا کہ یہ آگ کا شعلہ نہ تھا بلکہ وہ ایک برق خاطف تھی جو فرعون کے خرمن ظلم واستبداد پر گرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ جب خدا نے عصا اور ید بیضا کی صورت میں ان کو یہ صاعقۂ ہلاکت دیا اور انہوں نے اپنے بھائی ہارون کی اعانت کا سوال کیا، تو خدا نے اس کو پورا کیا:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا (القصص: ۳۵)　　خدا نے کہا میں تیرے دست و بازو کو تیرے بھائی کی اعانت سے قوی کروں گا اور تم دونوں کو فرعون پر غالب کروں گا۔

چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے آغاز کار سے انجام کار تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا، اور وہ دعوت موسوی کے ہمیشہ شریک وامین رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی۔

(۳) پہلے خدا کے ایک صالح بندے نے اپنے بیٹے کو خدا کی مرضی پر قربان کرنا چاہا تھا، لیکن اب وہ وقت آیا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے قربانی کے جامِ مقدس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے لئے سولی کا جو تختہ تیار کیا گیا تھا، اس کی طرف بلا کسی باک کے بڑھے:

وماقتلوه وما صلبوه ولكنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء: ۱۵۷)　　اور ان لوگوں نے نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ پھانسی دی، بلکہ ان پر اس قربانی کی حقیقت مشتبہ ہو گئی۔

ما قبل زمانۂ اسلام میں قربانیوں کی نوعیت:

لیکن اسلام کے زمانہ تک خدا کی راہ میں جو قربانیاں ہوئی تھیں، وہ محض شخصی حیثیت رکھتی تھیں، یعنی انبیاء علیہم السلام نے شخصی طور پر خدا کی ذات پر اپنی اولاد کو یا اپنے آپ کو قربان کردیا تھا۔ جہاد کی یہ ابتداء تھی، مگر اس کی تکمیل شریعت اسلام پر موقوف تھی۔ چنانچہ اسلام نے جس طرح عقائد وعبادات اور معاش ومعاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کی، اسی طرح جہاد کی حقیقت کو بھی مکمل اور واضح کردیا۔ اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ شخصی طور پر بھی جو قربانیاں کی گئیں، وہ راہ ہی میں روک لی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو خدا کی نذر کرنا چاہا لیکن اس کا موقعہ ہی نہ آیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی کی طرف بڑھے لیکن بچا لیے گئے۔ آج تک تمام خاندان نبوت نے متفقہ طور پر اس میں شرکت بھی نہیں کی تھی اور اس کی کوئی نظیر تمام سلسلۂ انبیاء علیہم السلام میں نظر نہیں آئی تھی کہ صرف بھائی، صرف بیٹا، صرف بیوی ہی نے

مقصد نبوت میں ساتھ نہ دیا ہو بلکہ بلاتمیز، خاندان نبوت کے اکثر اعضاء وارکان راہ حق میں قربان ہوئے ہوں۔

حادثۂ کربلا کی اہمیت

یزید کی شخصی بیعت کی خلافت کے لیے جو ہاتھ بڑھے تھے، وہ اسلام کی جمہوریت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے اور مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ اس لیے جب اسوۂ ابراہیمی کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندان نبوت کے زن ومرد، بال بچے، غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا۔ اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش اب تک خالی تھی ان سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔

پس حضرت حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں، بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا، اور وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسی علیہ السلام کی ذات تک پہنچ کر ضائع ہوگئی تھی، اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سرفروشی سے مکمل کردیا۔

خاندان نبوت دنیا کے آباد کرنے کےلیے ہمیشہ اجڑتا رہا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی حضرت موسی علیہ السلام نے گھر بار چھوڑا، حضرت عیسی علیہ السلام نے صحرا نوردی کی اور نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین میں سے حضرت حسین علیہ السلام نے میدان کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کردیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے خاندان نبوت کا سلسلہ ملا ہوا ہے انہوں نے ایک وادیٔ غیر ذی ذرع میں شدت تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے بھی میدان کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا اور غالباً یہی مقصود ہے ان مفسرین امامیہ کا جو" وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ[1]" کی تفصیل میں ذبح عظیم شہادت امام علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں اور اس بارے میں بعض ائمہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے آثار نقل ہیں۔

○

---

[1] الصافات: ۱۰۷۔ ترجمہ اور ہم نے آپ عظیم ذبح دے کر اسے (اسماعیل کو) بچالیا۔

مولانا شاہ معین الدّین ندویؒ

سیّدنا اِمام زین العابدین علی بن حُسینؓ رضی اللہ عنہما

م ۹۲ھ

نام و نسب: علی نام، ابوالحسن کنیت، زین العابدینؒ لقب، حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند اصغر اور ریاض نبوت کے گل تر تھے۔ کربلا کے میدان میں اہل بیتؓ نبوی کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا، جس سے دنیا میں شمیم سعادت پھیلی، اور حسینؓ کا نام باقی رہا۔ دادہالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے، لیکن نانہالی شجرہ بہت مختلف فیہ ہے، مشہور عوام یہ ہے کہ آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسہ تھے۔ اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یزدگرد کو شکست ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ اس کی تین لڑکیاں بھی گرفتار ہوئیں، حضرت عمرؓ نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ انھیں بھی بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے اختلاف کیا کہ شاہزادیوں کے ساتھ عام لوگوں کی لڑکیوں کا سا سلوک نہ کرنا چاہیئے، اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قیمت لگوائی جائے، اس کی قیمت جتنی بھی لگے گی جو لے گا اسے ادا کرنا ہوگی چنانچہ قیمت لگوا کر تینوں لڑکیوں کو خرید لیا اور ایک حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت محمدؓ کو دیدی، دوسری حضرت عمرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ کو عطا فرمائی، اور تیسری اپنے صاحبزادے حضرت حسینؓ کو،

ان کے بطن سے حضرت قاسم بن محمدؒ، حضرت سالم بن عبداللہؓ اور حضرت علیؓ بن حسینؓ پیدا ہوئے۔ قدیم مؤرخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے معارف[1] میں لکھا ہے کہ زین العابدینؓ کی ماں سندھ کی تھیں اور ان کا نام سلافہ یا غزالہ تھا، ابن سعد نے غزالہ اختیار کیا ہے، لیکن سلسلہ نسب نہیں دیا ہے اور نہ یزد گرد کے شاہی نسب کی طرف اشارہ کیا ہے، بہرحال پہلی روایت عقل و نقل ہر اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہے، جس سے ان کی بے اعتباری واضح ہو جاتی ہے۔

مگر بہر حال یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی غیر قوم کی خاتون تھیں، مگر ان کی سعادت اس سے ظاہر ہے کہ ان کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ نبوت کا سلسلہ نسب انہی کے واسطہ سے دنیا میں قائم و دائم رہیگا۔

ولادت: حضرت زین العابدینؓ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔[2]

واقعہ کربلا: اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بچہ تھے، اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے، سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا، اس میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، لیکن علالت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے، حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کرا دینا چاہا، لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نوجوان کو جس نے جنگ میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا قتل نہیں کر سکتے، عمرو بن سعد بھی پہونچ گیا، اس نے شامیوں کو روک دیا، کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے۔[3]

قید: اہل بیتؓ کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر بہت مہربان ہو گیا تھا، اس نے آپ کو چھپالیا، وہ آپ کی بڑی خدمت کرتا تھا، اس درجہ اس کو آپ کے ساتھ تعلق خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا، اور روتا ہوا واپس جاتا تھا، اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متأثر ہوئے، لیکن عام شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی، ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کیلئے تین سو اشرفی کا انعام مقرر کیا تھا، اسکے طمع میں شامی نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا۔[4]

---

[1] معارف ابنِ قیتبہ ص ۹۴

[2] ابن خلکان ج اول ص ۳۲۱

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

[4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

ابن زیاد سے مکالمہ: گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے، آپ نے فرمایا علی، نام سنکر اس نے کہا کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کردیا؟ آپ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے، فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا، ان کو لوگوں نے قتل کیا۔ ابن زیاد بولا، لوگوں نے نہیں بلکہ خدا نے قتل کیا، حضرت امام خاموش رہے، ابن زیاد نے پھر پوچھا آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اَللہ یَتَوَفَّی الاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَاO		اللہ ہی نفوس کو انکی موت کے وقت وفات دیتا ہے

(الزمر۔ ۴۲)

وَمَاکَانَ لِنَفسٍ اَن تَمُوْتَ اِلاَّ بِاِذْنِ اللہ		اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے کا اختیار نہیں ہے

(آل عمران۔ ۱۵)

یہ آیت سنکر ابن زیاد نے کہا تم بھی انہی لوگوں میں ہو، اور آپ کے قتل کا حکم صادر کردیا، یہ حکم سنکر حضرت زین العابدینؓ نے فرمایا ان عورتوں کو کس کے سپرد کروگے؟ آپ کی پھوپھی حضرت زینبؓ یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ گئیں، اور حضرت زین العابدینؓ سے چمٹ کر ابن زیاد سے بولیں گر تو نہیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کردے، لیکن حضرت امام زین العابدینؓ پر مطلق کوئی خوف وہراس طاری نہ ہوا، پ نے نہایت سکون واطمینان کیساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو کم از کم کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کردو جو انھیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچادے، انکا یہ استقلال دیکھکر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا، اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، چنانچہ اس نے عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے آپ کو چھوڑدیا۔[1]

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ: اس کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یزید کے پاس شام بھجوادیا، شام پہنچنے کے بعد یہ حضرات یزید کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر حضرت زین العابدینؓ سے کہا، علی! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ اسکا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی، اور حکومت میں جھگڑا کیا، امام

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷ و ابن اثیر ج ۴ ص ۷۰۔ ۷۱

ممدوح نے اسکے جواب میں یہ آیت پڑھی: مَا اَصَابَ مِن مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِيْ کِتَابٍ مِن قَبْلِ اَنْ نَبْرَأَهَا۔ (حدید۔۲۲)

"تمکو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں، ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے۔"

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ تم اس کا جواب دو، مگر وہ نہ دے سکا، تو یزید نے خود بتایا کہ تم یہ آیت پڑھو[1]:

وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوعَنْ کَثِیر۔(شوریٰ۔۳۰)

"اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمھارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے، اور اللہ تعالی بہتوں سے معاف کردیتا ہے۔"

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا کہ یہ قیدی ہمارے لئے حلال ہیں، حضرت علیؓ بن حسینؓ نے فرمایا تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لئے یہ جائز نہیں، جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے، (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے مسلمان قیدی عورت جائز نہیں ہے) یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھادیا۔[2]

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے انکو شاہی حرم سرا میں ٹھہرادیا، یہ سب عورتیں ان کی عزیز تھیں، اس لئے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم بپا رہا، جب تک یہ لوگ مقیم رہے یزید انکے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا، زین العابدینؓ کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھلاتا تھا[3]۔

مدینہ کی واپسی اور یزید کے وعدے: چند دنوں کے قیام کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے زین العابدینؓ سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہیں رہو، میں صلہ رحمی سے پیش آؤنگا اور تمھارا پورا حق ادا کروں گا، اور اگر واپس جانا چاہو تو واپس جاسکتے ہو، میں تمھارے ساتھ سلوک کرتا رہونگا

---

[1] طبری ج ۷ ص ۳۷۶

[2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

[3] طبری ج ۷ ص ۳۷۸

زین العابدینؓ نے واپس جانے کی خواہش کی۔[1]

ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انھیں بحفاظت واپس کر دیا، اور رخصت کرتے وقت زین العابدینؓ سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہوا گر میں ہوتا تو حسین جو کہتے اسے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی بہر حال اب تو قضائے الٰہی پوری ہو چکی آیندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے مجھے فوراً لکھنا۔[2]

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی: اعزہ کی شہادت، گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدینؓ کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انھوں نے عزلت نشینی اختیار کرلی، اور آیندہ کسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا، اور ہر فتنہ انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے، یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا۔

ابن زبیرؓ کا ہنگامہ اور زین العابدینؓ کی کنارہ کشی: حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اہل حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کرلی، مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے اپنے یہاں سے اموی عمال کو نکال دیا، یزید نے حرمین کے باشندوں کی تنبیہ کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا، اور امیر عسکر کو ہدایت کر دی، کہ زین العابدینؓ کو گزند نہ پہنچنے پائے، اہل مدینہ مقابلہ میں آئے، لیکن نہایت فاش شکست کھائی، ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینۃ الرسول ﷺ کو لوٹتی رہی، اس جنگ میں زین العابدینؓ اور ان کے عزہ نے کوئی حصہ نہ لیا، بلکہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے، مدینہ کو ویران کرنے کے بعد جب مسلم[3] عقیق گیا تو زین العابدینؓ کو پوچھا معلوم ہوا موجود ہیں، زین العابدینؓ کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے کے لئے آئے، اور اپنے ساتھ اپنے چچازاد بھائیوں ابوہاشم عبداللہ اور حسن بن محمد بن حنفیہ کو بھی لیے آئے، مسلم بڑی عزت وتکریم کے ساتھ ان سے ملا، انھیں اپنے تخت پر بٹھا کر مزاج پرسی کے بعد کہا امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے فرمایا خدا ان کو اس کا صلہ دے، مسلم نے دونوں لڑکوں کے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷

[2] طبری ج ۳ ص ۳۷۹

[3] ابن سعد میں "مسرف" لیکن اور تمام تاریخوں میں مسلم نام ہے

متعلق پوچھا زین العابدینؓ نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں، یہ معلوم کرکے مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی، اس خوش آیند ملاقات کے بعد زین العابدینؓ واپس گئے۔[1]

مختار کا خروج اور زین العابدینؓ کی علیحدگی: ایسے زمانہ میں ایک حوصلہ مند ملحد مختار بن ابی عبید ثقفی حصول حکومت کی طمع میں محب اہل بیت کے روپ میں خون حسین کے انتقام کی دعوت لیکر اٹھا، ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہوگئے، اس نے مقصد برآری کے لئے زین العابدینؓ کے پاس ایک گرانقدر رقم نذر بھیجکر درخواست کی، کہ آپ ہمارے امام ہیں، ہم سے بیعت لیکر ہماری سر پرستی قبول فرمائیے، لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے، اس لئے اس کی درخواست ٹھکرا دی، اور مسجد نبوی میں جا کر اس کے فسق وفجور اور کفر والحاد کا پردہ فاش کرکے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنایا ہے، اس کے فریب میں نہ آنا، ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا، یہ اس کے فریب میں آگئے، زین العابدینؓ نے انھیں بھی روکا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہے، وہ محض محبان اہل بیت کو مائل کرنے کیلئے محبت کا جھوٹا دعوی کرتا ہے حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، اس لئے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے، ابن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، لیکن حضرت حسینؓ کی دردناک شہادت سے تمام محبان اہل بیت خصوصاً اہل ہاشم کے دل زخمی تھے، اور ایسی حالت میں جذبات، واقعات اور حقیقت دونوں پر غالب آجاتے ہیں، اس لئے ابن عباسؓ نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنفیہؒ کو زین العابدینؓ کا کہنا ماننے سے روکا۔[2]

اس کے بعد مختار اٹھا، اور بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کے ساتھ اس کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، لیکن حضرت امام ان سب سے کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہوجانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ علی بن حسین باب کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے۔ ایک شخص نے کہا خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت میں مار گیا، فرمایا وہ کذاب تھا اور خدا اور رسول ﷺ پر بہتان باندھتا تھا۔[3]

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۷۵-۲۷۶ وابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹

[2] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۴۷۹-۴۸۰

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس عزلت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتدا میں عبدالملک کو آپ کی جانب سے دعوی خلافت کا خطرہ تھا، چنانچہ اس نے آپ کو مدینہ سے شام جبراً بلوا لیا تھا، لیکن پھر امام زہری نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی کہ زین العابدینؓ کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے، انھیں دن رات اپنے نفس اور خدا کی عبادت سے کام ہے، وہ کسی جھگڑے میں نہ پڑیں گے، زہری کی اس سفارش پر اس نے رہا کردیا۔[1]

لیکن غالباً یہ بالکل ابتدا کا واقعہ ہے، ورنہ بعد میں دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہوگئے تھے، مروان اور عبدالملک دونوں انھیں بہت مانتے تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ زین العابدینؓ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ سلامت رو اور مطیع تھے، مروان اور عبدالملک تمام اہلبیت میں ان کو سب سے زیادہ مانتے تھے۔[2]

وفات: ۹۲ھ میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں اپنے بابا حسنؓ اور حضرت عباسؓ کے روضہ میں دفن کئے گئے۔[3]

فضل وکمال: آپ جس خانوادۂ علم کے چشم و چراغ تھے، وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا، آپ کے جد امجد علم و عمل کے مجمع البحرین تھے، اس لئے علم کی دولت گویا آپ کو ورثہ میں ملی تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا نے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شے سے دل ایسا اچاٹ کردیا تھا کہ علم وفن کی کتاب بھی آپ نے تہ کردی تھی، اس لئے آپ کے علمی کمالات کا ظہور نہ ہوسکا، لیکن آپ کا علمی پایہ مسلم تھا۔ امام زہری کہتے تھے کہ میں نے مدینہ میں ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا[4]۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ہر شے میں ان کی جلالت و عظمت پر سب کا اتفاق ہے۔[5]

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۵

[2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹

[3] ابن خلکان ج اول ص ۳۲۱

[4] تہذیب الاسماء نووی ج اول ص ۳۴۳

[5] یضاً

حدیث: حدیث آپ کے گھر کی دولت تھی، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا تھا، اگرچہ آپ کا شمار اکابر حفاظ حدیث میں نہیں ہے، تاہم آپ کی مرویات کثرت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة مأمونا كثير الحديث عاليا رفيعا۔[1]

حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت حسینؓ، اپنے بابا حسنؓ، اپنے چچیرے دادا ابن عباسؓ، اپنی دادی عائشہؓ، ام سلمہؓ، اور صفیہؓ اور اپنے خاندانی غلام ابو رافعؓ (مولی رسول اللہ ﷺ) ان کے لڑکے عبید اللہؓ، حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوانؓ اور دوسرے بزرگوں میں ابو ہریرہؓ، مسور بن مخرمہؓ اور سعید بن مسیبؓ سے استفادہ کیا تھا۔[2]

روایت میں آپ کے والد اور دادا کا سلسلہ سلسلۃ الذہب سمجھا جاتا ہے، ابو بکر بن شیبہ کا بیان ہے کہ زہری کی وہ روایات جو علی بن حسینؓ، ان کے والد اور ان کے دادا کے سلسلہ سے مروی ہیں، وہ اصح الاسانید ہیں۔[3]

تلامذہ: خود آپ سے فیض اٹھانے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، آپ کے صاحبزادوں میں محمد، زید، عبد اللہ، اور عمر اور عام رواۃ میں ابو سلمہ بن عبد الرحمن، طاوس بن کیسان، امام زہری، ابو الزناد، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبید اللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، حکم بن عتیبہ، حبیب بن ابی ثابت، ابو الاسود محمد بن عبد الرحمن، مسلم البطین، یحیی بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، علی بن زید بن جدعان وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[4]

فقہ: فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے علیؓ بن حسینؓ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا[5]، آپ کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور سات فقہاء کے بعد آپ آپ
ہی کا نمبر تھا۔[1]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۴

[2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۴

[3] ایضاً ص ۳۰۵

[4] ایضاً ص ۳۰۵

[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۵

حکیمانہ اقوال: آپ کے اقوال بھی آپ کے علمی کمالات کا آئینہ اور پندوموعظت اور حکمت وحقیقت کے اسباق ہیں، ان میں سے بعض یہاں نقل کئے جاتے ہیں، فرماتے تھے مجھے اس مغرور اور فخر کرنےوالے پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا، اور کل مردار ہوجائیگا، اور اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو خدا کی ہستی میں شک کرتا ہے، حالانکہ خوداس کی پیدائش اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے جو قیامت کے دن دوسری پیدائش کا انکار کرتا ہے، جبکہ پہلی تخلیق اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے، جو ایک فانی مقام کے لئے عمل کرتا ہے، اوردار بقا کو چھوڑ دیتا ہے، احباب کا کھودینا مسافرت ہے، خدایا میں تجھ سے اس امر سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو لوگوں کی نگاہ میں میرے ظاہر کو اچھا دکھا لیکن میری اندرونی حالت کو خراب کردے، خدایا میں نے جب کوئی برائی کی تو تونے میرے ساتھ بھلائی کی، آیندہ جب میں ایسا کروں تو تو بھی ایسا ہی کر، کچھ لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے، کچھ (جنت کی) طمع میں عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے، کچھ خالص شکر الٰہی میں عبادت کرتے ہیں، یہی آزادوں کی عبادت ہے۔[2]

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

آپ کے صاحبزادے محمد روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا، میں نے عرض کیا کون؟ فرمایا، فاسق کے ساتھ وہ تمکو ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم میں بیچ دیگا، میں نے پوچھا اس سے کیا کم شے ہے؟ فرمایا، ایک لقمہ کی طمع کیجائے اور وہ ملے بھی نہ۔ میں نے پوچھا دوسرا کون؟ فرمایا بخیل، وہ اس چیز کو جس کی تم کو سب سے زیادہ ضرورت ہوگی تم سے علیحدہ کردیگا، میں نے پوچھا تیسرا کون؟ فرمایا کذاب، وہ سراب کی طرح قریب کو تم سے دور کردیگا، اور دور کو

---

[1] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۲

[2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۴، ۱۳۳

قریب، میں نے عرض کیا چوتھا کون؟ فرمایا کہ احمق کہ وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا، مگر الٹے نقصان پہنچا دیگا، میں نے کہا پانچواں کون؟ فرمایا قاطع رحم میں نے اس کو کتاب اللہ میں تین مقام پر ملعون پایا۔[1] فرماتے، وہ شخص کس طرح تمہارا دوست ہو سکتا ہے کہ جب تم اس کی تھیلی سے اپنی ضرورت کے موافق لو تو اس کو خوشی نہ ہو۔[2]

فضائل اخلاق: اس ظلمت کدہ عالم میں اخلاق کی روشنی آپ ہی کے گھر سے پھیلی، آپ اسی آفتاب کی کرن اور اسی نور کا پرتو تھے، اس لئے آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کی وہ نورانی شمع تھی جس سے دوسرے مستنیر ہوتے تھے، آپ خلق نبوی کی مجسم تصویر تھے، خاندان بنی ہاشم میں آپ سے افضل کوئی نہ تھا۔[3]

خشیت الٰہی: خشیت الٰہی ہی وہ تخم ہے، جس سے شجر اخلاق کی شاخیں پھوٹتی ہیں، آپ کا دل خشیت الٰہی سے لبریز رہتا تھا، اور اکثر وہ اس خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ علی بن حسینؓ حج کو گئے، احرام باندھنے کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے لبیک تک نہ نکل سکا، لوگوں نے کہا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے، فرمایا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور ادھر سے جواب ملے "لالبیک" تیری حاضری قبول نہیں، لوگوں نے کہا مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے۔ لوگوں کے اصرار سے کہا، مگر جیسے ہی زبان سے لبیک نکلا بیہوش ہو کر سواری سے گر پڑے، اور حج ہونے تک یہی کیفیت طاری رہی[4]، جب زور سے ہوا چلتی تھی اور آندھی آتی تھی تو عذاب الٰہی کے خوف سے بیہوش ہو جاتے تھے۔[5]

---

1 مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۵

2 یضاً

3 تہذیب الأسماء ج اول ص ۳۴۳

4 تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۶

5 مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۴

عبادت اور ریاضت: آپ کی رگوں میں ان بزرگوں کا خون صالح تھا، جنکی عبادت زیر شمشیر جفا بھی نہ چھوٹی، اس کا یہ اثر تھا کہ ان کی ذات زہدو عبادت کا مجسم پیکر تھی، سعید بن مسیب جو خود بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے فرماتے تھے کہ علی بن حسینؓ سے زیادہ ورع میری نظر سے نہیں گذرا، عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، آپ کے اوقات کا بیشتر حصہ عبادت میں گذرتا تھا، شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے، اور مرتے دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا، اس عبادت کی وجہ سے زین العابدینؓ لقب ہو گیا تھا[1]، قیام لیل سفر و حضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا۔[2]

اخلاص فی العبادت اور خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ حضوری کے وقت سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، عبداللہ بن سلمان کا بیان ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہوجاتا تھا، لوگوں نے پوچھا آپ کو یہ کیا ہو جاتا ہے، فرمایا تم لوگ کیا جانو میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں۔[3]

محویت کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں کچھ بھی ہوجائے آپ کو خبر نہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگی، لوگوں نے آپ کو بھی پکارا، یا ابن رسول اللہ ﷺ آگ لگی، یا ابن رسول اللہ ﷺ آگ لگی، لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا، تاآنکہ آگ بجھ بھی گئی، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو آگ کی جانب سے اس قدر بے پرواہ کس چیز نے کردیا تھا، فرمایا دوسری آگ (آتش دوزخ) نے۔[4]

روزانہ کا معمول تھا کہ آپ اور سلیمان بن یسار مسجد نبوی ﷺ میں قبر نبوی ﷺ اور منبر نبوی ﷺ کے درمیان دن چڑھے تک مذاکرۂ حدیث اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، اٹھتے وقت عبداللہ بن ابی سلمہ قرآن کی ایک سورۃ سناتے تھے، قرآن سننے کے بعد دعا کرتے تھے۔[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ۶۵

[2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۷

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰

[4] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۳

[5] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: آپ کے جد امجد دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ نے اس کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا، اس سے غفلت کو کتاب اللہ سے غفلت شمار کرتے تھے، فرماتے تھے کہ امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنےوالے کی طرح ہے، بشرطیکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اسے نہ چھوڑے، لوگوں نے بچاؤ کا مطلب پوچھا، فرمایا جب کسی ظالم اور سرکش کی زیادتی کا خوف ہو۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ: انفاق فی سبیل اللہ، فیاضی اور دریادلی آپ کا خاص وصف تھا، آپ خدا کی راہ میں بے دریغ دولت لٹاتے تھے، فقراء اور اہل حاجت کی دستگیری کے لئے ہمیشہ آپ کا دست کرم دراز رہتا تھا، مدینہ کے معلوم نہیں کتنے غریب گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے، اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پائی، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ مستقل سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے۔[2]

لوگوں سے چھپانے کے لئے بہ نفس نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچا آتے تھے، مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ معلوم ہوتا تھا، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ رات کی تاریکی میں خود جا کر ان کے گھروں پر دے آتے تھے۔[3]

غلہ کے بڑے بڑے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے، وفات کے بعد جب غسل دیا جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں، جنھیں آپ راتوں کو لاد کر غربا کے گھر پہنچاتے تھے[4]، آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کہتے تھے کہ خفیہ خیرات زین العابدینؓ کے دم سے تھی، سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے، جب کوئی سائل آتا تو "میرے توشہ کو آخرت کی طرف لیجانیوالے، مرحبا!" کہکر اس کا استقبال کرتے[5]، سائل

---

[1] ایضاً ص ۱۵۸

[2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۴۳

[3] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۴

[4] ایضاً

،سائل کو خود اٹھ کر دیتے تھے، اور فرماتے تھے، صدقات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں[1]
جاتے ہیں۔[2]

عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دیدیا[3]، پچاس پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہن کر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کردیتے تھے۔[4]

اکل حلال: اکل حلال کا آپ کو اس درجہ اہتمام تھا کہ اگر آپ چاہتے تو اپنے بزرگوں کے نام پر بڑی دولت کما سکتے تھے، لیکن آپ نے رسول اللہ ﷺ کی نسبت یا نام سے ایک درہم کا بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔[5]

حلم و بردباری: تحمل اور بردباری میں اپنے بابا حضرت حسنؓ کے مشابہ تھے، آپ تحمل کی ایسی چٹان تھے کہ زبان کے تیز سے تیز نشتر اس پر اثر نہ کرتے تھے، ناگوار سے ناگوار اور تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے، کوئی جواب نہ دیتے، آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا تھا کہ جب مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہوجاتے اور کہتے، اب آیندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہ سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو۔[6]

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بکنے والے کے جانب متوجہ ہی نہ ہوتے، گویا آپ کو کہہ ہی نہیں رہا ہے، بعض گستاخ ایسے جری اور بے باک تھے کہ آپ کو جتاتے کہ میں تم ہی کو کہہ رہا ہوں، یہ سننے کے بعد بھی آپ جواب دینے میں چشم پوشی کرتا ہوں۔[7]

---

[1] یضاً
[2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰
[3] ایضاً ص ۱۶۲
[4] ایضاً ص ۱۶۱
[5] تہذب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۵
[6] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۵
[7] ایضاً ص ۱۳۷

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو کچھ ناملائم الفاظ کہے، آپ سنی ان سنی بنا گئے، اس شخص نے کہا میں تم کو کہہ رہا ہوں، آپ نے کہا میں چشم پوشی کرتا ہوں، اگر کبھی جواب بھی دیتے تو ایسا کہ کہنے والا خود منفعل ہو جاتا، ایک مرتبہ آپ مسجد سے نکلے، راستہ میں ایک شخص ملا اور آپ پر گالیاں برسانی شروع کر دیں، آپ کے غلام اور خدام اس کی طرف لپکے، آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا کہ میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں، تمہاری کوئی ایسی ضرورت ہے جس میں میں تمہاری امداد کر سکتا ہوں، یہ جواب سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا، آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اسے دیدیا اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے، اس شخص پر آپ کے اس "حسن انتقام" کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں "[1]

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے، آپ اس خبر دینے والے کو لیکر اس شخص کے پاس پہنچے، خبر دینے والا یہ سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو مدد کے لئے اپنے ساتھ لیا ہے، وہاں پہنچکر آپ نے اس شخص سے فرمایا تم نے جو کچھ میرے بارہ میں کہا ہے، اگر وہ صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے، اور اگر جھوٹ ہے، تو خدا تمہاری مغفرت فرمائے۔[2]

عفو و درگذر: آپ اپنے انتہائی کینہ پرور دشمنوں سے بھی جن سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچتی تھیں، موقع ملنے کے بعد انتقام نہ لیتے تھے، ہشام بن اسمعیل والی مدینہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو سخت اذیت پہنچاتا تھا اور برسر منبر اس کو بیان کرتا تھا، اور حضرت علیؓ پر علانیہ سبّ و شتم کرتا تھا، ولید بن عبد الملک نے جو شاید اس سے کسی بات پر کچھ برہم تھا، اپنے زمانہ میں اسے معزول کر دیا، اور حکم دیا کہ لوگوں کے مجمع میں کھڑا کیا جائے کہ لوگ اس سے اپنا اپنا بدلہ لیں، ہشام کا بیان ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسینؓ کی جانب سے تھا کہ وہ ایک بااثر آدمی تھے، لیکن انھوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ہشام سے تعرض نہ کرے، آپ کے صاحبزادے عبد اللہ نے عرض

---

[1] ایضاً

[2] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۷

کیا، کیوں، خدا کی قسم اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں، ہمکو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا، فرمایا ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، آپ کے اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا، ہشام پر اسکا اتنا اثر ہوا کہ اسکو زین العابدینؓ کے فضل کا اعتراف کرنا پڑا۔[1]

نرمی و ملاطفت: آپ فطرۃً بڑے نرم خو تھے، درشتی اور سختی کا آپ میں نام تک نہ تھا جانوروں تک کو مارتے اور جھڑکتے نہ تھے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ علی سواری پر مکہ جاتے تھے اور واپس آتے تھے اور اس طویل سفر میں کبھی اپنی سواری کو نہ مارتے تھے۔[2]

محبوبیت وجلالت: اس تحمل، اس عفوو درگذر اور اس نرمی اور ملاطفت کی وجہ سے آپ کی محبت وعظمت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزیں تھی کہ جدھر نکل جاتے تھے آپ کو راستہ دینے کے لئے ہجوم چھٹ جاتا تھا، اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبدالملک کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے، ہشام بن عبدالملک ایک دفعہ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں عمائد شام کیساتھ حج کو گیا، طواف کرنے کے بعد حجراسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا، لیکن ہجوم اتنا تھا کہ انتہائی کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا، مجبور ہو کر رک گیا، اور اژدحام کا تماشہ دیکھنے کے لئے پاس ہی اس کے لئے ایک کرسی بچھادی گئی، ابھی وہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں امام زین العابدینؓ آئے اور طواف کرکے حجراسود کی طرف بڑھے، انھیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی، اور انھوں نے آسانی کے ساتھ حجراسود کا بوسہ دیا، یہ منظر دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے، جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے، ہشام آپ کو خود پہچانتا تھا، لیکن محض شامیوں کے دلوں میں زین العابدینؓ کی عظمت نہ قائم ہونے اور ان کی توجہ کو ان کی طرف سے ہٹانے کے لئے کہا میں نہیں پہچانتا، فرزدق شاعر بھی موجود تھا، یہ تجاہل عارفانہ سنکر اس کی شراب عقیدت جوش میں آ گئی، اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں، شامی نے پوچھا کون ہیں، فرزدق نے اسی وقت زین العابدینؓ کی شان میں ایک پرزور مدحیہ قصیدہ پڑھا، جس کے بعض اشعار یہ ہیں:[1]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۳

[2] یضاً ص ۱۶۰

هذاالذی تعرف البطحاءوطأته والبیت یعرفه والحل والحرم
هذا ابن خیر عباد الله کلهم هذاالتقيّ النقيّ الطاهرالعلم
اذا ارأته قریش قال قائلها الی مکارم هذاینتهي الکرم
ولیس قولک من هذابضائره العرب تعرف من أنکرت والعجم
ماقال لاقط الافی تشهده لولاالتشهدکانت لاءه نعم
یکاد یمسکه عرفان راحته رکن الحطیم اذا ماجاء یستلم
مقدم بعدذکرالله ذکرهم فی کل امرومختوم به الکلم
یغضي حیاء و یغضی من مهابته ولایکلم الاحین یبتسم
هذاابن فاطمة ان کنت جاهله بجده انبیاء الله قدختموا

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق سے بگڑ گیا، اور اس کو قید کر دیا، امام زین العابدینؓ نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم عطا فرمائے، اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے خدا اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لیئے مدح کی تھی، انعام کی طمع میں نہیں، امام زین العابدینؓ نے اس پیام کے ساتھ پھر اس کے پاس بھجوادیا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمہاری نیت سے واقف ہے، وہ اس کا اجر علیحدہ دیگا، خدا تمہاری سعی مشکور فرمائے، اس پیام کے بعد تعمیل ارشاد میں فرزدق نے روپیہ لے لیا۔[2]

غرور سے نفرت: آپ جس خانوادہ کے رکن رکین اور جس رتبہ کے بزرگ تھے اس کے لحاظ سے آپ میں عجب وغرور کا پیدا ہوجانا تعجب انگیز نہ تھا، لیکن آپ میں اس کا شائبہ تک نہ تھا، بلکہ اس کے برعکس بڑے متواضع اور منکسر تھے، غرور سے سخت نفرت کرتے تھے، فرماتے تھے مجھے اس متکبر اور مغرور انسان

---

[1] یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت سی تاریخوں میں ہے
[2] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۶

پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل پھر مردار ہوجائیگا،[1] آپ کی چال ایسی متواضعانہ تھی کہ چلنے میں دونوں ہاتھ رانوں سے آگے نہ بڑھنے پاتے تھے۔[2]

مساوات: غرور نسب کو عملاً مٹانے اور مساوات کی عملی مثال قائم کرنے کے لئے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے ایک غلام سے کردی تھی، اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود عقد کرلیا تھا، عبد الملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی، آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لئے نمونہ ہے، آپ نے صفیہ بنت حیی کو (جو لونڈی تھیں) آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا، اور اپنے غلام زید بن حارثہؓ کو آزاد کر کے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی کردی تھی۔[3]

محبت اہل بیت میں اعتدال کی ہدایت: عموماً مدعیان محبت اہل بیت شدت غلو میں اہل بیت کرام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، امام زین العابدینؒ اس قسم کی گمراہ کن اور غیر معتدل محبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور انھیں ایسی محبت سے روکتے تھے، فرماتے تھے کہ "تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو، خدا کی قسم تم لوگ ہمارے متعلق یہاں تک کہتے رہے، کہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں ہمکو مبغوض بنادیا"۔[4] کبھی فرماتے "ہمارے ساتھ خدا کے لئے اسلام کی بتائی محبت کیا کرو تمہاری محبت تو ہمارے لئے عار بن گئی ہے"۔[5]

خلفاے ثلاثہ کے ساتھ حسن عقیدت: اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ امام زین العابدینؒ بھی سچی عقیدت رکھتے تھے، ان کی برائی سننا پسند نہ فرماتے تھے اور

---

[1] ایضاً ص ۱۳۳
[2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰
[3] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹
[4] یضاً ص ۱۵۸
[5] یضاً

برائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے، ایک مرتبہ چند عراقی آپ کے پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن خیالات میں ان کے ہمنوا ہوں گے، آپ کے سامنے خلفائے ثلاثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کہیں۔ آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی طرف:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ

مال غنیمت میں ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنے مال سے محروم کئے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔

جس میں مہاجرین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اشارہ فرما کر پوچھا تم کہہ سکتے ہو کہ تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو، جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائداد اور دولت سے محروم کئے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں، اور اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔

عراقیوں نے کہا نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی طرف:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر۔۱)

اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان سے (مہاجرین) پہلے سے مدینہ میں رہتے ہیں، اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں، اور (مال غنیمت) جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے اپنے دل میں اس کی خواہش نہیں پاتے، اور خواہ ان پر تنگی کیوں نہ ہو (مہاجرین کو) اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ جو اپنے نفس کو بخل سے بچائے گا وہی لوگ فلاح پائینگے۔

جو انصار کے فضائل میں ہے اشارہ کر کے پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں میں ہو جو ان لوگوں (مہاجرین) کی ہجرت کے پہلے سے (مدینہ میں) گھر رکھتے ہیں، اور ایمان لا چکے ہیں اور جو ان کے یہاں ہجرت کر کے جاتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں۔ عراقیوں نے کہا ان میں سے بھی نہیں ہیں، فرمایا تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو، اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں بھی نہیں ہو جن کے متعلق خدا فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔	اور وہ لوگ جو ان کے (مہاجرین) بعد آئے اور کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سب سے پہلے ایمان لاچکے مغفرت فرما، اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کینہ نہ رکھ سے ہمارے رب تو رؤف و رحیم ہے۔

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو تو خدا تم کو غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ۔[1]

حضرت عثمانؓ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے، کہ خدا کی قسم وہ ناحق شہید کئے گئے۔[2]

حلیہ: صورۃً نہایت حسین و جمیل تھے، بدن سے خوشبو پھوٹتی تھی[3]، شانوں تک زلفیں تھیں، مانگ نکلی رہتی تھی[4]، خضاب کبھی سیاہ اور کبھی سرخ دونوں استعمال کرتے تھے۔

لباس: نہایت خوش لباس تھے، خز کا جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے، جبہ اور اس کی چادر استعمال کرتے تھے، یک یک چادر کی قیمت پچاس پچاس اشرفی تک ہوتی تھی، اور محض ایک موسم پہن کر اس کو بیچ کر قیمت خیرات کردیتے تھے، سردیوں میں لومڑیوں کا سمور استعمال کرتے تھے، رنگوں میں سپید، سرخ، زرد اور سیاہ ہر قسم کا رنگ استعمال کرتے تھے، گول سر کی جوتی پہنتے تھے۔[5]

نفاست: مزاج میں بڑی لطافت و نفاست تھی، گندگی کو مطلق برداشت نہ کرسکتے تھے، بہت سی چیزوں کو محض دوسروں کی خاطر انگیز کرتے تھے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسینؓ بیت الخلاء گئے میں ہاتھ دھونے کے لئے پانی لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا تھا، بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد فرمایا،

---

[1] صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۴

[2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰

[3] ایضاً ص ۱۶۱

[4] یضاً

[5] یضاً

میں نے بیت الخلاء میں ایسی شے دیکھی جس نے مجھے شک میں ڈال دیا، میں نے پوچھاوہ کیا، فرمایا میں نے دیکھا کہ مکھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں، پھر اڑ کر آدمی کی جلد پر بیٹھتی ہیں، اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ بیت الخلاء جانے کے لئے ایک خاص لباس بنواؤں۔ پھر سوچ کر فرمایا، کہ جس چیز کی لوگوں کو استطاعت نہ ہو اسے مجھے بھی نہ کرنا چاہیے۔[1]

ماخوذ از: ''تابعین''

○

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۰

مولانا شاہ معین الدین ندویؒ

سیدنا امام محمد الباقرؓ

م ۱۱۴ ھ

نام و نسب: محمد نام، ابو جعفر کنیت، باقر لقب، حضرت امام زین العابدینؓ کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کی ماں ام محمد حضرت امام حسنؓ کی صاحبزادی تھیں، اس لئے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی۔ اس لئے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی۔

پیدائش: صفر ۵۷ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی۔[1]

فضل و کمال: باقر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے، جس کے فیض سے ساری دنیا میں علم و عمل کی روشنی پھیلی، پھر حضرت امام زین العابدینؓ جیسے مجمع البحرین باپ کے آغوش میں پرورش پائی تھی، ن موروثی ثرت کے علاوہ خود آپ میں فطرۃً تحصیل علم کا ذوق تھا، ان اسباب نے مل کر آپ کو اس عہد کا ممتاز ترین عالم بنا دیا تھا، وہ اپنے وفور علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے "بقر" کے معنی عربی میں پھاڑنے کے ہیں، اسی سے بقر العلم ہے یعنی وہ علم کو پھاڑ کر اس کی جڑ اور اندرونی اسرار سے واقف ہو گئے تھے[2]۔

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۰

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱، تہذیب الاسماء نووی ج اول ق اول ص ۸۷

بعض علماء ان کا علم ان کے والد بزرگوار سے بھی زیادہ وسیع سمجھتے تھے۔ محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا، جسے علی بن حسینؓ پر ترجیح دی جاسکتی، یہاں تک کہ ان کے صاحبزادے محمد کو دیکھا[1]، وہ اپنے عہد میں اپنے خاندان بھر کے سردار تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: کانَ سیِّدبنی ھاشم في زمانه[2]، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع تھے، ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے، ان کا شمار مدینہ کے فقہاء اور ائمہ میں تھا۔[3]

حدیث: حدیث ان کے گھر کی دولت تھی، اس لئے وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة کثیر العلم والحدیث[4]۔ اس گنج گراں مایہ کو انھوں نے اپنے والد محترم امام زین العابدینؓ اپنے نانا حضرت امام حسنؓ، اپنے دادا حضرت حسنؓ، اپنے چچیرے دادا محمد بن حنفیہؓ اور اپنے جد امجد کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ، اپنی دادی حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ کے مخزن سے بالواسطہ حاصل کیا تھا، یعنی ان بزرگوں سے ان کی روایات مرسل ہیں، اپنے گھر کے باہر، انس بن مالک، سعید بن مسیب، عبداللہ بن ابی رافع، حرملہ، عطا بن یسار، یزید بن ہرمز، اور ابو مرہ وغیرہ سے مستفید ہوئے تھے۔[5]

تلامذہ: اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ امام اوزاعی، اعمش، ابن جریح، امام زہری، عمرو بن دینار اور ابو اسحق سبیعی وغیرہ اکابر تابعین اور تبع تابعین کی بڑی جماعت آپ کے خرمن کمال کی خوشہ چین تھی۔[6]

فقہ: فقہ میں آپ کو خاص دستگاہ حاصل تھی، ابن برقی آپ کو فقیہ وفاضل لکھتے ہیں، امام نسائی فقہائے تابعین میں[7] اور امام نووی مدینہ کے فقہاء اور ائمہ میں شمار کرتے ہیں۔[1]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۰

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱

[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۰

[4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۸

[5] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۰

[6] یضاً

[7] یضاً

زہد و عبادت: آپ نے ان بزرگوں کے دامن میں پرورش پائی تھی جن کا مشغلہ ہی عبادت تھا، اور ایسے ماحول میں آپ کی نشو و نما ہوئی تھی جو ہر وقت خدا کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید سے گونجا کرتا تھا، اس لئے عبادت کی وہی روح آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی، عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا، شبانہ یوم مین ڈیڑھ سو رکعتیں نماز پڑھتے تھے[2]، سجدوں کی کثرت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا، لیکن زیادہ گھر نہ تھا۔[3]

شیخین کے ساتھ عقیدت: اپنے اسلاف کرام اور بزرگان عظام کی طرح شیخین کے ساتھ قلبی عقیدت رکھتے تھے، جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن علی سے پوچھا کہ آپ کے اہل بیت میں کوئی ابو بکرؓ و عمرؓ کو گالیاں بھی دیتا تھا، فرمایا نہیں میں انھیں دوست رکھتا ہوں، اور انکے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں[4]۔ سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقرؒ اور ان کے صاحبزادے جعفر صادقؒ سے ابو بکرؓ و عمرؓ کے بارے میں پوچھا، انھوں نے فرمایا سالم! میں انھیں دوست رکھتا ہوں، اور ان کے دشمنوں سے تبراؔ کرتا ہوں، یہ دونوں امام ہدی تھے، میں نے اپنے اہل بیت میں سے ہر شخص کو انکے ساتھ تولی ہی کرتے پایا۔[5]

صحت عقیدہ: بعض جماعتوں نے بہت سے ایسے غلط عقائد ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا، وہ امور دین میں خالص اور بے آمیز اسلامی عقائد کے علاوہ کوئی جدید عقیدہ نہ رکھتے تھے، جابر روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی سے پوچھا کیا اہل بیت کرام میں سے کسی کا یہ خیال تھا کہ کوئی گناہ شرک ہے، فرمایا نہیں۔ میں نے دوسرا سوال کیا ان میں کوئی رجعت کا قائل تھا، فرمایا نہیں۔[6]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۷

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۰

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۶

[4] ایضاً ص ۲۳۶

[5] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۱

[6] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۶

وفات: مقام حمیمہ میں انتقال فرمایا، لاش مدینہ لا کر جنت البقیع میں دفن کی گئی[1]، سنہ وفات کے بارہ میں بیانات مختلف ہیں، بعض ۱۱۴ ھ بعض ۱۱۷ اور بعض ۱۱۸ ھ بتاتے ہیں[2]

اولاد: امام باقرؒ کے کئی اولادیں تھیں، جعفر، عبداللہ، یہ دونوں حضرت ابو بکرؓ صدیق کی پوتی ام فروہ کے بطن سے تھے، ابراہیم یہ ام حکیم بنت اسید کے بطن سے تھے، علی اور زینب یہ دونوں ام ولد سے تھے، ام سلمہ یہ بھی ام ولد سے تھیں، ان میں جعفر الملقب بہ صادق سب میں نامور اور باپ کے جانشین تھے۔[3]

لباس: امام باقر نہایت خوش لباس تھے، خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے اور سادہ اور رنگین دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے، ابریشم کے بوٹے دار کپڑے بھی پہنتے تھے، اور وسمہ اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔[4]

ماخوذ از "تابعین"

○

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۰
[2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۸
[3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۵
[4] ایضاً ص ۲۳۶

یحیٰی بن الحسینؒ

سیّدنا اِمام زید بن علی رضی اللہ عنہما

م ۱۲۲ھ

آپ: اَبوالحسن زید بن علی بن الحسین بن علی بن اَبی طالب علیہم السلام ہیں۔

آپ کی والدہ: اُمّ ولد تھیں، ان کا نام (جیدا) تھا۔ روایت میں ہے کہ مختار نے ان کو تیس ہزار درہم میں خرید کر علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ علی بن الحسین نے خود ان کو خریدا تھا، ان اُمّ ولد نے آپ علیہ السلام کو سنہ ۷۵ھ میں جنا۔

آپ علیہ السلام کی صفت

آپ علیہ السلام گوری رنگت، خوبصورت آنکھ، ملے ہوئے ابرو، خوبصورت جسم، بلند قامت، گھنی ڈاڑھی، چوڑے سینے، ابھرے ناک، سیاہ سر اور ڈاڑھی والے تھے، البتہ آپ کے دونوں رخساروں پر سفید بال آگئے تھے۔

آپ فصاحت و بلاغت اور براعت میں امیر المؤمنین سے مشابہ تھے، مدینہ میں آپ (حلیف القرآن) کے نام سے معروف تھے۔ خالد بن صفوان نے کہا: بنوہاشم کی فصاحت وخطابت اور زہد وعبادت زید بن علی پر آپہنچی، اس بات کی شہادت آپ نے ہشام بن عبدالملک کے پاس اس کو خطاب کرتے ہوئے دی، جب اس پر اس کی مجلس کو تنگ کردیا۔

آپ علیہ السلام کی بیعت

آپ علیہ السلام کوفہ تشریف لائے، پھر اس سے نکل کر مدینہ کی طرف رخ کیا، جب قادسیہ پہنچے تو کوفہ کی ایک بڑی جماعت آپ کے پیچھے آئی آپ سے واپسی کی درخواست کرنے لگی کہ آپ کے سامنے آپ کے لئے جہاد میں ہمت صرف کریں گے۔ تو آپ اس کی طرف چھپ کر واپس آگئے، آپ مختلف جگہوں پر چھپتے رہے۔

اہل کوفہ کی اکثریت اور اس کے بہت سے فقہاء نے آپ کی بیعت کی، وہ چھپ کر آپ کے پاس آتے رہتے، پھر آپ نے مختلف علاقوں میں اپنے داعی نافذ کئے، لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، مختلف گوشوں سے آپ کی بیعت ہونے لگی، آپ کی فہرست صرف کوفہ سے بیعت ہونے والے پندرہ ہزار افراد کے ناموں پر مشتمل تھی، مختلف علاقوں سے ہونے والی بیعت اس کے علاوہ تھی۔

ان فقہاء میں سے جو آپ کے پاس آیا کرتے اور آپ سے استفادہ کیا: ابوحنیفہ، بہت سی مالی مدد کی، اور آپ کی بیعت کی، اور ان میں سے: سلمہ بن کہیل، یزید بن ابی زیاد، ہارون بن سعد [العجلی]، ابوہاشم ارمانی اور منصور بن المعتمر ہیں۔

آپ کوفہ میں گیارہ ماہ ٹھہرے، اس دوران آپ دعوت اور بیعت لینے میں مصروف رہے، البتہ اسی عرصہ میں دو ماہ کے لئے آپ بصرہ میں غائب رہے۔

آپ نے اپنے ساتھیوں کو بدھ کی شب سنہ ۱۲۲ کی صفر کی پہلی رات میں ظہور کا وعدہ فرمایا، لیکن آپ اس سے پہلے ظہور کے لیے مجبور ہوگئے، کیونکہ یوسف بن عمر اس معاملے سے واقف ہو چکا تھا، لہذا آپ نے بدھ کی رات کو جب کہ محرم کے سات دن باقی تھے معاویہ بن اسحاق الانصاری کے گھر سے ظہور فرمایا، آپ کے ارد گرد صرف آپ کی بیعت کرنے والے چند لوگ تھے۔ آپ نے نبی پاک ﷺ کے شعار کی آواز لگائی: (یا منصور امت)۔

جب آپ کے سر پر جھنڈے لہلہائے، تو فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا دین مکمل کر دیا، مجھے رسول اللہ ﷺ سے شرم آتی تھی کہ میں ان کے پاس اس حالت میں جاؤں کہ میں نے آپ

کی امت میں نیکی کا حکم نہ دیا ہو اور نہ برائی سے روکا ہو۔

جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگ آپ سے ہٹ گئے ہیں، تو فرمایا: "مجھے لگتا ہے کہ ان نے حسینیہ کیا ہے [یعنی میرے ساتھ وہ کچھ کیا ہے جو سیدنا حسین سے کیا تھا] آپ علیہ السلام بدھ جمعرات، جمعہ صبح شام جنگ فرماتے رہے، جب جمعہ کے دن کا آخری وقت آیا تو ایک تیر آیا اور آپ صلوات اللہ علیہ کی جبین میں آلگا۔

آپ علیہ السلام کی اولاد

یحییٰ بن زید، ان کی والدہ: رایطہ تھیں اور کہا جاتا ہے: ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ، ان کی نسل نہیں چلی۔ اور عیسیٰ، اور محمد، اور الحسین، ان سب کی ایک ہی والدہ ہیں، وہ: ام ولد ہیں، ان تین حضرات سے آپ کی نسل چلی۔

آپ کی شہادت اور عمر:

یوسف بن عمر کے ساتھیوں میں سے داؤد بن سلیمان بن کیسان نے آپ کو تیر مارا جو آپ کی جبین مبارک میں لگا، صحیح ترین روایت کے مطابق یہ واقعہ سنہ ۱۲۲ھ میں جب کہ محرم کے پانچ دن باقی تھے جمعہ کی رات کو ہوا۔ اور ایک روایت میں: سنہ ۱۲۱ھ ہے یہی روایت عقیقی کی ہے۔

آپ کو ڈاک سکہ ڈھالنے کی جگہ پر لایا گیا، معالج بلایا گیا جونہی اس نے آپ سے پیکان نکالا، تو آپ صلوات اللہ علیہ کی وفات ہو گئی، لہذا رات کے وقت آپ کو باہر لایا گیا اور ایک گڑھا کھودا گیا جس میں آپ کی تدفین ہوئی، اس جگہ پر پانی ڈال دیا، ایک دھوبی کے سندھی غلام نے یہ سب کچھ دیکھ لیا۔

بروز ہفتہ یوسف بن عمر کو [آپ کی شہادت کا] پتہ چلا، تو اس نے اعلان کیا کہ جو کوئی ان کا پتہ دے گا اس کو اتنا مال دیا جائے گا، تو سندھی غلام۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو۔ نے اس کا پتہ بتایا، تو ان لوگوں نے آپ [کے جسد] کو نکالا اور سر علیحدہ کر کے ہشام بن عبدالملک کے پاس بھجوا دیا۔

آپ کا جسد [مبارک] (کوڑا کرکٹ کی جگہ پر) مصلوب کیا گیا، اور ایک سال اور چند ماہ اسی طرح مصلوب رہا، ایک روایت میں ہے: چند دن، اور ایک روایت میں۔ دو سال ہے، یہاں تک کہ

بنو العباس کے جھنڈے خراسان میں ظاہر ہوئے، تو ولید بن یزید نے یوسف بن عمر کی طرف حکماً لکھا کہ اسکو اس لکڑی سے اتار کر جلا دیا جائے، تو اس نے ایسا کیا اور اس [راکھ] کو فرات میں بکھیر دیا۔

آپ صلوات اللہ علیہ کی بوقت شہادت عمر ۴۶ سال تھی، اور مجھے اسماعیل بن عباد، اللہ اس کو اس کے نیک اعمال کا نفع دے، نے مجھے اپنے کسی قصیدہ میں سے کچھ سنایا جو آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں تھا:

لم یشفھم قتلہ حتی تعاورہ   قتل وصلب واحراق وتمزیق

آپ کے قتل نے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہ دیا، جب کہ آپ پر قتل وصلب وجلاؤ اور تمزیق جیسے مراحل یکے بعد دیگرے آتے رہے۔

امام یحییٰ بن زید رضی اللہ عنہما

آپ: ابو عبد اللہ ہیں، اور کہا گیا ہے: ابو طالب۔ یحییٰ بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن اَبی طالب۔
آپ کی والدہ: ریطہ بنت عبد اللہ بن محمد بن علی بن اَبی طالب صلوات رب العالمین ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی صفت:

یوسف بن عمر نے خراسان پر اپنے عامل نصر بن سیّار کی طرف آپ کو طلب کرتے ہوئے آپ کا حلیہ اس طرح ذکر کیا: "آپ گھنگریالے بال، خوبصورت ڈاڑھی والے ہیں جب ڈاڑھی کو سیدھا کیا جائے" آپ علیہ السلام شجاعت، قوت قلب اور بہادروں سے دوبدو لڑائی میں اپنے والد صلوات اللہ علیہما کی مثل تھے۔ خراسان میں آپ کے ظہور کے دنوں میں ہونے والی جنگوں میں آپ سے دوبدو لڑنے والے جنگجوؤں کو قتل کرنے، اور لڑنے والے دشمنوں کو زخمی کرنے کے آپ کے مشہور واقعات ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے ظہور کے ایام اور آپ کی بیعت کا ذکر

دین کے دشمنوں اور ظالموں سے جنگ کرتے ہوئے زید بن علی رضی اللہ عنہ کو جب تیر لگا تو آپ کے بارے میں وصیت فرمائی، جب آپ کے والد علیہ السلام شہید ہوگئے، تو آپ کوفہ سے

اپنے اصحاب کے ساتھ بھیس بدل کر چھپ کر نکلے، (خراسان) میں داخل ہوئے، اور (بلخ) پہنچے اور آپ حُریش بن عبدالرحمٰن الشیبانی کے ہاں ٹھہرے۔

یوسف بن عمر نے نصر بن سیار سے آپ کو طلب کرتے ہوئے لکھا، تو نصر نے اپنے عامل عقیل بن معقل اللیثی سے آپ کو طلب کرتے ہوئے لکھا جو (بلخ) میں اس کا عامل تھا۔ تو اس نے بتایا کہ وہ الحریش کے گھر میں ہیں، حُریش سے آپ کی سپردگی کا مطالبہ کیا گیا، لیکن اس نے آپ کی جائے موجودگی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ لہذا اس کو چھ سو کوڑے لگائے، لیکن اس نے اعتراف نہ کیا، تو اس نے کہا: "اللہ کی قسم میں اس وقت تک تمہیں مارنا نہ چھوڑوں گا جب تک ان کو سپرد نہ کردے یا مر نہ جائے۔ تو حُریش رحمہ اللہ نے کہا: "اللہ کی قسم اگر میرے ان دونوں قدموں کے نیچے بھی ہوتے تو ان سے ان کو نہ اٹھاتا، لہذا تجھ سے جو ہو کر"۔ لیکن جب اس کے بیٹے قریش۔ کو اپنے باپ کے قتل کا ڈر ہوا تو اس نے سازش کرتے ہوئے اسے کہا کہ اگر وہ اس کے والد کو چھوڑ دے تو وہ جگہ بتادے گا، لہذا اس نے بتادیا اور آپ کو پکڑا گیا اور نصر بن سیار کی طرف لایا گیا، اس نے آپ کو جکڑ کر قید کرلیا، اور آپ کی خبر یوسف بن عمر کو لکھ بھیجی۔

اور یوسف نے ولید بن یزید کو یہ سب کچھ لکھ بھیجا۔ لہذا ولید نے آپ کو چھوڑ دینے، اور آپ کے ساتھیوں سے تعرض نہ کرنے کا حکم لکھ بھیجا۔ لہذا نصر نے آپ کو بلوایا اور آپ کی قید ختم کردی، اور آپ سے کہا: فتنہ مت پیدا کرو، تو آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا: "کیا امت محمد ﷺ میں تمہارے اس فتنے سے بڑھ کر بھی کوئی ہے جس میں تم ہو کہ خون بہاتے ہو، اور وہ کام کرتے ہو جس کے تم اہل نہیں"۔ نصر اس بات پر خاموش ہوگیا، اور آپ کو جانے دیا۔

آپ اس کے پاس سے باہر آگئے، اور (بیہق) تشریف لائے، وہاں پر دعوت ظاہر کی، وہاں ستر افراد نے آپ کی بیعت کی، لوگ آپ کی طرف جمع ہوگئے، نصر بن سیار نے عمرو بن زُرارہ کو آپ سے جنگ کرنے کے لئے لکھا، اور (سرخس) کے عامل قیس بن عباد، اور (طوس) کے عامل حسن بن زیاد کو اس کے ساتھ ملنے کے لئے لکھا۔ تو وہ جمع ہوگئے اور لوگ تقریباً دس ہزار تک ہوگئے، یحییٰ بن زید رضی اللہ عنہ ان کی طرف نکلے ان سے جنگ کی اور شکست دی، عمرو بن زرارہ کو قتل کیا

اور اس کے لشکر کو مباح کردیا۔ ان سے کئی جانور ہاتھ لگے۔ اور آپ نکلے یہاں تک کہ (جوزجان) کی سرزمین پر پہنچے، اس کی ایک بستی میں گئے، جس کو (اَرغویہ) کہاجاتا تھا۔ آپ کے ساتھ خراسان کے کئی لشکروں کی جماعت آملی اور آپ کی بیعت کی، اور آپ اس معاملے پر کچھ مدت رہے۔

آپ علیہ السلام کے اشعار:

خلیلی عنی بالمدینة بلغا　　　بنی ہاشم أہل النّھی والتجارب

میرے دو دوستو میری طرف سے مدینہ میں اہل عقل اور تجربہ کار بنوہاشم کو یہ پیغام پہنچادو

فحتی متی مروان یقتل منکم　سراتکم والدہر فیہ العجائب

کہ کب تک مروان تم میں سے سرداروں کو قتل کرتا رہے گا، جبکہ زمانے میں کئی عجائب ہیں

لکل قتیل معشر یطلبونہ　　　ولیس لزید بالعراقین طالب

ہر مقتول کا قبیلہ ہوتا ہے، جو اس کے (خون کا بدلہ) مانگتے ہیں، جبکہ دو عراقیوں (کوفہ و بصرہ) میں زید کے (خون کا) کوئی (بدلہ) مانگنے والا نہیں ہے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کے ہی اشعار ہیں:

یابن زید ألیس قد قال زید:　　من أحب الحیاة عاش ذلیلا

اے زید کے بیٹے کیا زید نے کہا نہیں تھا، جس نے زندگی سے محبت کی وہ ذلیل ہو کر جیا

کن کزید فأنت مہجة زید　　　واتخذ فی الجنان ظلا ظلیلا

زید کی طرح ہوجا کیونکہ تم زید کا خون لہذا جنتوں میں سایہ حاصل کرو۔

آپ رضی اللہ عنہ کی اولاد

جس بات پر طالبین اور دوسرے اصحاب انساب کا اجماع ہے کہ آپ کی اولاد میں: ام الحسن (حسن کا نام) حسنہ (تھا)۔ اور ان کی والدہ محبّة بنت عمر بن علی بن الحسین ہیں، ان کے علاوہ نے کہا ہے: کہ آپ سے احمد، حسن اور حسین تھے، جو چھوٹی عمر میں ہی وفات پاگئے۔ اور اسی طرح ام الحسین جو چھوٹی عمر میں ہی فوت ہوگئیں۔ اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ (حضرت) یحییٰ کی نسل آگے نہیں چلی، بلکہ آپ کی اولاد ختم ہوگئی۔

آپ رضی اللہ عنہ کا مقتل، عمر، اور جائے قبر

نصر بن سیار نے جوزجان میں آپ سے لڑنے کے لئے جو لشکر نافذ کئے تھے وہ اکٹھے ہوئے، آپ علیہ السلام نے تین دن اور تین راتوں تک ان سے سخت قتال کیا، یہاں تک کہ آپ کے اصحاب قتل کردیے گئے، اور آپ کی پیشانی پر ایک تیر آلگا، یہ تیر عذرۃ کے موالی میں سے ایک شخص نے چلایا، جس کا نام عیسی تھا۔ اللہ اس پر لعنت کرے۔، انھیں سورۃ بن محمد الکندی نے مقتول پایا تو آپ کا سر کاٹ کر مروان الحمار کے پاس لے گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا قتل۔ اور آپ کے قاتل پر لعنت ہو۔ شب جمعہ ماہ رمضان، سنہ ۱۲۶ میں ہوا، اور ایک روایت میں سنہ ۱۲۵ ہے، آپ کا بدن [مبارک] شہر جوزجان کے دروازے پر مصلوب کیا گیا۔

جس دن آپ صلوات اللہ علیہ مقتول ہوئے آپ کی عمر اٹھائیس سال تھی، آپ کو شادی کی پیش کش ہوئی تو فرمایا کہ ہائے افسوس ابوالحسین کوفہ کے کوڑا کرکٹ کی جگہ پر مصلوب ہوا، اور میں ان کا انتقام طلب نہ کروں۔

آپ صلوات اللہ علیہ ابو مسلم الخراسانی کے ظہور تک مصلوب رہے، اس نے آپ کو اتارا اور غسل دیا، اور کفن دیا، آپ کو (انبیر) میں دفن کیا گیا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے بالمقابل ایک بستی میں، آپ کا مزار جوزجان میں مشہور ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔

ابو مسلم نے آپ کے قاتلین کا تتبع کیا، اور ان میں سے اکثر کو قتل کردیا، اس نے دو آدمیوں کو پکڑا جن میں سے ایک نے آپ کو تیر مارا تھا، اور دوسرے نے آپ کا سر کاٹا تھا۔ اس نے ان دونوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر ان دونوں کو قتل کردیا اور ان دونوں کو سولی چڑھا دیا، اور کپڑے کالے کرنے کا حکم دیا، اور یہ کہ اس پر سات دن تک نوحہ کیا جائے۔ روایت میں ہے کہ اس سال خراسان میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام آپ علیہ السلام کی تعظیم کے لئے یحییٰ رکھا گیا۔

(ماخوذ از "الافادہ فی تاریخ الأئمة السادة")

○

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

سیّدنا اِمام زَید بن علی رضی اللہ عنہما

م ۱۲۲ ھ

واقعہ یہ ہے کہ دشتِ کربلا کی مصیبت اور اس کے بعد مسلسل بنی اُمیہ کے فولادی پنجوں کی آہنی گرفتوں نے عام مسلمانوں پر اُوس ڈال دی تھی۔ باطل کے مقابلہ میں اٹھنے کی تاب مسلمانوں میں عموماً باقی نہ رہی اور سب سے زیادہ خصوصیت کے ساتھ جو دنیا میں پیسے گئے، وہ فاطمہؓ اور علیؓ کی اولاد تھی۔ جب حال یہ ہو گیا جیسا کہ امام زین العابدینؓ سے منقول ہے کہ بیمار ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو قتل کرنے سے چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں کہ ان ہی میں سے ایک آدمی مجھے چھپا کر اپنے گھر لے گیا، اور میری خاطر ومدارات کرتا جب گھر آتا یا گھر سے جاتا تو میرے حال پر ترس کھا کھا کر روتا میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس سے زیادہ وفادار آدمی اب کون ہو سکتا ہے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان یّکن عند أحد من النّاس خیر وّ وفاء فعند ھذا۔ (طبقات ص ۱۵۷، ج ۵)

اگر بھلائی اور وفاداری کسی کے پاس ہو سکتی ہے تو اس شخص کے پاس ضرور ہو گی۔ مگر فرماتے ہیں، چند روز بھی گذرنے نہ پائے تھے ابن زیاد نے عام اعلان کیا کہ علی بن حسینؓ (یعنی امام زین العابدینؓ) کا جو پتہ دے گا اور لا کر حاضر کر دے گا تین سو درم اسے انعام میں دیئے جائیں گے۔ یہ سننے کے ساتھ میرے لئے ہر وقت رونے والا وہی آدمی جس نے مجھے پناہ دی تھی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ رسی لئے ہوئے آ رہا ہے اور میرے ہاتھ باندھ کر ان کو گردن سے باندھ رہا ہے روتا جاتا ہے اور باندھتا جاتا ہے یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ اخاف (مجھے ڈر لگتا ہے) اور اسی طرح باندھے باندھے اس نے اطمینان سے مجھے ابن زیاد کے پاس لا کر

کھڑا کر دیا اور تین سو درم لے کر روانہ ہو گیا۔ ابنِ زیاد کی نظر جوں ہی مجھ پر پڑی، چند باتوں کے بعد اس نے حکم دیا، کہ اس کی گردن اڑا دی جائے یہ سنتے ہی میری پھوپھی زینب بنت علیؓ چیخ اٹھیں۔

یا ابنَ زیاد حسبک من دمائنا اَسئلُک باللہان قتلته الا قتلتَنی۔ (طبقات ج۵ ص۱۵۷)

ہمارے گھرانے سے جتنا خون لیا گیا ہے ابنِ زیاد وہ بہت کافی ہے میں خدا کا واسطہ دیکر کہتی ہوں اس بچے کو اگر قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر لے۔

ان کی اس چیخ سے ابنِ زیاد متاثر ہو گیا، اور میری جان بچ گئی (دیکھو طبقات ابن سعد) اسی لئے حضرت نے ان لوگوں سے جو اہل بیت سے محبت کے دعوے کر کر کے ان حرکات کا ارتکاب کیا کرتے تھے فرماتے کہ :احبّونا حبّ الاسلام فما هرج بنا حبکم حتی صار علینا عاراً۔ (طبقات ج۵ ص۱۵۸)

بس اسلام کی اخوت کے تعلق سے لوگو ہم سے محبت کرو، تم لوگوں کی محبت تو ہمارے لئے باعث ننگ و عار بن گئی ہے۔

کبھی فرماتے کہ تم لوگوں کی اسی محبت نے دنیا کو ہم لوگوں کا دشمن بنا دیا ہے، یہ بھی فرماتے کہ:

> ''معروف (شرعی نیکیوں) کے کرنے اور منکر (غیر شرعی امور) سے بچنے کے حکم سے اعراض کرنا خدا کی کتاب کو پسِ پشت ڈالنا ہے''۔

مگر جن حالات میں وہ گرفتار تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے إلَّا اَن تتَّقُوا منهم تُقاةً (یعنی بد اندیشوں سے بچنے کے لئے بچنے کی کوئی تدبیر کی جائے) پوچھا جاتا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔جواب دیتے کہ یخاف جباراً عنیداً یخاف ان یفرط علیه أو یطغی زبردستی کرنے والے کینہ پروروں سے آدمی ڈرے، ڈرے اس بات سے کہ وہ ظلم اور زیادتی کریں گے۔

اس اندیشے سے اپنے آپ کو ان کے مظالم سے بچانے کے لئے ایسی تدبیر اختیار کی جائے جو ظلم سے اس کو محفوظ رکھے اہلِ بیت کو اتنا کچل دیا گیا کہ مدینہ میں جب حرّہ کا واقعہ پیش آیا۔ حالانکہ زیادہ تر اس واقعہ کے پیش آنے میں بڑا سبب حضرت امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں شہادت ہی تھی۔ لیکن طبقات میں لکھا ہے خود حضرت سیّد زین العابدین کا بیان ہے کہ ماخرج فیهاأحد من آل أبی طالب ولاخرج من فیها من بني عبدالمطلب لزموا بیوتهم (ص۱۵۹)

ابو طالب کے خاندان میں سے بھی کوئی آدمی اس ہنگامے میں شریک ہونے کے لئے نہ نکلا اور نہ عبد المطلب کے گھرانے والے نکلے سب کے سب اپنے گھروں میں پڑے رہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد اہلِ بیتِ نبوّت والوں نے سیاسی قصوں سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لیا تھا خود امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی عبادت وریاضت ومجاہدے میں گزاری مدینہ منوّرہ کے پاس عقیق نامی ندی کے کنارے جو محلہ تھا وہیں آپ نے مکان بنوالیا اور اپنے باں بچوں خاندان والوں کے ساتھ صبر وشکر کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہے تھے اگرچہ ریحانۃ النبی سیدّنا حسین علیہ السلام کی اولاد ذکور میں آپ تنہا باقی رہ گئے تھے لیکن خدا نے آپ کی اولاد میں برکت دی۔ اپنے بعد ذکور واناث کی شکل میں اپنی اولاد کی کافی تعداد آپ نے چھوڑی جن میں سب سے زیادہ شہرت امام باقر محمدّ بن علی بن حسینؓ نے حاصل کی، آپ کی والدہ امام حسنؓ کی چونکہ صاحبزادی تھیں اس لئے دونوں بھائیوں کی نمائندگی آپ کا وجود باوجود کرتا تھا۔ گو آپ کے ایک حقیقی بھائی عبداللہ بن علی بھی تھے لیکن عظمت واحترام کا جو مقام عالی امام باقرؓ کو حاصل ہوا یہ کچھ ان ہی کی خصوصیت تھی۔ سیدّنا زین العابدینؓ کے دوسرے صاحبزادے دوسری عورتوں سے تھے جن میں ایک زید بن علی الشہیدؓ بھی ہیں۔

ہندوستان اور خاندانِ نبوت: لکھنے والوں نے تو خود حضرت امام زین العابدینؓ تک کے متعلق اگرچہ یہ لکھ دیا ہے کہ:

قیل ان امّ زین العابدین یقال لھا غزالۃ وقیل سلامۃ من بلا دالسند۔ (ص ۱۹۱ لیافعی ج ۱)

کہا گیا ہے کہ امام زین العابدینؓ کی والدہ جن کا نام غزالہ یا بعض سلامہ بتاتے ہیں۔ سندھ کی رہنے والی تھیں ۔ گو یہ اس عام اور مشہور روایت کے خلاف ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ یزد گرد کی شاہزادی تھیں جن کا ایرانی نام شہر بانو اور عربی نام سلافہ رکھا گیا تھا۔ الیافعی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

وأمّہ سلافۃ بنتُ یزد جرد آخر ملوک فارس۔ (ص ۱۹۰ ج ۱)

حضرت زین العابدین کی والدہ کا نام سلافہ تھا یزد گرد ایران کے آخری بادشاہ کی صاحبزادی

تھیں۔الیافعی نے اسی سلسلہ میں الزمخشری کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایران کے قیدی جب مدینہ لائے گئے تو یہ معلوم کر کے ان قیدیوں میں شاہی خاندان کی چند شاہزادیاں بھی ہیں، حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ شاہی خاندان کی شاہزادیوں کے ساتھ عوام کا معاملہ درست نہ ہوگا۔آخر حضرت علیؓ نے ان تینوں شاہزادیوں کو بیت المال میں قیمت ادا کر کے لے لیا اور آپ ہی نے ان میں سے ایک کو حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ اور دوسری کو حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے محمّد اور تیسری کو امام حسین علیہ السلام کو عطا فرمادیا۔امام زین العابدینؓ ان ہی شاہزادی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر میں شاہزادی داخل ہوئیں ان سے سالمؒ اور محمد بن ابی بکر والی شاہزادی سے قاسم بن محمدؒ پیدا ہوئے تینوں اپنے وقت کے امام تھے علم وفضل، تقویٰ وطہارت، ریاضت ومجاہدہ میں ان تینوں کے برابر مشکل ہی سے کوئی آدمی مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں تھا۔لکھا ہے کہ ان ہی تینوں صاحبزادوں کو دیکھ کر عربوں کا یہ خیال بدل گیا کہ عجمی عورتوں سے بچہ نہ پیدا کرانا چاہیے لیکن ان کو دیکھ کر کثرت سے لوگ عجمی خواتین کو اپنے بچوں کی مائیں بنانے لگے۔(دیکھو الیافعی ص ۱۹۱ ج ۱)

حضرت زیدؓ: بہر حال امام زین العابدینؓ کی رگوں میں ہندوستانی خون تھا یا نہ تھا۔لیکن ان کے صاحبزادے زید کے متعلق مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ ہندیہ تھیں۔طبری نے حضرت زید اور ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن حسنؓ سے جس گفتگو کو نقل کیا ہے اس میں عبداللہ بن حسنؓ نے صاف لفظوں میں زید کو کہا کہ: **یاابن الھندکیة** (اے ہندوستانی عورت کا بچہ)

میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے یعنی حضرت زید کی والدہ تو "ہندیہ" تھیں اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ ان کی دادی شہر بانو ایرانیہ خاتون بلکہ شاہزادی تھیں تو اس کا مطلب گویا یہی ہوا کہ ان میں عربی قریشی، ہاشمی، فاطمی، علوی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایرانی اور ہندوستان صفات بھی موروثی طور پر منتقل ہوئے۔شاید ہی اس زمانہ میں اس قسم کی موروثی خصوصیات کسی شخصِ واحد میں جمع ہوئے ہوں۔

شکل و صورت: اسی لئے لکھا ہے کہ حضرت زید غیر معمولی طور پر حسین و جمیل تھے۔شیخ ابو محمد یحیی امام شافعی کے حوالے سے "الروض الکبیر" میں جو زیدی فقہ کی کتاب ہے اس کے مقدمہ میں نقل کیا ہے:

كان أبيض اللون، أعين، مقرون الحاجبين، تام الخلق، طويل القامة، كث اللحية،

عریض الصّدر، اقنی الأنف، أسودالرأس واللحیة إلا أنه خالطه الشیب فی عارضیه
(ص ۹ ۴ مقدمہ الروض النضیر)

رنگ حضرت زید کا گورا تھا آنکھیں بڑی بڑی ابرو دونوں ملے ہوئے تھے جسم کی بناوٹ مکمل تھی۔ قد دراز تھا، ڈاڑھی گھنی، سینہ فراخ و کشادہ، بلند بینی، ڈارھی اور سر کے بال سیاہ تھوڑی سی آمیزش سفید بالوں کی دونوں رخساروں کے اطراف میں ہو چکی تھی۔

شاید حضرت زیدؓ کی ان صوری خصوصیتوں میں ان تمام چیزوں کی جھلک پائی جاتی ہے جنھیں نسبتاً اُن میں ہونا چاہیے تھا۔اسی طرح ان کے باطنی صفات میں بھی بیّن طور پر موروثی آثار کے جلوے نظر آتے ہیں غیر معمولی ذہین وفطین، علم دوست، معارف پرور ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر اور نڈر تھے۔

دوسری شہادتوں کے ساتھ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بھی شہادت اس باب میں یہ نقل کی گئی ہے، حضرت امامؒ فرماتے تھے:

''شاهدتُ زید بن علیؓ کما شاهدت أهله فما رأیت فی زمانه أفقهَ منه ولا أعلمَ ولا أسرعَ جواباً ولا أبینَ قولا''

(میں نے زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے ان کے خاندان کے دوسرے حضرات کے مشاہدے کا موقعہ مجھے ملا ہے میں نے ان کے زمانے میں ان سے زیادہ فقیہ آدمی اور کسی کو نہیں پایا اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح صاف گفتگو کرنے والا آدمی اس عہد میں مجھے کوئی نہ ملا)۔

اخیر میں امام صاحب کا بیان اس لفظ پر ختم ہوا ہے :''لقد کان منقطع القرین"(درحقیقت ان کے جوڑ کا آدمی اس زمانہ میں نہ تھا)۔ (ص ۵۰ روض)

اور امام ہی کیا اس عہد کے بڑوں میں مشکل ہی سے کوئی آدمی نظر آتا ہے جس سے حضرت شہید کے متعلق اسی قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔الشعبی سے روایت کرنے والوں نے یہاں تک روایت کیا ہے کہ:

زید بن علی سے بہتر بچہ شاید کسی عورت نے پیدا کیا ہو، ایسا فقیہ، اتنا بہادر اور قانع عابد و زاہد مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمی اور دینی فہم وفراست کے ساتھ حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی۔

امام جعفر صادقؓ سے مروی ہے کہ شہید کی شہادت کی خبر جب معلوم ہوئی تو فرمایا:

''واللہ میرے چچا ہم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کے پڑھنے والے سب سے زیادہ اللہ کے دین میں سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال کرنے والے تھے''

اور آخر میں فرمایا: ''واللہ ما ترک فینا لدنیا ولا لآخرۃ مثلہ ''(خدا کی قسم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے یعنی دونوں کے متعلقہ مسائل کے لئے انہوں نے ہمارے خاندان میں اپنا جیسا آدمی نہیں چھوڑا۔) (روض ۵۰)

گویا حضرت زیدؓ کی اس جامعیت کا حضرت صادقؓ کی طرف سے یہ اعتراف تھا جو ان کے موروثی صفات کے منطقی نتیجہ ہونے کی حیثیت رکھتی تھی، بہر حال یہ تو ان کے فطری صفات کی طرف کچھ اشارے تھے ان جبلی صفات کے ساتھ جن اکتسابی کمالات کو حضرت زیدؓ نے اپنے اندر جمع کیا تھا۔ اس کا اندازہ انکی طالب علمانہ زندگی سے ہوتا ہے۔ میرے سامنے اس وقت ان کی مفصل سوانح عمری نہیں ہے، تاہم اجمالاً کچھ ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ بات یہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ دشت کربلا کے زہرہ گداز مناظر نے اہل بیت کے افراد کو عموماً اور حضرت سیّدنا امام زین العابدینؓ کو خصوصاً اتنا دل شکستہ بنا دیا تھا کہ زیادہ تر ان بزرگوں پر یکسوئی اور عزلت گزینی کے جذبات غالب آگئے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ سیاسی مسائل اور الجھنوں کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ قطعی طور پر یہ طے کر لیا گیا تھا کہ کچھ بھی گذر جائے۔ لیکن ان کانٹوں میں نہ الجھا جائے گا۔ طبقات ابن سعد میں حضرت امام زین العابدین کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی گئی۔

إنّ عليّ بن حسين كان ينهى عن القتال وإنّ قوماً من اهل خراسان لقوه فشكوا اليه ما يلقون من ظلم ولا تهم فأمرهم بالصبر والكفّ وقال إنى أقول كما قال عيسى بن مريم عليه السلام إن تعذبهم فإنهم عبادک وإن تغفرلهم فإنک أنت العزيز الحكيم (ص ١٦٠ ج ٥)

علی بن حسین یعنی حضرت امام زین العابدینؓ لوگوں کو جنگ وجدل سے منع کیا کرتے تھے خراسان کے کچھ لوگ آپ سے آکر ملے اور (بنی امیہ کے حکمرانوں کے) جن مظالم میں گرفتار تھے ان کا شکوہ حضرت سے کیا تو حضرت والا نے ان کو صبر کی تلقین کی اور لڑائی جھگڑے سے بچے رہنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ

میں بھی ان ظالموں کے متعلق وہی کہتا ہوں جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ یعنی قرآن میں جو دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منقول ہے کہ :إن تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفرلهم فإنك أنت العزيز الحكيم (اگر آپ ان کو سزا دیتے ہیں تو آپ کے یہ بندے ہیں ،اور اگر ان کو بخش دیتے ہیں تو آپ کی ذات سب پر غالب ہے اور آپ ہی حکمت والے ہیں۔)

آخری فقرہ حضرت کا یعنی امت محمدیہ کے لئے اسی دعا کو استعمال کرنا حضرت مسیح علیہ السلام عیسائیوں کے لئے فرمائیں گے اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے نانا کی امت کے ان حالات کو دیکھ کر ان بزرگوں پر کیا گذر رہی تھی ۔ایمان واسلام کے دعویٰ کے بعد جس قسم کے حرکات بنی امیہ کی حکومت کی سرپرستی میں مسلمانوں سے سرزد ہورہے تھے۔ بظاہر ان کے ازالہ کی امید سے مایوس ہو کر بجائے سختی کے ان کے رجحانات کچھ نرمی کی طرف مائل ہورہے تھے۔

قرآن سے تعلق: خانوادۂ نبوت میں حضرت زیدؓ نے طلب علم میں جتنی کوشش کی ،اس خاندان میں اس کوشش کی نظیر نہیں ملتی ،خصوصاً قرآن کے ساتھ آپ کا جو تعلق تھا ،اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے جو خود آپ سے منقول ہے۔

خلوت بالقرآن ثلاث عشر سنة (ص ۵۰ روض)

تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کے لئے میں نے خلوت اختیار کی۔

تیرہ سال تک ہر چیز سے الگ ہو کر قرآن میں آپ کا یہ استغراق کس لئے تھا ۔جہاں تک قرائن سے معلوم ہوتا ہے بات وہی تھی کہ امت اسلامیہ میں مختلف ملل وادیان کے لوگ فوج در فوج جو داخل ہوئے ،اور ہر ایک اپنے ساتھ کچھ اپنے موروثی عقائد وخیالات کے جراثیم بھی لایا ،مسلمان ہونے کے بعد شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر ان میں بعضوں نے یہ کوشش کی کہ اسلامی عقائد ومسلمات اور اپنے موروثی عقائد وخیالات میں مصالحت وموافقت کی شکل پیدا کریں ،اور سچ پوچھیے تو پہلی صدی ہجری میں بیسیوں فرقوں کی اسلام میں جو بھرمار ہوگئی ،تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ واقعہ بھی تھا۔ دوسری طرف حکومت قائمہ کے ساتھ مسمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیے اس باب میں جیسا کہ گذر چکا طرح طرح کے خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے تو سلاطین وقت کو ہر قسم کی مصلحت سے آزادی ہی بخش دی تھی ۔ان ہی کے بالمقابل خوارج اور ان کے بوقلموں خیالات رکھنے والے فرقے تھے جو بات بات پر مسلمانوں کی گردنیں اڑادینا ،ان کے

جان ومال کو حلال سمجھ لینا عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنالینا اسی کو بطور پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے جن کی جرائتیں اس حد تک پہنچی ہوئی تھیں کہ حضرت مرتضی علیہ السلام تک سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے کہ: تُبْ كَمَا تُبْنَا (تم بھی اس طرح توبہ کرو جس طرح ہم نے توبہ کی ہے) اسی طرح آپ دیکھ چکے کہ خود اہل بیت کے اراکین سیاسی معاملات سے یک سوئی اور قطعی علیحدگی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، الغرض یہی سوال کہ پراگندگی اور انتشار کے اس حال میں ''حق'' کیا ہے ؟جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تیرہ سال تک قرآن کے استغراق میں اسی سوال کا شاید جواب حضرت زید تلاش کر رہے تھے پھر اس کا جواب ان کو کیا ملا میری بحث کے دائرے سے اس کی تفصیل خارج ہے۔

حضرت زید کی ایک تقریر: اجمالاً ان کی اس تقریر کا تذکرہ کرسکتا ہوں جو اس زمانہ کے مختلف اعتقادی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، حضرت شہید نے فرمایا کہ میں ان لوگوں سے بھی بریٔ ہوں جو حق تعالی کو اس کے مخلوقات جیسی ہستی خیال کرتے ہیں۔[1] اور ان جبریوں سے بھی بریٔ ہوں جنہوں نے اپنی ساری شرارتوں اور بداعمالیوں کی گٹھری خدا پر لاد دی ہے(یعنی ہم کچھ نہیں کرتے سب خدا کرتا اور کراتا ہے)اور میں اُن لوگوں سے بھی بریٔ ہوں جنہوں نے بدکاروں اور شریروں کے دں میں یہ توقع پیدا کردی ہے کہ خدا ان کو یوں ہی چھوڑ دے گا (یعنی صرف ایمان کا دعوی کافی ہے نجات کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں جو مرجیہ کا عقیدہ ہے)اور میں ان دین باختوں سے بھی بریٔ ہوں جو حضرت علیؓ کو کافر کہتے ہیں اور ان رافضیوں سے بھی جدا ہوں جو ابوبکرؓ وعمرؓ کی تکفیر کرتے ہیں'' مگر خیر ان باتوں کا تعلق تو دینی اور مذہبی عقائد وخیالات سے تھا، حکومت مسلط جن ناکردنیوں کا ارتکاب کر رہی تھی اور اس کے حکام جن ناگفتنیوں پر مسلمانوں کے حق میں جریٔ ہوگئے تھے۔اُن کے مقابلہ میں کیا طریقہ عمل اختیار کرلیا جائے یقیناً اس خلوت بالقران کے تیرہ سالوں میں یہ سوال بھی ان کے سامنے تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی سوال کا جواب تھا جو کوفہ کی گلیوں میں آپکے خون سے لکھا بیان

---

[1] شارہ ان لوگوں کی طرف تھا جو خداوند تعالی کے لئے آدمی کی طرح آنکھ کان ہاتھ وغیرہ ثابت کرتے بلکہ ن میں کہتے کہ بجزڈاڑھی اور شرم گاہ کے خدا میں وہ سارے اجزا پائے جاتے ہیں جو آدمی کے جسد میں ہیں ان کا یہ بھی خیال تھا کہ عرش کی جسامت اللہ میاں کی جسامت سے چار انگل زیادہ ہے کیونکہ عرش کی صفت قرآن میں عظیم سئی ہے کم زکم چار انگل تو اس تخت کو بڑا ہونا چاہیے جس پر خدا بیٹھا ہے (العیاذ باللہ)

کیا جاتا ہے کہ اپنی شکست کا جب آپ کو یقین ہو گیا تو اس وقت فرمایا کہ:۔
''شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حد کمال تک پہنچانے کا اس وقت موقع عطا فرمایا''
اس کے بعد فرمایا اور یہی فقرہ خاص طور پر قابل توجہ ہے، یعنی فرمایا:

''جب کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سخت شرمندہ تھا کہ اُن کی اُمت کو معروف کا حکم میں نے کیوں نہیں دیا اور منکر سے کیوں نہیں روکا''۔

دوسری روایت کے الفاظ اسی کے قریب قریب ہیں یعنی آپ نے فرمایا:

''خدا کی قسم مجھے یہ چیز سخت ناگوار تھی کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں اور اس حال میں ملاقات کروں کہ ان کی امت کو نہ معرفت کا میں حکم دیئے ہوتا اور نہ منکر سے منع کئے ہوتا''۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:

''خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو جب میں نے درست کرلیا تو اس کے بعد مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ میرے لئے آگ جلائی جائے اور مجھے اس میں جھونک دیا جائے''۔ (مقدمہ روض النضیر)

میرے خیال میں تو شاید ان کا یہی جذبہ تھا جس کی چنگاری ان کے اندر سلگتی اور بھڑکتی رہتی تھی مشہور محدث ابو عوانہ نے حضرت شہید کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ:

کان زید بن علی یری الحیاۃ غراماً وکان ضجراً بالحیاۃ۔(ص ۵۵ مقدمہ روض النضیر)
زید بن علی کے لئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی زندگی سے وہ تنگ آچکے تھے۔

یہی خیال کہ اپنے نانا محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا، اسی چیز نے شاید ان کی زندگی کو ان پر دو بھر کردیا تھا حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اندر تھا، وہ باہر کیسے آئے اسی فکر میں زندگی کے ایک بڑے حصہ میں وہ سرگرداں اور پریشان تھے کہ اچانک ابن النصرانیہ کو بات سوجھی یا سُجھائی گئی۔ وہ حضرت کے پاس مال کے رکھوانے کا دعوی کرتا ہے اور ہشام کے لئے ''مال'' کی آواز سے زیادہ دلچسپ آواز کوئی نہ تھی۔ المسعودی نے اس کی خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ کان یجمع الا موال (یعنی مال جمع کرنے کا اسکو بہت ڈھب تھا) حتیٰ کہ اسی کا بیان ہے کہ ''ہشام کے عہد میں لوگ اسی کی

روش پر چلنے لگے جس کے پاس جو کچھ تھا اس کے دبالینے کی فکر میں ڈوب گیا حسن سلوک کے راستے مسدود ہوگئے اور مہمان نوازی کا سلسلہ ٹوٹ گیا"۔ (المسعودی برحاشیہ کامل ص ۱۴۴ ج ۷)

بھلا جس بادشاہ کا حال یہ ہو کہ رعایا پر خواہ کچھ ہی گزر جائے لیکن اپنے غلہ کی فروخت کی فکر دوسروں کے غلوں کی بکری سے پہلے ہو، یہ بادشاہ ہوا یا کوئی اور۔۔۔۔ بہر حال ہوا یہی جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ سننے کے ساتھ ہشام نے اُسی وقت مدینہ کے والی کے نام فرمان روانہ کیا کہ زید اور جن جن لوگوں کا نام خالد نے اس سلسلے میں لیا ہے ان کو میرے پاس دمشق بھیج دو، فرمان مدینہ آتا ہے والی ان سب کو واقعہ سے مطلع کرتا ہے۔ حضرت زیدؓ حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ کہاں خالد اور کہاں اس کا مال والی نے بھی سن کر یہی کہا کہ آپ لوگ سچ کہتے ہیں مگر میں مجبور ہوں دمشق جانا پڑے گا۔ولے برندش روانہ ہوئے دمشق پہنچے، ہشام نے پہلے خود پوچھ گچھ کی، طبری نے لکھا ہے کہ بیان سننے اور کافی جرح وسوال کے بعد ہشام کوحالانکہ اطمینان بھی ہوگیا خود اس نے اعتراف کیا کہ انتما عندي أصدق من ابن النصرانية (ص ۲۶۱) نصرانیہ کے لڑکے (خالد) سے آپ لوگ میرے نزدیک زیادہ سچے ہیں۔

حضرت زیدؓ کوفے میں: چاہیے تھا کہ اب ان حضرات کو مدینہ منورہ واپس کردیتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت میں اسے وسوسہ ہوا کہ شاید برسرزمین خالد کے رُوبرو ہونے کے بعد کوئی ایسی بات معلوم ہو جس سے مال کا پتہ چلے، اس نے دونوں کو حکم دیا کہ:

> آپ دونوں یوسف (گورنر کوفہ) کے پاس جائیے، تاکہ یوسف خالد سے آپ کے سامنے معاملہ دریافت کرے اور منہ پر اس کے دعوے کو جھٹلائے۔ (ص ۲۶۱ کامل)

اور یوں خود ہشام نے کوفہ پہنچنے کا حضرت زیدؓ کے لئے ایک ذریعہ پیدا کردیا۔ تقدیر اسی کا نام ہے، افراد بنی امیہ ہمیشہ اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ اہل بیت کا کوئی آدمی کوفہ پہنچنے نہ پائے۔ یا پہنچے بھی تو اس کی باضابطہ نگرانی رکھی جاتی تھی، لیکن مال کی محبت میں ہشام کچھ ایسا اندھا ہورہا تھا کہ خود ہی قدغن کرکے بااصرار تمام حضرت شہیدؓ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے داود بن علیؓ کو زبردستی کوفہ پہنچادیا۔ جیسا کہ عرض کرچکا ہوں خالد اور حضرت زیدؓ کی دوبدو گفتگو جب ہوئی تو خود خالد نے اعلان کیا کہ میں نے مال ان حضرات کے پاس نہیں رکھوایا ہے۔اور حضرت زیدؓ کے یہ دریافت کرنے پر کہ پھر تونے ہمارا نام کیوں لیا اس نے جو بات جواب میں کہی تھی کہ آپ کے آنے

سے مجھے توقع ہے کہ شاید نجات کی کوئی راہ نکل آئے، وہی بات سامنے آگئی۔

کوفہ جہاں گذشتہ دنوں میں جو کچھ گزر ہی چکا تھا، وہ تو گزر ہی چکا تھا لیکن مسلمانوں کی مسجدوں کے مینارے جو ڈھائے گئے تھے اور ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کے لئے گرجا بنایا گیا تھا۔ ایمان والوں پر شرک و کفر کا تسلط قائم کیا گیا تھا، بادشاہ کی آمدنی میں تاکہ کمی نہ ہو رعایا کو بھوکوں مرنے پر مجبور کیا جارہا تھا، خالد کے بیٹے کے بعد جو دوسرے صاحب گونر بن کر آئے وہ بھی سگِ زرد کے بھائی شغال ہی نکلے صدق ابن اللخناء جس کا تکیہ کلام تھا سچ بھی ان کے نزدیک جھوٹ تھا اور جھوٹ بھی جھوٹ تھا ۔دن کو رات کہنا بھی جرم تھا اور دن کہنا بھی گناہ، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں ہرے زخم تھے جن میں کوفہ والے تڑپ رہے تھے ۔ظاہر ہے کہ ظلم و ستم کی ان ہی تاریکیوں میں اچانک خانوادۂ نبوت کے ایک چشم وچراغ کا ان تمام ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ ان لوگوں میں آجانا جن کی ہر مومن قلب کو تلاش رہتی ہے ،رحمت کے ایک فرشتہ ہی کا آجانا تھا نہ صرف عوام بلکہ کوفہ میں خواص کا جو طبقہ تھا، اس میں بھی ایک ہل چل پیدا ہو گئی ۔ اتفاق کی بات دیکھیے کہ احمق یوسف نے بجاے کوفہ کے ایسے خطرناک دنوں میں حیرہ کو اپنا مُستقر بنالیا۔ حضرت زیدؓ چونکہ خود خلیفہ کی طرف سے کوفہ تشریف لائے تھے۔اس لئے اہل بیت کی آمدورفت پر جو نگرانی حکومت کی رہتی تھی، اس نگرانی میں بھی قدرتاً نگرانوں نے تساہل سے کام لیا۔

کوفہ میں حضرت زیدؓ کے معتقدین: بہر حال نتیجہ ان باتوں کا جو کچھ ہو سکتا تھا، وہی سامنے پیش آیا، عوام کو تو جانے دیجیے جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ خواص کے طبقات میں بھی یہ بات محسوس ہونے لگی کہ حضرت زیدؓ کا اتفاقی طور پر کوفہ آجانا ایک مغتنم ہے، خواص سے میری مراد اہل علم و تقوی کا گروہ ہے جن کی کوفہ میں ایک بہت بڑی تعداد تھی ۔ پھر ان میں بعض جو زیادہ جوشیلے تھے انہوں نے تو اعلانیہ حضرت زیدؓ کی طرف سے لوگوں سے بیعت تک لینی شروع کر دی ۔اس طبقہ کے سر کردہ وہی منصور بن المعتمر تھے جن کے متعلق کچھ دیر پہلے یہ تذکرہ کیا گیا تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ابن معتمر خلوت میں مل مل کر باتیں کرتے اور روتے تھے لکھا ہے کہ:

كان منصور بن المعتمر يدور على الناس يأخذ البيعة لزيد بن عليؓ

(ص ۵۵ الروض)

(منصور بن معتمر گشت کر کر کے لوگوں سے حضرت زید بن علیؓ کے لئے بیعت لیتے تھے۔)

بظاہر ابن معتمر اور ان ہی جیسے بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسانوں نے حضرت زیدؓ کے ساتھ مل کر بنی امیہ کی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اسی کے مقابلہ میں خواص ہی کا ایک دور اندیش طبقہ تھا جس کے سامنے کوفہ کی گذشتہ تاریخ کے اوراق کھلے ہوئے تھے، کوفہ والوں ہی نے انہی زیدؓ کے دادا حضرت امام حسینؓ اور امام حسنؓ بلکہ خود حضرت علیؓ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ سب ان کے سامنے تھا اس طبقہ کے سر خیل مشہور محدث سلمہ بن کہیل تھے[1] انہوں نے صحابہ کی آنکھیں دیکھی تھیں اور اہل بیت کے ساتھ خاص تعلق رکھنے کی وجہ سے کچھ تشیع میں بدنام بھی تھے، انہوں نے حضرت زید کو بہت سمجھایا پچھلے تاریخی واقعات یاد دلائے لیکن سلمہ گفتگو کامیابی اور ناکامی کے نتائج کو پیش نظر رکھ کر کر رہے تھے، اور شہید کے سامنے صرف ایک بات تھی۔ حضرت کی زبان مبارک پر چند اشعار بھی اس زمانہ میں جاری تھے ایک مصرعہ بھی تھا۔

إنّی امرؤٌ سأمُوتُ إن لّم أُقتَل

میں ایک شخص ہوں بہرحال مروں گا اگر قتل نہ ہوسکا۔

کہتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل نے جب دیکھا کہ حضرت اپنے ارادہ پر مستقل ہیں تو عرض کیا مجھے کوفہ سے باہر نکلنے کی اجازت دیجیے شاید کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہیں جاسکے (کامل ص ۸۷ ج ۷ *) اور واقعی کوفہ سے نکل کر یمامہ چلے گئے لیکن جیسا کہ طبقات میں ہے۔

سلمہ بن کہیل کا ۱۲۲ ھ میں انتقال اسی زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں حضرت زید بن علیؓ کوفہ میں شہید ہوئے۔ (ص ۱۲۲)

---

[1] منصور ابن المعتمر اور سلمہ بن کہیل کا مقام کوفہ میں کیا تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی مشہور ناقد و محدث کا قول تھا لم یکن بالکوفة أثبت من أربعة منصور و عمرو بن مرة وسلمة وابو حصین (تہذیب) یعنی منصور اور سلمہ عمرو بن مرہ اور ابو حصین سے حدیث میں استوار ترین محدث کوئی دوسرا کوفہ میں نہ تھا۔

اور حضرت شہید کی وہی بات: إنی امرؤ سأموت إن لم أقتل

"میں ایک شخص ہوں، بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہوسکا" پوری ہوئی کسی نے سچ کہا ہے کہ موت کے معمہ کا حل "شہادت" کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جاں بجاناں دہ وگرنہ از تو بستاند اجل خود تو منصف باش اے ایں مکن یا آں مکن

مگر ظاہر ہے کہ دونوں طبقہ مخلصین [1] ہی کا تھا جو کچھ بھی یہ لوگ کہہ رہے تھے، اخلاص وصداقت اور

---

[1] میں نے مخلص کا لفظ اس لئے لکھا ہے کہ ان ہی کوفہ والوں میں ایک اور گروہ بھی تھا جو اہل بیت کے محبت کے دعوے میں سب سے آگے تھا حضرت کے ارادے سے مطلع ہونے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں جواب میں فرمایا اللہ کی کتاب کی طرف اور اللہ کے رسول کی سنت کو زندہ کیا جائے۔ س کی حرف تم لوگوں کو بلاتا ہوں اور یہ کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا ہو گئی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ اگر میری بات سنتے ہو تو سعادت حاصل کرو گے اور انکار کرتے ہو تو میں تم پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا ہوں کہتے ہیں کہ اس پر ان لوگوں نے سوال اٹھایا کہ بوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ کوشش کی جتنی کوشش کہ ممکن تھی اور میں نے اپنے گھر کے لوگوں میں کسی سے نہیں سنا کہ ان دونوں سے تبرا اور جدائی انہوں نے اختیار کی بلکہ جس کسی سے سنا ہمیشہ خیر اور بھلائی کے سو کچھ نہ سنا، تب ان لوگوں نے کہا کہ پھر تم اپنے خاندان کے خون کا اور ظلم کا بدلہ لینا نہیں چاہتے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ نے تمہارے خاند ن کی حکومت پر قبضہ جما لیا اور دنیا کو تم لوگوں کی پیٹھ پر سوار کر دیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے کہ لوگ تم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں حضرت زید نے سن کر فرمایا بلاشبہ ان لوگوں کے وہ حکم ہوئے اور ہم لوگوں کے بھی لیکن کتاب اللہ ور رسو لله ﷺ کی سنت اور طریقے پر عمل کرنے میں ان لوگوں نے قطعاً کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تب ان لوگوں نے کہا اگر بوبکرؓ و عمرؓ نے تم لوگوں پر ظلم نہیں کیا تو پھر بنی امیہ بھی ظلم نہیں کر رہے ہیں اور جب واقعہ یہی ہے تو ابنی امیہ سے مقابلہ کرنے کی دعوت ہم لوگوں کو کیوں دیتے ہو کیونکہ ایسی صورت میں تو وہ بھی ظالم نہیں کیونکہ بنی امیہ والے تو ابو بکرؓ و عمرؓ ہی کے طریقے کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت زید نے فرمایا کہ بنی امیہ والے قطعاً ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے نہیں ہیں، بنی امیہ والے تو تم پر بھی ظلم کر رہے ہیں، اور خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے گھرانے والوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ یہی موقعہ تھا جس پر ن لوگوں نے مشہور لفظ استعمال کیا۔ یعنی بولے کہ "ان برئت منهما وإلا رفضناك" (یا تو ابو بکرؓ و عمرؓ سے بیزاری کا تم علان کرو ورنہ ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے) یہ سننے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ حضرت زید نے زور سے اللہ کبر کی صد بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے والد فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ یک قوم ہو گی جو ہم لوگوں (اہل بیت) سے محبت کرے گی، لیکن ان کا ایک لقب ہو گا، اسی سے وہ پہچانی جائے گی جاؤ تم لوگ "لر فضہ" ہو (مقدمہ روض بحوالہ مقریزی وغیرہ) کہتے ہیں کہ یہی پہلا تھا جس دن سے "رافضہ" کا لفظ دنیا میں چل پڑا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت زید سے ان لوگوں نے بھی کہا کہ تم ہمارے امام نہیں ہو، انہوں نے پوچھا کہ پھر کون تمہارے امام ہیں بولے کہ تمہارے برادر زادہ جعفرؓ بن محمد الباقرؓ ہمارے امام ہیں۔ حضرت زید نے کہا کہ بے شک اگر جعفر اس کا دعویٰ کریں کہ وہی امام ہیں، تو سچ کہیں گے۔ خط لکھ کر ان لوگوں نے کہا کہ راستہ مدینہ منورہ کا آج کل بند ہے کوئی قاصد چالیس اشرفی سے کم میں خط

وفاداری ہی کے تحت کہہ اور کر رہے تھے۔ پھر ان ہی مخلصین میں ایک اور طبقہ نظر آتا ہے جو ایک طرف کوفہ والوں کی تاریخی بےوفائیوں کو دیکھتے ہوئے کھل کر مقابلہ کا مشورہ دیتا ہے، اور چونکہ بنی امیہ کے ظلم کا پانی لوگوں کے سر سے اونچا ہوچکا تھا اس لئے اس مغتنم موقعہ کے ضائع ہو جانے پر اپنے آپ کو اس نے راضی نہیں پایا۔اس گروہ کے سر خیل جہاں تک میرا خیال ہے کوفہ کے محدث جلیل اور امام نبیل الأعمش ہیں تاریخوں میں ان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ ایک طرف وہ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ:

''والله ليخذلُنَّه والله ليُسلمُنَّه كما فعلوا بجدِّه وعمِّه'' (خدا کی قسم یہ لوگ زید کو چھوڑ دیں گے، دشمنوں کے سپرد کر دیں گے جیسے ان کے دادا اور چچا کے ساتھ بھی ان ہی لوگوں نے یہی سلوک کیا۔

اسی کے ساتھ بےچارے یہ بھی کہتے کہ:

''والله لولا ضرارة لی لخرجت معه''(مقدمہ روض)

(خدا کی قسم اگر (آنکھ میں)میرے ہرج نہ ہوتا توان کے ساتھ میں نکل کھڑا ہوتا۔) یہ اعمش کے شاگردرشید امیر المومنین فی الحدیث شعبہ[1] کی روایت ہے، کچھ یہی حال کوفہ کے دوسرے امام سفیان ثوری کا معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت کے ساتھ جنگ میں بھی شریک نظر نہیں آتے لیکن اسی کے ساتھ ابوعوانہ کی روایت ہے کہ:

''اذاذکر زيد بن علی يقول بذل مهجة لربه وقام بالحق لخالقه والحق بالشهداء المرزوقين من آبائه''(ص۵۵،مقدمہ روض)

لے جانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتا حضرت نے چالیس اشرفیاں اسی وقت حوالہ کیں اور فرمایا قاصد روانہ کرو، لیکن صبح کو ـکر ن لوگوں نے کہا جعفر تمہاری خاطر کرتے ہیں۔مدارت سے کام لیتے ہیں اس پر زید نے فرمایا افسوس تم لوگوں پر کیا مام سخن سازی سے کام لیتا ہے، یا حق کو چھپاتا ہے اس پر وہ لوگ چلے گئے۔

[1] لأعمش اور شعبہ حدیث ورجال کے ائمہ ہیں ان کے حالات کی تفصیل موجب تطویل ہو گی۔اہل علم سے ن کے حالات پوشیدہ نہیں ہیں۔

''جب سفیان ثوری حضرت زیدؓ کا ذکر کرتے، تو کہتے اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کردی، اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی میں حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے ان گذشتہ آباؤ اجداد میں شریک ہوگئے جنھیں خدا نے شہادت روزی کی تھی۔''

امام کی حضرت زیدؓ سے عقیدت: مخلصین کے اسی طبقہ میں مجھے حضرت امام ابوحنیفہؓ بھی نظر آتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ امام کے متعلق بعض خصوصی واقعات بھی اسی سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں، جن میں سے بڑی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ امام ابوحنیفہؓ کو خود حضرت شہیدؒ نے یاد فرمایا اور اپنا ایک خاص قاصد جس کا نام فضیل بن زبیر تھا اُس کو حضرت امام کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو امام کے سوا اکابر کوفہ کے ساتھ جہاں تک روایات کا تعلق ہے حضرت شہید نے غالباً اختیار نہیں فرمائی۔ خود فضیل بن زبیر کا بیان ہے۔

"كنتُ رسولَ زيد بن علي إلى أبي حنيفة" (ص۵۵روض)

(میں امام ابوحنیفہؓ کے پاس حضرت زیدؓ کا قاصد بن کر گیا تھا۔)

فضیل کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؓ نے سب سے پہلے سوال اس سلسلہ میں مجھ سے جو کیا وہ یہ تھا کہ:

''فقہاء (جو اس زمانہ میں طبقہ اہل علم کی تعبیر تھی) ان لوگوں میں سے حضرت زیدؓ کے پاس کن کن لوگوں کی آمد ورفت ہے۔''

فضیل نے چند ممتاز ہستیوں کے نام گنوائے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ امام ابوحنیفہؒ کی غرض اس سوال سے کیا تھی؟ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے تحریک کے انجام کے متعلق کچھ رائے قائم کرنا چاہتے تھے۔

حضرت زید کی حمایت میں حضرت امام کا ایک تاریخی بیان: اور غالباً فضیل کے اسی جواب کے بعد امام نے اپنا وہ تاریخی بیان دیا جو چند معمولی الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ حضرت امام کے سوانح عمریوں میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ مختلف مواقع پر اس بیان کے بعض اجزاء کا ضمنی ذکر میں نے پہلے بھی کیا ہے لیکن وقت آگیا ہے کہ حضرت امام کے اس بیان پر اب ذرا تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ اس بیان کے چند اجزاء ہیں:

پہلا جز تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فتویٰ دیا ہے کہ:

''خروجه يضاهي خروج رسول الله يوم بدر''(ص۲۶۰)

(حضرت زیدؓ کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ ﷺ کی بدر میں تشریف بری کے مشابہ ہے۔)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضیل بن زبیر کو ایلچی بنا کر حضرت شہید نے امام کے پاس جو بھیجا تھا تو گو لکھنے والوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ:

''أرسل إلى أبي حنيفة يدعوه إلى نفسه''(ص۲۶۰)

(حضرت زیدؓ نے فضیل کو ابوحنیفہ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اپنی ذات کی طرف امام ابوحنیفہ کو دعوت دینا چاہتے تھے (یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو)۔

لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔ ممکن ہے اسی کے ساتھ امام سے اس باب میں حضرت شہید نے اگر یہ شرعی مشورہ بھی حاصل کیا ہو کہ موجودہ حالات میں بنی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا شرعاً آپ کے نزدیک کس قسم کی بات ہے؟ تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی کا جواب امام نے ان الفاظ میں دیا یعنی قریش کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کا صف آرا ہوجانا جیسے، ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا۔ اسی طرح گو اس وقت مقابلہ میں بجائے کافروں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اپنے طریقہ عمل سے بنی امیہ کی حکومت جن نتائج تک پہنچ چکی ہے، ان کو دیکھتے ہوئے اس حکومت کے الٹ دینے کی کوشش قطعاً ایمان واسلام کا اقتضا ہے گویا امام نے ان الفاظ میں حضرت زید کے خروج کی شرعی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم بھی ہوگا کہ اس قسم کے مواقع میں حضرت امام کا جو مسلک کا اظہار ایک خاص قسم کی تعبیر کے ذریعے فرمایا ہے بلکہ اُسے خوش اعتقادی نہ قرار دیا جائے تو ایک طرح سے ان ہی الفاظ سے حضرت امام نے اس انجام کی پیش گوئی بھی کردی تھی جو آخر حضرت شہید کے سامنے آیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت فضیل حضرت شہید کا پیغام لے کر امام ابوحنیفہ کے پاس آئے تھے۔

حضرت زید کی دعوت جہاد: جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، بجز ''الرافضہ'' کے قریب قریب سارے اہل کوفہ امام کے ساتھ ہو کر حکومت سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے تیاری کا وعدہ کر چکے

تھے بلکہ لکھا ہے کہ چالیس ہزار آدمیوں نے تو حضرت شہید کے ہاتھ پر اس معاہدے کے متعلق باضابطہ بیعت بھی کی تھی جو حضرت شہید لوگوں سے لے رہے تھے، یعنی حضرت زیدؓ فرماتے تھے:

"ہم تم لوگوں کو اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تمہیں بُلاتے ہیں کہ آؤ اور ظالموں سے جہاد کرو، جو کمزور ہوگئے ہیں اُن کو ظلم سے بچاؤ اپنے حقوق سے جو محروم کئے گئے ہیں ان کے حقوق ان تک پہنچاؤ، اور مسلمانوں کا یہ مال جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اس کو مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم کرایا جائے"۔

لوگ جواب میں جب نعم (ہاں) کہتے تب آپ ہر بیعت کرنے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پھر فرماتے کہ:

"یہ خدا اور اس رسول ﷺ کے ساتھ معاہدہ ہے کہ تم میرے ساتھ وفادار رہوگے اور میرے دشمن سے لڑوگے اور ظاہر و باطن، خلوت و جلوت میں میری بہی خواہی کروگے"۔

کہ جب اس کے جواب میں بھی نعم (ہاں) کی آواز آتی تب آپ ہاتھ پر ہاتھ کو پھیر کر فرماتے:

اللھم اشھد (اے اللہ گواہ رہ)

جہاد کے لئے امام کی حضرت زید کو مالی امداد: میں تو سمجھتا ہوں اسی ظاہر کے اقتضا کی رعایت کا نتیجہ تھا کہ سب کچھ کہلانے کے بعد آخر میں حضرت امام نے دس بیس روپے نہیں بلکہ ان ابتدائی دنوں میں جب بظاہر ان کے کاروبار کا آغاز ہی ہوگا کیونکہ اس وقت تک زیادہ وقت ان کا حماد بن ابی سلیمان اپنے استاد کے پاس حصول علم ہی میں گذرتا تھا ہزار ہزار روپے کی دس تھیلیاں گھر سے لا کر فضیل بن زبیر کے حوالے کیں اور فرمایا:

أُعینُه بمالي فیتقوّی به علی من خالفه (ص ۲۶۰ ج ۱)

میں حضرت کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں، حضرت سے عرض کرنا اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی فائدہ حاصل کریں۔

ماخوذ از "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی"

مولانا شاہ معین الدّین ندویؒ

سیّدنا اِمام جعفر الصّادِقؓ

م ۱۴۸ھ

نام و نسب: جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام محمد الملقب بہ باقر کے صاحبزادے ور فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں، نسب نامہ یہ ہے: جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، آپکی ماں ام فروہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام فروہ[1] بنت قاسم بن محمد ابن ابی بکر، اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا۔

پیدائش: ۸۰ھ میں مدینہ میں ہوئی۔[2]

فضل و کمال: آپ اس خانوادۂ علم و عمل کے چشم و چراغ تھے، جس کے ادنٰی خدام مسند علم کے وارث ہوئے آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ باقر آپ کا لقب تھا، آپ کے حلقہ درس سے امام اعظم ابوحنیفہ النعمان جیسے اکابرامت نکلے، اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثۃً ملا تھا، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے، حافظ ذہبی آپ کو ''امام'' اور ''احد السادۃ الاعلام'' لکھتے

---

[1] ام فروہؓ کی والدہ، اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر الصدیقؓ تھیں۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰

ہیں [1]، اہلبیت کرام میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ فقہ، علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے [2]، امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔ [3]

حدیث: حدیث آپ کے جدامجد علیہ الصلوۃ والتسلیم کے اقوال ہیں، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا، چنانچہ آپ مشہور حفاظ حدیث میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان کثیر الحدیث [4]۔ حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں [5]۔ حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام باقر، محمد بن منکدر، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء، عروہ، قاسم بن محمد، نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا، شعبہ، دونوں سفیان، بن جریج، بوعاصم، امام مالک، اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔ [6]

احترام حدیث: حدیث رسول ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے۔ [7]

فقہ: فقہ میں آپ کو اتنا کمال حاصل تھا کہ افقہ الفقہاء، امام زمن، امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ [8]

قیاس: گو آپ بہت بڑے فقیہ تھے، لیکن مسائل دینیہ میں قیاس احتیاط کے خلاف سمجھتے تھے، ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱
[2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴
[3] تہذیب الاسماء ص ۱۵۰
[4] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴ بحوالہ ابن سعد
[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰
[6] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۳
[7] یضاً ۱۰۵
[8] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰

دین میں قیاس کرتے ہو، قیاس کو دخل نہ دیا کرو، کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا۔[1] (یعنی تونے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے، اس لئے میں ان کا سجدہ کیوں کروں)۔

علماء کا مرتبہ: آپ فرماتے تھے کہ فقہاء رسولوں کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین کی آستاں بوسی نہ کریں۔

اقوال: آپ کے اقوال و کلمات طیبات تہذیب اخلاق، علم و حکمت اور پند و موعظت کا دفتر ہیں، سفیان ثوری سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا، سفیان جب خدا تم کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم اس کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو، کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو زیادہ دوں گا" جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو، تو استغفار زیادہ کرو، اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (سورۃ نوح)

"اپنے رب سے مغفرت چاہو، وہ بڑا مغفرت کرنیوالا ہے، تم پر آسمان سے موسلادھار پانی برسائیگا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد کریگا، اور آخرت میں تمہارے لئے جنت اور نہریں بنائیگا۔"

جب تمہارے پاس سلطان وقت یا اور کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لاحول ولاقوۃ الاباللہ زیادہ پڑھو، وہ کشادگی کی کنجی ہے، جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے، اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے، جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے اس کے فیصلہ پر متہم کرتا ہے، جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے، خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ دری کرتا ہے، جو بغاوت کے لئے تلوار کھینچتا ہے، وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے، جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود اس میں گرتا ہے، جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے، وہ حقیر ہوجاتا ہے، جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہوجاتا ہے، جو برے مقامات پر جاتا ہے، وہ بدنام ہوجاتا ہے، ہمیشہ حق بات کہو خوہ تمہارے موافق ہو یا مخالف، آدمی کی اصل اس کی عقل ہے، اسکا حسب اس کا دین ہے، س کا کرم س کا تقوی ہے، تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں، سلامتی بہت نادر چیز ہے، یہاں تک کہ س کے

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ

تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے، اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشہ گمنامی میں ملے، اگر تم اس کو گوشہ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے، تو ممکن ہے تنہا نشینی میں ملے، گوشہ تنہائی گوشہ گمنامی سے مختلف ہے، اگر گوشہ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی۔

استغفار: فرماتے تھے جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو، انسان کی تخلیق کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے، گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے۔

دنیا: فرماتے تھے خدا نے دنیا کی طرف وحی کی ہے جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے، اسے تھکا دے۔

اچھے کاموں کے شرائط: فرماتے تھے بغیر تین باتوں کے اچھا کام مکمل نہیں ہوتا، جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اس کو چھوٹا سمجھو گے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہو گی، اور جب تم اس میں جلدی کرو گے تو خوشگواری محسوس کرو گے۔

حسن ظن: فرماتے تھے جب تمہارے بھائی کی جانب سے تمہارے لئے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو، تو اس کے جواز کے لئے ایک سے ستر تک اس کی تاویلیں تلاش کرو، اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہو گی، جس کا تم کو علم نہیں، اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اسکو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو، جب وہ محمول نہ ہوسکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو۔

تہذیب و اخلاق: فرماتے تھے چار چیزوں میں شریف کو عار نہ کرنا چاہئے، اپنے باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اس کی سواری کی دیکھ بھال میں خواہ گھر میں سو غلام کیوں نہ ہوں، اور اپنے استاد کی خدمت کرنے میں۔

ایک نکتہ: جب دنیا کسی کے موافق ہوتی ہے تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دیدیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اسکی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔[1]

---

[1] یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۹ تا ص ۱۴۱ سے ماخوذ ہیں۔

فضائل اخلاق: آپ کی ذات فضائل اخلاق کا زندہ پیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا، آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لئے کافی تھا، عمرو بن المقدام کا بیان ہے کہ جب میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں۔[1]

عبادت وریاضت: عبادت آپ کے شبانہ یوم کا مشغلہ تھی، آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا، امام مالک کا بیان ہے کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ یا نماز پڑھتے پایا، یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے۔[2]

انفاق فی سبیل اللہ: انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی وسیر چشمی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک وصف رہا ہے۔ جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی، ہیاج بن بسطام روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلا دیتے تھے، اور خود ان کے اہل و عیال کے لئے کچھ باقی نہ رہ جاتا تھا۔[3]

لباس امارت میں خرقہ فقر: آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے، لیکن اندر لباس فقر مخفی ہوتا تھا، سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد کے پاس گیا، اس وقت ان کے جسم پر خز کا جبہ اور دخانی خز کی چادر تھی، میں نے کہا یہ آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے، فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے، اور اس زمانہ میں دولت بہ رہی ہے، یہ کہہ کر انھوں نے اوپر کا کپڑا اٹھا کر دکھایا تو خز کے جبہ کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا، اور فرمایا ثوری یہ ہم نے خدا کے لئے پہنا ہے، اور وہ تم لوگوں کے لئے، جو خدا کے لئے پہنا تھا اس کو پوشیدہ رکھا ہے، اور جو تم لوگوں کے لئے تھا، اس کو اوپر رکھا ہے۔[4]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۰

[2] تہذیب ج ۲ ص ۱۰۴

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰

[4] ایضاً

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت: مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے، فرماتے تھے تم لوگ خصومت فی الدین سے بچو اس لئے کہ وہ قلب کو پھنسادیتی ہے، اور نفاق پیدا کرتی ہے۔[1]

جرأت: نہایت جری، نڈر، اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جبابرہ کے سامنے یہ بے باکی قائم رہتی تھی، ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی آکر بیٹھی وہ بار بار ہنکاتا تھا، اور مکھی بار بار آکر بیٹھتی تھی، منصور اس کو ہنکاتے عاجز آگیا، مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں جعفر پہنچ گئے، منصور نے ان سے کہا ابو عبداللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی ہے فرمایا جبابرہ کو ذلیل کرنے کے لئے۔[2]

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق عقیدہ: گو تمام حق پرست اہل بیت کرام کو خلفائے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی، لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لئے آپ کو حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور وہ اپنے جد امجد حضرت علیؓ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے کہ مجھے علیؓ سے جتنی شفاعت کی امید ہے، اتنی ہی ابو بکرؓ سے ہے۔[3]

وفات: ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔[4]

ماخوذ از ''تابعین''

---

1 یضاً

2 صفوۃ الصوۃ ص ۱۴۱

3 تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴

4 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰

یحیٰی بن الحسینؒ

سیدنا اِمام مُحمّد ذوالنّفس الزّکیہ رضی اللہ عنہ

م ۱۴۵ ھ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی اورا ابوالقاسم بھی منقول ہے، محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم، آپ ۱۰۰ ھ میں پیدا ہوئے آپ کا رنگ گندم گوں تھا۔ دونوں رخساروں پر بالوں میں سفیدی آ گئی تھی، حضور اقدس ﷺ کی طرح آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان ابھرا ہوا نشان تھا۔آپ انتہائی راسخ العلم تھے حدیث اور فقہ میں دوسروں سے فائق تھے۔ ابتداء میں اپنے آباء واجداد کرام سے علم حاصل کیا، بعد میں حضرت نافع، حضرت ابن طاؤس اور ان کے علاوہ مشائخ سے بھی سماع کیا۔ آپ کی تصنیف ''کتاب السیر'' مشہور ہے، میں نے اصحاب ابو حنیفہؒ کی ایک جماعت سے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی نے اپنی تالیف ''کتاب السیر'' میں اکثر مسائل السیر اسی کتاب سے لئے ہیں۔

آپ بہادر، شہ سوار تھے۔ دوران خطبہ آپ پر روانی زبان رک رک جاتی تو اپنا ہاتھ سینے پر مارتے جس سے آپ کی زبان کھل جاتی۔ پورے عالم اسلام میں اپنے داعیوں کو بھیجا اور خراسان سے دعوت کے اعلان اور وہاں کے لوگوں کے بیعت لینے کے بعد ۱۴۵ ھ میں مدینہ منورہ سے تحریک کا آغاز فرمایا، اس وقت آپ کے سر پر زرد رنگ کی ٹوپی اور اس پر عمامہ تھا، اور تلوار حمائل کئے ہوئے تھے، آپ مسجد میں فجر سے پہلے داخل ہوئے اور لوگوں سے خطاب فرمایا، پھر منبر سے اتر کر فجر کی نماز پڑھائی اور بعد الفجر لوگوں نے بخوشی عام بیعت کی سوائے چند ایک کے، ابو جعفر منصور کی طرف سے مقرر عامل مدینہ رباح بن عثمان المری

فرار ہو گیا، پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے آپ کے ہاتھ پر وہاں بھی بیعت عام منعقد ہوئی، پھر مدینہ منورہ لوٹ آئے، آپ کے لشکر کا علامتی نشان "احد احد" تھا، آپ نے اپنے بھائی ابراھیم کو بصرہ کی طرف متعین کر دیا، اور رمضان المبارک تک اسی طرح گذرا۔

ابو جعفر منصور نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی (عباسیوں کی خلافت سے پہلے) حسین بن زید بن علی ؓ فرماتے ہیں کہ اولاد حسین بن علیؓ میں آپ کے ساتھ میں خود اور میرا بھائی عیسیٰ اور موسیٰ بن جعفر اور عبداللہ بن جعفر بن محمد تھے، اور آپ کا ساتھ دینے والوں میں سے منذر بن عبداللہ بن الزبیر تھے، اور ابن ابی ذویب اور ابن عجلان دونوں نے آپ کی بیعت کی، ان کے علاوہ مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن مصعب اور فقیہ ابو بکر بن ابی سبرۃ جن سے واقدی نے روایت کی ہے، تھے۔

مروی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے فتویٰ طلب کیا گیا امام محمد بن عبداللہ کی دعوت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور آپ سے کہا گیا کہ ہماری گردنوں میں منصور کی بیعت کا طوق ہے، اس پر آپ نے فرمایا تم سے جبراً بیعت لی گئی ہے اور مجبور کے ذمہ اسکی پابندی لازم نہیں، اس پر لوگوں نے زور وشور سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی آپ کی مدت خلافت دو ماہ اور کچھ دن رہی۔

ایک بیٹا عبداللہ الاشتر کابل میں شہید ہوئے ان کی نسل چلی اور علی مصر سے گرفتار ہوئے اور مہدی عباسی کی قید میں شہید ہوئے اور حسن فخ میں شہید ہوئے، طالبیین حضرات نے ان کے علاوہ کسی بیٹے کا ذکر نہیں کیا، لیکن دوسروں نے حسین کا بھی ذکر کیا ہے، اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی بیٹیاں صرف دو تھیں حضرت فاطمہ اور زینب، ان سب کی والدہ محترمہ ام سلمہ بنت محمد بن الحسن الثانی بن الحسین بن علی علیہ السلام ہیں۔

آپ نے اپنے بھائی حضرت ابراھیم بن عبداللہ کو بصرہ کی خلافت پر متعین کیا اور عبدالعزیز بن عبدالمطلب المخزومی کو مدینہ منورہ کے بطور قاضی مقرر فرمایا اور حضرت عبداللہ بن جعفر بن عبد لرحمان بن المسور بن مخرمہ کے پاس آپ کا دفتر خزانہ تھا، اور عبدالحمید بن جعفر پولیس کے سربراہ تھے، پھر ان کو کسی اور طرف بھیجا اور ان کی جگہ عمرو بن محمد بن خالد بن الزبیر کو مقرر کیا۔

ابوجعفر منصور الدوانیقی نے عیسی بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو آپ سے مقابلہ کے لئے بھیجا تو آپ نے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھدوائی اور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ رمضان المبارک ۱۴۵ ھ میں شہید کردیے گئے ایک روایت میں ۱۴۶ ھ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ۵۲ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آپ کے سینہ مبارک میں حمید بن قحطبہ نے نیزہ مارا پھر آپ کی ٹھوڑی مبارک پر تلوار ماری آپ گر گئے تو اس نے آپ کا سرِ مبارک الگ کرلیا، جب آپ شہید ہوئے اور آپ کا سر مبارک منصور کے پاس بھیج دیا، تو آپ کی بہن زینب نے عیسیٰ سے آپ کا سر مبارک مانگ لیا اور دفن کرنے کی اجازت مانگی اس نے اجازت دیدی انہوں نے مدینہ منورہ میں بقیع کے قریب دفن کردیا۔ آپ کی قبر وہاں مشہور ہے۔

امام محمد بن عبداللہ ذوالنفس الزکیہ کا ساتھ دینے والے مشائخ: امام دارالھجرۃ امام مالک بن انسؒ، امام حسین بن زید بن علی زین العابدینؒ، امام عیسیٰ بن زید بن علی زین العابدینؒ، امام موسی بن جعفر بن محمد بن علی زین العابدینؒ، امام عبداللہ بن جعفر بن محمد بن علی زین العابدینؒ، منذر بن محمد بن الزبیرؒ فقیہ و محدث شیخ اہل البیت، عبداللہ بن یزید ابن ھرمزؒ محدث، عبدالحمید بن جعفرؒ محدث، محمد بن عجلانؒ فقیہ اہل المدینہ و محدث، عبدالعزیز بن المطلب المخزومیؒ، عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن بن المسور المخرمہؒ، عثمان بن محمد بن خالد بن الزبیرؒ، عبدالعزیز بن محمد الدراوردیؒ، مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیرؒ، عبداللہ بن مصعبؒ محدث، ابوبکر بن ابی سبرۃؒ فقیہ استاد الواقدی، عبداللہ بن عامر الاسلمیؒ محدث ثقہ استاد وکیع، عبداللہ بن عطاءؒ محدث ثقہ استاذ مالکؒ، عثمان بن محمد بن خالد بن الزبیرؒ محدث، ضحاک بن عثمانؒ، عبدالواحد بن ابی موسیٰ الدوسیؒ، عبداللہ بن عمر بن العمریؒ، ابوبکر بن عمرؒ، عبید اللہ بن عمرؒ، ھشام بن عروہؒ، ابوخالد الواسطیؒ صاحب زید بن علی، قاسم بن مسلم السلمیؒ، عثمان بن عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؒ[1]۔

(ماخوذاز ''الافادہ فی تاریخ الأئمۃ السادۃ'')

---

[1] ماخوذ از: (مقاتل الطالبیین)

یحییٰ بن الحسینؒ

سیّدنا اِمام ابراہیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

م ۱۴۵ ھ

کنیت ابوالحسن، نسب اسطرح ہے، ابراھیم بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔

آپکا رخِ انور کھلا کھلا تھا، ناک اونچی اور خوبصورت چہرے والے تھے، کثرت سجود سے پیشانی مبارک اور ناک پر نشان پڑے ہوئے تھے۔ آپ علم و تدیّن اور بہادری میں اپنے بھائی کے ثانی تھے۔ فصیح البیان خطیب اور فی البدیہ شعر کہنے والے رموز آگاہ، ناقد شاعر تھے، مفضل نے آپ کے ستر قصائد کا ذکر کیا ہے، اپنے بھائی کی شہادت پر مرثیہ کہا۔

آپ کے بھائی ذوالنفس الزکیہّ نے اپنے بعد آپ کو امامت اور خلافت کیلئے متعین کیا تھا، چنانچہ ایک عرصہ بصرہ عراق میں دعوت دیتے رہے اور لوگوں سے اپنے بھائی کیلئے بیعت لی، بصرہ پر اقتدار حاصل کیا، یکم شوال ۱۴۵ ھ کو نماز عید الفطر سے پہلے عظیم بھائی کی شہادت کی خبر ملی۔ نماز عید پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دینے لگے بھائی کی شہادت کی خبر سنائی تعزیت اور صبر کی تلقین کی اور اشعار پڑھے اور فرمایا:

اے اللہ تو جانتا ہے کہ محمد نے ظہور کیا تیری طرف سے غضب بن کر اس اندھیرے دور کو ختم کرنے کیلئے اور تیرے دین حق پر قربان ہونے کیلئے پس اس پر رحم فرما اور اس کی مغفرت فرما، اور آخرت کو اس کیلئے دنیا سے بہترین ٹھکانہ اور لوٹنے کی جگہ بنادے۔

زبان سے ایک لفظ ہی کئی بار دہراتے تھے، ایک لمحہ کیلئے ہکلائے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے،

جب منبر سے اترے تو بصرہ کے جملہ علماء محدثین اور اہل اللہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور سب نے آپکی مجالس کو لازم پکڑا اور آپ کے کاموں میں لگ گئے، آپ نے واسط، اھواز اور ان کے ملحقہ اور فارس کے مختلف علاقوں پر اقتدار حاصل کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ لوگوں کو آپ کی طرف بلاتے تھے اور آپ سے خفیہ خط و کتابت فرماتے تھے آپکے نام امام صاحب نے ایک خط لکھا۔ مذکورہ خط ابوجعفر منصور کے ہاتھ لگا اور اس نے اس خط کو چھپائے رکھا، پھر آپ کو قید کر کے لایا اور آپ کو زہر پلایا اس سے آپ کی شہادت ہوئی اور بغداد میں دفن ہوئے۔

پھر ابوجعفر منصور نے ابوسیف مولی الجعفر کو بصرہ بھیجا تا کہ وہاں کی جاسوسی کر آئے۔ جب وہ لوٹا تو منصور نے اس سے پوچھا کہ تونے بشیر الرحال اور مطر الوراق کو کس حالت میں پایا اس نے جواب دیا کہ میں نے ان دونوں کو مسلح حالت میں ابراھیم کے پاس آتے جاتے دیکھا ہے، تو منصور نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ روزہ نے ان دونوں میں اتنی سکت دم چھوڑی ہے کہ وہ اسلحہ اٹھا سکیں، ان کے علاوہ ہارون بن سعد جو کہ مشہور فقیہ اور مصلح اور متدین تھے، آپ نے شعبی سے روایت کی اور ابراھیم النخعی سے ملاقات کی ہے۔

آپ نے ایک دفعہ خطبہ میں منصور کے مظالم بیان کئے اور آل رسول ﷺ کا ناحق قتل، لوگوں پر ظلم اور اموال کے ناجائز جمع و تقسیم پر رد و نقد پر بلیغ بیان فرمایا یہاں تک کہ لوگ رونے لگے۔ آپ کے کلام سے لوگوں کے دل انتہائی نرم پڑ گئے چنانچہ عباد بن العوام، یزید بن ہارون، ہشیم بن بشیر، شعبہ بن حجاج ان سب کبار اہلِ علم نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

ابواسحاق الفرازی کہتے کہ میں امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کہا کیا آپ کو اللہ کا خوف نہیں؟ آپ نے ابراھیم بن عبداللہ کا ساتھ دینے کا فتویٰ دیا اور میرا بھائی ان کے ساتھ قتل ہو گیا، اس پر آپ نے مجھ سے کہا آپ کے بھائی کی شہادت یوم بدر کے شہداء کی طرح ہے اور اس کی شہادت ابراھیم کی معیت میں اس کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

اس پر میں نے کہا کہ پھر آپ کیوں رکے رہے؟ آپ نے فرمایا لوگوں کی ان امانتوں کے سبب جو کہ میرے پاس ہیں، امام اعمشؒ لوگوں کو آپکی طرف بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم کیوں بیٹھے ہو؟ ان کا ساتھ کیوں نہیں دیتے اگر میری بینائی درست ہوتی تو میں ضرور ان کے ساتھ نکلتا۔

آپ کی شہادت ذی الحجہ ۱۴۵ ھ میں ہوئی۔

سیرت کے نمونے: دوران تحریک منصور کے ایک عامل کو پکڑ کر لایا گیا آپ کے ساتھیوں میں ایک نے کہا کہ اس کو میرے حوالے کر دیں آپ نے فرمایا تم کیا کرو گے اس نے کہا میں اس کی تعذیب و تفتیش کرونگا تاکہ اس کے پاس حکومت کا جو مال ہے وہ اس سے وصول کیا جاسکے، اس پر آپ نے فرمایا مجھے ایسے مال کی کوئی حاجت نہیں جو کہ عذاب دے کر نکالا گیا ہو۔ آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی منبر سے اترتے تو اس آیت کی تلاوت کر کے اترتے:

"وَاتَّقُوْا يَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَاكَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ"

ایک مرتبہ منبر سے خطبہ کے بعد فرمایا "اے اللہ اگر آپ نے اپنے دربار میں کسی کی اولاد کو ان کے آباء و اجداد کے ساتھ یا آباء و اجداد کو ان کی اولاد کے ساتھ یاد فرمایا تو ہمیں بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یاد فرمانا اے اللہ آباء کو اولاد کیلئے اور ایتام کی آباء کے واسطے حفاظت فرما"۔ اس پر پوری عید گاہ رونے کی آواز سے گونج اٹھی۔

محمد بن عطیہ مولی باہلہ منصور کی طرف سے عراق کے بعض علاقوں کے ذمہ دار تھے گرفتار کر کے لائے گئے تو آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کچھ مال ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے اس کو قسم دلائی اس نے قسم کھائی آپ نے اسے چھوڑ دیا، وہ جاتے ہوئے فارسی میں یہ کہتا جا رہا تھا کہ یہ منصور کی طرز کا آدمی نہیں ہے یعنی اس کو صرف قسم پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ کسی صورت اس سے مال نکالنا چاہیے تھا کیونکہ آپ حق بجانب تھے۔

رنگریزوں کی ایک جماعت کچھ رقم لائی اور آپ کی خدمت میں پیش کی اور کہا ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہمارا کسی سے ولاء و تعلق نہیں، ہمارا یہ سب مال قبول فرماویں اور کام میں لاویں، آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس کوئی مال ہو وہ اس سے اپنے بھائی کی مدد کرے میں ان سے کچھ نہیں لینے والا۔

اسی طرح عبدالحمید بن لاحق سے بھی مال سے متعلق قسم اٹھوائی اس نے قسم کھائی آپ نے اسے یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا کہ اگر تیرے پاس مال کا ہونا ثابت ہوا تو میں تمہیں جھوٹا شمار کروں گا۔ اس طرح کا ایک واقعہ شیبہ کا بھی ہے جو کہ مسعود مور بانی کا کاتب تھا۔ اس سے بھی قسم اٹھوائی اس نے بھی قسم کھائی آپ نے چھوڑ دیا۔ شیبہ کا کہنا ہے کہ میں اس کے بعد آپ کے بارہ میں پوچھتا رہا اور آپ کے لئے دعا کرتا رہا یہاں تک کہ مسعود نے مجھے روک دیا۔ ایک دن دوران خطبہ فرمایا:

"اے لوگو! بے شک میں نے جملہ بھلائیوں کو جو کہ لوگ اللہ سے طلب کرتے ہیں تین چیزوں میں دیکھا، ایک کلام، دوسری نظر، تیسرا سکوت خاموشی)۔ پس ہر وہ بات جس میں اللہ کا ذکر نہیں وہ لایعنی اور فضول ہے اور ہر وہ خاموشی جس میں غور و فکر نہیں وہ بھول ہے اور ہر وہ نظر جس میں عبرت نہیں وہ غفلت ہے پس اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جس کا کلام ذکر اللہ سے پر ہے اور جس کی نظر میں عبرت ہے اور جس کی خاموشی میں غور و فکر ہے، جس کا گھر کشادہ کھلا ہے، جو اپنے گناہوں پر رویا اور لوگ اس سے سلامتی میں رہے"

لوگوں کو آپ کا ارشاد بہت پسند آیا اور حیرت زدہ ہوئے۔

آپ کے ساتھیوں نے محمد بن یزید کو گرفتار کیا اس کا ایک گھوڑا تھا جس کا سر سوار کے سر کے برابر تھا، اسکا بیان ہے کہ حضرت ابراھیم نے مجھ سے کہا کہ یہ گھوڑا مجھے بیچ دے میں نے کہا اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ویسے ہی لے لیں، آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ انہوں نے کہا دو ہزار درھم، آپ نے مجھے ڈھائی ہزار درھم دے کر گھوڑا خرید لیا۔ اور جب آپ جنگ پر جانے لگے تو مجھے چھوڑ دیا۔

بصرہ پر قبضہ کے بعد بیت المال سے دس لاکھ درہم نکلے آپ نے وہ تمام اپنے لشکر والوں میں تقسیم کر دیے، ہر ایک سپاہی کو پچاس پچاس درھم ملے، سب سپاہی یہ کہہ رہے تھے کہ پچاس درھم بھی اور جنت بھی۔

آپ نے بصرہ کے عہدہ قضاء پر عباد بن منصور کو مقرر کیا بیت المال پر سلمان بن ابی واصل کو، ھارون بن سعد کو واسط اور اس کے گرد و نواح پر اور مغیرہ بن الفرع کو اھواز پر عامل مقرر کیا، اھواز پر مغیرہ قابض تو ہوا لیکن منصور نے خازم بن خزیمہ کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر بھیجا لڑائی ہوئی اور مغیرہ کو شکست ہوئی، آپ بصرہ سے منصور کے مقابلہ میں نکلے آپ کے لشکر کے میمنہ پر عیسیٰ بن زید رحمہ اللہ تھے اور میسرہ پر برد بن لبید الیشکری تھے جبکہ آپ کے مقابلہ میں منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر قیادت ایک ٹڈی دل لشکر بھیجا اور ان کا آمنا سامنا کوفہ اور بصرہ کے درمیان باخمریٰ کے مقام پر ہوا۔ مقابلہ ہوا اور عیسی بن موسیٰ اور اس کے لشکر کو شکست فاش ہوئی، حضرت امام ابراھیم اپنے گھوڑے پر کھڑے ہو کر شکست خوردہ لشکر کو دیکھ رہے تھے کہ ایک تیر اچانک آپ کی پیشانی مبارک پر آن لگا اور آپ گھوڑے پر لٹک گئے، آپ کو گھوڑے سے اتارا گیا بشیر الرحال نے اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا کر بٹھایا یہاں تک کہ آپ شہادت

سے سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت پر بشیر الرحال یہ آیت بار بار دھرا رہے تھے (وکانَ امرُ الله قدرًا مقدورًا) ذی الحجہ ۱۴۵ھ کے ابتدائی دن تھے اور ایک روایت کے مطابق ۲۵ ذی القعدہ کو آپ کا سر مبارک کاٹا گیا اور منصور کے پاس لے جایا گیا، آپ کا جسم اطہر باخمری میں سپرد خاک ہوا۔

حضرت امام ابراھیم بن عبداللہ حسن کا ساتھ دینے والے (علماء وفقہاء ومحدثین):

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (فقیہ العراق)، امام اعمش سلیمان بن مہران (محدث)، ابوداود الطھوی (محدث)، فطر بن ابراھیم، سالم بن ابی واصل (ولی بیت المال من ابراھیم بواسط)، عیسی بن یونس بن ابی اسحاق، ابوخالد الاحمر، حمزہ بن عطاء البرنی، خلیفہ بن حسان الکیال، عبداللہ بن جعفر المدائنی (والدعلی بن المدائنی)، ہارون بن سعد (عامل ابراھیم علی واسط، فقیہ ومحدث راوی عن شعبی)، عباد بن عوام (قائد جمع الفقھاء، محدث فقیہ واسط)، یزید بن ہارون (محدث فقیہ واسط)، وھشیم بن بشیر (محدث فقیہ واسط)، العلاء بن راشد (محدث فقیہ واسط)، عوام بن حوشب (شیخ کبیر)، اسامہ بن زید، عبدالواحد بن زیاد، مسعر بن کدام (محدث وفقیہ)، ایوب بن سلیمان (محدث)، ھشام بن حسان۔

مسلم بن سعید (من فقھاء واسط)، اصبغ بن زید (من فقھاء واسط)، عامر بن کثیر السراج (من اصحاب ھارون)، سالم الحداء (من اصحاب ھارون)، اسحاق بن یوسف (فقیہ واسط)، شعبہ بن حجاج (محدث کبیر)، صالح المروزی (محدث فقیہ)، لبطہ بن فرزدق (محدث راوی)، عثمان الطویل، اباحری نصر بن ظریف (محدث)، ابو العوام القطان عمران بن داود (محدث تلمیذ حسن البصری)، عبد ربہ بن یزید، عبدالحمید بن سنان بن سلمہ بن المحبق، حکم بن موسی بن سلمہ، عمران بن شیب بن سلمہ، عباد بن منصور (قاضی البصرہ من قبل بر ہیم فقیہ)، حامد بن عبداللہ الواسطی (فقیہ ومحدث)، یونس بن ارقم العنزی، عامر بن عباد بن عوام، معاد بن نصر لعنبری (قاضی بصرہ فقیہ)، حجاج بن بشی (شہید المعرکہ)، معاویہ بن حجاج (شہید المعرکہ)، اللازرق بن تمہ الصریمی، جنادہ بن سوید، بر ھیم الاسدی، ابوالنصر ھاشم بن قاسم (محدث راوی سفیان وشعبہ)، عمر بن عون (محدث)، مؤمل بن سماعیل (محدث مصاحب سفیان) وحنبض (محدث صاحب سفیان)، داود بن مبارک الھمدانی، ابو محمد اہریدی۔

(ماخوذ از "الافادہ فی تاریخ الائمۃ السادۃ")

○

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

سیدنا امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ عنہ

م ۱۸۳ھ

نام و نسب: موسی نام، ابوالحسن کنیت اور کاظم لقب ہے[1]، ان کے والد امام صادق اور جد امجد امام باقر اپنے عہد کے ممتاز ترین اور بلند پایہ علماء میں تھے، ان کا نسب نامہ یہ ہے، موس بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب[2]۔ ہاشمی، علوی اور مدنی تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں، ان کی دادی امّ فروہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں، اس طرح ننھالی شجرہ کے مطابق ان کی رگوں میں صدیقی خون بھی رواں تھا۔

ولادت: ۱۲۸ھ میں مدینہ کے قریب ابواء نامی ایک مشہور قریہ میں پیدا ہوئے اور پھر تمام عمر مدینہ ہی میں سکونت پذیر رہے[3]۔

فضل و کمال: موسی الکاظم اس خانوادہ علم کے گوہر شب چراغ تھے، جس کا ہر ہر فرد آسمان فضل

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۸۷

[2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۳۹

[3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۰۴، الاعلام ج ۳ ص ۱۰۸۱

وکماں کا بدر کامل اور مسند علم کا شیخ الکل تھا، اس لئے امام کاظم کو دولتِ علم گویا وراثۃً نصیب ہوئی تھی، اس کے علاوہ جود و کرم، عبادت و ریاضت، تضرع وانکسار اور تقویٰ و پاکبازی کا پیکر مجسم تھے، ابو حاتم ان کو امام المسلمین کہتے ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

کان صالحا عابدا جوادا حلیما کبیر القدر [1] وہ صالح عبادت گذار حلیم الطبع سخی اور جلیل المرتبت ہیں۔

حدیث: انھوں نے تبحر علمی اور جلالت فنی کے باوجود اپنی زیادہ تر توجہ عبادت اور تبلیغ دین میں صرف کی، اسی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد بہت کم ملتی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ ان سے مروی تھوڑی سی حدیثیں بھی صحیح معنی میں بہ قامت کھتر بہ قیمت بہتر کی مصداق ہیں۔

حدیث میں انھوں نے اپنے باکمال والد امام جعفر بن محمد الملقب بہ صادق کے علاوہ عبد اللہ بن دینار اور عبد الملک بن قدامہ الجمحی سے استفادہ کیا تھا، ممکن ہے، ان کے حلقہ شیوخ میں کچھ اور ائمہ بھی شامل ہوں لیکن طبقات و تراجم میں ان کے صرف مذکورہ تین ہی اساتذہ حدیث کا ذکر ملتا ہے، ان میں بھی ثانی الذکر سے امام کاظم کے تلمذ کو حافظ ابن حجر نے مشتبہ قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگر موسی کاظم کا سنہ ولادت ۱۲۸ھ مستند اور صحیح ہے تو پھر عبد اللہ بن دینار سے ان کے حصول تلمذ کا کوئی سوال نہیں، کیونکہ ابنِ دنیار کی وفات اس سے پہلے ہی ۱۲۷ھ میں ہو گئی تھی [2]، خود ان کے دریائے فیض سے سیراب ہونے والوں میں ان کے دو بھائی علی و محمد اور صاحبزادگان ابراہیم، حسین، اسماعیل، علی رضی کے علاوہ صالح بن یزید اور محمد بن صدقۃ العنبری کے نام قابل ذکر ہیں [3]۔

ثقاہت: ان کی ثقاہت اور صداقت کو علمائے فن نے بالاتفاق ہر قسم کے ریب و شک سے بالاتر قرار دیا ہے، ابوحاتم "ثقة صدوق امام" کہتے ہیں [4]۔

---

[1] خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۹۰

[2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰

[3] تہذیب التہذیب ج ص ۳۳۹

[4] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۹

عبادت: عبادت وریاضت کا خاص اہتمام تھا، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے، حافظ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں انکا بہت نمایاں تذکرہ کیا ہے، علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں، "كان كثير العبادة والمروءة" حتیٰ کہ جب ہارون الرشید نے ان کو دیوار زنداں کے پیچھے ڈال دیا تو بھی ان کے شب وروز کے معمولات میں کوئی فرق نہ آسکا، چنانچہ قیدخانہ کی ایک عینی راویہ نے ان کے دن رات کے معمولات یہ بیان کئے ہیں:

كان إذا صلى لعتمة حمد الله ومجده ودعاه فلم يزل كذلك حتى يزول الليل فإذا زال الليل قام يصلّي حتّى يصلّي الصّبح ثمّ يذكر قليلاً حتّى تطلع الشّمس ثمّ يقعد إلى ارتفاع الضّحى" ثمّ يتهيّأ ويستاك ويأكل ثمّ يرقد إلى قبل زوال ثمّ يتوضّأ ويصلّي حتّى يصلّي العصر ثمّ يذكر في القبلة حتى يصلّي المغرب ثمّ يصلّي ما بين المغرب والعتمة.[1]

وہ عشا کی نماز پڑھنے کے بعد برابر ذکر و فکر اور حمد وثنا میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ جب کافی رات گزر جاتی تو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کردیتے اور صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا، پھر فجر کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب تک تھوڑا ذکر کرتے پھر کافی دیر تک مراقبہ میں بیٹھتے، پھر مسواک وغیرہ کرتے اور کھانا تناول فرماتے، پھر زوال سے قبل تک استراحت کرتے پھر وضو کرکے نماز پڑھنا شروع کرتے اور عصر تک پڑھتے رہتے پھر قبلہ رو ہوکر ذکر اللہ میں مصروف رہتے اور مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا، پھر نماز مغرب پڑھنے کے بعد عشاء تک مسلسل نوافل پڑھتے رہتے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج۱۳ ص ۳۱

ان معمولات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ امام کاظم کثرت عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنی روح و جسم کے حقوق سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہوتے تھے، مذکورہ بالا بیان کی راویہ اخت سندی، جو زندان میں امام صاحب کی خدمت پر مامور تھی، جب بھی ان کو دیکھتی تو کہتی کہ بڑے ہی بد نصیب اور ناکام ہیں وہ لوگ جو خدا کے ایسے صالح اور عبادت گذار بندے سے تعرض کرتے اور انھیں پریشان کرتے ہیں[1]، حافظ ذہبی انھیں صالح، عابد، جواد، حلیم اور جلیل المرتبت لکھتے ہیں[2]۔

سخاوت: جود و سخاوت، سیر چشمی اور فیاضی اہل بیت کرام کا ایک مشترک وصف اور خصوصی تمغہ متیاز تھا، امام کاظم بھی اس وصف کا ایک اعلی نمونہ تھے، خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں:

"کان احد کبار العلماء الاجواد[3]" وہ نہایت بلند درجہ اکابر علماء میں سے تھے

امام ذہبی رقمطراز ہیں کہ:

"کان موسی من اجواد الحکماء[4]" موسی کاظم بہترین حکماء میں تھے۔

ان کی داد و دہش اور فیاضی و سیر چشمی کے بکثرت واقعات خطیب کی تاریخ بغداد اور یافعی کی مراۃ الجنان میں منقول ہیں[5]۔

قید و بند کی صعوبتیں: تاریخ اسلام میں ایسے اہل دعوت و عزیمت علماء کی کافی تعداد ملتی ہے، جنھوں نے حق و صداقت اور ایمان و ایقان کے چراغ روشن رکھنے کی خاطر دار و رسن اور قید و بند کے تمام شدائد و صعوبتوں کو بطیب خاطر انگیز کیا، بلکہ کتنوں نے تو اسی راہ میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کردی، لیکن ان کے پایہ ثبات و استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہ پیدا ہوسکا، امام موسی کاظم بھی دو بار اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

---

1 یضاً

2 العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۸۷

3 الاعلام ج ۳ ص ۱۰۸۱

4 میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۹

5 تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲-۳۳ و مراۃ الجنان

سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے ان کو قید کیا تھا، لیکن اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے خواب میں حضرت علیؓ کی زیارت کی جن کے چہرے سے سخت ناراضگی کے آثار عیاں تھے، اور وہ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے:

فَهَلْ عَسَيْتُم ان تولَّيتُم	تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو
أَنْ تُفسدُوا في الْأرْض	جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو، اور
وتُقَطِّعُوْا أرْحَامَكُمْ	اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔

چنانچہ اس کے بعد مہدی نے موسی کاظم کو اس شرط پر فوراً رہا کر دیا کہ وہ اسکے اور اس کے لڑکوں کے خلاف خروج نہ کریں گے، اور امام صاحب کو تین ہزار دینار دیکر بصد اعزاز و اکرام مدینہ واپس بھیج دیا۔

پھر ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ عوام امام موسی کاظم کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں، اس سے اس کو بہت اندیشہ لاحق ہوا چنانچہ رمضان ۱۷۹ھ میں جب خلیفہ مذکور عمرہ کی غرض سے حرمین گیا تو واپسی میں امام صاحب کو بھی اپنے ہمراہ بصرہ لیتا آیا، اور وہاں کے والی عیسی بن جعفر کے پاس مقید کر دیا، وہ ایک سال تک وہاں رہے، اسکے بعد پھر بغداد کے مرکزی قید خانہ میں منتقل کر دیئے گئے اور تادم حیات وہیں رہے[1]۔

قید بیجا سے رہائی کی دعا: امام کاظم کی بلندی شان کی ایک بیّن دلیل یہ بھی ہے کہ بغداد کے زمانہ اسیری میں انھیں عالم رؤیا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ ﷺ ان سے فرما رہے تھے:

"اے موسی! یقیناً تم مظلوم ہو، میں چند کلمات تلقین کرتا ہوں، اگر تم ان کا ورد کرو تو آج ہی شب تم قید سے رہا ہو جاؤ گے، وہ کلمات یہ ہیں:

"یاسامعَ کلِّ صوتٍ، یاسائقَ الفوت، یاکاسی العظام لحماً، ویا منشرها بعد الموت أسألك بأسمائك الحسنى وباسمك الأعظم الأكبر المخزون المكنون الذی لم یطلع علیه أحد من المخلوقين. یا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰

حليم ذا اناءة لايقوى على اناءته يا ذالمعروف الذي لا ينقطع
أبداً ولا يحصى عددا فرج عنّي[1].

صاف گوئی: قید خانہ ہی سے انھوں نے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا تھا، جو ان کی صاف گوئی، جرأت اور حق گوئی کا پورا عکاس ہے، اس خط میں تحریر تھا:

''أمّا بعد يا امير المؤمنين انه لم ينقص عني يوم من البلاء الا انقضى عنک يوم من الرخاء حتى يفضي بنا ذلک الى يوم يخسر فيه المبطلون[2]. ''

اے امیر المومنین! جوں جوں میری آزمائش کے ایام گذر رہے ہیں ویسے ویسے تمھارے عیش وراحت کے دن بھی کم ہوتے جارہے ہیں حتیٰ کہ ہم دونوں ایک ایسے دن ملیں گے جب بر عمل کرنے والے خسارہ میں رہیں گے۔

وفات: کامل ۷۳ سال دنیائے علم و عمل کو منور رکھنے کے بعد ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو یہ شمع فروزاں گل ہو گئی، اکثر علماء کا خیال ہے کہ بغداد کے قید خانہ میں ان کی وفات ہوئی، بغداد میں آج بھی ان کا مزار مشہور آفاق اور مرجع انام ہے[3]۔

ماخوذ از ''تبع تابعین''

○

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۰۴

[2] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۳

[3] صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۰۵ و میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۹

سبطِ ابنِ جوزیؒ
ترجمہ: ڈاکٹر محمود الحسن عارف

سیّدنا امام علی الرّضا رضی اللہ عنہ

م ۲۰۳ھ

آپ خانوادۂ نبوّت کے چشم وچراغ اور علوم ومعارف کے گوہر آب دار تھے۔ نسب مبارک حسب ذیل ہے حضرت سید علی الرضا بن امام موسیٰ الکاظم بن امام جعفر الصادق بن امام محمد الباقر بن امام علی زین العابدین بن حضرت امام سیدنا حسین بن علی سبط رسول ﷺ بن علی المرتضیٰ بن ابی طالب۔

ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔

آپ نہایت شکیل وجمیل تھے رنگ مبارک سانولا تھا۔ اور جملہ صفات میں مثل اپنے آبائے کرام کے تھے۔

آپ بڑے عالم وحید العصر اور فرید الدہر تھے ابراہیم بن عباس کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ کوئی عالم نہیں دیکھا۔

ابن حجر مکیؒ ''تاریخ نیشاپور'' سے نقل فرماتے ہیں:

> ''امام علی رضاؒ نیشاپور تشریف لائے اور بازار میں داخل ہوئے تو حافظ ابوزرعہ رازی اور حافظ محمد بن اسلم طوسی بے شمار طلبہ علم وحدیث کے ساتھ خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ آپؒ بند پالکی میں تشریف فرما تھے۔ حافظ رازی اور حافظ طوسی دونوں نے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ حاضرین کو درشن دیجئے اور اپنے آبائی سلسلے سے کوئی حدیث روایت کیجئے!

آپؒ نے سواری ٹھہرانے اور خدام کو پردہ اٹھانے کا حکم دیا، خلق خدا نے آپؒ کے روئے مبارک کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں، آپؒ کے دو گیسو تھے، جو کندھوں پر لٹک رہے تھے، وارفتگی کی کیفیت یہ تھی کہ لوگوں کی آہیں تھمتی نہ تھیں، نالہ و بکا رکتا نہ تھا، کچھ لوگ مٹی میں لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور کچھ بے خودی میں سواری کے پاؤں چوم رہے تھے۔

(گویا بقول شاعر:

پڑے ہیں ترے کوچہ میں لاکھوں مجروح، مقتول، مذبوح، بسمل

آٹھویں پشت میں حسن نبوی کی جھلک کا یہ اثر تھا، تصور کیجئے خود حسن نبوی کا کیا حال ہو گا!)

علماء پکار رہے تھے: لوگو چپ ہو جاؤ جب خاموشی چھا گئی تو حافظ رازی اور حافظ طوسی نے املائے حدیث کی استدعا کی۔ اس پر آپؓ یوں محو روایت ہوئے۔

''مجھے حدیث بیان کی میرے والد ماجد موسی کاظم نے اپنے والد ماجد جعفر صادق سے انہوں نے اپنے والد ماجد محمد باقر سے انہوں نے اپنے والد ماجد زین العابدین سے انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت حسینؓ سے انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ بن ابی طالب سے انہوں نے فرمایا مجھے بیان فرمایا میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے کہ مجھے جبریل نے بیان کیا کہ میں نے رب العزت کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جس نے یہ کلمہ پڑھا وہ میرے قلعے میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا، وہ میرے عذاب سے بچ گیا''۔

بس آپؒ نے یہ حدیث روایت کی، پردہ گرانے کا حکم دیا اور روانہ ہو گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اُن لوگوں کو شمار کیا گیا، جو باقاعدہ قلم دوات لائے اور لکھ رہے تھے، تو تقریباً بیس ہزار تھے۔ (یعنی باقی لوگ ان کے علاوہ تھے)۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند کسی مجنون پر پڑھی جائے تو اُسکا جنون جاتا رہتا ہے۔

مولانا عبدالستار سہسرامی کی کتاب مسالک السالکین میں بھی ایک روایت ہے:

اور یہ حدیث شریف بھی آپ سے مروی ہے کہ فرمایا حضرت رسول خدا ﷺ نے "من لم یؤمن بحوضی فلا أورده الله حوضي ومن لم يؤمن بشفا عتى فلا أناله الله شفا عتي ثم قال انما شفاعتى لأهل الكبائر من امتى واما المحسنون فما عليهم من سبيل"

ترجمہ: یعنی جو شخص حوضِ کوثر کے ہونے پر ایمان نہ لاوے جو اللہ تعالی نے مجھ کو عنایت فرمایا ہے سو نہیں وارد کریگا اللہ اسکو میرے حوض پر اور جو شخص میری شفاعت پر ایمان نہ لائے سو اللہ تعالی نہیں مقرر کریگا واسطے اسکے شفاعت میری پس سوائے اسکے نہیں کہ شفاعت میری واسطے کبیرہ گناہ جن کے ہیں میری امت میں سے اور جو لوگ نیک ہیں پس نہیں ہے ان کے اوپر کچھ گناہ۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ آپ سب سے ذکر میں روشن تر اور قدر میں سب سے برتر تھے اسی وجہ سے مامون نے آپ کو اپنے سینہ میں جگہ دی اور اپنی صاحبزادی کے ساتھ آپکا نکاح کیا اور اپنا ولی عہد بنایا۔(الصواعق المحرقہ ص ۲۰۵)

ابن جوزی سے روایت ہے کہ سرخیل صوفیاء حضرت معروف کرخیؒ نے حضرت امام سید علی رضاؓ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

عادات و صفات: آپ بہت کم سوتے اور بہت روزے رکھتے تھے ہر ماہ میں تین روزہ کبھی آپ سے نہ چھوٹے۔ آپ اکثر اندھیری رات میں خیرات کرتے تھے جب خلوت میں ہوتے فقیرانہ لباس پہنتے جب دربار وغیرہ میں جاتے لباس فاخرہ زیب بدن فرماتے۔ خاکساری اور منکسر مزاجی اس درجہ تھی کہ موسم گرما میں چٹائی پر اور موسم سرما میں ٹاٹ یا کمبل پر بیٹھا کرتے تھے اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے منقول ہے کہ آپ ایک دن حمام کے گوشہ میں بیٹھے ہوئے غسل کر رہے تھے اتنے میں ایک لشکری آیا اور آپ کو اس جگہ سے اٹھا دیا اور خود اس جگہ بیٹھ کے غسل کرنے لگا اور اسی پر اکتفا نہ کر کے آپ سے کہا اے اسود میرے سر پر پانی ڈال اور مجھ کو نہلا پس آپ اسکے سر

پر پانی ڈالنے اور اسکو نہلانے لگے اتنے میں ایک شخص آیا جو آپ کو پہچانتا تھا اور اسنے یہ حالت دیکھ کر ایک چیخ ماری اور کہا اے لشکری تو ہلاک ہوا حضرت ابن رسول اللہ ﷺ سے خدمت لے رہا ہے یہ سنتے ہی لشکری آپ کے قدموں پر گرا اور معذرت کر کے کہنے لگا میں نے جس وقت پانی ڈالنے اور نہلانے کو کہا تھا حضور نے انکار کیوں نہ کردیا۔ فرمایا انها لمثوبة یہ تو ایک کام ثواب کا تھا، میں نے نہ چاہا کہ جس کام میں مجھے ثواب ملے اس میں تیری نافرمانی کروں۔

کشف و کرامات: حاکم محمد بن عیسی بن حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میرے شہر کی مسجد میں تشریف لائے ہیں۔ میں سلام کیلئے حاضر ہوا دیکھا کہ حضور کے سامنے مدینہ کے کھجوروں کے پتوں کا ایک طبق رکھا ہوا ہے جس میں صیحانی کھجوریں ہیں حضور ﷺ نے ان میں سے آٹھ کھجوریں مجھے عنایت فرمائیں۔اس خواب کو دیکھے ہوئے جب بیس دن گذرے آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسی مسجد میں فروکش ہوئے لوگ سلام کو دوڑے میں بھی گیا دیکھا کہ آپ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا اور مدینے کے کھجوروں کے پتوں کا طبق صیحانی کھجوروں سے بھرا ہوا آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا، آپ نے نزدیک بلا کر ایک مٹھی کھجوریں مجھے عطا فرمائیں جب میں نے شمار کیا تو اسی قدر پائیں جو حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھے خواب میں عنایت کی تھیں میں نے عرض کیا آپ مجھے زیادہ مرحمت فرمادیں فرمایا اگر تجھے حضرت رسول اللہ ﷺ زیادہ عطا فرماتے تو میں بھی زیادہ دیتا۔ ایک کنجشک صحن خانہ آکر لوٹنے لگی آپ نے فرمایا سانپ آیا ہوا ہے اسکے بچوں کو کھانا چاہتا ہے اسی کی فریاد کرتی ہے خادم گیا سانپ کو مکان کی چھت میں پا کر مارا۔

اس معاہدے کا مضمون جسے المامون نے اپنے ہاتھ سے اور اپنی تحریر (انشاء) سے لکھا تھا: یہ ایک طویل معاہدہ تھا، جس کا ذکر اکثر مؤرخین نے اپنی کتب تاریخ میں کیا ہے۔۔۔میں نے اسے مختصر کیا ہے (اس کی عبارت یہ ہے:

"شروع اللہ کے نام سے، جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔۔۔۔ یہ وہ نوشتہ ہے، جسے عبداللہ بن ہارون امیرالمومنین نے ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا کے

لیے۔۔۔جن کا تعلق خانوادۂ نبوت سے ہے اور جو ان کے بعد ولی عہد سلطنت ہوں گے، لکھا ہے۔۔۔اما بعد۔۔۔بے شک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دین کے طور پر منتخب کیا ہے اور اپنے بندوں میں سے ایسے رسولوں کو چنا ہے، جو اس کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں ۔۔۔ان (رسولوں) میں سے پہلا رسول ۔۔۔ بعد میں آنے والے رسول کی بشارت دیتا رہا ہے اور ان میں، بعد میں آنے والا، اپنے سے پہلے رسوں کی تصدیق کرنے والا ہے، تاآنکہ محمد ﷺ پر، نبوت ورسالت ختم ہو گئی، جن کی بعثت سلسلۂ نبوت میں وقفے کے بعد اور علم کے نشانات مٹ جانے اور وحی کے منقطع ہو جانے پر حجت کے قیام اور قیامت کے قریب آنے پر ہوئی۔ اللہ تعالی نے آپ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا اور آپ کو سابقہ رسولوں کی امتوں پر گواہ بنایا ۔اور آپ پر اپنی بزرگ ترین اور اپنی عزیز ترین کتاب اتاری، جس پر باطل نہ تو سامنے سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے اور تعریف کیے ہوئے کی طرف سے کتاب کا اتارنا ہے، جس میں حلال وحرام اور نوازل واحکام کی تفصیل ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تو خوب کیا اور لوگوں کو ڈرایا تو خوب ڈرایا اور ان کی خوب تہدید کی اور انہیں (مخالفت سے باز رکھنے کے لیے) ڈانٹا اور انہیں بچایا اور اس بارے میں خوب مبالغہ کیا اور انہیں ڈرایا (اسے اس لیے اتارا) تاکہ یہ کتاب اس کی مخلوق کے تندرست اور بیمار الغرض تمام لوگوں کے لیے حجت بن جائے تاکہ جو شخص دلیل کی بنا پر ہلاک ہو گیا ہے وہ پوری طرح ہلاک ہو جائے اور وہی زندہ رہے جو دلیل کی بنا پر زندہ ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغامات پہنچائے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو نجات والے راستے کی طرف اسی طرح دعوت دی، جیسے کہ اللہ نے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے ۔۔۔۔ یہ دعوت پہنچانے کا آپ ﷺ کو حکم دیا ہے اور اسی طرح آپ ﷺ نے مجادلے کے ذریعے جو مجادلہ احسن ہے اور

جہاد اور (عملی) سختی کے ذریعے آپ ﷺ نے یہ فریضہ انجام دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کیا اور آپ کے لیے وہ کچھ پسند فرمایا جو اس کے پاس اور اس کے ہاں ہے، تو اس نے دین کے قیام کا ذریعہ (قوام)، خلافت کو قرار دیا، جیسا کہ آپ پر اپنی نبوت و رسالت کو ختم فرمایا، لہذا بندگان خدا کے تمام معاملات "نظم و نسق" خلافت، اس کی تکمیل اور اس کے غلبہ واقتدار اور اس کے ذریعے اللہ تعالی کے احکام کے قیام کے ساتھ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ قائم ہوئی ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کی حدود، قوانین اسلام، اس کے طریقوں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے اور جس کے ذریعے اس کے دشمن سے جہاد کیا جائے اور اس کی رعیت پر، اس کے نائبوں کو مقرر کیا جائے، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے بندوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں پر، ان کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اس کے حقوق کا قیام ضروری ہے، نیز خلافت کے علاقوں میں عدل وانصاف کے اظہار، راستوں کے امن وامان، لوگوں کی جانوں کے تحفظ اور باہمی معاملات کی اصلاح وغیرہ کے لیے ان کے ساتھ تعاون ضروری ہے اس کے برخلاف صورت میں مسلمانوں کے معاملات کا بگاڑ، ان کے دین کا مغلوب ہونا، ان کے دشمن کا غالب آنا اور کلمے کا متفرق ہونا اور دنیا وآخرت کا خسارہ لازم آتا ہے، لہذا ہر اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر اپنا نائب بنائے اور اپنی مخلوق پر اُسے اپنا معتمد بنائے، یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کو کھپا دے، اور اس کام کو ترجیح دے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور عدل وانصاف پر عمل پیرا ہو، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا ہے اور اُسے اس کا متبع بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یاداودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ (ص:۲۶) اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔

اور ہمیں حضرت عمر بن الخطاب کی طرف سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ اگر فرات کے کنارے ایک کتے کا بچہ بھی مر گیا تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ میرا اس پر مواخذہ کیا جائے گا، اس کے علاوہ ایسی روایات اور آثار صحابہ بہت سے ہیں۔

اور جب سے مجھے خلافت ملی ہے میں اس بات پر مسلسل غور وفکر کرتا آیا ہوں کہ میں کس شخص کے ذمہ اس کا معاملہ لگاؤں اور میں کسے ولی عہد سلطنت بناؤں، مجھے ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا کے سوا کوئی شخص اس کے لیے موزوں نہ ملا، اس لیے کہ میں نے ان میں بہت زیادہ فضیلت، نفع رساں علم اور ان کا باطنی اور ظاہری تقویٰ اور پرہیز گاری دیکھی ہے، اور ان کا دنیا اور اس کے رہنے والوں سے الگ ہونا اور آخرت کی طرف ان کا میلان، اس کے لیے ان کا ایثار دیکھا ہے اور یہ بات میرے نزدیک پوری طرح تحقیق سے ثابت ہو گئی ہے اور مجھے اس پر یقین ہو گیا ہے، اس لیے کہ اس کے متعلق خبریں متواتر اور زبانیں اس کے متعلق متفق ہیں، لہذا میں نے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی کا یقین رکھتے ہوئے اور مسلمانوں کے حالات اور شعائر دینی کے قیام اور آخرت کے دن کی نجات اور کامیابی کے لیے ان کے لیے یہ معاہدہ لکھ دیا ہے اور یہ معاہدہ عبداللہ (المامون) نے اپنے ہاتھ کے ساتھ لکھا، اس وقت رمضان المبارک ۲۰۱ھ کی تاریخ تھی اور اس پر میرے گھر والوں، میرے خاص لوگوں، میرے بیٹوں اور میرے اہل وعیال، میرے لشکر اور میرے غلاموں نے بیعت کی ہے۔ اے اللہ، محمد ﷺ آپ کے گھر والوں پر درود اور سلام نازل فرما۔

دوسری روایت کی رو سے انہوں نے لکھا: ''اور جب سے خلافت ان تک پہنچی ہے، اس وقت سے امیر المؤمنین غور وفکر کرتے رہے ہیں کہ اس کی ذمہ داری کسے سونپی جائے اور اسی مفہوم کی عبارت لکھی۔ امام علی بن موسیٰ الرضا نے اس کے بعد، اس معاہدے پر لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود ہو ہمارے آقا محمد ﷺ پر اور آپ کی پاک اور طاہر اولاد پر۔ میں کہتا ہوں، میں علی بن موسیٰ بن جعفر ہوں کہ امیرالمؤمنین نے، اللہ تعالیٰ ان کو درست رکھ کر اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دے کر ان کی مدد کرے، ہمارے حق کو پہچانا، جس سے دوسرے لوگ غافل تھے اور انہوں نے رشتوں کو ملانے کا خیال رکھا ہے، جو ٹوٹ چکے تھے اور انہوں نے ایسے لوگوں کو امن دیا ہے جو گھبرائے ہوئے تھے، بلکہ انہوں نے انہیں زندگی بخشی ہے، جبکہ وہ ضائع ہوگئے تھے، یہ سب کچھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے کیا ہے وہ کسی اور سے اس کی جزااور اس کا بدلہ نہیں چاہتے اور جلد ہی اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو بدلہ دے گااور اپنے نیکو کار بندوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔۔۔اور امیرالمؤمنین نے ولایت عہد مجھے دی ہے اور اپنے بعد معاملے کی ذمہ داری مجھے سونپی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے، میرے لیے ان کے خلاف کرنا ممکن نہیں ہے اور اللہ کے روبرو میں یہ عہد کرتا ہوں کہ حرام طریقہ سے کسی کا خون نہیں بہاؤں گا اور نہ ہی کسی شرم گاہ کو یا کسی کے مال کو حلال سمجھوں گا، اور کفایت شعاری کو اپنی کوشش اور اپنی طاقت بناؤں گا اور میں جس حالت میں اس سے قبل رہا ہوں، اپنی اس حالت میں آخرت کے حالات کے بارے میں خود کو تبدیل نہیں کروں گا اور اگر خود کو بدل لوں یا کوئی نئی بات پیدا کروں تو میں تبدیلی کا مستحق اور سزا کے لیے خود کو پیش کرنے والا بن جاؤں گا، میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اس کی پناہ چاہتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے درمیان دوری کا خواہش مند ہوں۔۔۔والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

پھر یہ معاہدہ تمام ملکوں اور بیت اللہ کے پاس اور رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک اور منبر کے مابین پڑھا گیا اور اس کے متعلق مامون کے خاص لوگوں اور اکابر علماء نے گواہی دی، ان میں سے الفضل بن سہل شامل ہیں، جس نے اپنے ہاتھ سے لکھا: ''میں امیر المؤمنین عبداللہ المامون اور ابوالحسن علی بن موسی بن جعفر کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے اس کے ذریعے مسلمانوں کے سامنے ایک حجت واجب کی ہے اور جاہلوں کے شبہات کو باطل کردیا ہے اور فضل بن سہل نے بھی مذکورہ تاریخ میں تائیدی طور پر لکھا: اسی طرح عبداللہ بن طاہر، یحییٰ بن اکثم قاضی، حماد بن ابی حنیفہ، ابوبکر الصولی اور الوزیر المغربی، بشیر بن المعتمر اور دوسرے بہت سے لوگوں نے اس کی گواہی دی۔

اور الصولی نے نقل کیا ہے کہ جب المامون نے علی بن موسیٰ کی بیعت لی تو انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا، اس وقت عباسی خطیب اٹھا اور اس نے بہت عمدہ گفتگو اور یہ شعر پڑھا:

لا بدٌّ للنّاس من شمس ومن قمر   فانت شمس وهذاذالک القمر

(لوگوں کے لیے سورج اور چاند کا ہونا ضروری ہے، لہذا تو سورج ہے اور یہ چاند ہے)

علمائے سیرت وسوانح نے لکھا ہے کہ جب مامون نے یہ کام کیا، تو خاندان بنو عباس ان سے بگڑ گیا اور انہوں نے اُسے تخت خلافت سے معزول کردیا اور اس کی جگہ ابراہیم بن المهدی کو تخت نشین کرلیا۔ اس وقت مامون الرشید ''مرو'' میں تھا، اور بنو عباس کے حامیوں کے دل بھی اس سے پھر گئے۔ جس پر امام علی بن موسیٰ الرضا نے اس سے کہا: '' اے امیر المؤمنین آپ کی خیر خواہی ہم پر ضروری ہے اور منافقت (کھوٹ) کسی مؤمن کے لیے جائز نہیں۔ عام لوگ آپ کے اس عمل کو ناپسند کرتے ہیں، جو آپ نے میرے ساتھ کیا ہے اور آپ کے خواص الفضل بن سہل کو پسند نہیں کرتے، لہذا درست ترین رائے یہ ہے کہ ہم دونوں آپ سے دور ہوجائیں تاکہ خاص اور عام لوگ آپ کے ساتھ درست ہوجائیں اور آپ کا معاملہ بھی صحیح ہوجائے۔

ابوبکر الصولی نے اپنی کتاب (الاوراق) میں لکھا ہے کہ ہارون موسیٰ بن جعفر پر جب وہ اس کی قید میں تھے، ہر سال تین لاکھ درہم صرف کیا کرتا تھا اور انہوں نے اُسے بیس ہزار درہم پر راضی کرلیا۔

مامون نے علی بن موسیٰ الرضا سے کہا: میں آپ کا رتبہ آپ کے والد اور دادا سے نہیں بڑھاؤں گا لہذا اس نے ان کے لیے یہی وظیفہ جاری کیا اور ایک لاکھ درہم انہیں بطور صلہ رحمی دیے۔

پھر جب مامون بغداد جانے کے ارادے سے مرو سے چلا اور سرخس کے مقام پر پہنچا، تو کچھ لوگوں نے فضل بن سہل پر حمام میں نہانے کے دوران حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا اور دوسری طرف علی بن موسی بیمار پڑ گئے اور جب مامون طوس کے مقام پر پہنچا تو علی بن موسیٰ الرضا اسی جگہ ۲۰۳ھ میں انتقال فرما گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حمام میں گئے اور پھر اس سے باہر نکلے پھر ان کے سامنے ایک تھال میں زہریلے انگور پیش کیے گیے، جن میں زہریلی سوئی سے زہر داخل کیا گیا تھا، مگر اس طرح کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو، انہوں نے اُسے کھایا تو وہ فوت ہوگئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۵ برس یا دوسری روایت کی رُو سے ۴۹ برس تھی، انہیں ہارون الرشید کے برابر میں دفن کیا گیا۔

اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں مامون نے زہر دیا تھا، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے جب امام علی بن موسیٰ کا انتقال ہوا، تو اس پر المامون بہت غمگین ہوا اور غم اس کے جسم سے ظاہر ہو رہا تھا، اور وہ کئی روز تک اسی حالت میں رہا کہ وہ نہ کھاتا تھا اور نہ پیتا تھا اور اس نے دوسری لذتوں کو بھی ترک کر دیا تھا، پھر جب وہ بغداد میں آیا اور جس میں وہ صفر ۲۰۴ھ میں داخل ہوا تو اس کا لباس اور اس کے تمام ساتھیوں کا لباس سبز تھا، اسی طرح ان کے جھنڈوں کی رنگت بھی سبز تھی (جو امام علی بن موسی کے ہاں پسندیدہ رنگ تھا) اور المامون اس سے پہلے الحسن بن سہل کو بغداد بھیج چکا تھا، جس نے انہیں شکست دی اور ابراہیم بن المھدی زیرزمین چلا گیا اور مامون الرشید ''قصر رصافہ'' میں جا کر اترا۔

الصولی نے لکھا ہے کہ بنو عباس کے لوگ زینب بنت سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس اکٹھے ہوئے۔ جو انتہائی معمر اور منصور کی طرح سرداری کا مقام رکھتی تھی، ان سب نے اس سے درخواست کی کہ وہ المامون کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ وہ سبز رنگ کا لباس پہننا چھوڑ دے اور حسب سابق کالے رنگ کو دوبارہ اختیار کر لے، ...... اس لیے کہ اس نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ امام علی بن موسیٰ کے بعد ان کے صاحبزادے محمد بن علی بن موسیٰ کو اپنا ولی عہد بنائے گا، اسے اس عمل سے بنو عباس کے شور شرابے نے روک رکھا تھا، اس لیے کہ انہوں نے اس پر اصرار کیا تھا، تاآنکہ زینب اس سے ملنے آئی، مامون اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اسے مرحبا کہا اور اس کا بہت اکرام کیا۔ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین..... بے شک آپ ابوطالب کے خاندان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا سلوک

کرنے والے ہیں اور خلافت کے معاملے کا تیرے ہاتھ میں ہونا.... تیرے لیے ان کے ساتھ نیکی کے معاملے میں ان کے دوسرے کسی خاندان کے ہاتھ میں ہونے سے زیادہ قدرت والا ہے۔ لہذا آپ سبز رنگ پہننا چھوڑیں اور اپنے گھر والوں کے لباس کی طرف لوٹ آئیں اور جو کچھ آپ کے پاس ہے، اس کے متعلق کسی اور کو طمع اور لالچ نہ دلائیں۔ مامون کو ان کی باتیں سن کر تعجب ہوا اور اس سے کہا: اللہ کی قسم! اے پھوپھی جان کسی شخص نے اس انداز میں گفتگو نہیں کی، جس نے آپ کی گفتگو سے زیادہ میرے دل پر اثر کیا ہو، مگر جو کچھ آپ چاہتی ہیں، میں وہ نہیں کرنا چاہتا اور میں ان کا آپ کی عقل کے مطابق محاکمہ کروں گا۔ اس نے کہا وہ کیسے؟ اس نے کہا: کیا آپ نہیں جانتیں کہ جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ کو بصرے کا، عبیداللہ بن عباس کو یمن کا اور معبد کو مکے کا اور قثم بن عباس کو البحرین کا والی بنایا اور کسی ایسے شخص کو، جو حضرت عباسؓ کی طرف منسوب تھا، نہ چھوڑا، مگر اُسے ضرور کسی نہ کسی علاقے کا والی اور حاکم بنا دیا، ان کا یہ احسان ہماری گردنوں پر چلا آتا ہے، میں نے ان کے اس احسان کی، ان کی اولاد کے ساتھ، اسی طرح کا سلوک کر کے تلافی کی ہے۔ زینب نے کہا: اے میرے بیٹے تمہاری گفتگو کی اللہ ہی کے لیے خوبی ہے، لیکن ابوطالب کی اولاد یعنی تیرے چچا زاد لوگوں کی مصلحت اسی میں ہے جو میں نے بیان کی ہے، مامون نے کہا وہی ہو گا جو تم لوگ چاہتے ہو۔

پھر اس نے اس معاملے میں اور محمد بن علی کو ولی عہد بنانے کے معاملے میں غور کیا، تو اس نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ ان کی سیاسی بنیادیں گر جائیں گی اور ہو سکتا ہے کہ باہمی اختلاف کی بنا پر معاملہ خاندان عباس اور خاندان علی سے باہر نکل جائے اور ابھی تک بنی امیہ کے بچے کھچے لوگ موجود ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اس موقع کو غنیمت جانیں اور کوئی فتنہ برپا کر دیں، چنانچہ وہ خاندان عباس کے لوگوں کے پاس آکر بیٹھا، ان سب کو جمع کیا اور کالے رنگ کی پوشاک منگوائی اور اُسے پہنا اور سبز رنگ کے لباس کو چھوڑ دیا اور دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرح کا لباس پہننا شروع کر دیا، اسی طرح سبز رنگ کا لباس بغداد میں آٹھ دن کے سوا نہیں پہنا گیا۔

الصولی نے مامون کے حضرت علی کے بارے میں یہ اشعار نقل کیے ہیں:

(۱) انہوں نے خاندان عباس کو والی (حاکم) بنایا اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس کے لیے مختص نہ کیا اور جو کوئی ان میں سے ہو، وہ عزت کیے جانے اور احسان کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔

(۲) عبداللہ (بن عباس) نے بصرہ میں ہدایت کو واضح کیا اور عبیداللہ نے یمن میں سخاوت کو خوب نبھایا۔

(۳) اور انہوں نے خلافت کے معاملات کو ان کے درمیان تقسیم کیا، لہذا وہ اسی وقت سے ان کے اس احسان کے مرہون ہیں۔

مامون نے مزید یہ اشعار کہے (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اشعار السید الحمیری کے ہیں):

(۱) میں اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں (اور نشانیوں) کی قسم کھاتا ہوں اور انسان جو کچھ کہتا ہے، اس کی بابت پوچھا جائے گا۔

(۲) بے شک علی بن ابی طالب، تقویٰ اور نیکی کے پہاڑ تھے۔

(۳) اور بے شک آپ ایسے امام تھے، جو امت پر بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔

(۴) آپ ہمیشہ حق بات کہتے اور اُسی کو پسند کرتے اور باطل چیزوں سے مدد نہ لیتے۔

(۵) جب بھی جنگ نیزے سے قریب آجاتی اور بڑے بڑے بہادر اس سے قاصر رہ جاتے۔

(۶) تو آپ اس کے سینگ کی طرف چلتے اور آپ کے ہاتھ میں سفید رنگ والی، دھار کاٹنے والی، صیقل شدہ تلوار ہوتی۔

(۷) تو آپ مرد کامل اور چالاک اور ہوشیار شخص کی طرح، جو شیروں کے درمیان چلتا ہے، آگے بڑھتے تو آپ کو کوئی چھلاوہ دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔

اور المامون کے اشعار میں یہ اشعار بھی ہیں۔

(۱) کسی بھی توبہ کرنے والے کی توبہ علی بن ابی طالب کی محبت کے سوا قبول نہیں ہوتی۔

(۲) آپ رسول اکرم ﷺ کے بھائی اور ہدایت کے حلیف ہیں۔

(۳) پس ہادی علیہ السلام نے آپ کو آپ کی فضیلت میں مقدم کیا۔

(۴) اگر دوسرے عہدے دار کسی ایک جانب مائل ہوں، تو میں اپنے مددگاروں کے ساتھ انہی کی طرف مائل رہوں گا۔

(۵) میں صاحب ہدایت نبی کے خاندان میں سے ہوں گا، جو خاندان غالب میں سب سے بہتر نبی ہیں۔
(۶) ان کی محبت فرض ہے، ہم اُسے ادا کرتے ہیں، جیسے کہ حج لازم اور واجب ہے۔
اور الصولی نے اپنی کتاب الاوراق میں یہ بھی لکھا ہے کہ جامع البصرہ کے ایک ستون پر یہ لکھا تھا:
''اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ پر رحم کرے، بے شک وہ بے حد متقی شخص تھے''۔
ہم نے علی بن موسیٰ کی وفات کا ذکر کیا ہے، وہ بڑے فاضل، مفتی اور بڑے سخی شخص تھے اور انہی کے متعلق ابو نواس کہتا ہے:
(۱) مجھے کہا گیا کہ تو اپنے مدعا کو اپنی گفتگو میں صاف صاف کہہ دینے میں سب لوگوں سے منفرد ہے۔
(۲) تیرے کلام کے جوہر میں کئی طریقے ہیں، میرے ہاتھ میں چنے ہوئے موتی بکھر جاتے ہیں۔
(۳) پس تو نے ابن موسیٰ کی مدح اور ان کی ان باتوں کا تذکرہ، جو ان میں تھیں، کیوں چھوڑا۔
(۴) میں نے کہا: میں ایسے امام کی تعریف نہیں کر سکتا.... جن کے والد کے خادم جبریل تھے۔

اولاد کرام: آپ کے پانچ صاحبزادے تھے حضرت محمد تقی، حسن، حسین، جعفر، ابراہیم اور ایک صاحبزادی بی بی عائشہ تھیں۔ آپکے بعد حضرت محمد تقی آپکے جانشین ہوئے۔

ماخوذ از ''تذکرۃ الخواص''

○

سیّد نفیس الحسینی

حضرت سیّد ابوالحسن زید الجندی

م ۵۰۴ھ

آپ کا خاندان عالیشان مدینہ منورہ سے عراق اور پھر عراق سے خراسان منتقل ہوا۔ حضرت زید الجندی اپنے آبائے کرام کی سنت جہاد کے علمبردار تھے آپ سرفروش مجاہدین کی ایک جماعت کے ہمراہ خراسان سے علمِ جہاد بلند کیے ہوئے فتح دہلی کے لئے چند بار تشریف لائے، ایک معرکۂ عظیم میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

آپ کا نسب نامہ درج ذیل ہے:

سید ابوالحسن زید الجندی بن ابوعبداللہ الحسین القدّان بن ابومنصور محمد الاکبر بن عمر الاعلیٰ بن ابوالحسن یحیٰ المحدث بن ابوعبداللہ الحسین ذی الدّمعۃ بن سیدنا ابوالحسین زید الشہید بن سیدنا علی الاوسط امام زین العابدین رضوان اللہ علیہ وسلامہ بن سید شباب اہل الجنۃ ابوعبداللہ الحسین سبط رسول ﷺ بن امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے ملفوظات ''جوامع الکلم'' میں حضرت زید الجندی کا ذکرِ خیر آیا ہے۔ روز یکشنبہ چہار دہم ماہ محرم الحرام ۸۰۳ھ کی مجلس مبارک میں بیان فرمایا:

وقت چاشت۔ ذکرے درباب فضائل اہل بیت مصطفےٰ ﷺ بود۔ فرمودند۔ سید ابوالحسن جندی دواز دہم محل جدّ ما باشد۔ و زیرِ حصارِ دہلی متصل	بوقت چاشت اہل بیت نبوی ﷺ کے فضائل کا ذکر تھا۔ فرمایا سید ابوالحسن جندی جو بارھویں پشت میں ہمارے جدا مجد تھے۔ حصار دہلی کے

دروازۂ شکار مقبرۂ حضرت سید است ہر شب جمعہ آنجا نور فرود می آید، اکثر ہمسایگان ایشان بدیں گواہی می دہند، و ہمہ خلق آں مقام دیدہ اند،واو راشہید انار میگویند۔

پیش از ایام فتح دہلی سید با شانزدہ نفر آمدہ بود، پیش دروازہ بزرگ شب ماند۔ مشورت کردند وقت بیرون شدن مواشی بامداد درشہر درآییم، ہمچناں کردند۔ قتالے عظیم شد ۔ بسیارے از ہنود کشتند ہر شانزدہ نفر از برج دروازہ شکار بروں افتادند۔ بسلامت بیروں شدند۔شب بار دوم بیرونِ دروازۂ بزرگ اقامت کردند ۔آنجا مسجدے کردند،چند سنگے نہا دند ، محرابے کردند ، بانگ نماز گفتند، نماز گذاردند، بامداد باز گشتند، بار دوم باز آمدند۔ہمچناں وقت مواشی درآمدن قتالے بس بزرگ شد ۔جہانے از ہنود زیرِ تیغ آوردند ۔درشہر شورے عظیم اند اختند ۔ بازدر رہ حصار دروازۂ شکار بیروں افتادند ۔در آں محلے کہ سید افتاد ہم آنجاہجوم ہنود بود ، ہمہ یکبار بر سید افتادند ہم دراں محل کشتند ہم دراں موضع تربت سید است ہر آئنہ فرزند رسول اللہ قتالے برائے خدا کردہ ہم براں رفتہ لا بد یکے از مقربانِ حضرت و مشفقان امت باشد۔

و اللہ اعلم بالصواب۔

نیچے شکار دروازہ سے متصل حضرت سید کا مقبرہ ہے۔ اور ہر شب جمعہ اس جگہ نور برستا ہے۔وہاں کے اکثر پڑوس کے لوگ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اورسب نے وہ مقام دیکھا ہے اورلوگ ان کو ''شہید انار'' کہتے ہیں۔

زمانہ فتح دہلی سے پہلے حضرت سید سولہ آدمیوں کے ساتھ تشریف لائے ۔ بڑے دروازے کے سامنے رات گذاری، ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ صبح سویرے جس وقت مویشی شہر سے باہر نکلیں ہم شہر میں داخل ہوجائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا ۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی ، بہت سارے ہندو مارے گئے۔ یہ سولہ کے سولہ آدمی شکار دروازہ کے برج سے باہر نکلے ، بالکل سلامت باہر آگئے۔ رات کو دوبارہ بڑےدروازے کے باہر مقیم ہوئے ۔اس جگہ ایک مسجد بنائی ۔چند پتھر رکھ کر محراب بنایا اذان کہی، نماز ادا کی، صبح سویرے واپس ہوگئے۔ دوسری بارپھر آئے ۔اسی طرح مویشیوں کے باہرنکلنے کےوقت اندر داخل ہوگئے، بڑے پیمانے پر قتال ہوا، ہنود کی ایک بڑی تعداد کو قتل کیا ۔شہر میں بہت بڑا ہنگامہ برپا ہو گیاپھر حصار دہلی کے راستے شکار دروازے سے باہر نکل آئے ۔ حضرت سید جہاں پرہنود سے جنگ کر رہے تھے،وہاں پرہنود کاایک ہجوم تھاانہوں نے یکبار گی حضرت سید پر حملہ کر دیا، حضرت سید لڑتے ہوئے

(جوامع الکلم نسخہ خطی صفحہ ۲۹۶، نسخہ مطبوعہ ۳۱۳)

شہید ہوئے۔ اسی جگہ پر ہی حضرت سید کی قبر مبارک ہے۔ یقیناً فرزند رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی راہ میں قتال کیا اور اسی پر وہ شہید ہوئے یقیناً وہ مقربان حضرت حق تعالیٰ اور مشفقانِ امت میں سے ہیں۔"

حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ کی سوانح حیات تاریخِ حبیبی (تالیف ۸۴۹ھ) میں بھی حضرت زید الجندی کا ذکر آیا ہے۔ خواجہ صاحب کا بیان ہے:

دہلی فتح کردۂ ترکان است و پیش ازاں سید ابوالحسن جندی دوازدہم کرسی فرجدمن باشد چند کرت از خراسان برائے فتح دیار دہلی آمد۔ انبوہے ہندوان اقلیم ہندو شوکت چند ہزار سالہ فراہم آمدہ۔ و ایشاں نتوانست فتحکردن۔ چوں در آخریں کرت کہ آمد، شہادت یافت - مدفن متبرکہ اش در صحن مسجد انار است۔ صالحانے کہ در پیر امون آں مسجد ساکن بودیند، در ہر شب جمعہ دراں مسجد بالائے قبر فرجدمن نورے می دیدند۔ روزے حضرت فرمودند "مولانا بہاء الدین" تومی دانید کہ مسجد انار کجا است، بہاء الدین التماس کردند، آرے مخدوم، بندہ میداند۔

(تاریخ حبیبی تذکرہ مرشدی (نسخہ خطی) صفحہ ۱۴، تالیف مولانا عبدالعزیز بن شیر ملک بن محمد واعظی، سال تالیف ۸۴۹ھ۔)

دہلی ترکوں کی فتح کی ہوئی ہے۔ اس سے پیشتر سید ابوالحسن جندی میری بارہویں پیڑھی کے دادا ہوئے ہیں، ملک دہلی فتح کرنے کے لیے خراسان سے چند بار تشریف لائے تھے، چونکہ ملک ہندوستان کے ہنود گروہ در گروہ جمع ہو گئے اور چند ہزار سال کی شوکت و سلطنت کا سامان ان کے پاس جمع تھا۔ اس لیے میرے جد سے دہلی فتح کرنا ممکن نہ ہوا اور جب آخری مرتبہ تشریف لائے تو یہیں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ مسجد انار (دہلی) کے صحن میں آپ کی قبر مبارک موجود ہے۔ بعض نیک لوگ جو اس مسجد کے پاس رہتے تھے، ہر شب جمعہ کو اس مسجد میں میرے پر دادا کی قبر پر ایک نور دیکھا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا بہاء الدین تم جانتے ہو کہ مسجد انار کہاں واقع ہے، مولانا بہاء الدین نے کہا: جی ہاں مخدوم بندہ کو معلوم ہے۔

حضرت سید ابوالحسن زید جندی الشہید قدس سرہ تین بھائی تھے:

۱۔الحسن ابو محمد الرئیس بالکوفہ ۲۔ابوالحسن زید الجندی ۳۔جعفر الاحول

(عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۰۴)

ان تینوں کی اولاد کوفہ،شام، نیل اور خراسان میں اقامت پذیر تھی۔ (المختصر فی علم الانساب (خطی))

عمدۃ الطالب میں ہے:

فمن بنی زید الجندیّ بن الحسین الفدان آل شیبان: و ھو ابوالفوارس محمد بن عیسیٰ لفارس بن زید الجندی المذکور کانوا بطنا بالکوفۃ۔

زید الجندی بن حسین الفدان کی اولاد احفاد میں آل شیبان ہیں،ابو الفوارس محمد بن عیسیٰ الفارس بن زید الجندی مذکور اور وہ کوفہ میں سکونت پذیر ہے۔ (ص ۳۰۴)

عیسیٰ الفارس کے علاوہ زید الجندی کے ایک بیٹے داؤد تھے جو سادات گیسودرازؒ کے مورث ہیں۔

حضرت زید الجندیؒ ہندوستان میں سادات گلبرگہ اور سادات جونپور کے مورث اعلیٰ ہیں۔ حضرت زید الجندیؒ کے بعد سید علی الحسینیؒ تک بزرگوں کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ صاحب وقار و وجاہت گزرے ہیں۔ حضرۃ شاہ من اللہ نبیرہ حضرت خواجہ گیسودرازؒ کے ملفوظات ''شوامل الجمل در شمائل الکمل'' میں مذکور ہے۔

فرمودند: ''بعض سلف بندگی مخدوم(خواجہ گیسودرازؒ) چاکر پادشاہان بودہ اند۔اما ایشاں را پایا پادشاہی عہدے بودہ است کہ ما در سرائ تو در نیائیم از انکہ وقتیکہ دربان مارا حائل شود وچوب در میان آرد،آبروئے مارود۔ بعدہ چہ شجاعت خواہیم فرمودند وقتیکہ پادشاہ سواری شدے برائے مہم را ایشاں برابر می رفتند۔وقتیکہ بازمی آمدے از در بار پادشاہ راسلام میکردندو پادشاہ ہم از آنجا برک می دادے و باز میگر دانیدے و کذالک اگر نامزدمی شدند باز ہمچناں میکردند'' (ص ۲۹۱)

حضرت زید الجندی کی شہادت کے بعد ان کی اولاد و احفاد اپنے وطن خراسان ہی میں نشو نما پاتی رہی۔ پھر ایک مدت کے بعد اس خاندان کے کوئی بزرگ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ کے دادا بزرگوار سید علی الحسینیؒ ہرات سے تشریف لائے اور دلی میں فروکش ہوئے، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حضرت خواجہ گیسودرازؒ کے والد گرامی سید یوسف

''سید راجا'' اور والدہ ماجدہ ''بی بی رانی'' کے لقب سے معروف تھے۔ غیر ملک سے آئے ہوئے کسی خاندان میں مقامی عرفی نام اتنی جلد رائج نہیں ہو پاتے۔

حضرت زید الجندی کا مزار مبارک حضرت خواجہ گیسودرازؒ کے زمانے تک معروف تھا، البتہ آج کل اس کے صحیح آثار دریافت طلب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت سید ابوالحسن زید الجندی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے سید داؤد تھے جنکا ذکرِ خیر کتاب ''حبیب السیر'' میں مسطور ہے۔ اپنے والدِ ماجد کے سجادے پر قائم ہوئے اور طریقِ محبت و اخلاص پر قدم استوار رکھتے تھے مہدی بن ابوالمنصور کے عہد حکومت میں ۲۵۰ھ میں وفات پائی پیدائش ۱۹۰ھ میں ہوئی تھی۔ خراسان میں اُن کی آمدورفت بہت زیادہ رہی۔ امیر کے نزدیک اُن کا بڑا مقام تھا۔

حضرت ابوالحسن زید الجندی کے ایک صاحبزادے سید داؤد تھے اُن سے تین بیٹے پیدا ہوئے

(۱) سید ابوالفرج واسطی (۲) سید ابراہیم (۳) سید اسماعیل۔

سید داؤد نے یعقوب بن داؤد لامی کے عہد حکومت میں ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ ان کی ولادت ۲۲۷ھ میں ہوئی تھی۔ بہت زیادہ صاحبِ علم اور درویشِ کامل تھے۔ ہر ملک کی زبان جانتے تھے۔ وہ اپنے زمانے میں گویا کہ بے مثل عالم تھے اور اُس زمانے میں ان جیسا کوئی نہ تھا۔ اور وقت کا بادشاہ اُن کی بڑی منزلت کرتا تھا۔

سید ابوالفرج واسطی بن حضرت سید داؤد کی بیوی سید فضل الفران کی بیٹی تھی سید ابوالفرج واسطی کے تین فرزند تھے۔ اُن میں سے ایک سید ابوالفوارس تھے سید ابوالفرج کی ولادت موسی الہادی کے عہد حکومت ۲۷۶ھ میں ہوئی اور ۳۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی وہ شاہ خراسان کے مخصوص لوگوں میں تھے اور اُن کو اس قدر عزت و وقار حاصل تھا کہ جب تک یہ حضرت تشریف نہ لاتے دربار کا آغاز نہ ہوتا تھا۔ بہت خوش بیان اور بلند پایہ فاضل و عاقل تھے۔ درویشوں کی صحبت بہت زیادہ رکھتے تھے۔

سید ابوالفواس بن سید ابوالفرح واسطی واسعہ بنت حضرت سید ابراہیم سے بیاہے گئے ان سے چار بیٹے ہوئے (۱) سید زید ثانی (۲) سید محمد عمر ثانی (۳) سید عبدالحمید (۴) سید محمد عیسیٰ۔

(ماخوذ از ''جوامع الکلم[1]'' و ''مظہر الاحدیہ در انساب زیدیہ'')

[1] ملفوظات محمد سید گیسودراز

مولانا صباح الدین عبدالرحمنؒ

حضرت سیّد ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

م ۴۶۵ھ

نام و نسب: ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویر اور جلاب غزنیں کے دو گاؤں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہور آ کر رہے، اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

تعلیم: تحصیلِ علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت بو لعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول و فروع میں امام اور معانی میں بلند تھے، بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا، اور اکابر واجلہ اہل تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے، غلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی، لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں، مجھ کو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا، کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام

موجودات سے وہ کنارہ کش ہوگئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیاو عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی، اور برابر شور کرتے کہ اشتھی عدما لاوجودله یعنی میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں۔ اور فارسی میں کہتے، "ہر آدمی را بایست محال باشد ومرا نیز بایستنی محال است کہ بہ یقین دانم کہ آں نباشد۔" اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب و بلاہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جل جلالہ کی ہستی ہے کہ اس کیلئے عدم نہیں ہے، اسکے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہوجاؤں اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو، اور یہی صحت فنا کا اصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب[1]۔

حضرت شیخ ابوالعباس اشقانی کا ذکر ایک اور جگہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں، ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیٔ، یعنی اللہ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور روتے ہیں، اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا، کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں، لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[2]۔

اپنے ایک اور استاد شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"وہ رؤسائے متصوّف میں تھے، تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں[3]۔"

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابوجعفر محمد بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ابوالعباس کے ہمعصر

---

1 کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین

2 ایضاً نیز دیکھ نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین

3 کشف المحجوب

تھے، مکہ میں مجاوری کرتے، مصر میں وفات پائی، ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے، شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گوان کے نام کے ساتھ "استاد" برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا، مگران کے علم اوران کی تصانیف کی تعریف کی ہے، اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں جوان کی زبان سے خود سنے۔

شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبد اللہ الکرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے، ان کو اپنے زمانہ کا قطب اور علم و فن میں بے نظیر اور بے عدیل بتایا ہے، لکھتے ہیں، کہ تمام لوگوں کے دلوں کا منہ ان کی درگاہ کی طرف تھا، طلبہ ان پر پورا اعتقاد رکھتے، مریدین کے واقعات کے کشف میں وہ ایک آیت کی حیثیت سے تھے، ور پنا ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ میں ایک روز اپنی باطنی کیفیت ان سے بیان کر رہا تھا، تو وہ بڑی عاجزی سے اس کو سن رہے تھے، میں اپنی نوجوانی کے نخوت و غرور میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ابھی کوچہ معرفت سے نہیں گذرے ہیں اس لئے عاجزی دکھا رہے ہیں، انھوں نے میرے دل کی بات معلوم کرلی، اور فرمایا میرے باپ کے دوست! میری یہ عاجزی تیرے لئے ہے، تیرے حال کے لئے نہیں ہے، حال کا بدلنے والا محال کے محل پر آتا ہے، میں یہ سن کر بے تاب ہو گیا، آخر میں رقمطراز ہیں کہ اس کے بعد نھوں نے مجھ کو بہت سے اسرار بتائے، اگر ان کے ظاہر کرنے میں مشغول ہوں، تو اصلی مقصد سے باز رہوں۔ ائمہ متاخرین میں ابو العباس احمد بن محمد القصاب سے بھی متاثر تھے، ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ماوراء النہر میں اپنے علوّ حال، صداقت و فراست، کثرت برہان و کرامت علم تصوف و اصول اور نیک سیرت کے لئے مشہور تھے، وہ اُمّی تھے، لیکن اصول دین اور دقائق توحید کو لوگ ان ہی سے معلوم کرتے، ان کی ایک کرمت کا ذکر کر کے ان کے کچھ اقوال بھی نقل کئے ہیں، انھوں نے ابوعبد اللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابوسعید فضل اللہ بن محمد اورا بواحمد بن احمد بن حمد کا ذکر خاص طور سے لطف ولذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابواحمد المظفر کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ ومشاہدہ سے متاثر تھے، اوران کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انھوں نے یہ دیکھ کر پوچھا کیا چاہتے ہو، عرض کیا، سماع، انھوں نے فوراً قوال کو بلایا، اور جب مجلس سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی، اور جب میرا جوش وخروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا اے شیخ میرے لئے

تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لئے یکساں ہوجائے گی۔ سماع میں قوت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب مشاہدہ ہوجائے گا، شوق سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جزو طبیعت نہ بن جائے[1]۔

تعلیم طریقت: باطنی و روحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے، ان کے حال میں لکھتے ہیں:

> ''اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری اقتدائے طریقت ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابو عمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشیں ہو کر لوگوں سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی۔ ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پر رعب نہیں دیکھا۔''

وہ حضرت شیخ ابوالحسن علی حصری کے مرید تھے۔ جن کو حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ سے ارادت تھی، اور شیخ ابوبکر شبلیؒ کو حضرت جنید بغدادیؒ سے بیعت تھی، اس طرح شیخ ابوالحسن ہجویری جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں، اپنے مرشد کے اوصاف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ایک روز میں ان کا ہاتھ دھلا رہا تھا، تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر کے مطابق انجام پاتے ہیں، تو پھر ایک آزاد آدمی اپنے کو کرامت کی امید پر کیوں کسی پیر کا غلام بنائے، مرشد کو میرے دل کی یہ بات معلوم ہوگئی، اور انھوں نے فرمایا اے میرے بیٹے جو تم سوچ رہے ہو، وہ مجھ کو معلوم ہو گیا، مان لو کہ اللہ تعالی کا ہر حکم ایک سبب سے ہوتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ سپاہی بچہ کو بادشاہت دے تو اس کو توبہ[1] کی توفیق دیتا، اور کسی دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے، اور وہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جاتی ہے، اسی طرح کی اور باتیں روز ظاہر ہوتی رہیں۔

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا، تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] کشف المحجوب قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر ائمہ متاخرین

''جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے، یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور مایناز رکے درمیان ہے اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں، اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہئے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہئے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا، اور جان بحق ہوئے[1]۔''

سیاحت: روحانی کسب وکمال کیلئے تمام اسلامی ممالک شام، عراق بغداد، پارس، آستا، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر، اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے جن میں شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ القاسم سدی، شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ، شیخ ابواسحق بن شہریار، شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابو عبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسین السیرکانی، شیخ مجتہد ابو العباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجودینی، خواجہ رشید مظفر بن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد جمادی سرخسی اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔

منازل سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کئے ان میں ایک عجیب وغریب واقعہ خود ہی یہ بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزیدؒ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کرکے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوّفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے، اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انھوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لئے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربوزہ کے چھلکے میرے سر پر

---

[1] کشف المحجوب ذکر ائمہ متاخرین

پھینکتے تھے، اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگروہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں[1]۔

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلالؓ مؤذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا، کہ خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں، اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لئے ہوئے ہیں، جیسے کوئی کسی بچہ کو لئے ہوئے ہو، میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے، اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے، آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا، اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے یعنی ابو حنیفہ۔ اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں مگر احکام شرعی کے لئے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر ﷺ ہیں[2]۔

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے، جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی، ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو، تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لئے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لئے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے، تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے[3]۔

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے، لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور ہر جمعہ کو نماز کے لئے کسی قصبہ میں قیام فرمایا[4]۔

---

1 کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت

2 کشف المحجوب، ذکر امام اعظم ابو حنیفہؒ

3 ایضاً فصل تیسری

4 کشف المحجوب میں ذکر صلوۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، ان ظاہری رسوم کو معصیت و ریاء کہتے تھے اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث (من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الآخر فلایقفن مواقف التھم) کو لکھ کر خداوند تعالیٰ سے اپنے لئے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعاء کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہئے[1]۔

ازدواجی زندگی: تعلقات زن شوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا، اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچالیا[2]۔

ورود لاہور: فوائد الفواد (ص ۳۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ سے لہاور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لہاور میں جا کر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں، لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لاہور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا۔"

"و عبادت آنجا کہ می خواہی می کن و مشایخ رحمہم اللہ حق آداب آں نگاہداشتہ اند مریداں و ابداں فرمودہ ندکے میگوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود و ہر آدینہ بقصبہ بودم۔"
خاکسار مؤلف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری نے ان سطور میں خود اپنی طرف کیا ہے۔

1 ذکر الفرق بین المقام والحال

2 کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو:

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد، تا فتنہ ند و فتادم، ظاہر باطنم اسیر صفتے باشد کہ امن کردند بے آنکہ رویت بودہ بود ایک سال مستغرق آں بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین برمن تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارہ من فرستادند بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت۔"

معلوم ہوتاہے کہ لاہور آکر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس آگئے، کیونکہ اوپر بیان کیاجاچکاہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ممکن ہے کہ وفات کے بعد پھر لاہور آئے ہوں، لیکن بہر حال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے ایک جگہ رقمطراز ہیں:

"کتب من بہ حضرت غزنیں ماندہ، من اندر دیار ہند در بلدہ لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم۔"

ہندوستان کے سفر میں جابجا علمی مذاکرہ بھی کیا، فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر و تذکیر کا داعی تھا، مقام فنا اور بقامیں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ فنا اور بقا سے بالکل ناآشنا ہے، بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا"۔ (ذکر بقا و فنا)

وفات: آخری زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر ہو کر رشد وہدایت، اور تبلیغ میں مشغول رہے، اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، سال وفات ۴۶۵ھ ہے[1]، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خوجہ معین الدین چشتیؒ نے ان کی قبر پر چلہ کیا، اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا:

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے، عوام داتا گنج بخش کہتے ہیں۔ لیکن گنج بخش سے شرک کی بو آتی ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے یہ شعر نہ کہا ہو، کسی اور نے کہہ دیا ہو، حضرت فرید الدین گنج شکر نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلی روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزار پرانوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے۔

داراشکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے:

"خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آں روضہ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر

---

[1] عام طور سے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہی بتائی جاتی ہے، لیکن لاہور کے بعض اہل قلم کی تحقیق ہے کہ ن کا وصال ۵۰۰ھ کے آغاز میں ہوا، (رسالہ داتا گنج بخس از پروفیسر علم الدین سالک)

کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضہ شریف ایشاں بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بزیارت روضہ منورہ ایشان و والدین و خال ایشاں مشرف گشتہ[1]"

ڈاکٹر اقبال نے ان کے متعلق کہا ہے:

سید ہجویر مخدوم امم ... مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آساں گسیخت ... در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد ... حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ ام الکتاب ... از نگاہش خانۂ ، باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت ... صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد تیار عشق ... جبینش آشکار اسرار عشق

ان کے مزار کو سلطان مسعود غزنوی کے جانشین سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا۔

تصانیف: کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) منہاج الدین، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں (۲) کتاب الفناوالبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاھل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے:۔

"پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام"

"من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ"

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۳

کتاب ہے، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائیگا[1]۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں جابجا اس کتاب کا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر شرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملاجامی رقمطراز ہیں:

"کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور دریں فن است و لطائف و حقائق دراں کتاب جمع کردہ است۔[2]"

دارا شکوہ لکھتا ہے:۔

"حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است، کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آں سخن نیست، و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ[3]۔"

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویری سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے۔ اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کئے جاتے ہیں۔

علم: کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے، کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ

---

[1] ورد نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوک سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی، میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبد الماجد صاحب دریا بادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے، جنہوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر یک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے۔

[2] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین

[3] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۲

اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں:
(۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق، اوران کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیئے، کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو اس کی دو قسمیں ہیں:
(۱) ایک اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا، اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا،
(۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لئے صحیح نیت رکھنا،

حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں، (۲) خداوند تعالی کی صفات کا علم، یعنی وہ عالم ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے، (۳) خداوند تعالی کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے۔
علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں، (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت۔

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویری نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم وملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کیا وہ زندیق ہے۔

فقر: دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے، کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے، اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اور اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی سازوسامان ہونے سے مال دار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے، یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہو گا، اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہو گا، اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال ومتاع سے بے نیاز ہوتا

جاتاہے، اتناہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور رضائے الہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کردیتاہے، ایک فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور س کی یک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقرو غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل خود غنا خداوند تعالی کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائے گی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالی کی جانب منسوب کرنا روا نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیاہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لئے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ ناموں کے ایک نام ہے، یہ سی کے لئے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہوسکتا بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرت ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازمی ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتاہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویری نے غنا کو اللہ تبارک و تعالی کی صفت قرار دیاہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر حضرت شیخ ہجویری کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کردے، اس لئے غنی باللہ فاعل ہے اور "من اغناہ اللہ" مفعول ہے۔ فاعل بذات خود قائم ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتاہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتاہے، تو یہ اس کے لئے نعمت ضرور ہے مگر اس نعمت میں، غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص، اس لئے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ ہونا چاہئے، اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہئے حضرت ہجویری کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتاہے، اور فقر میں دل اللہ تعالی کے سوا ہر چیز سے جدا رہتاہے، اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام

چیزوں سے مستغنی ہوجاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لئے بے معنی ہوجاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر اور فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہوجائے اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہوجائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے، اور خرچ کے لئے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا۔ مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا، اس لئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے اس کو وہ دوسروں کو دیکر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہوجاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا، اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

صوفی کی اصلیت: تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اول میں رہتا ہے اس لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے تیسرے کا خیال ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہیں مگر حضرت شیخ ہجویری نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک و صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف

ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صوفی جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (۲) متصوف جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) مستصوف جو محض مال ومنال اور جاہ وحشمت کے لئے اپنے کو مثل صوفی کے بنالیتا ہے۔

پس صوفی صاحبِ وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) اور تصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور متصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہیں، جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظِ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اول اور درجہ اولی میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصریؒ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے، اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے۔

حضرت شبلی کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت شیخ ہجویری نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اسی طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا۔

تصوف: اس بحث میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے یعنی تصوف میں

سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو، رضا حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ہو، صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا ہو، اشارات حضرت زکریا علیہ السلام کے ہوں، غربت حضرت یحیی علیہ السلام کی ہو، سیاحت حضرت عیسی علیہ السلام کی ہو، لباس حضرت موسی علیہ السلام کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں حضرت ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاص واخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں:
(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا، اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

صوفی کا لباس: چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے، صوفی سنت رسوں کی پیروی میں کمبل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقرو ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لئے شیخ ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں، گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیئے، اس کے باوجود خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب اس کو مشائخ پہنائیں، اس کے لئے ضروری ہے، کہ موخرالذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں، خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز پنے سے بہتر جانتا ہو، اور اس کی خدمت اپنے لئے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہو اور جو کام کرتا ہو صرف خد کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہوں، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہوجائیں، تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کشہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑھتا ہے۔

ملامت: چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی مطلق پروانہ کرتا ہو، مثلاً ابوطاہر حرمی ایک بار بازار میں جارہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا: اے پیر زندیق، کہاں جاتا ہے، ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھوں نے روک دیا، اور جب گھر آئے، تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے، جن میں ان کو کسی میں شیخ ذکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کیلئے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابویزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے، تو لوگوں نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انھوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابویزید نے قصداً ایسا کیا تا کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریا کاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو شیخ ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کیلئے ایک تروتازہ باغ، دوستوں کیلئے مایہ تفریح، مشتاقوں کیلئے راحت اور مریدوں کیلئے سرور ہے، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے تو انھوں نے کہا ہاں دو بار، ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھ کر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا، اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی، اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہو گئی کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا، اور مجھ کو وہ لباس اتارنا پڑا۔

دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی، کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا،

ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا، ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھ کو ٹھہرنے نہیں دیا، سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا، اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہو گیا، اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا۔

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل بیت، اہل الصفہ، تبع تابعین ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے۔

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، تفصیل غالباً نامناسب نہ ہو گی۔

رضا: پہلا فرقہ محاسبیہ ہے، جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے۔ حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے حضرت ہجویری نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں:۔

(۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے، (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے۔ اور خداوند تعالی سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے حکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالی اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسی ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسی اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالی کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابوصالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی

ملامت کو تزکیۂ نفس کیلئے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گذر چکی ہے، اس لئے حضرت ہجویریؒ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

سکر و صحو: اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اول الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابوالقاسم الجنیدیہ بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالی کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی میں اس کا ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتا، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے، لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے علت و معلول ہیں، لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو، تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے، اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

عزلت نشینی: پانچواں گروہ نوریہ کا ہے، جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحاب صحبت کیلئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے، اور اگر صحبت کے رسمی ایثار و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویری نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے۔

مجاہدہ وریاضت: (۶) سہلیہ:۔ اس کے امام حضرت سہل بن عبداللہ تستری ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جدوجہد، مشقت) مجاہدہ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لئے حضرت ہجویریؒ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہوجانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس سے پرہیز کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں، سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، انکا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہوسکتا، ممکن ہے ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو، اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے، تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے، کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں، اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا، دوسرا نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا متبع ہوتا ہے، وہ ایمان کی طرف جاتا ہے۔ اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے۔ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے، فرمایا "ہوا کا ترک کرنا" حضرت ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے، لیکن موخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ولایت و کرامت: (۷) فرقہ حکیمیہ:۔ یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے، کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، جو نفس کی حرص و آرزو سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہوسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ہجویریؒ

نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں، کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں، جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں تو وہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائیگی۔ معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے۔ فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانے میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں: (۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقباء (۶) قطب یا غوث۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدہ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے، لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیونکہ شہرت باعث فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے، نہ اصول شریعت کے خلاف ہے، کہ کرامت محض "مقدر خداوندی" ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابو یزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خفیفؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور ابوالعباسؒ سیاری وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبّر، واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہوجاتے ہیں تو ولی برحق ہوتا ہے، اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔ اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ہے، کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہیں، اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فنا و بقا: (۸) فرقہ خرازی:۔ یہ فرقہ حضرت ابوسعید خرازؒ کی جانب منسوب ہے، جنھوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لئے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا، اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہوسکتا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات ولذات کو ترک کرکے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہوجانا ہے کہ پھر محبت وعداوت، قرب وبعد، وصل وفراق، اور صحو وسکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہے، اور جب یہ مقصود حاصل ہوجائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص وعبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ حال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کردیتا ہے، حال ومقام سے بے نیاز ہوجاتا ہے، اور اس کی زبان حق تعالی سے ناطق ہو جاتی ہے۔

غَیبَت وحضور: (۹) فرقہ خفیفی:۔ یہ فرقہ حضرت ابوعبداللہ بن خفیفؒ کی جانب منسوب ہے۔ اس کا مذہب تصوف "غَیبَت وحضور" ہے۔

غَیبَت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا، اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غَیبَت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہوگئی ہوں، اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیہ کرام نے یہ بحث کی ہے، کہ غَیبَت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غَیبَت پر ایک گروہ کہتا ہے غَیبَت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غَیبَت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت شیخ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غَیبَت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور جو حاضر ہے، وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہوجاتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کردیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

جمع و تفرقہ: (۱۰) فرقہ سیاریہ:۔ یہ فرقہ ابوعباس سیاریؒ کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، حضرت ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے، کہ اربابِ علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے، تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے، تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کردے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدین ہیں، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے، کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہوسکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہوسکتا، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو، اور کبھی موٴخر، مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ

غیبت کی حالت میں ہوتا ہے، اور جب مجاہدہ مؤخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حالت حضوری میں ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کو لازم ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) جمع سلامت اور (۲) جمع تکسیر۔ جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے، لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے، اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابویزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے، تو پھر مغلوب الحال ہوجاتے تھے۔

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہوجاتا ہے، اور اس کی حالت مجنوں کی سی ہوتی ہے، سی لئے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

حلول روح: (۱۱) گیارہواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارہویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے، خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے، قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہوسکتی، پھر قدیم وحادث اور خالق ومخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کرسکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے، جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جاسکتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آیندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں، اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے، معرفت پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے

ہیں کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، حضرت ہجویریؒ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے، اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے، اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہے، مگر علت نہیں، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟: اس پر حضرت شیخ ہجویری نے صوفیاء کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے، جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو، حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے، جس کے بعد بندہ ظاہری و باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے، اور چگونگی میں معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ در حقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

توحید: دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے یعنی (۱) خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے، (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے، جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے، اس لئے

حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کیلئے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں، جس کیلئے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کیلئے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ جس میں حرکت و سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ جو اس کیلئے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کیلئے اجزا ہوں، وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزو ہو، اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

ایمان: تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالی بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے، جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمانِ الہیٰ کی تعظیم بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اُسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیئے۔

طہارت: چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارت باطن، طہارت ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالی کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کیلئے تین شرطیں ہیں، (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف

لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں، جب ندامت ہو، اس ندامت کیلئے بھی تین شرطیں ہیں، (۱) عقوبت کا خوف ہو، (۲) یہ خیال ہو کہ برے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) عذاب کے ڈر سے، اس توبہ کو کہتے ہیں، جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔

(۲) ثواب کی خواہش سے، یہ انابت ہے، جو اولیاء اللہ کیلئے مخصوص ہے۔

(۳) حصول عرفان کیلئے یہ اذابت ہے، جو انبیاء مرسلین کیلئے ہے۔

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

(۱) خطاء سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو تو یہ عام ہے۔

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے۔

نماز: پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے، کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازیں پڑھا

کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کیلئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کیلئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہوجاتی ہے، تو نفس کا غلبہ ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو، اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابوالخیر اقطعؒ کے پاؤں میں آبلہ ہوگیا تھا، اطباء نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا۔ ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا، مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا، بولیں، خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی۔ مردوں کیلئے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے، چنانچہ انھوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی، اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ میں پڑھی، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا۔

زکوٰۃ: چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جزو ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوۃ میں نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہیے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال میں اور اس کی زیادتی اور کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں؟ مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں، ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے، جس کیلئے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے، باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے۔

روزہ: ساتواں حجاب روزہ ہے حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گذر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں افتاد گی، اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلامیں مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر

کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابوالعباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادہ پاتا ہوں، اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں، حضرت عبداللہ تستریؒ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے، اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اس کو فقراء و مساکین کو دیدیا کرتے تھے۔

حج: آٹھواں حجاب حج کا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک حج کیلئے ایک صوفی کا نکلنا، گناہوں سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علیحدہ ہونا ہے، عرفات میں قیام کرنا، مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا، مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالی کے جمالِ باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے، منی میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کا ذبح کرنا ہے، اور کنکریاں پھینکنا بُرے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اس نے گویا حج نہیں کیا۔

مشاہدہ: حضرت شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقامِ مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لئے اس باب میں مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابوالعباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالی کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی احدیت ہوجائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کیلئے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پر تو انوار الہی ہے اس لئے ظاہر اور باطن میں حق تعالی کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے۔

آداب سالک: اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویری نے سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق احکام کا اتباع کرتا ہے، (۲) بندوں کا حق

بھی ادا کرتا ہو (۳) اس کیلئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کیلئے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے، (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے، یعنی اس سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کیلئے ہو (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو، اور حلال ہو، وہ دنیادار کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے، (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو، (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے، (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے، (۱۱) تجرّد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرّد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرّد رہنا اس کیلئے زینت ہے۔

سماع: آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویری کے نزدیک سماع مباح ہے مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں، سالک سماع بلاضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے، تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویری نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔

ماخوذ از: ''بزم صوفیہ''

○

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت سیّد عبد القادرِ الجیلانیؒ

م ۵۶۱ھ

تعلیم و تکمیل: سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت گیلان[1] میں ۴۷۰ھ میں ہوئی[2] ،آپ کا نسب دس واسطوں سے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، ۱۸ سال کی عمر میں غالباً ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے، یہی وہ سال ہے جس سال امام غزالی نے تلاش حق و حصول یقین کے لئے بغداد کو خیر باد کہا تھا، یہ محض اتفاق نہیں کہ ایک جلیل القدر امام سے جب بغداد محروم ہوا تو دوسرا جلیل القدر مصلح اور داعی الی اللہ کا وہاں ورود ہوا[3] ،آپ بغداد میں پوری عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہوگئے، عبادت و مجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود آپ نے تحصیل علم میں قناعت وزہد سے کام نہیں لیا، ہر علم کو اس کے باکمال استادوں اور صاحب فن عالموں سے حاصل کیا، اور اس میں پوری دستگاہ پیدا کی، آپ کے اساتذہ میں ابو الوفاء ابن عقیل، محمد بن الحسن الباقلانی اور ابو زکریا تبریزی

---

[1] جیلان یا گیلان کو دیلم بھی کہا جاتا ہے، یہ ایران کے شمالی مغربی حصہ کا ایک صوبہ ہے اس کے شمال میں روسی سرزمین تالیس واقع ہے، جنوب میں برز کا پہاڑی سلسلہ ہے، جو اس کو آذر بائجان اور عراق عجم سے علیحدہ کرتا ہے ،جنوب میں مازندان کا مشرقی حصہ ہے، اور شمال میں بحر قزوین کا مغربی حصہ وہ ایران کے بہت خوبصورت علاقوں میں شمار ہوتا ہے (دائرۃ المعارف)

[2] ابن کثیر ج ۱۲ ص ۱۴۹

[3] البدایہ والنہار (للبتسانی) ج ۱۲ ص ۱۴۹

جیسے نامور علماء وائمہ فن کا نام نظر آتا ہے، طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم[1] الدباس سے حاصل کی، اور قاضی ابو سعید[2] مخرمی سے تکمیل کی، اور اجازت حاصل کی[3]۔

اصلاح وارشاد اور رجوع عام: ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح وارشاد کی طرف متوجہ ہوئے، مسند درس، اور مسند ارشاد کو بیک وقت زینت دی، اپنے استاد و شیخ شیخ مخرمی کے مدرسے میں تدریس اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آ گئی، مخلصین نے عمارت میں اضافہ کرکے اس کو آپ کی مجالس کے قابل بنا دیا، لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، سارا بغداد آپ کے مواعظ پر ٹوٹ پڑا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی وجاہت و قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں، شیخ موفق الدین ابن قدامہ صاحب "مغنی" کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی۔

بادشاہ اور وزراء آپ کی مجالس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے، اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء وفقہاء کا کچھ شمار نہ تھا، ایک ایک مجلس میں چار چارسو دواتیں شمار کی گئی ہیں، جو آپ کے ارشادات قلمبند کرنے کے لئے لائی جاتیں۔

محامد واخلاق: بایں رفعت و منزلت حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، ایک بچہ اور ایک لڑکی بھی بات کرنے لگتی تو کھڑے ہو کر سنتے اور اس کا کام کرتے۔ غریبوں اور فقراء کے پاس بیٹھتے، اور ان کے کپڑوں کو صاف کرتے، جوں نکالتے، لیکن اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکانِ سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے[4]۔ خلیفہ کی آمد ہوتی تو قصداً دولت خانہ میں تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ

---

[1] شعرانی نے لکھا ہے کہ مریدین کی تربیت میں ان کو بلند مقام حاصل تھا، اور بغداد کے اکثر مشائخ اور صوفیہ ان سے وابستہ تھے، ۵۲۵ھ میں انتقال ہوا، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۴

[2] اصل نام مبارک بن علی بن الحسین ہے، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے حدیث کا سماع، امام احمد کے مذہب پر علوم فقیہ میں کمال پیدا کیا، اور زیادہ تر مناظرہ اور درس وافتاء سے مشغولیت رکھی، ستودہ صفات، معتدل مسلک رکھنے والے اور اپنے فیصلوں میں بہت صائب الرائے تھے، ۵۱۱ھ میں وفات پائی۔

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ذیل طبقات الحنابلہ (ابن رجب)

[4] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۷

خلیفہ آ کر بیٹھ جاتا، پھر برآمد ہوتے، تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے[1]۔ کبھی کسی وزیر یا سلطان کے دروازہ نہیں گئے[2]۔

آپ کے دیکھنے والے اور آپ کے معاصرین آپ کے حسنِ اخلاق، علو حوصلہ، تواضع و انکسار، سخاوت و ایثار اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ایک بزرگ (حرادہ) جنھوں نے بڑی طویل عمر پائی، اور بہت سے بزرگوں اور ناموروں کو دیکھا، اور ان کی صحبت اٹھائی، فرماتے ہیں:

ما رأت عيناي أحسن خلقاً ولا أوسع صدراً ولا أكرم نفسا ولا ألطف قلباً ولا أحفظ عهداً ووداً من سيدنا الشيخ عبدالقادر ولقد كان مع جلالة قدره وعلو منزلته وسعة علمه يقف مع الصغير ويوقر الكبير ويبدأ بالسلام و يجالس الضعفاء و يتواضع للفقراء و ما قام لأحد من العظماء ولا الأعيان ولا ألمّ بباب وزير ولا سلطان۔[3]

میری آنکھوں نے حضرت شیخ عبد القادر سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ، کریم النفس، رقیق القلب، محبت اور تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ عظمت اور علوّ مرتبت اور وسعت علم کے باوجود چھوٹے کی رعایت فرماتے، بڑے کی توقیر کرتے، سلام میں سبقت فرماتے۔ کمزوروں کے پاس اٹھتے بیٹھتے، غریبوں کے ساتھ تواضع و انکسار سے پیش آتے، حالانکہ آپ کسی سر برآوردہ یا رئیس کے لئے تعظیماً کھڑے نہیں ہوئے اور نہ کسی وزیر یا حاکم کے دروازہ پر گئے۔

الامام الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشبیلی ان الفاظ میں آپ کی تعریف کرتے ہیں:۔

كان مجاب الدعوة سريع الدمعة، دائم الذكر كثير الفكر رقيق القلب، دائم البشر كريم النفس سخي اليد، غزير العلم شريف الأخلاق طيب

آپ مستجاب الدعوات تھے، (اگر کوئی عبرت اور رقت کی بات کی جاتی) تو جلدی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے بڑے رقیق القلب تھے خندہ پیشانی شگفتہ رو کریم النفس،

---

[1] ایضاً ص ۱۲۸

[2] ایضاً ۱۲۷

[3] یضاً

الأعراق مع قدم راسخ في العبادة والاجتهاد۔[1]	فراخ دست، وسیع العلم بلند اخلاق، عالی نسب عبادات اور مجاہدہ میں آپ کا پایہ بلند تھا۔

مفتی عراق محی الدین ابو عبداللہ محمد بن حامد البغدادی لکھتے ہیں :۔

أبعد الناس عن الفحش أقرب	غیر مہذب بات سے انتہائی دور حق اور معقول
الناس إلى الحق شديد البأس	بات سے بہت قریب اگر احکام خداوندی اور
اذا انتهكت محارم الله عزوجل	حدود الٰہی میں سے کسی پر دست درازی ہوتی توآپ
لا يغضب لنفسه ولا ينتصر	کو جلال آجاتا خود اپنے معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا، اور
لغير ربّه۔	اللہ عزوجل کے علاوہ کسی چیز کے لئے انتقام نہ لیتے۔

کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتے خواہ بدن کا کپڑا ہی کیوں نہ اتار کر دینا پڑے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانے اور ضرورت مندوں پر بے دریغ خرچ کرنے کا خاص ذوق تھا، علامہ ابن النجار آپ سے نقل کرتے ہیں کہ "اگر ساری دنیا کی (دولت) میرے قبضہ میں ہو تو میں بھوکوں کو کھانا کھلادوں یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ہتھیلی میں سوراخ ہے، کوئی چیز اس میں ٹھہرتی نہیں، اگر ہزار دینار میرے اس آئیں تو رات نہ گزرنے پائے[2]، صاحب "قلائد الجواہر" لکھتے ہیں کہ "حکم تھا کہ رات کو وسیع دستر خوان بچھے، خود مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی فرماتے طلبہ کی باتوں کو برداشت کرتے اور تحمل فرماتے، ہر شخص یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی ان کا مقرب، اور ان کے یہاں معزز نہیں، ساتھیوں میں جو غیر حاضر ہوتا، اس کا حال دریافت فرماتے اور س کی فکر رکھتے، تعلقات کا بڑا پاس اور لحاظ تھا، غلطیوں اور کوتاہیوں سے در گزر کرتے، اگر کوئی کسی بات پر قسم کھالیتا تو اس کو مان لیتے اور جو کچھ (حقیقت حال جانتے تھے) اس کا اخفاء فرماتے۔[3]"

مردہ دلوں کی مسیحائی: سیدنا عبد القادر جیلانی کی کرامت کی کثرت پر مؤرخین کا اتفاق ہے، شیخ

---

[1] قلائد الجواہر ص ۹

[2] ایضاً

[3] قلائد الجواہر ص ۹

الاسلام عزالدین بن عبد السلام[1] اور امام ابن تیمیہ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں ان میں سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی، اللہ تعالی نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک باد بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی، اور عالم اسلام میں ایمان وروحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کردی[2]، شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں، اور رہزن خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں[3]۔

جبائی کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ زمانۂ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالی کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے، میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہوچکے ہیں، عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کرچکے ہیں، اور یہ اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے[4]۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ حضرت کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا، اور بکثرت یہودی، عیسائی، اور اہل ذمہ مسلمان ہوئے[5]۔

تعلیمی مشاغل وخدمات: اعلیٰ مراتب ولایت پر فائز ہونے اور نفوس واخلاق کی اصلاح وتربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس و تدریس افتاء اور تصحیح اعتقاد اور مذہب اہل سنت کی نصرت وحمایت سے غافل نہ تھے، عقائد واصول میں امام احمدؒ اور محدثین کے مسلک پر تھے، مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو آپ سے بڑی تقویت حاصل ہوئی، اور اس کے مقابلہ میں اعتقادی وعملی بدعات

---

[1] ذیل طبقات الحنابلہ ابن رجب
[2] جلاء العینین ص ۱۳۰
[3] قلائد الجواہر ومختلف کتب تذکرہ
[4] یضاً
[5] یضاً

کا بازار سرد ہو گیا، ابن السمعانی کہتے ہیں کہ متبعین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی اور ان کا پلڑا بھاری ہو گیا۔

مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافات ائمہ اور ان کے دلائل کا پڑھاتے تھے، صبح شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ، اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے، ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی، بالعموم مذہب شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتویٰ دیتے، علماء عراق آپ کے فتاویٰ سے بڑے متعجب ہوتے اور بڑی تعریف کرتے[1]۔

ایک مرتبہ استفتاء آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا اشریک نہیں ہوگا، اگر اس نے قسم پوری نہیں کی تو اس کی بیوی کو تین طلاق، علماء یہ استفتاء سن کر حیرت میں پڑگئے کہ ایسی کون سی عبادت ہو سکتی ہے جس میں وہ بالکل تنہا ہو، اور روئے زمین پر کوئی شخص بھی اس وقت وہ عبادت نہ کر رہا ہو، حضرت شیخ کے پاس استفتاء آیا تو بے تکلف فرمایا کہ مطاف اس کے لئے خالی کر دیا جائے، اور وہ سات چکر کر کے خانۂ کعبہ کا طواف تنہا مکمل کرے، علماء نے یہ جواب سن کر بے ساختہ داد تحسین دی اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلاشرکت غیرے عبادت کرے اور اپنی قسم پوری کرے، اس لئے کہ طواف بیت اللہ پر موقوف ہے، اور مطاف اس شخص کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے، اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں[2]۔

استقامت و تحقیق: حضرت شیخ استقامت کا پہاڑ تھے، اتباعِ کامل، علم راسخ، اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہونچا دیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہو گیا تھا، آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو گئی تھی کہ شریعت محمدی کے احکام اور حلال و حرام میں قیامت تک کے لئے تغیر و تبدل کا امکان نہیں، جو اس کے خلاف دعوی کرے، وہ شیطان ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ اے عبد القادر! میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لئے سب محرمات حلال کر دیئے ہیں، میں نے کہا دور ہو مردود! یہ کہتے

---

1 الطبقات الکبری للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۶، وطبقات الحنابلہ ابن رجب

2 الطبقات الکبری للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۶، وطبقات الحنابلہ (ابن رجب)

ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی، اور وہ صورت دھواں بن گئی، اور ایک آواز آئی کہ عبد القادر! خدا نے تم کو تمہارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچالیا، ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کرچکا ہوں، میں نے کہا کہ اللہ کی مہربانی ہے کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے، فرمایا اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لئے حلال کردیا[1]۔"

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ اگر حدودالہی (احکام شرعی) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑگئے ہو، اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے، فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو، اس کو مضبوط تھامو، نفس کی خواہشات کو جواب دو، اس لئے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی باطل ہے[2]۔

تفویض و توحید: تسلیم و تفویض اور توحید کامل حضرت کا خصوصی حال تھا، کبھی کبھی تعلیماً اس حال اور اس مقام کی تشریح فرماتے تھے، وہ دراصل آپ کا حال ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں　　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں: "جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے تو پہلے وہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نجات نہیں پاتا، تو مخلوقات میں سے اوروں سے مدد مانگتا ہے، مثلاً بادشاہوں یا حاکموں یا دنیاداروں یا امیروں سے اور درد دکھ میں طبیبوں سے، جب ان سے بھی کام نہیں نکلتا اس وقت اپنے پروردگار کیطرف گریہ وزاری وحمد وثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہے (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہے، خلق سے رجوع نہیں کرتا، اور جب تک خلق سے مدد مل جاتی ہے، خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، پھر جب خدا کی طرف سے (بھی) کوئی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہو کر) خدا کے ہاتھوں میں آرہتا ہے، اور ہمیشہ سوال ودعا، اور گریہ وزاری اور ستایش و اظہار حاجت مندی، امید و بیم کے ساتھ کیا کرتا ہے، پھر خدا اس کو دعا سے (بھی) تھکا دیتا ہے، اور قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ کل اسباب (منقطع ہوجاتے ہیں، اور وہ سب) سے علیحدہ ہوجاتا ہے، اس وقت اس میں (احکام) قضا و قدر کا نفاذ ہوتا ہے، اور اس کے اندر (خدا اپنا) کام کرتا ہے، تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پروا ہوجاتا ہے، اور روح صرف رہ جاتا ہے، اسے فعل حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اور وہ ضرور بالضرور صاحب یقین موحد ہوجاتا ہے، قطعی

---

[1] ایضاً ۱۲۷

[2] یضاً

طور پر جانتا ہے کہ در حقیقت خدا کے سوا نہ کوئی (کچھ) کرنے والا ہے، اور نہ حرکت و سکون دینے والا، نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی اور برائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشایش و بندش، موت و زندگی، عزت و ذلت، غنا و فقر، اس وقت (احکام قضا و قدر) میں بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے، جیسے شیر خوار بچہ دایہ کی گود میں یا مردہ غسال کے ہاتھ میں (پولو کا) گیند سوار کے قبضہ میں کہ الٹا پلٹا جاتا ہے، اور بگاڑا بنایا جاتا ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں، نہ اپنے لئے، نہ کسی اور کے لئے یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس میں غائب ہوجاتا ہے اور اپنے مالک اور اس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے، نہ کچھ سوچتا سمجھتا، اگر دیکھتا ہے تو اس کی صنعت اور اگر سنتا ہے تو اسی کا کلام، اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے، اس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے، اس کے قرب سے سعادت پاتا ہے، اس کی تقریب (جاذبہ) سے آراستہ وپیراستہ ہوتا ہے، اس کے وعدہ سے خوش ہوتا ہے، سکون پاتا اور اطمینان حاصل کرتا ہے، اس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے، اور اس کے غیر سے وحشت و نفرت کرتا ہے، اس کی یاد میں سر نگوں ہوتا اور جی لگاتا ہے، اس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے اس کے نور معرفت سے ہدایت پاتا اور اس کا خرقہ ولباس پہنتا ہے، اس کے علوم عجیب و نادر پر مطلع ہوتا ہے، اس کے قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے اس کی ذات پاک سے (ہر بات سنتا اور اسے یاد رکھتا ہے پھر ان (نعمتوں) پر حمد و ثنا و شکر و سپاس کرتا ہے[1]۔"

خلق خدا پر شفقت: عامۃ الناس اور امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ آپ کو جو تعلق جو فکر اور اس کے حال پر جو شفقت تھی، اور جو نائبین رسول اور مقبولین کی خاص علامت ہے، اس کا اندازہ آپ کی اس تقریر سے ہوسکتا ہے، جس میں آپ نے بازار میں جانے والوں کے احوال و مراتب بیان کئے ہیں، ان میں آخری مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور دراصل حدیث دیگراں میں اپنا ہی حال اور مقام بیان کرتے ہیں:

> "اور پانچواں وہ شخص ہے کہ جب بازار میں داخل ہوتا ہے تو اللہ سے ان کا دل بھر جاتا ہے، ان لوگوں پر رحمت کرنے کے لیے، اور یہ رحمت اسے کچھ دیکھنے ہی نہیں دیتی کہ ان لوگوں کے پاس کیا کچھ ہے، وہ تو اپنے داخلہ کے وقت سے باہر نکلنے کے وقت تک بازار والوں کے لئے دعا و استغفار و شفاعت میں اور ان پر رحمت و شفقت

---

[1] فتوح الغیب مقالہ (۳) ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کاکوروی (رموز الغیب) ص ۱۳، ۱۲، ۱۱

میں مشغول رہتا ہے، اس کا دل ان لوگوں کے لئے ان کے حال پر چلتا رہتا ہے، اور آنکھیں روتی رہتی ہیں اور زبان ان نعمتوں پر جو خدا نے ان لوگوں کو اپنے فضل سے دی ہیں، خدا کا شکر اور اس کی حمد و ثنا کرتی رہتی ہے[1]۔''

حضرت شیخ کا عہد اور ماحول: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے بغداد میں ۷۳ سال گزارے اور عباسی خلفاء میں سے پانچ ان کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے، جس وقت وہ بغداد میں رونق افروز ہوئے اس وقت خلیفہ مستظہر باللہ ابو العباس (م ۵۱۲ھ) کا عہد تھا، ان کے بعد بالترتیب مسترشد، راشد المقتفی لامر اللہ والمستنجد باللہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔

شیخ کا یہ عہد بہت اہم تاریخی واقعات سے لبریز ہے، سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کی باہمی کشمکش اس زمانہ میں پورے عروج پر تھی، یہ سلاطین عباسی حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے دل وجان سے کوشاں تھے، کبھی خلیفہ کی رضامندی کے ساتھ اور کبھی اس کی مخالفت وناراضگی کے باوجود، کبھی کبھی خلیفہ اور سلطان کے لشکروں میں باقاعدہ معرکہ آرائی بھی ہوتی، اور مسلمان ایک دوسرے کا بے دریغ خون بہاتے۔ اس طرح کے واقعات مسترشد کے زمانہ میں کئی مرتبہ پیش آئے، یہ عہد عباسی کا سب سے زیادہ طاقتور اور معقول خلیفہ تھا[2]، اور اکثر معرکوں میں فتح بھی اسی کو حاصل ہوتی، لیکن ۱۰ رمضان ۵۱۹ھ میں سلطان مسعود اور اس کے درمیان جو معرکہ ہوا اس میں اس کو شکست فاش ہوئی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''سلطان کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی خلیفہ قید کر لیا گیا، اہل بغداد کی املاک کو لوٹ لیا گیا، اور یہ خبر دوسرے تمام صوبوں میں پھیل گئی، بغداد اس المناک خبر سے بہت متأثر ہوا، اور وہاں کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آ گیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا، اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی

---

[1] فتوح الغیب مقالہ (۷۲) ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کاکوروی (رموز الغیب) ص ۱۷۵

[2] بن کثیر نے اس کے مناقب میں لکھا ہے کہ مسترشد بہت شجاع، حوصلہ مند، فصیح وبلیغ، شیریں کلام و رہبت عبادت گذار خلیفہ تھا، اور خاص وعام سب کی نظروں میں محبوب تھا، وہ آخری خلیفہ تھا جس نے خطبہ دینے کی رسم برقرار رکھی۔ ۴۵ سال ۳ ماہ کی عمر میں اس کو شہید کر دیا گیا، اس کی مدت خلافت ۱۷ سال اور ۲۰ روز ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۲۰۸)

چھوڑ دیا، عورتیں سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں اور خلیفہ کی قید، اور اس کی پریشانیوں و مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں، دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے، اور اسکے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہوگئے، ملک سنجر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجے کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبر دار کیا اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کردے، ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی، لیکن خلیفہ کو باطنیوں نے بغداد کے راستہ میں قتل کردیا۔"

یہ تمام الم انگیز واقعات شیخ عبد القادر جیلانی رح کی نگاہوں کے سامنے گزرے انھوں نے مسلمانوں کے باہمی افتراق و خانہ جنگی اور دشمنی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ دنیا کی محبت کی خاطر اور ملک و سلطنت اور جاہ و مرتبہ کے حصول کے لئے لوگ سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہیں، اور ان کو صرف دربار کی شان و شوکت سے دلچسپی باقی رہ گئی ہے، وہ اہل سلطنت کو تقدس کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں، اور صوبوں اور شہروں کی حکومت حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

شیخ عبد القادر جیلانی کا مادی وجود خواہ ان واقعات سے علیحدہ اور دور رہا ہو لیکن اپنے شعور و احساس کے ساتھ وہ اسی آگ میں جل رہے تھے اور اسی سوز دروں نے ان کو پوری ہمت و طاقت اور اخلاص کے ساتھ وعظ ارشاد، دعوت و تربیت، اصلاحِ نفوس اور تزکیۂ قلوب کی طرف متوجہ کیا، اور انھوں نے نفاق اور حبِ دنیا کی تحقیر و تذلیل، ایمانی شعور کے احیاء، عقیدۂ آخرت کی تذکیر اور اس سرائے فانی کی بے ثباتی کے مقابلہ میں اس حیاتِ جاودانی کی اہمیت، تہذیب اور اخلاق، توحید خالص اور اخلاص کامل کی دعوت پر سارا زور صرف کردیا۔

مواعظ و خطبات: حضرت شیخ کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر کرتے تھے، اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے، فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے مضامین اور آپ کی مجالس کے وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں، ایک طویل مدت گزرجانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور عارفین کاملین کے کلام کی طرح یہ مضامین بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین اور مخاطبین کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوتے تھے، عام طور پر لوگ جن بیماریوں میں مبتلا، اور جن مغالطوں میں گرفتار تھے، انھیں کا ازالہ کیا جاتا تھا، اسی لئے حاضرین آپ کے ارشادات میں اپنے زخم

کا مرہم اپنے مرض کی دوا اور اپنے سوالات و شبہات کا جواب پاتے تھے، اور تاثیر اور عام نفع کی یہ ایک بڑی وجہ تھی، پھر آپ زبان مبارک سے جو فرماتے تھے، وہ دل سے نکلتا تھا، اس لئے دل پر اثر کرتا تھا آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت و عظمت بھی ہے، اور دل آویزی اور حلاوت بھی، اور "صدیقین" کے کلام کی یہی شان ہے۔

توحید خالص اور غیر اللہ کی بے حقیقتی: اس وقت ایک عالم کا عالم اہل حکومت اور اہل دولت کے دامن سے وابستہ تھا، لوگوں نے مختلف انسانوں اور مختلف ہستیوں کو نفع و ضرر کا مالک سمجھ لیا تھا، اسباب کو ارباب کا درجہ دے دیا گیا تھا، اور قضا و قدر کو بھی اپنے جیسے انسانوں سے متعلق سمجھ لیا گیا تھا ایک ایسی فضا میں حضرت شیخ فرماتے ہیں:

> ''کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب و داب، دل ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا تھا۔ بہت گہری، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے، اور اس کے پہلو میں تیر و پیکان، نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے، تو کیا (یہ تماشہ) دیکھنے والے کے لئے بہتر ہو گا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظر ہٹا لے اور اس سے خوف و امید ترک کر دے اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید و بیم رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے، عقل کے نزدیک بے عقل، بے ادراک دیوانہ، چوپایہ، اور انسانیت سے خارج نہیں ہے، خدا کی پناہ بینائی کے بعد نابینائی اور وصول کے بعد جدائی اور قرب و ترقی کے بعد تنزل، اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے[1]۔''

ایک دوسری مجلس میں توحید اور اخلاق اور ماسوائے اللہ سے انقطاع کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں:

---

[1] رموز الغیب ترجمہ فتوح الغیب مقالہ (۱۷) ص ۴۹

''اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا، اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا، اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کرے گا، تم کو تمہاری سڑاہند اور بد بو اور پست ہمتی اور نفسِ بد کار ورفیقانِ گمراہ و گمراہ کن سے نجات دے گا، جو شیاطین خواہشیں اور تمہارے جاہل دوست ہیں خدا کی راہ کے راہزن اور تم کو ہر نفیس اور ہر عمدہ اور پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک خواہش؟ کب تک رعونت؟ کب تک دنیا؟ کب تک آخرت؟ کب تک ماسوائے حق؟ کہاں چلے تم؟ (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے، اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، دلوں کی محبت روحوں کا اطمینان، گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف سے اور اسی کی طرف سے اس کا صدور ہے۔[1]''

ایک دوسری مجلس میں اسی توحید کے مضمون کو اس طرح واشگاف بیان فرماتے ہیں:

''ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، بس حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، جو موحد اور نیکو کار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں، بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں، گو دولت مند ہیں، مگر حق تعالیٰ ان کے اندروں پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں جو شخص اس پر قادر ہوا، اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئ، وہی بہادر پہلوان ہے، بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوائے اللہ سے پاک بنایا، اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ

---

[1] رموز الغیب مقالہ (۶۲) ص ۱۵۷

مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے، توحید ومعرفت باطن کو مہذب بناتی ہیں[1]۔"

معبودانِ باطل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید وفروخت پر، اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کہ جس پر تو اعتماد کرے، وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے، وہ تیرا معبود ہے، اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے، اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے، تو وہ تیرا معبود ہے[2]۔"

اور ضائع ہو جانے کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں: "تم اکثر کہتے ہوگے اور کہوگے، میں جس سے محبت کرتا ہوں اس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی، اور رخنہ پڑجاتا ہے، یا تو جدائی ہو جاتی ہے یا وہ مر جاتا ہے یا رنجش ہو جاتی ہے۔ اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب، اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے، اے وہ جو خدا کا منظور نظر ہے، اے وہ جس کے لئے اور جس پر خدا کی غیرت آتی ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے، اس نے تم کو اس لئے پیدا کیا، اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو۔ کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ "وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے" اور یہ ارشاد کہ "میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں" کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ "خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسے رکھ چھوڑتا ہے"۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا "اس کے مال واولاد کو باقی نہیں رکھتا" اور یہ معاملہ اس لئے ہے کہ جب مال واولاد ہوں گے تو اسے ان کی محبت بھی رہے گی اور خدا سے جو محبت اسے ہے، متفرق اور ناقص اور تقسیم ہو کر حق اور غیر حق میں مشترک ہو جائے گی، اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب وزبردست، تو وہ اپنے شریک کو ہلاک ومعدوم کر دیتا ہے، تاکہ

---

[1] فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، مجلس ۱۳ ص ۸۹

[2] فیوض یزدانی مجلس ۲۰۔ ص ۱۳۷

وہ اپنے بندہ کے دل کو خالص کرلے، خاص اپنے لئے بغیر شریک کے، اس وقت اس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ "وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ لوگ اسے، یہاں تک کہ دل جب (خدا کے ان مصنوعی) شریکوں اور برابری کرنے والوں سے جو اہل و عیال، دولت و لذت اور خواہشیں ہیں، نیز ولایت و ریاست، کرامات و حالات، منازل و مقالات، جنتوں اور درجات اور قرب و نزدیکی کی طلب سے پاک و صاف ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی ارادہ اور آرزو باقی نہیں رہتی، اور وہ مثل سوراخ دار برتن کے ہو جاتا ہے جس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، کیونکہ وہ خدا کے فعل سے ٹوٹ جاتا ہے جب اس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے خدا کا فعل اور اس کی غیرت اس کو توڑ ڈالتی ہے، تب اس کے دں کے گرد عظمت و جبروت و ہیبت کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور اس کے گردا گرد کبریائی اور سطوت کی خندقیں کھود دی جاتی ہیں کہ دل میں کسی چیز کا ارادہ گھسنے نہیں پاتا، اس وقت دل کو اسباب یعنی مال اور اہل و عیال و اصحاب اور کرامات و حکم و بیانات کچھ مضر نہیں ہوتے، کیونکہ یہ سب دل سے باہر رہتے ہیں تب اللہ تعالے ان سے غیرت نہیں کرتا، بلکہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے بندہ کے لئے بطور لطف و کرامت ورزق و نعمت کے ہوتی ہیں، اور جو لوگ اس کے پاس آتے ہیں، انھیں نفع پہونچانے کے لئے[1]۔"

شکستہ دلوں کی تسکین: حضرت شیخ کے زمانہ میں ایک طبقہ ایسا تھا جو اپنے اعمال و اخلاق اور ایمانی کیفیت کے لحاظ سے پست لیکن دنیاوی حیثیت سے بلند اور ہر طرح سے اقبال مند تھا، اس کے برخلاف دوسرا طبقہ معاشی حیثیت سے پست، دنیاوی ترقیات سے محروم، بے بضاعت و تہی دست، لیکن اعمال واخلاق کے لحاظ سے بلند اور ایمانی کیفیات و ترقیات سے بہرہ مند تھا، وہ پہلے طبقہ کی کامیابیوں اور ترقیات کو بعض اوقات رشک کی نگاہ سے دیکھتا، اور اپنے کو کسی وقت محروم و نامراد سمجھنے لگتا تھا، حضرت شیخ اس شکستہ دل طبقہ کی دلجوئی فرماتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی جو عنایات ہیں، ان کا ذکر فرماتے ہوئے اس امتیاز و فرق کی حکمت بیان کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

"اے وہ کہ جس سے تمام دنیا برگشتہ ہے، اے گمنام، اے بھوکے، پیاسے، ننگے۔ اے خالی ہاتھ فقیر، اے ہر مسجد و خرابات سے نکالے ہوئے، اے ہر در سے پھٹکارے ہوئے، اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک پر پڑا ہے، اے وہ کہ جس سے تمام دنیا برگشتہ ہے، اے گمنام اے بھوکے پیاسے ننگے جگر جھلسے

---

[1] رموز الغیب مقالہ (۳۲) ص ۸۶-۸۴

ہوئے، اے وہ کہ جس کے دل میں (مٹی ہوئی) آرزوؤں اور ارمانوں کے (کشتوں کے) پشتے لگے ہیں، مت کہہ کہ خدا نے مجھ کو محتاج کر دیا، دنیا کو مجھ سے پھیر دیا، مجھے پامال کر دیا، چھوڑ دیا، مجھ سے دشمنی کی، مجھے پریشان کیا، اور جمعیت (خاطر) نہ بخشی، مجھے ذلیل کیا، اور دنیا سے میری کفایت نہ کی، مجھے گمنام کیا، اور خلق میں اور میرے بھائیوں میں میرا ذکر بلند نہ کیا، اور غیر پر اپنی نعمتیں نچھاور کر دیں، جس میں اس کے رات دن گزرتے ہیں، اسے مجھ پر اور میرے دیار والوں پر فضیلت دی، حالانکہ وہ بھی مسلمان ہے، اور میں بھی، اور ایک ماں باپ آدم وحوا کی اولاد میں دونوں ہیں (اے فقیر) خدا نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ اس لئے کیا ہے کہ تیری سرشت مٹیار زمین (کے مثل) بے ریت ہے، اور رحمت حق کی بارشیں برابر تجھ پر ہو رہی ہیں، از قسم صبر و رضا ویقین، موافقت و علم اور ایمان و توحید کے انوار تیرے گرد اگرد ہیں تو تیرے ایمان کا درخت اور اس کی جڑ اور بیخ اپنی جگہ پر مضبوط ہے، کلے دے رہا ہے، پھل رہا ہے بڑھ رہا ہے، شاخیں پھیلا رہا ہے، سایہ دے رہا ہے، بلند ہو رہا ہے، روزانہ زیادتی اور نمو میں ہے، اس کے بڑھانے اور پرورش کرنے میں پانی اور کھاد دینے کی ضرورت نہیں، اس بارہ میں خداوند تعالی تیرے حکم سے فارغ ہے (کہ وہ خود تیری ضروریات کو بخوبی جانتا ہے) اس نے آخرت میں تجھ کو مقام بخشا ہے، اور اس میں تجھ کو مالک بنایا ہے، اور عقبیٰ میں تیرے لئے اتنی کثرت سے بخششیں رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سنیں نہ کسی انسان کے دل میں گزریں، اللہ تعالی فرماتا ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کون سی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی گئی ہے، اس کام کے بدلہ میں جو وہ کرتے رہے ہیں، یعنی جو کچھ دنیا میں ان لوگوں نے احکام کی بجاآوری ممنوعات کے ترک پر صبر، مقدرات میں تفویض و تسلیم اور کل امور میں خدا کی موافقت کی ہے۔

اور وہ غیر جسے خدا نے دنیا عطا فرمائی اور (مال دنیا کا) مالک کیا ہے، اور نعمت دنیاوی دی، اور اس پر اپنا فضل فرمایا، اس کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا ہے کہ اس کے ایمان کی جگہ ریتلی، اور پتھریلی زمین ہے کہ اس میں پانی ٹھہرنا اور درخت اگنا اور کھیتی اور پھل کا پیدا ہونا دقت سے خالی نہیں تو اس زمین پر کھاد وغیرہ ڈالی جاتی ہے، جس سے پودوں اور درختوں کی پرورش ہو، اور وہ کھاد دینا اس کا سامان ہے تاکہ اس سے درخت ایمان اور نہال اعمال کی جو اس زمین میں اگے ہیں، حفاظت ہو، اگر یہ چیز اس سے علیحدہ کر دی جائے تو پودے اور درخت سوکھ جائیں گے، اور پھل جاتے رہیں گے، پس گھر ہی اجڑ جائے گا، حالانکہ خداوند تعالے اس کے بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اے فقیر! دولتمند آدمی کا درخت ایمان کمزور جڑ کا ہوتا

ہے اور اس قوت سے خالی جو تیرے درخت ایمان میں بھری ہوئی ہے اس کی مضبوطی، اور اس کا ٹکاؤ انہی چیزوں سے ہے جو مال دنیا اور طرح طرح کی نعمتیں اس کے پاس تجھ کو نظر آتی ہیں، اگر درخت کی کمزوری میں یہ چیزیں اس سے الگ کردی جائیں تو ایمان کا درخت سوکھ کر کفر وانکار (پیدا) ہوجائے گا، اور وہ شخص منافقین و مرتدین و کفار میں شامل ہوجائے گا، البتہ (اگر) خداوند تعالے دولت مند کی طرف صبر ورضا ویقین، علم اور طرح طرح کی معرفتوں کے لشکر بھیجے اور اس سے اس کا ایمان قوی ہوجائے، تو پھر اس کو تونگری اور نعمتوں کے علیحدہ ہوجانے کی نہ پروا رہے گی[1]۔"

دنیا کی صحیح حیثیت: حضرت شیخ کے یہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں، وہ دنیا کے استعمال اور اس سے انتفاع سے منع نہیں فرماتے، اس کی پرستش اور غلامی اور اس سے قلبی تعلق اور عشق سے منع فرماتے ہیں، ان کے مواعظ در حقیقت حدیث نبوی "إنّ الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ" (بے شک دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی (یعنی تمہاری لونڈی ہے) اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے) کی تفسیر ہیں، ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"دنیا میں اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو، بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو، اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو، دنیا خدمت کرتی ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے، اور جو دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہوتا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے، کھا حق تعالیٰ کے ساتھ عزت و تونگری کے قدم پر[2]"۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے:

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کا کھڑا ہونا جائز باقی دروازہ سے آگے گھسنا نہ جائز ہے، نہ تیرے لئے عزت ہے[3]۔"

---

[1] رموز الغیب مقالہ (۲۵) ص ۶۷-۶۵

[2] فیوض یزدانی، مجلس ۱۲ ص ۱۴۵

[3] ایضاً۔ مجلس ۱۵ ص ۳۶۳

خلفاء اور حکام وقت پر تنقید: حضرت شیخ صرف مواعظ، پندو نصیحت اور ترغیب و تشویق ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، جہاں ضرورت سمجھتے تھے، بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے، حکام و سلاطین اور خلیفۂ وقت پر بھی تنقید اور ان کے غلط افعال اور فیصلوں کی مذمت سے بھی باز نہیں رہتے تھے، اور اس بارہ میں کسی کی وجاہت اور اثر و نفوذ کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے، حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

كان يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر للخلفاء والوزراء والسلاطين والقضاة والخاصة والعامة يصدعهم بذلك على رؤس الأشهاد ورؤس المنابر وفي المحافل وينكر على من يولّي الظلمة ولا تأخذه في الله لومة لائم[1]۔

آپ خلفاء، وزراء، سلاطین، قضاۃ، خواص و عوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں اور بر سر منبر علی الاعلان ٹوک دیتے جو کسی ظالم کو حاکم بناتا، اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی۔

صاحب "قلائد الجواہر" لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے قاضی ابو الوفا یحیی بن المظفر کو قاضی بنایا جو ابن المرجم الظالم کے لقب سے مشہور تھا تو حضرت نے بر سر منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

وليّت على المسلمين أظلم الظالمين　　تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے
ما جوابک غدا عند رب العالمين　　جو اظلم الظالمین ہے کل کو قیامت کے دن تم اس
ارحم الراحمين　　رب العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے، کیا جواب دوگے؟

مورخ موصوف کا بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر لرزہ براندام ہو گیا، اور اس پر گریہ طاری ہو گیا، اور اس نے اسی وقت قاضی کو اس عہدہ سے ہٹا دیا[2]۔

حضرت شیخ ان "درباری سرکاری" علماء اور مشائخ کی بھی پرزور تردید اور پردہ دری فرماتے تھے، جنھوں نے سلاطین اور ناخدا ترس حکام کی مصاحبت اختیار کی تھی، اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا شعار تھا، جن کی

---

[1] قلائد الجواہر ص ۸

[2] ایضاً

وجہ سے ان سلاطین وحکام کو زیادہ جرات اور بے خوفی پیدا ہو گئی تھی ایک موقع پر اسی طبقہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں۔

''اے علم وعمل میں خیانت کرنےوالو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنو! اے بندگان خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں (مبتلا) ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے عالمو اور اے زاہدو! شاہان وسلاطین کے لئے کب تک منافق بنے رہوگے کہ ان سے دنیا کا زروماں اور اس کی شہوات ولذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں بار الٰہا! منافقوں کی شوکت توڑ دے، اور ان کو ذلیل فرمایا ان کو توبہ کی توفیق دے، اور ظالموں کا قلع قمع فرما، اور زمین کو ان سے پاک کردے، یا ان کی اصلاح فرما[1]۔''

ایک دوسرے موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمت گاری اور حرام خوری پر آمادہ کردیا تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان (ظالم) بادشاہوں کا خدمت گار بنا رہے گا، جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے، ان کی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی، اور تجھے حق تعالی کی خدمت میں آنا پڑے گا، جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں[2]''۔

دین کے لئے دلسوزی اور فکر مندی: حضرت شیخ دینی اور اخلاقی انحطاط کو (جس کا سب سے بڑا مرکز خود بغداد تھا) دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے، اور عالم اسلام میں جو ایک عام دینی زوال رونما تھا، اس کے آثار دیکھ کر ان کے سینہ میں حمیت اسلامی اور غیرت دینی کا جوش اٹھتا تھا، وہ اپنے اس قلبی احساس اور درد کو بعض اوقات چھپا نہیں سکتے، اور یہ دریا ان کے خطبات اور مواعظ میں امنڈ آتا ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

''جناب رسول اللہ ﷺ کے دین کی دیوار یں پے درپے گر رہی ہیں، اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہیں، اے باشندگان زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کردیں، اور جو ڈھے گیا ہے، اس کو درست کردیں،

---

1 فیوض یزدانی مجلس ۵۱ ص ۳۶۳

2 ایضاً۔ مجلس ۵۲ ص ۳۷۱

یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے، اے سورج، اے چاند اور اے دن تم سب آؤ[1]۔ "

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

"اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں اور ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں، اور ایسی باتوں کا دعوی کرنے والوں کے (ظلم) سے جو ان میں موجود نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے، اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والوں کی طرف غور کرو کہ امر و نہی بھی کرتے تھے، اور کھاتے پیتے بھی تھے (اور دفعۃً انتقال پا کر ایسے ہو گئے) گویا ہوئے ہی نہ تھے، تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کتا بھی شکار کرنے اور کھیتی اور مویشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا ہے، اور اسے دیکھ کر (خوشی کے مارے) کھلاریاں کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کو شام کے وقت صرف ایک دو نوالے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا کرتا ہے، اور تو ہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر ہو کر کھاتا رہتا ہے، مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے، نہ تو اس کو پورا کرتا ہے اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے (بلکہ اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا ہے اور اس کی حدود شریعت کی حفاظت نہیں کرتا[2]"۔

بیعت و تربیت: ان پر تاثیر اور انقلاب آفرین مواعظ سے اگرچہ اہل بغداد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہونچا، اور ہزارہا انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی لیکن زندگی کے گہرے تغیرات، ہمہ گیر اصلاح اور مستقل تربیت کے لئے صاحب دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی، مجالس دعوت وارشاد مدارس کی طرح منضبط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں، جہاں طالبین کی تسلسل و انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور نگرانی کی جائے۔ ان مجالس کے شرکاء و سامعین آزاد ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ وعظ سن کر چلے جائیں، پھر کبھی نہ آئیں، یا ہمیشہ آتے رہیں، لیکن اپنی حالت پر قائم رہیں، اور ان کی زندگی میں بدستور بڑے بڑے خلا اور دینی اور اخلاقی شگاف باقی رہیں۔

---

1 ملفوظات ص ۶۴۹ (فیوض یزدانی)

2 ایضاً ص ۶۶۱ (فیوض یزدانی)

اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ مدارس کے ذریعہ سے (جن کو بہت سی رسوم و قیود کا پابند ہونا پڑتا ہے) عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا، اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی و روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں کو شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اس کے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت اور نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خداشناس پر اعتماد ہو، اور اس سے وہ اپنے امراضِ روحانی و نفسانی میں علاج اور دین میں صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے، ناظرین کو اس کا اندازہ ہوچکا ہے کہ خلافت جس کا یہ اصلی فرض تھا (اس لئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر یہ خلافت قائم تھی، بقول سیدنا عمر ابن عبد العزیزؒ وہ ہدایت کے لئے مبعوث ہوا تھا، جبایت (تحصیل وصول) کے لئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہوچکی تھی، بلکہ اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کے لئے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھی، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھی کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں وہ قیادت اور سیاست کی آمیزش پاتی، برداشت نہیں کرسکتی تھی، اس کو فوراً کچل دیتی۔

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ پر ایمان و عمل، اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں، اور پھر وہ نائب پیغمبر ان کی دینی نگرانی اور تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت، اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمئ محبت، خلوص و للہیت، جذبہ اتباعِ سنت اور شوق آخرت پیدا کر دے ان کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک نئی زندگی سے توبہ کی ہے، اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے، اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے، پھر اپنے تجربہ و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان

کی زندگی میں ایمان واحتساب واخلاص، اوران کے اعمال وعبادات میں کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اس بیعت و تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء وتجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے، اور لاکھوں بندگان خدا کو "حقیقت ایمان اور درجہ احسان" تک پہونچادیا ہے، اس سلسلہ زریں کے سرحلقہ اور گل سرسبد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کا نام اور کام اس "طب نبوی" کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے، الفاظ واصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر واقعات وحقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دور انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عمومی اور اس سے زیادہ موثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستہ سے کام کیا ہے، اور ان کی تاریخ محفوظ ہے، لیکن حضرت شیخ نے اپنی محبوب ودل آویز شخصیت، خداداد روحانی کمالات، فطری علو استعداد، اور ملکہ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں، بلکہ اس فن کی نئی تدوین و تربیت کا سہرا آپ ہی کے سر ہے، آپ سے پہلے وہ اتنا مدون ومرتب اور مکمل ومنضبط نہ تھا، نہ اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی، جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہو گئی، آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا، اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے، اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا، جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالے کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا، یمن، حضرموت، اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ وتجار کے ذریعہ جاوہ اور سماٹرا میں اور دوسری طرف افریقہ کے براعظم میں لاکھوں آدمیوں کی تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنا۔

رضي الله تعالى عنه ، وأرضاه وجزاه عن الإسلام خير الجزاء ۔

زمانہ پر اثر: حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا، اور ایک بڑی تائید الٰہی آپ کی ذات، آپ کے کمالات، آپ کی تاثیر، اللہ تعالے کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار، اور خلق اللہ میں قبولیت و وجاہت کے کھلے ہوئے مناظر، آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے

اخلاق اور ان کی سیرت وزندگی، سب اسلام کی صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا، اور اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام میں سچی روحانیت، تہذیب نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہے، اور اس کا خزانہ عامرہ کبھی جواہرات ونادرات سے خالی نہیں۔

وفات: ایک طویل مدت تک عالم کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے مستفید کرکے اور عالم اسلام میں روحانیت اور رجوع الی اللہ کا عالمگیر ذوق پیدا کرکے ۵۶۱ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔
صاحبزادہ حضرت شرف الدین عیسیٰ آپ کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں:۔

"جب آپ اس مرض میں بیمار ہوئے کہ جس میں انتقال فرمایا تو آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالوہاب نے آپ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت فرمایئے کہ آپ کے بعد اس پر عمل کروں، فرمایا ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو، اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو، اور نہ اس کے سوا کسی سے امید رکھو، اور اپنے تمام ضروریات اللہ کے سپرد کردو، صرف اسی پر بھروسہ رکھو، اور سب کچھ اسی سے مانگو، خدا کے سوا کسی پر وثوق اور اعتماد نہ رکھو، توحید اختیار کرو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے، اور فرمایا جب دل خدا کے ساتھ درست ہوجاتا ہے تو کوئی چیز اس سے چھوٹتی نہیں ہے، اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کرجاتی ہے، اور فرمایا میں مغز بے پوست ہوں، اور اپنے صاحبزادوں سے فرمایا میرے گرد سے ہٹ جاؤ میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں اور باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں، میرے پاس تمہارے سوا اور لوگ (فرشتے) حاضر ہیں، ان کے لئے جگہ خالی کرو، اور ان کے ساتھ ادب کرو، یہاں بڑی رحمت نازل ہے، ان کے لئے جگہ تنگ نہ کرو، اور آپ بار بار فرماتے تھے، تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں! اللہ میری اور تمہاری مغفرت کرے، اور میری اور تمہاری توبہ قبول کرے، بسم اللہ! آؤ اور واپس نہ جاؤ، اور یہ آپ ایک دن ایک رات برابر فرماتے رہے اور فرمایا تم پر افسوس! مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں، نہ کسی فرشتہ کی، نہ ملک الموت کی، اے ملک الموت! ہمارے کارساز نے تم سے زیادہ ہم کو بہت کچھ دے رکھا ہے، اور اس دن جس کی شب کو آپ نے رحلت فرمائی ایک بڑی سخت چیخ ماری تھی، اور آپ کے دو صاحبزادے شیخ عبدالرزاق و شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلاتے، اور فرماتے تھے، تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور برکتیں! حق کی طرف رجوع کرو، اور صف میں داخل ہو، میں ابھی تمہارے پاس آیا، اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ نرمی کرو، پھر آپ پر امر حق آیا، اور موت کے نشہ نے غلبہ کیا، اور آپ نے فرمایا، میرے

اور تمہارے اور تمام خلق کے درمیان میں زمین وآسمان کا فرق ہے، مجھے کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی کو مجھ پر، پھر آپ کے صاحبزاہ شیخ عبد العزیز نے آپ کی تکلیف اور حال دریافت کیا تو فرمایا مجھ سے کوئی نہ پوچھے، میں علم الہی میں پلٹے کھا رہا ہوں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ عبد العزیز نے آپ کے مرض کو پوچھا تو فرمایا میرے مرض کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی سمجھتا ہے، نہ انسان نہ جن، نہ فرشتہ، خدا کے حکم سے خدا کا علم نہیں ٹوٹتا، حکم بدل جاتا ہے، اور علم نہیں بدلتا، حکم منسوخ ہوجاتا ہے، علم منسوخ نہیں ہوتا اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے، اور باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس اصلی تحریر ہے، جو کچھ وہ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں ہوتی، اور خلق سے باز پرس ہوتی ہے، صفات کی خبریں گزر رہی ہیں، جیسی آئی ہیں، پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبد الجبار نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ فرمایا میرے کل اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں، مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں، اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہے، پھر آپ کا وقت اخیر آیا، تو آپ فرمانے لگے، میں اس خدا سے مدد چاہتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک و برتر ہے، اور زندہ ہے، جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، پاک ہے وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی، اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ موسی فرماتے تھے کہ آپ نے لفظ "تعزز" فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا، تب آپ بار بار اسے دہراتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے آواز بلند اور سخت کر کے لفظ "تعزز" اپنی زبان سے ٹھیک ٹھیک فرمایا پھر (تین بار) اللہ اللہ اللہ فرمایا، اس کے بعد آپ کی آواز غائب ہو گئی، اور زبان تالو سے چپک گئی، اور روح مبارک رخصت ہو گئی۔ رضي الله عنه وأرضاه[1]۔

حضرت شیخ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اپنے پیچھے دین کے داعیوں اور نفوس واخلاق کے مربیوں کی ایک جماعت چھوڑ گئے، جس نے آپ کے کام کو جاری رکھا اور بڑھتی ہوئی مادیت اور غفلت کا مقابلہ کرتے رہے۔

ماخوذ از "تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۱"

○

---

1 التکملہ رموز الغیب ص ۱۸۹-۱۹۲

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد احمد توختہ رحمۃ اللہ علیہ

م ۶۰۲ھ

شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ آنحضرت سید احمد توختہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اپنی خود نوشت ''نقشِ حیات'' میں یوں رقمطراز ہیں:

ساداتِ ٹانڈہ وغیرہ حضرت سید احمد توختہ تمثالِ رسول (علیہ السلام) کی اولاد میں ہیں۔ نسب نامہ اسطرح ہے: سید شاہ زید بن سید شاہ احمد زاہد بن شاہ حمزہ بن سید شاہ ابو بکر ابن سید شاہ عمر بن سید شاہ محمد بن حضرت مخدوم سید شاہ احمد توختہ تمثالِ رسول علیہ السّلام بن سید علی بن سید حسین بن سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذی بن سید حسین بن سید موسیٰ احمد بن سید علی بن سید حسین اصغر بن حضرت امام علی زین العابدین علیٰ جدہ وعلیہ السلام۔

سید محمد مدنی عرف سید ناصر ترمذ تشریف لائے اور اُنکی اولاد سے حضرت مخدوم سید احمد توختہ تمثالِ رسول (علیہ السلام) لاہور تشریف لائے اور ۶۰۲ھ میں وصال ہوا۔ مزار مبارک لاہور میں ہے۔ اُنکی اولاد میں سے ایک بزرگ سید شاہ عبدالوہاب قدس سرہ کا مزار بمقام شاہ دہورہ متصل جونپور ہے، ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ اُن کے مکان کے سامنے سے جس کسی کافر کا جنازہ نکلتا تھا تو پھر چل نہ سکتا تھا۔ یہ بزرگ چشتی تھے، حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول علیہ السّلام کے کوئی

اوپر کے اجداد سے، حضرت سلطان الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ اُنکو حضرت نے دعا دی تھی کہ تمہاری نسل میں بکثرت اولیاء اللہ ہونگے اور ہمیشہ ایک قطب ہوا کرے گا۔

توختہ ترکی لفظ ہے اس کے معنی بہت دیر تک کھڑا رہنا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو اندر حجرہ میں بلایا اور ذکر و شغل میں مشغول ہوگئے۔ آپ جب حجرہ میں جانے لگے تو اندر سے بند پایا آپ اُسکی دہلیز پر کھڑے ہوگئے اور رات بھر کھڑے رہے علی الصباح جب شیخ نے حجرہ کھولا تو آپ کو کھڑا دیکھ کر توختہ کا لقب عنایت فرمایا اور تمثالِ رسول کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے کسی ہم عصر بزرگ نے واقعہ میں حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اس زمانہ میں حضور ﷺ کی اولاد میں حضور ﷺ کی کوئی شبیہ موجود ہے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سید احمد توختہ کی زیارت کرو وہ میرا شبیہ ہے اسکو دیکھا تو گویا مجھ کو دیکھا اسی لئے آپ تمثال رسول ﷺ سے ملقب ہوئے۔

حضرت مخدوم سید انوارالحق چشتی ٹانڈوی قدس اللہ سرہ العزیز حضرت سید احمد توختہ تمثال رسول ﷺ قدس اللہ سرہ کی اولاد میں سے تھے اور وہ سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذی کی اولاد سے تھے اور وہ سید حسین اصغر بن حضرت امام علی زین العابدینؒ ابن شہید کربلا حضرت امام حسینؓ علیٰ جدہ وعلیہم السلام کی اولاد سے تھے، متفق علیہ نسابین ہیں۔

(ماخوذاز: ''نقش حیات'')

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

اسلامی ہند کے معمار

حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ

م ۶۲۷ ھ

اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور یافت'' نئی دنیا ''کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہوگئے تھے اور ۹۳ ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر واخلاق سے تسخیر کرلیا تھا اور اس برِصغیر (ہند) میں جا بجا داعیانِ اسلام کے مراکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیزوں کی طرح قائم ہوچکی تھیں جیسے:

ع بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا اسکندرِ اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر، اور مستحکم ومستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ ھ) کے حصے میں تھی، اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی وایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ ھ) کیلئے مقدر ہوچکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے الاسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے۔ اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض

ہندوستان کو پہونچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ شکر اللہ مساعیھم۔ لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کیلئے(جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمتِ الہیٰ نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔وربّک یخلق ما یشاء ویختار۔

ان اسرار الہیٰ سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پا سکتی، چشتیوں پر اس ملک کا حق ہمسائگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا۔ اپنے دردمند مزاج اور نسبتِ عشقیہ کی بنا پر بھی جو سلسلہ چشتیہ کا سرمایہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشقِ الہیٰ کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانہ قدیم سے محبت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق: غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر قدرتِ الہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کو انتخاب فرمایا، اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے کا اشارہ غیبی ہوا، سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت موڑی وہ خواجہ ابو محمد چشتی [1] تھے جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی۔ مولانا جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں:

وقتے کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات [2]	جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف
رفتہ بود خواجہ رادر واقعہ نمودند کہ	گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارہ غیبی ہوا
بمددگاری وے باید رفت درسن ہفتاد	کہ اسکی مدد کیلئے جائیں وہ ستر برس کی
سالگی بہ درویشے چند متوجہ شد چوں	عمر میں چند درویشوں کیساتھ روانہ ہوئے

---

[1] خوجہ ابو محمد چشتی(م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) خواجہ ابو احمد چشتی کے فرزند خلیفہ تھے، جو خواجہ ابو اسحق شامی کے خیفہ عظم ور خوجہ ناصرالدین ابویوسف کے شیخ و مرشد تھے، خواجہ ناصرالدین ابویوسف خواجہ قطب الدین مودود کے شیخ ہیں، ور وہ حاجی شریف زندنی کے۔ حاجی شریف زندنی کے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ معین مدین چشتیؒ۔

[2] سطان محمود نے سومنات پر حملہ ۴۱۶ھ میں کیا، اگر خواجہ ابو محمدؒ کا سنہ وفات مذکورۂ بالا صحیح ہے تو س سے پہلے ن کا انتقال ہوچکا تھا۔ غالباً مولانا جامی کی مراد حملہ ہندوستان سے ہے، انھوں نے اس کو حملہ سومنات سے تعبیر کیا ہے کہ ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ اسی کارنامہ کی شہرت ہوئی۔ سومنات پر حملہ کرنے سے پہلے ہندوستان پر محمود کے ۸ حملے ہوچکے تھے ان میں سے کسی حملے میں (اغلب ہے کہ پہلے حملے میں) شیخ ابو محمدؒ ساتھ رہے ہوں گے۔

آں جا رسید بہ نفسِ مبارک خود با مشرکان وعبدۂ اصنام جہاد کرد[1]۔	اور وہاں پہونچ کر بنفس نفیس جہاد میں شرکت فرمائی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ:لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام واستقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کیلئے مقدر تھی، خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکزِ رشدو ہدایت کاقیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجزی[2] کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

قدیم تر مؤرّخین (جن میں طبقاتِ ناصری کے مصنّف قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی بھی شامل ہیں جو حضرت خواجہ کے کمسن معاصر[3] ہیں) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ، سلطان شہاب الدین غوری کے اُس لشکر کے ساتھ تھے جس نے والیٔ اجمیر رائے پتھورا (پرتھوی راج[1]) کو شکست دی اور ہندوستان کی فتح کی تکمیل کی۔اس فتح میں ان کی دعاؤں، توجہات اور روحانیت کا بہت بڑا حصہ

---

1 نفحات الانس ص ۲۲۳

2 خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اصل وطنی نسبت سجزی ہے جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے ''سنجری'' بن گیا۔ قدیم مسودات واشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدامیں سجزی ہی لکھا اور بولا جاتا تھا۔ سجزی نسبت میں سجستان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس عام طور پر اس کو خراسان کا ایک حصہ مانتے ہیں، موجودہ زمانے میں س کا کثر حصہ یران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں۔ اس علاقہ کا پایہ تخت زرنج تھا جس کے کھنڈر اب زبدن کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں سجستان کے حدود غزنین تک تھے(احسن التقاسیم)
بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک سجز، سجستان کے ایک خاص مقام کا نام ہے جس کی طرف نسبت سجزی سی ہے، کبھی کبھی پورے سجستان کی طرف بھی سجزی کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔
جغرافیہ خلافت مشرقی کے مصنف جی بی اسٹرینج نے ۳۰ صفحوں میں سجستان کا جغرافیہ بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیستان فارسی لفظ سگستان سے ماخوذ ہے ،عرب اسے سجستان کہتے ہیں۔ اس ملک کی زمین نشیب میں ہے ور جھیل زرہ کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے۔ دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں ان سب کے ڈیلٹا سی زمین میں پڑتے ہیں۔
فارسی میں سیستان کو نیمروز (یا جنوبی ملک) بھی کہتے ہیں، اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یوں بیان ہوئی ہی کہ سیستان ، خراسان کے جنوب میں واقع ہے ص ۵۰۳، ص ۵۰۴

3 قاضی صاحب کی ولادت ۵۷۹ھ میں ہوئی۔

تھا[2]۔ بعد کے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان(جو ۵۷۹ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے ابتدائی سنین ہی میں اجمیر میں جو

---

[1] پرتھوی راج یارائے پتھورا (۱۱۷۵-۱۱۹۲ء)سومیشور کا بیٹا تھا، جو اجمیر کے چوہان حکمراں خاند ن کے بانی "رونا راجہ" کا فرزند اور اس خاندان کے نامور فرما نروا دگرہ راجہ عرف ویسل دیو کا بھائی تھا۔ "سومیشور" کا دہلی کے تومر راجپوت حکمراں خاندان اور اجمیر کی چوہان شاخ پر یکساں اقتدار تھا۔ سومیشور دہلی کے آخری تومر فرما نرو ۔ نند پال (اننگ پال) کا داماد تھا اور اس رشتہ سے پرتھوری راج دہلی کے آخری فرمانروا کا نواسہ ہوتا تھا۔ نند پال کی کوئی ،ولاد نرینہ نہ تھی اس نے پرتھوی راج کو متبنیٰ کیا تھا اس کے انتقال پر دہلی کی سلطنت پرتھوی ر ج کے حصے میں آئی اور اجمیر کی سلطنت اس نے اپنے باپ سومیشور سے وراثت میں پائی، اس طرح وہ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی و اجمیر کا مالک ہوا، چونکہ اجمیر سے اس کا آبائی اور وطنی تعلق تھا اور وہ اس کی د دھیالی گدی تھی س لئے اغلب ہے کہ اس کا زیادہ تر قیام اجمیر میں رہتا تھا اس وجہ سے اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج اپنی ذات سے بڑا حوصلہ مند، منچلا، فنونِ سپہ گری میں طاق اور بہادر ر جپوت تھا، س نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات حاصل کیں۔ جنھوں نے ایک صدی تک اس کے نام کو زندہ ور روشن رکھا۔ قنوج کے راجہ جے چند کی بیٹی کو "سویمبر" سے لے آنے کی وجہ سے وہ ان داستانوں اور نظموں کا ہیرو بن گیا جو ب تک شمالی ہند میں گائی اور پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی سپہگری، حوصلہ مندی اور فتوحات کی بنا پر ہندوستان کے دورِ آخر کے بہادر راجپوتوں اور طاقتور فرما نرواؤں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، لیکن اس کی آخری شکست نے سکی عظمت پر پردہ ڈال دیا اور تاریخ ہند نے اس کا قصور معاف نہیں کیا۔ ۱۱۹۱ء(۵۸۷ھ)میں جب سطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا، پرتھوی راج نے ترائن (حال تلونڈی) کے مقام پر جو تھا نیسر سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ایک منظم فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور سلطان کو شکست فاش دی۔ اگلے سال (۱۱۹۲ء/۵۸۸ھ) میں سلطان نے بڑی تیاری اور نئے عزم کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہز ر فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا، پرتھوی راج تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی میدان میں لایا، ۱۵۰ راجپوت ر جکان پنی فوجوں کیساتھ تھے پرتھوی راج نے شکست کھائی، گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا اور اسی طرح راجپوتوں کی آز د سلطنت اور ہندوستان کی قدیم فرما نروائی کا خاتمہ ہوا (پروفیسر ایشوری پرشاد اور دوسرے مؤرخین بالاختصار)

[2] طبقات ناصری ص ۱۲۰، فرشتہ ص ۵۷، منتخب ۵۰

اسوقت راجپوت طاقت وحکومت اور ہند ومذہب و روحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا)[1] قیام اختیار فرما لیا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور اس کی ترکتازیاں شمالی مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، رائے پتھورا نے کسی مسلمان کو (جو غالباً اس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہونچائی۔ حضرت خواجہؒ نے اس کی سفارش کی۔ پتھورا نے متکبرانہ اور توہین آمیز جواب دیا اور کہا کہ: ''یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں''۔ حضرت خواجہؒ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ: ''ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کرکے (محمد غوری کو) دے دیا''۔ اس کے بعد ہی محمد غوری نے حملہ کیا، پتھورا نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔[2] بہر حال واقعہ کی جو ترتیب ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز، اجمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا۔ یہ فیصلہ اُن کی اولوالعزمی، عالی ہمتی اور جراتِ ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوا یانِ مذاہب اور فاتحینِ عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص، ان کے توکل واعتماد، ان کے زہد وقربانی اور ان کے درد و سوز سے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سر زمین ہزاروں برس سے صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صدا سے ناآشنا تھی وہ علماءو اولیاء کی سر زمین اور علومِ اسلامیہ اور کمالاتِ دینیہ کی محافظ و امین بن گئی، اور اس کی فضائیں اذانوں سے اور دشت وجبل اللہ اکبر کی صداؤں اور اس کے شہر و دیار قال اللہ وقال الرّسول کے نغموں سے ایسے گونجے کہ صدیوں سے عالمِ اسلام گوش برآواز ہے۔

---

[1] جمیر سے ۷ میل شمال پُشکر، ایک مشہور مذہبی تیرتھ گاہ تھی جس کی یاترا کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے، سکی جھیل کو جو مذہبی تقدس حاصل تھا اس میں صرف ''مان سرور'' کی جھیل اس کی ہمسری کر سکتی ہے پُشکر کی جھیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ برہمانے یہاں یگ کیا، اور یہاں پر سر سوتی اپنے پانچ دھاراؤں سے پر کٹ ہوتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔(اجمیر ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص ۱۸)

[2] سیر الاولیاص ۱۴۷، مآثر الکرام

ع   جہانے راد گرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

سیر الاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے:

مملکت ہندوستان تاحد برآمدن آفتاب
ہمہ دیار کفر و کافری و بت و بت پرس
ومتمردان ہند ہر یکے دعوائے انا ربکم الاعلے
می کردند خدائے را جل وعلا شریک میگفتند و
سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور و گاؤ و
سرگیں آں را سجدہ می کردند و بظلمت کفر
قفل دل ایشاں مظلم و محکم بود۔
ہمہ غافل از حکم دین و شریعت
ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ
نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر
وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ
بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار
بنور اسلام روشن و منور گشت
از تیغ او بجاے صلیب و کلیسا
در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آنجا کہ بود نعرہ فریاد مشرکاں
اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است
و ہر کہ ازیں یار مسلماں شد و تا روز قیامت
مسلمان خواہد شد و فرزند ایشاں تا
تو الد و او تناسلوا است مسلمان خواہند

ملک ہندوستان اپنے آخری مغربی
کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی اہل
تمرد انا ربکم الاعلی کی صدا لگا رہے تھے
اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو
شریک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر،
درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے
تھے کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک
اور مقفل تھے۔ سب دین و شریعت کے حکم
سے غافل، خدا و پیمبر سے بے خبر تھے نہ کسی
نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی نہ کسی نے
اللہ اکبر کی صدا سنی، آفتابِ اہل یقین
حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا
اس ملک میں پہونچنا تھا کہ اس ملک کی
ظلمت نور اسلام سے مبدل ہو گئی،
ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر
شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر
نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں
سے معمور تھی وہ نعرہ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔
اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی
اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے
مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اسکی

بود وآں طائفہ راکہ بہ تیغ اسلام از	اولاد در اولاد، نسل در نسل سب ان کے
دارحرب دردار اسلام خواہند آورد	نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت
الی یوم القیمہ مثوبات آں ببار گاہ	تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرہ اسلام
باجاہ شیخ الااسلام معین الدین حسن سجزی	وسیع ہوتا رہے گا قیامت تک اس کا
قدس اللہ سرہ العزیز بمتابعت حضرت	ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی
او واصل و متواصل خواہند بود	کی روح کو پہونچتا رہے گا۔
ان شاء اللہ العزیز[1]	

اس طرح ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا، اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص وعالی ہمت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے، مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے:

لاشک بزرگانِ چشت عنبر سرشت راحقی	اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگان سلسلہ
است قدیم برولایت ہند[2]	چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے۔

اور صاحبِ سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے:

بہ ہندوستان بہ یمن قدوم میمنت لزومش	ہندوستان میں انکے دم قدم کی برکت سے
طریقہ اسلام ظاہر اسلام گشت وسیاہی کفرو	اسلام کی اشاعت ہوئی اور کفر کی ظلمت
شرک ازعرصہ روزگار بزود[3]	یہاں سے کافور ہوئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہو گیا، اور اجمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھودی۔ خواجہ بزرگؒ نے دہلی میں اپنے جانشین خلیفہ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے جہاں تبلیغ وارشاد اور

---

1 سیر الاولیاء ص ۴۷

2 ماٰثر الکرام ص ۷

3 سیر الاقطاب ص ۱۰۱

تعلیم و تربیت اور مشغولیٔ بحق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کردی، کسی قدیم تاریخی ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج واثرات کا مستند و معین طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا، عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر و عظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے ان سے ایمان واحسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ ابوالفضل "آئین اکبری" میں لکھتا ہے:

عزلت گزین با جمیر شد و فراواں چراغ	اجمیر میں عزلت گزیں ہوئے اور اسلام کا چراغ
برافروخت وازدم کیمیرائے او گروہا گروہا	بڑی آب و تاب سے روشن کیا انکے انفاس قدسیہ
مردم بہرہ بر گرفتند [1]	سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقین، اسلام کی اشاعت اور داعیانِ اسلام واہل قلوب کی تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۶۲۷ھ [2] میں اس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دارالحکومت دہلی میں ان کا جانشین و تربیت یافتہ شیخِ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد و ہدایت کے کام میں سرگرم ومنہمک تھا اور ان کا عقیدت مند وحلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع واستحکام اور عدل گستری وخلق پروری میں مشغول تھا۔

ماخوذاز "تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۳"

---

1 آئین اکبری (سرسید ایڈیشن) ص ۲۷۰

2 سنہ وفات میں اختلاف ہے، عام طور پر تین سنہ لکھے گئے ہیں: ۶۲۷ھ، ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ، صاحب سیر الاقطاب نے آفتاب ملک ہند سے سنہ وفات ۶۳۳ھ استخراج کیا ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی یہی سنہ وفات مانا ہے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی

ترجمہ: ''سیّد نفیس الحسینی''

حضرت مخدوم عُثمان مروندیؒ

م ۶۷۳ ھ

راقم الحروف (سید غلام علی آزاد بلگرامی) نے مولانا محب علی تتوی جو بزرگانِ عہد سے گزرے ہیں اور انکا ذکر ''شاہجان نامہ'' اور دیگر کتبِ تاریخ میں مسطور ہے انکی یہ تحریر مشاہدہ کی ہے کہ کہ ''حضرت مخدوم لعل شہباز قدس سرہ'' کا اسم شریف عثمان ہے۔ اور فقیر نے سیاہ رنگ کی لوح پر کندہ یہ عبارت دیکھی تھی کہ اس انداز میں لکھی تھی۔

''شیخ عثمان مرندی قطبِ دین باز سپید و مرند بفتح میم ورای مہملہ وسکون و دال مہمہ قریہ ایست از قرائے تبریز'' انتھیٰ۔

نسب شریف: تیرہ واسطہ سے حضرتِ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے حضرت عثمان مروندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور بن سید محمود بن سید احمد بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنھم۔

صاحبِ تذکرہ مشائخ سندھ بیان کرتے ہیں:

''حضرت مخدوم کا مولد ومنشا مرند ہے مرتبہء رجال کو پہنچنے کے بعد وہ بابا ابراہیم جو شیخ جماں کے مرید تھے۔ انکی خدمت میں ارادت حاصل کی مدت ایک سال تک اُس صاحب کماں کی خدمت میں رہے اور مرتبہء تکمیل کو پہنچے اور خرقہء خلافت واجازت سے مشرف ہوئے اور انہوں نے شادی نہیں کی اور حصور و مجرد زندگی بسر کی اور آخر ہندوستان تشریف لائے اور حضرت شیخ فرید گنج شکر

اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی صحبت پائی اور صدرالدین عارف کے ساتھ انکی مصاحبت رہی اور سیوستان میں اقامت اختیار کی۔

پہلی برکت: اتفاقاً سیوستان میں آکر آپ جس محلّے میں مقیم ہوئے وہ کسبی عورتوں کا تھا۔ اس عارف باللہ کے قدوم میمنت لزوم کا پہلا اثر یہ تھا کہ وہاں زناکاری فحاشی کا بازار سرد پڑگیا، نیکی اور پرہیزگاری کی طرف قلوب مائل ہوئے اور زانیہ عورتوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔
ضیاء برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں:

''جب آپ ملتان پہنچے خانِ شہید یعنی سلطان محمد قاآن جو آپ سے معرفت اور اعتقاد رکھتا تھا اس نے آپ کی خدمت میں تواضع اختیار کی اور آپ کو فتوحات بہت نذر کیں اور بے شمار کوشش کی کہ اُن مخدوم ملتان میں استقامت اخیتار کریں اور اس نے آپ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی آپ نے وہاں کی اقامت کو قبول نہیں کیا۔ اور ایک دن خانِ شہید نے حضرت شیخ صدرالدین عارف اور حضرت شیخ عثمان شہباز مرندی کو اپنی مجلس میں دعوت دی اور عربی زبان کی غزلیں سنوائیں دونوں بزرگ درویشوں کی دوسری جماعت سماع میں تھے اور خانِ شہید دست بستہ کھڑا رہا اور زار زار روتا تھا'' انتہیٰ۔

جب راقم الحروف کو دسویں ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں شہر سیوستان جانے کا اتفاق ہوا اور میر سید محمد خان نے بخشی گڑھی اور وقائع نگاری انہوں نے مجھے تفویض کی اور جانب بلگرام سفر اختیار کیا کچھ عرصے کے بعد اُس خدمت سے برطرف ہوئے اور فقیر کے دل پر اسکی گردِ ملال آگئی۔ ایک رات کو میں نے خواب میں مشاہدہ کیا کہ شہر کے کوچے سے گزر رہا ہوں ایک شخص سامنے آیا میں نے اس سے استفسار کیا کہ اس سے آگے راستہ جاری ہے اس شخص نے زبانِ عربی میں جواب دیا۔ ''سیلقاک رجاں'' چند قدم آگے چل کر میں نے تین مشائخ کو اہل سندھ کے لباس اور وضع میں دیکھا کہ وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک آگے بیٹھا ہے میں نے قریب جاکر سلام کیا اور شیخ مقتدیٰ کے روبرو دو زانوں ادب سے بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ ہماری ملازمت بحال ہوگی یہ بات سنکر وہ اپنا سر گریبانِ مراقبہ میں لے گئے ایک پوری گھڑی بعد انہوں نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ بحال ہوگی میں نے

کہا کہ یہ کیسے ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم جو کہتے ہیں آخر ایک سال بعد خدمت بحال ہو گئی۔ اور شیخ کے قول کے سچائی ظہور میں آئی اور ایسا معلوم ہوا کہ جو بشارت دینے والے بزرگ تھے وہ حضرت لعل شہباز قدس سرہ تھے۔اور ایک گھڑی کامل کا مراقبہ اس بات کی بشارت تھی کہ ایک ساں بعد یہ کام پورا ہو گا۔ آنجناب کی وفات ۲۱ شعبان ۶۷۳ھ کو واقع ہوئی۔

فضائل:

شاہ بازِ نشیمن لاہوت　　شاہ اورنگ خطہ ملکوت
اہلِ دل عارف معارف حق　　صاحب وجد و تارک مطلق
شاہِ عثمان، شاہ باز لقب　　اشرف الذات ہم شریف نسب
بحر عرفاں کنوز دانائی　　مہر ایقاں چراغ بینائی
مست خم خانہ محبت شوق　　بلبلِ گلستانِ عالمِ ذوق
صاحبِ حال و کاملِ ابدال　　محرمِ خلوتِ حریم مثال
چند از روضہ اش بہ سیوستان　　عطر افزا جو روضہ رضوان
فیض افزائے گنبدِ پُر نور　　چو حبابی زچشمہ کافور
بلکہ خود باغبان صنع ازل　　چیدہ آور داز ریاضِ امل
گلِ صد برگ تازہ تراز جاں　　کش نسازو زبون دست خزاں
گنبدی نہ کہ روضہ زبہشت　　مشک باآب و طینتش بسرشت
خاک آن آستان قبلہ نشاں　　سرمہ بینیش عیونِ شہاں
فیض فایض زبام ودر بارش　　نور رخشاں زچار دیوارش
شب چو احرام دروی افروزاں　　شمع وقندیل مشعلِ تاباں
زائرانِ حریم حرمتِ او　　میر سد فوج فوج از ہر سو
دہد از جود قلزم عماں　　سائلاں را پُر از گہر داماں

ہر کسے را بوقفِ خواہش دل　　گشتہ بے شبہ مدعا حاصل
ہر کہ باغم ہم آشیانہ بُود　　خستہ دشنۂ زمانہ بُود
چُوں زاخلاص می نہد قدمے　　اندر آں پاک محترم حرمے
یابداد غم نجات فیروزی　　سودش راحت وفرح روزی
آستانش کہ ہست خلد مثال　　ہست محطِ قوافل ابرار
برداز خواں جوداز کم وبیش　　ہر کسے درخود عقیدہ خویش
ہست دربار او چو قلزم ژرف　　ہر کسے راست بہرہ در خود ظرف
کس نگشت از نوال شاں محروم　　برد البتہ حصّہء مقسوم
تاقیامت بود چنیں روشن　　شمع تابانِ او بوجہ حسن
نہ پذیردز صرصر دَوراں　　انطفائے بہ ہیچ وقت اوآں
فیض دربار اوب استقلال　　ہمچنیں بود ہم بود لازال

دمبدم رحمتِ خداوندی
باد برروح شاہِ مروندی

ماخوذ از "مآثر الکرام"[1]

---

[1] در مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء مطابق ۱۳۲۸ھ۔

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

حضرت سیّد قطب الدّین احمد المدنیؒ

م ۶۷۷ھ

حضرت حسن بن سیدنا علیؓ کے صاحبزادہ[1] حضرت حسن مثنیٰ کو حسن مثنیٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے والد ماجد حضرت حسنؓ سے صورت وسیرت میں بہت مشابہ تھے، ۳۱ھ میں پیدا ہوئے ان کی کنیت ابو محمد تھی، عم مکرم حضرت حسین بن علی[2] کی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے شادی کی ان بی بی سے تین صاحبزادے[3] ہوئے۔

---

[1] حضرت حسنؓ کے دوسرے صاحبزادوں کے نام جو مختلف البطن تھے یہ ہیں (۱) زید "جدامجد حضرت بو لحسن عی ہجویری لاہوری" (۲) حسین (۳) طلحہ (۴) اسمٰعیل (۵) عبداللہ (۶) حمزہ (۷) یعقوب (۸) عبد لرحمن (۹) قاسم (۱۰) عمر۔ قاسم اور عمر کربلا میں شہید ہوگئے تھے باقی صاحبزادوں کی اولاد ہوئی، زید بن حسن کی ولاد آرمینیہ، حبشہ، مکہ، مدینہ، اصفہان و عراق میں پھیل گئی۔

[2] حضرت حسینؓ کی اولاد احفاد میں تقریباً سب ہی کربلا میں شہید ہوگئے صرف ایک صاحبزادے حضرت مام عی زین لعابدین بچ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں خوب برکت دی اور اس نسل مبارک میں شیوخ، علماء بل عم وفضل اوراصحاب کمالات اتنی تعداد میں پیدا ہوئے کہ ان کے انوار سے سارا جہاں روشن ہوا۔

[3] سب سے بڑے عبداللہ المحض تھے اس کے بعد ابراہیم عمر اور حسن مثلث، ان کے علاوہ دوسری بیوی سے داؤد اور جعفر ہوئے جن کی اولاد میں بصرہ اور کوفہ کے نقیب ہوئے۔

سب سے بڑے صاحبزادے عبداللہ المحض تھے،والد کیطرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی تھے۔ اس لئے ان کی اولاد کو حسنی حسینی ہونے کا فخر حاصل ہے، عبداللہ المحض صورت و سیرت ،زہد وورع اور فیاضی وسخاوت میں اپنے والد کی مثل تھے ،ان صفات حسنہ کی وجہ سے وہ اپنے پورے خاندان میں بزرگ کی حیثیت سے مانے جاتے تھے اسی لئے ان کو شیخ العترۃ کہا جاتا تھا۔

عبداللہ المحض ایک بڑے عالم اور محدث تھےوہ اکثر تابعین سے احادیث کی روایات کرتے تھے، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے علم وفضل ،سیادت و نجابت کے پیش نظر ان کا بڑا احترام کرتے تھے، عباسی دور کے شروع میں انھوں نے خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے خلاف خروج کیا تھا جس کی وجہ سے منصور نے ان کو گرفتار کر لیا اور اسی قید وبند کی حالت میں انہوں نے انتقال کیا۔ انتقال کے وقت چھ صاحبزادے [1] یادگار چھوڑے۔ان میں سب سے ممتاز محمد صاحب النفس الزکیہ تھے، ان کی کنیت ابوقاسم تھی وہ اپنے عہد کے امام اور متقد اتھے،اپنے والد کے انتقال کے بعد منصور کے خلاف آواز اٹھائی اور حجاز کے عوام وخواص نے ان کی تائید و نصرت کی اور مدینہ پر ان کا کامل عمل دخل ہو گیا، منصور نے ان کی مقبولیت اور محبوبیت دیکھی تو ان کے خلاف فوج بھیج دی اور مدینہ منورہ کے قریب مقابلہ ہوا، محمد صاحب النفس الزکیہ اس معرکہ میں شہید ہوگئے [2]۔

محمد صاحب النفس الزکیہ بڑے عبادت گزار تھے، نمازیں کثرت سے پڑھتے سجدے کرتے ان کے نشانات پڑگئے تھے اس لئے ان کو السفنات کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ محمد صاحب النفس الزکیہ کے ایک صاحبزادہ تھے جن کا نام عبداللہ الاشتر تھا ان کے نام کے آگے الکابلی بھی لگتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ والد کی شہادت کے بعد حجاز سے کابل تشریف لے گئے اور جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے [3]،ان کے کئی صاحبزادے ہوئے جن میں محمد ثانی الاصغر اور حسن زیادہ مشہور ہیں، عبداللہ الاشتر کی اولاد کی ایک

---

[1] محمد، ابراہیم ،موسی الجون ،یحیٰی، سلیمان، ادریس ، ابراہیم کی اولاد مصر وعراق اور خراسان میں پھیلی ، یحیی کی ولاد مدینہ میں بھی اور مغرب کی طرف گئی، سلیمان کی اولاد بربر کے علاقوں میں دعوت کا پیغام لے کر گئی، دریس کی ولاد لیبیا اور مراکش کے علاقوں میں پھیلی ،موسی الجون کی اولاد عراق میں رہی، موسی الجون کی اولاد میں حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے شیخ وقت ہوئے۔

[2] یہ واقعہ ۱۴۵ھ کا ہے۔

[3] یہ واقعہ ۱۵۱ھ کا ہے۔

شاخ نے بخارا، غزنی اور بلخ میں بودوباش اختیار کی اور دینی دعوت و تبلیغ کا کام کیا ان کی دعوت وارشاد سے پورا خطہ مسلمان ہو گیا، محمد ثانی الاصغر زہد وعبادت میں مشہور تھے، شجاعت وسخاوت میں خاص امتیاز رکھتے تھے، کنیت ابوالحسن تھی اور نقیب کوفہ کے عہدہ پر سرفراز تھے، ان کے صاحبزادہ حسن لجو دفیاضی وسخاوت میں اپنے والد کے مثل تھے اور علم وفضل میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم، والد کے بعد کوفہ کے نقیب بنے اور نقیب کوفہ کے نام سے مشہور ہوئے، ان کے کئی صاحبزادے[1] ہوئے۔

حسن الجواد کی اولاد مختلف ملکوں میں پھیل گئی اور مسلسل اپنے آباءواجداد کے نقش قدم پر چل کر مسند ارشاد ودعوت کو آراستہ کرتی رہی، عرب وعجم کے ممالک میں دعوت وارشاد کا کام کرتی رہی۔

حسن الجواد کی اولاد احفاد میں ساتویں پشت میں ایک بزرگ سید رشید الدین احمد المدنی گذرے ہیں جو بغرض اعلاء کلمۃ الحق وہدایت خلق مدینہ طیبہ سے بغداد تشریف لائے ان کے علم وفضل اور جلالت شان کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے جلو میں ہر وقت سینکڑوں طلباء اور علماء رہتے تھے، امیر سید علی ہمدانی صاحب عمدۃ الطالب لکھتے ہیں " كان السيد رشيد الدين اماماًعالما صالحا متدينا يجتهد فى الخيرات والنصائح والمصالح الخ" (سید رشید الدین امام عالم صالح تھے اور نیک کاموں اور خیر خواہی کی باتوں میں بہت کوشاں رہتے تھے۔)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بغداد میں رہے اور وفات پائی مگر بعض دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ تا تاریوں کے ہنگامہ میں جام شہادت نوش کیا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے حظیرہ میں مدفون ہوئے۔ سید رشید الدین کے ایک بلند پایہ صاحبزادہ سید قطب الدین احمد المدنی تھے جو ایک بڑے عالم، عارف اور عالی ہمت صاحب سیف وقلم بزرگ گذرے ہیں، مدینہ منورہ میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور حضور ﷺ کی طرف سے آپ کو جہاد کے لیے ہندوستان جانے کا حکم ہوا اور فتح کی بشارت ہوئی۔[2]

---

[1] ن صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔(۱) ابوجعفر محمد نقیب کوفہ (۲) ابوعبداللہ الحسین نقیب کوفہ (۳) بومحمد عبداللہ (۴) قاسم (۵) ابوالعباس (۶) احمد

[2] سید قطب الدین محمد الجون حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کے بھانجے تھے۔

آپ اپنے اعزواقارب کو لے کر غزنی آئے اور کچھ مدت قیام کیا اور پھر غزنی کے رؤساء اور اٹھارہ ہزار آہن پوش فوج کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور وہاں سے قنوج پر فوج کشی کرتے ہوئے مانک پور اور اس کے بعد کڑہ، الہ آباد پہونچے اور اس کو فتح کرکے مستقل سکونت اختیار کرلی۔

امیر سید قطب الدین مدت تک دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے ،دہلی کے تمام مشائخ وعلماء وسلاطین اپنے اپنے وقت میں آپ کا ادب واحترام کرتے رہے، مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے آپ کا نہایت بلند الفاظ میں تذکرہ کیا ہے اور ان کے صحتِ نسب وعلوِ خاندان کی شہادت تمام مؤرخین نے دی ہے۔ ۲۳جون رمضان المبارک ۶۷۷ھ کو کڑہ میں انتقال فرمایا۔

کڑہ کی فتح کے بعد اپنے ہمراہیوں میں سید علاء الدین اور اپنے خواہر زادہ سید قاسم کی سر کردگی میں ایک مختصر فوج ہنسوہ(فتح پور) روانہ کی اور راجہ ہنس سے جو ہنسوہ پر راج کرتا تھا مقابلہ ہوا اس مقابلہ میں سید علاء الدین[1] شہید ہوگئے اور مجاہدین کو فتح نصیب ہوئی۔

سید قطب الدین مدنیؒ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی دینی ودنیوی برکت عطا فرمائی، سیادت وامارت اور دنیوی وجاہت کے ساتھ ساتھ علم وفضل ،زہد وتقوی کی دولت سے مالامال رکھا،آپ کی اولاد میں اتنے اولیاء ومشائخ ہوئے کہ کم خاندانوں میں ہوئے ہوں گے،آپ کی اولاد مختلف علاقوں میں منتشر ہوکر سکونت پذیر ہوئی، موضع کڑہ میں سید محمد اسماعیل آباد ہوئے، سید فضل اللہ جونپور گئے اور وہاں سے بہار تشریف لے گئے جہاں وہ گوشائیں جی کے نام سے مشہور ہوئے،ان کی اولاد صدیوں تک باوقار اور صاحب ارشاد واقتدار رہی، اور بقیہ حضرات کڑہ ہی میں مقیم رہے، پھر وہاں سے دھیرے دھیرے دیگر علاقوں میں طرح اقامت ڈالی۔

آپ کے ایک صاحبزادہ سید تاج الدین مدت تک اودھ پھر بدایوں کے عہدہ قضا پر فائز رہے، اللہ تعالی نے ان کو اس عہد کے علماء اور اعیان اور صوفیہ مشائخ میں ایک نئی شان عطا فرمائی تھی اور

---

[1] سید علاء الدین شہید کا مزار ہنسوہ کے محلہ درگاہ میں آج بھی موجود ہے ، محلہ درگاہ ہنسوہ میں ایک بلند مقام پر واقع ہے،غالباً اس جگہ راجہ ہنس کا قلعہ ہوگا اس محلہ میں سادات واسطی کا ایک خاندان صدیوں سے سکونت پذیر ہے بارہویں صدی سے اس خاندان اور حضرت شاہ علم اللہ کے خاندان میں قرابت داری شروع ہوئی ور س قر بت داری کا سلسلہ جاری ہے۔

اوصاف اہل بیت کرام اور کمالات ظاہری و باطنی سے متصف کیا تھا، امیر قطب الدین مدنی کے دوسرے صاحبزادے سید قوام الدین تھے جوایک نامور عالم اور شیخ تھےانہوں نے دہلی کو اپنا مستقر بنایا، اور مسند ارشادو سلوک کوآراستہ کیا۔

امیر سید قطب الدین کے سب سے بڑے صاحبزادہ سید نظام الدینؒ تھے جو علم وفضل، قوت وشجاعت اور ہمت عالی میں اپنے والد کے قدم بقدم تھے وہ معرکوں میں اپنے والد ماجد امیر قطب الدین کے دوش بدوش بلکہ قیش قیش رہے اور اپنے والد کے بعد کڑہ میں ان کے جانشین ہوئے، ان کے صاحبزادہ سید رکن الدین تھے جوایک جلیل القدر شیخ اور عالم وفقیہ تھے، جلالتِ شان علم وعمل اور زہد وتقوی میں بہت ممتاز تھے، مشہور مؤرخ قاضی ضیاء الدین برنی نے ان کے معارف وکمالات کا ذکر اپنی کتاب میں تفصیل سے کیا ہے، اپنے عم بزرگوار سید تاج الدین کے بعد وہ بدایوں میں منصب قضا پر فائز ہوئے، قاضی ضیاء الدین برنی نے ان سے ملاقات کی تھی، وہ لکھتے ہیں ''ان جیسے روشن اوصاف اور ان جیسی عزت وحشمت والے لوگ میں نے بہت کم دیکھے ہیں''۔

قاضی سید رکن الدین کی اولاد میں سید فضل اللہ گوشائیں جیسے بزرگ پہلے جونپور تشریف لے گئے اس کے بعد عظیم آباد پٹنہ کواپنا مسکن بنایا اور بہت جلد مرجع خلائق بن گئے، ان کے بیٹے سید محمد تقی جن کو درویش بے ریا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں سے ہیں، شاہ فرخ سیر ان کا مرید تھا ان کا سلسلہ اس نواح میں اب تک موجود ہے، سید رکن الدین کے صاحبزادوں میں سید احمد[1] (پالن پور) سید صالح (فتح پور) اور سید جلال الدین[2] (مورث سادات کوڑہ ضلع فتح پور) جیسے علماء اور اولیاء نظر آتے ہیں۔

---

[1] کڑہ میں میر سید امید علی مصنف ظہور قطبی تھے او ان کے کئی برادران وصاحبزادگان تھے جن میں کئی صحاب صم وشعر وسخن اور اصحاب جاہ وحشمت گذرے ہیں۔

[2] سید جلال الدین بڑے متقی اور عالم وشیخ تھے کوڑہ میں قیام کیا، اور مسند ارشاد آراستہ کی، ولاد میں بکثرت عماء ومشائخ ہوئے جن میں حضرت شاہ حمزہ صاحب طریقہ وسجادہ تھے بڑے پابند شریعت تھے بخش تھے۔ ن کی ولاد میں سید مہدی اور ان کے پانچ صاحبزادے تھےشاہ ابوالحسن مصنف آئنیہ اودھ جو ایک مؤرخ اور جہاندیدہ شخص تھے ناگور اور پھر لکھنؤ میں قیام کیا اور آخر میں شہید کردیئے گئے، سید مہدی بخش کے دوسرے صاحبزادے سید

ان کے علاوہ خاندان قطبی کے مختلف بزرگ مختلف خطوں میں جا گزیں ہوئے اور دین وعلم کی خدمت کی ،ان خطوں میں(۱)رودولی (۲)اجھوا پرگنہ کڑہ(۳)رسولپور پر گنہ کوٹلہ (۴)موضع کرالی پر گنہ سراتھو(۵)راجہ پور پرگنہ دلموٗ،(۶) گوالیار(۷)موضع کزئی چھیزا کالنجر (۸)دہلی(۹)ہنسوہ ضلع فتح پور،(۱۰) کڑاشامل ہیں۔

امیر کبیر حضرت سید قطب الدین المدنیؒ کے انتقال کے ایک صدی بعد قطبی خاندان کے ایک بزرگ سید قطب الدین محمد ثانی[1] نے کڑا سے جائس (ضلع رائے بریلی) نقل سکونت کی کچھ مدت کے بعد ان کے صاحبزادہ سید علاء الدین اور پوتے قاضی سید محمود جائس سے نصیر آباد منتقل ہوئے اور عہدہ قضا پر مامور ہوئے ،اس وقت سے ان کی اولاد نے نصیر آباد کو اپنا وطن بنا لیا، ان کی نسل میں دیوان سید خواجہ احمدؒ مولانا ہدایت اللہ اور حضرت سید شاہ علم اللہ اوران کے اخلاف ہیں اوران کی اولاد برابر پر گنہ نصیر آباد میں عہدہ قضا پر مامور ہوتی رہی جن کے نام یہ ہیں: قاضی سید محمود،قاضی سید محمد ،قاضی سید احمد ،قاضی سید فتح عالم، قاضی سید ابو محمد (خال مکرم حضرت شاہ علم اللہؒ)قاضی سید ابو المعالی، قاضی سید پیر علی،قاضی سید امین اللہ[2] ،قاضی سید قطب الدین احمد، قاضی سید نصیرالدین، قاضی سید فضل الرحمٰن جن کے بعد اس عہدہ پر کوئی سر فراز نہیں ہوا اور نظام قضا کا بھی سلسلہ ختم ہوا۔

قاضی سید محمودؒ کا انتقال ۸۶۸ھ میں ہوا اور مقبرہ خطبیان میں جو بعد میں باغ قاضی کے نام سے مشہور ہوا مدفون ہوئے کسی نے تاریخ کہی ہے:

گفت تاریخ وفاتش رضواں یافت محمود مقام محمود

قاضی سید محمود کے دو صاحبزادے ،قاضی سید محمد ،قاضی سید احمد مشہور بہ سید راجے قاضی سید احمد بڑے متورع ،متبع سنت، صاحبِ علم اور صاحبِ مسند ارشاد تھے وہ خلافِ شریعت کسی کی بات

سماعیل تھے جو صاحب علم و عمل اور صاحب وجاہت تھے، تیسرے صاحبزادے سید ابونصر تھے جن کے صاحبزادے شمس الہدیٰ تھے۔

[1] قطب الدین محمد ثانی جائس کے قاضی تھے پوری زندگی جائس ہی میں گذاردی اور وہیں انتقال کیا محلہ نصاریاں میں ان کی اور ان کی بیوی کی قبر موجود ہے۔

[2] قاضی سید امین اللہ مولانا سید ہدایت اللہ کے صاحبزادے ہیں۔

برداشت نہ کرتے تھے ،ایک روز وہ ایک مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے کہ دوران مقدمہ ایک فریق کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ ''ازچنیں حکم شرح بیزارم ''اس خلاف شرع جملہ کو وہ برداشت نہ کرسکے اور ترک وطن کرکے رائے بریلی تشریف لے آئے ان کا خاندان اور اولاد نصیر آباد ہی میں مقیم رہی، لیکن قاضی سید احمد رائے بریلی کے محلہ سید راجن میں مقیم رہے اور اسی خلوت نشینی میں اپنے رفیقِ اعلی سے جاملے اور اسی محلہ کے متصل احاطہ میں مدفون ہوئے ان کے پہلو میں ان کی اہلیہ محترمہ آسودہ خاک ہیں۔

قاضی سید احمدؒ کے ایک فرزند تھے جن کا سید محمد معظم نام تھا، سید معظم زہد وورع، اتباعِ سنت اور کمال تقوی میں اپنے والد اور چچا کے قدم بقدم تھے ان کے دو فرزند تھے سید محمد فضیل اور سید محمد اسحاق۔

سید محمد فضیل تعلق مع اللہ اور خدمت خلق میں امتیازی شان کے مالک تھے۔علوم ظاہری کے ساتھ علومِ باطنی کی بھی تکمیل کی ،عزیمت واستقامت میں اپنی مثال آپ تھے،اپنی زندگی دوسروں کی خدمت مظلوموں وبیواؤں کی اعانت ،عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک میں گزار دی ، آپ کا شیوہ تھا کہ صبح وشام دوسروں کی حاجتوں کومعلوم کرکے ان کی حاجتوں کو پورا کرتے اپنے سر پر لکڑیاں لاد کر لاتے بازار جا کر سامان خریدتے اور منگانے والوں کودیتے اور اپنی اس محنت پر خوش رہتے خدمت خلق کے ساتھ درس وتدریس اور تربیت وسلوک، ریاضت وعبادت میں مشغول رہتے اپنے وطن نصیر آباد میں تھے کہ ایک مرتبہ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں کسی زبان سے نکلا کہ شریعت کے بجائے بزرگوں کے فیصلہ کو ہم مانیں گے سید موصوف یہ سن کر بیقرار ہوگئے اور اس خلاف شریعت بات کو برداشت نہ کرسکے اور یہ فرماتے ہوئے ''درد یار بے ادباں بودو باش حرام است ''وطن کو خیر باد کہا اور مدینہ منورہ ہجرت کرگئے اور اسی جوار مبارک میں آسودہ خاک ہوئے اپنی یادگار میں دو فرزند،شاہ محمد داؤد،شاہ علم اللہ چھوڑے۔

سید محمد فضیل کے دوسرے بھائی سید محمد اسحاق ایک بڑے عالم اور صاحب فضل وکمال تھے اس وقت کے مشہور مشائخ وبزرگوں کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا اور تمام عمر مجاہدات وریاضتوں اور نفس کشی میں گزار دی۔ اپنے پیچھے تین فرزند یادگار چھوڑے،دیوان خواجہ سید احمد ،مولانا سید ہدایت اور سید تاج الدینؒ۔

ماخوذاز ''خانوادۂ علم اللہی''

○

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت خواجہ نظام الدّین محمّد بدایونیؒ

م ۷۲۵ھ

حالات و کمالات

نام و نسب: محمد نام نظام الدّین لقب و عرف عام والد ماجد کا نام احمد بن علی، سادات حسینی میں سے تھے، ننھیال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے، اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مُدّت لاہور رہے، وہاں سے بدایوں آئے۔

۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی[1]، بدایوں (قدیم بداؤں) شرفاء و سادات کا قدیم مسکن تھا، بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کر لی تھی[2]۔

---

[1] صاحب سیر الاولیاء نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سنہ کی تعیین کی ہے۔

[2] بدؤں روہیل کھنڈ میں دریائے سوٹھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے، اس زمانہ میں بہت آباد اور پُررونق مقام تھا، ور دہلی کیلئے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا۔ چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازے کا نام دروازہ بداؤں تھا (نزہۃ الخواطر)

قعہ بداؤں کے موجودہ کھنڈر اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے رہے ہیں۔ ۱۱۹۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب ادین ایبک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین التمش کو امیر بداؤں مُقرّر کیا۔ التمش نے یہاں ۱۲۲۲ء میں ،یک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی، جواب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ س سے

ابتدائی تعلیم و تربیت: حضرت نظام الدینؒ پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں، اس دُرِ یتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمّت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی[1] کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک اُن سے تعلیم حاصل کی۔ قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدینؒ اب دستار فضلیت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ اُستاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے، میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا: بابا خاطر جمع رکھو، میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روئی خرید کر اُس کو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کر کے دی[2]۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء صلحاء وقت کی دعوت کی۔ خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک پیچ باندھا، اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دُعا کی[3]۔

فقروفاقہ اور والدہ کی تربیت: اس چھوٹے سے شریف گھرانے میں جو سایہ پدری سے محروم تھا فقرو فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سُنکر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلّہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اُس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، آخر وہ غلّہ ختم ہوا، اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں، یہ سُنکر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سُرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا[4]۔

ملتا ہے کہ دہلی کے دو بادشاہ التمش اور اس کا بیٹا رکن الدین فیروزشاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بداؤں کے گورنر رہ چکے تھے۔ (نسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بذیل بداؤں)۔ منقول از مقالات دینی و علمی، مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے (جلد دوں ص ۲۴۱)

[1] مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پہ خفاء حال کا بڑ ہتمام تھا، صبر و رضا کے ساتھ زندگی گذارتے تھے، اور اوقات عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و معمور رکھتے تھے۔ (نزہتہ الخواطر بحوالہ فوائد الفواد)۔

[2] سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۱۴۵

[3] ایضاً ص ۹۶

[4] سیر الاولیاء ص ۱۱۳

شیخ کبیر[1] سے مناسبت اور قلبی کشش: حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا بارہ سال کا رہا ہوں گا، یا کچھ کم زیادہ، اُس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خرّاطہ کے نام سے مشہور تھا، ابوبکر قوّال بھی کہتے تھے میرے اُستاد کے پاس آیا، وہ ملتان ہو کر آرہا تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس سے آرہا ہوں، اُس نے اُن کے فضائل ومناقب بیان کرنے شروع کئے کہ وہاں کے لوگ ایسے ذاکر، شاغل ہیں اور اوراد و نوافل کا ایسا انہماک ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مامائیں اور لونڈیاں بھی چکّی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا، مگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جمی، اسکے بعد اُسنے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہِ دین دیکھا اُس نے شیخ الاسلام شیخ فریدالدینؒ کا تذکرہ کیا، یہ سُنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی، اور اُن کی محبت وارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے اُن کا نام لینے میں مزا آنے لگا، اور میں ہر نماز کے بعد مزے لیکر اُن کے نام کی رٹ لگاتا[2]۔

دہلی کا سفر: سولہ سال کی عُمر میں حضرت خواجہؒ بدایوں سے دہلی آگئے۔[3]

دہلی میں طالب علمی: آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا، یہ مُدّت تین چار سال کی تھی، دہلی میں اس وقت بڑے بڑے نامور اساتذہ جمع تھے۔[4] یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہد وزارت تھا، اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک[5] ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے استاذالاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ سلطنت کے ایک اہم

---

[1] شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی ذات ہے

[2] سیر الاولیاء(ص ۱۰۰)، فوائد الفواد(ص ۱۴۹)

[3] یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خوجہ صاحب جودھن گئے، اور حضرت خواجہ فریدالدینؒ سے بیعت کی، بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر بیس سال بیان کی ہے (سیر الاولیاء ۱۰۷) اسلئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے

[4] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی ص ۱۱۲

[5] یہ صدر محاسب یا اکاونٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا

ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اُس زمانے کے علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا، حضرت خواجہؒ اُن کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔

استاد کے محبوب: مولانا شمس الدین کو حضرتؒ سے تعلق خاص تھا، اور وہ اُن کے محبوب ترین شاگرد تھے، آپ جس حجرہ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اُس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہؒ اور اُن کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنی تھے[1]۔

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کردیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت خواجہؒ نے خود یہ قصّہ بیان کرتے ہوئے تبسّم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصور کروں، لیکن مجھ سے ناغہ ہوجاتا، یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے، لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے آئی و بما کنی نگاہے

کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحبؒ آبدیدہ ہوگئے اور سب سُننے الوں پر رقت طاری ہو گئی، اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے، میں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے[2]۔

علمی امتیاز و تفوق: حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت، مناسبت خداداد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا، علمی مباحثوں اور سوال جواب میں (جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جز اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) آپ کی طاقت لسانی اور قوت استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لاجواب ہوجاتے اور محفل پر آپ کے علم وذہانت کا سکّہ بیٹھ جاتا، چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام الدّین بحّاث اور مولانا نظام الدّین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے۔[3]

---

[1] سیر العارفین۔ص ۱۲

[2] فوائد الفواد۔ص۶۸

[3] سیر الاولیاء۔ص ۱۰۱

حفظ مقامات اور اس کا کفارہ: اُس زمانہ کے نصاب میں مقامات حریری داخل درس تھی، عام طور پر طلبہ اُس کے سمجھ لینے اور اُس کے مشکل الفاظ ومفردات کے یاد کرلینے پر اکتفا کرتے تھے، لیکن حضرت خواجہ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اُس کے چالیس مقامے حفظ کئے، بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" حفظ کی[1]۔

حدیث کی اجازت: آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدّث شیخ محمد بن احمد المارِیکلی مشہور کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ) سے پڑھی، جو مصنّف مشارق الانوار علاّمہ حسن ابن محمد الصّغانی کے براہ راست شاگرد تھے۔ فقہ میں اُن کو بیک واسطہ صاحب ھدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا، آپ نے اُن سے "مشارق الانور" کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی[2]۔

قلب کی بیچینی اور انجذاب الی اللہ: حضرت خواجہؒ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے، اور اُن کی بلند ہمتی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی کسلمندی اور تساہل کی روادار نہ تھی لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈھتا تھا، اس بحث ومباحثہ اور علوم ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہوجاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کیساتھ نشست و برخاست رکھتا تھا، ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلاجاوں گا، اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے، اور ہمیشہ علمی بحث ومباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن

---

[1] سیر الاولیاء۔ص ۱۰۱

[2] سیر الاولیاء (۱۰۵)۔ اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظہ منقول ہے، ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت کے ۶۳۶ھ کے حساب سے) ۴۳ سال تھی اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۶۶۴ھ) کے تیرہ سال کے بعد اس وقت کا ہے جب آپ مسند ارشاد و تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت دُور دُور پھونچ چکی تھی اجازت نامہ میں آپ کے لئے الشیخ الامام العالم الناسک السالک اور مقبول المشائخ الکبار منظور العلماء الأخیار الأبرار کے الفاظ ہیں اس عمر وشہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصولِ اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علو ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا، میں کچھ دن تمہارے یہاں مہمان ہوں امیر حسن علا سجزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصّہ ہے، فرمایا "ہاں"۔

والدہ صاحبہ کا انتقال: دہلی کے قیام میں حضرت خواجہؒ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد: ایک روز عرصہ کے بعد حضرت خواجہؒ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا، ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سُننے میں نہیں آتا تھا۔اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نکرد شبہائے وصال را بہ زنجیر نکرد[1]

والدہ کا یقین و توکل: حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں: ایک دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا اور قدمبوسی کی اور نئے چاند کی مُبارکباد معمول کے مطابق پیش کی۔ فرمایا کہ: آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدمبوسی کروگے ؟میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے، میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا، میں نے کہا کہ: مخدومہ مجھ غریب وبیچارہ کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں ؟ فرمایا اس کا کل جواب دونگی میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ: جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔اُن کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا، آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بُلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہاں ہاں، جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ: کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا، اب میں اس کا جواب دیتی ہوں غور سے سُنو فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے، میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: خدایا اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جاں بحق تسلیم ہوئیں میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی[2]۔

---

[1] فوائد الفواد (ص ۷۴)

[2] سیر الاولیاء (ص ۱۵۱)

ایک تمنائے خام: اس وقت دار الحکومت دہلی کی پوری فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے حلقے قضا وافتا کے تذکروں، ان منصبوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے جاہ جلال اور دولت و ثروت کے قصّوں سے معمور و گرم تھے حضرت خواجہؒ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ رُوحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا ولولہ اور اُمنگ پیدا ہوتی تو فطرت انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے ایک دن شیخ نجیب الدینؒ متوکل سے عرض کیا کہ دُعا کیجئے کہ میں قاضی ہو جاؤں شیخ نجیب الدینؒ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انھوں نے سُنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ دُعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہوجاؤں شیخ نے فرمایا قاضی مت ہو کچھ اور چیز ہو۔[1]

اجودھن کی پہلی حاضری: حضرت خواجہؒ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیر کے برادر حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے، اور کچھ عرصہ اُن کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا، اُن کی صحبت اور گفتگو نے شیخ کبیر کے ساتھ محبّت کی اس چنگاری میں جو کمسنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبعیت میں ودیعت تھی، اشتعال و حرکت پیدا کردی آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کرلیا، اور بالآخر آپ انکی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

طالب یا مطلوب؟ اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراغت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ پائے بوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بے چین کئے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے بیان کروں لیکن شیخ کے رعب وجلال سے زبان اور قوت گویائی نے ساتھ نہ دیا، اتنا ہی کہہ سکا کہ قدمبوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا ''لکلّ داخل دهشة'' ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے۔[2]

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۸)

[2] فوائد الفواد (ص ۳۱)

مرید کی خاطر: شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالب علم کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہر گز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے معزز مسافر، کتنے حافظ کلام اللہ، کتنے عاشقان خدا زمین پر سورہے ہیں، میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ مولانا بدرالدین اسحاق کو پہنچی ،انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہ دو کہ تھیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل؟میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔فرمایا کہ جاؤ چارپائی پر سو[1] ۔

بیعت: اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے اُس کی تکمیل کی، اور شیخ کبیرؒ سے بیعت ہوگئے، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی[2] ۔

سلسلہ تعلیم کا اجرا یا انقطاع؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب وشوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ کو ختم کیا جائے، اور علم حقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض وغایت ہے۔ گویا سعدیؒ کا یہ شعر حسب حال تھا:

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست　　علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طول طویل سلسلہ پہلے بھی قلبِ حسّاس اور رُوحِ بیدار پر بار تھا، لیکن اس کو ایک ضرورت سمجھ کر اور اسلئے بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا اختیار کیا تھا، اب جبکہ یقین کا سرِ رشتہ اور علم حقیقی کا سر چشمہ مل گیا اس سلسلہ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا، اور زبان حال کہہ رہی تھی:

میری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز وشب　　مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم، نخیل بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کرلیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا، اور طریقت کیلئے بقدر ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اُس کو کی تھی ، پھر

---

[1] سیر الاولیاء(۱۰۷)
[2] ایضاً(ص ۱۰۷)

مولانا نظام الدین سے ارشاد تربیت کا جو عالمگیر کام لینا تھا اُس کی نازک ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت تھی۔ یوں بھی صاحب نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کردوں، اور اوراد و نوافل میں مشغول ہوجاو؟ شیخ کبیرؒ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا، وہ بھی کرو، یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے؟ یہ بھی فرمایا: کہ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیے[1]۔

شیخ کبیرؒ سے درس: شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو نبفس نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ: نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اسکے پڑھائے، اسکے علاوہ تمہید ابو شکور سالمی بھی اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی، اور چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔[2]

درس کی لذّت: حضرت خواجہؒ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذّت کو یاد فرماتےتھے، فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرتؒ کی زبان سے سُنے، وہ پھر کبھی سُننے میں نہ آئیں گے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرتؒ تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔[3]

خود شکنی کی تربیت: عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا، چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامّل رہا، خواجہ نے (سادگی اور نو عمری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا ''درویش راقوت تصحیح نسخہ سقیم نیست''۔ (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا، خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۰۷)

[2] سیر الاولیاء (ص ۱۰۶)

[3] فوائد الفواد (ص ۷۵)

لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلتے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحاق نے بتلایا کہ خطاب تمھاری طرف ہے حضرت خواجہ کے ہوش اُڑ گئے فرماتے ہیں کہ سر برہنہ کو دم دور پائے شیخ افتادم کہتے جاتے تھے نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہر گز مقصود نہ تھا، خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اُٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گذرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سراسیمہ و پریشان باہر آیا، ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنویں میں گر کر جان دے دوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا، اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رویا۔

شیخ کبیرؒ کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل میلاپ تھا، انھوں نے شیخ کبیرؒ سے خواجہ کا یہ حال کہا، جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی "بآمدم سر بر قدم مبارک آوردم" معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا۔ یہ سب میں نے تمھاری تکمیل حال کیلئے کیا، پیر مشاطہ مرید ہوتا ہے اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔[1]

فیصلہ کن موقع: حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیرؒ نے ان کے صرف اتنا کہہ دینے پر کہ "میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے"، اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ایک بڑا نازک وقت تھا، بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ "میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے"، اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت نہ تھی، لیکن شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی

[1] فوائد الفواد (ص ۷۲) یہاں پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشید کی ایک معمولی سی طلاع و معروض پر تنی برافروختگی اور آزردگی کا اظہار فرمایا، اسلئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ سب آزردگی یہ تکلف اور طالب رشید کی ترقی باطنی اور خود شکنی کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص اس کے لئے اپنے جتہاد سے مختلف ذرئع اختیار کر سکتا ہے، اور اس کے لئے کسی تقریب و موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک کے بتلا کے واقعہ سے اور ان کو اس کوتاہی پر جو اُن سے بلا ارادہ سرزد ہوئی تھی جو سرزنش کی گئی اور ُن کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اور کرایا گیا اُس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کیجا سکتی ہے۔

تھی، اتنی خود بینی بھی گوارا نہ تھی، پھر اس مسترشد کو کمال حال کے جس مقام تک پہونچانا تھا اُس کے لئے اضطرار و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی، لیکن ایک ذہین اور صاحب استعداد نوجوان کے لئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا۔ یہ وقت بڑا نازک اور فصیلہ کن تھا اور اسی پر اُسکے مستقبل کا انحصار تھا مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے:

"صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا دنیا دیکھ رہی تھی۔ اب مولانا نظام الدین کا فصیلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بحاث اور محفل شکن ہی کے لقب کو لیکر دنیا سے واپس چلے جائیں گے، جیسے لاکھوں ہی بحاث اور محفل شکن آئے اور چلے گئے یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اُس پر قدم رکھنے کی ہمّت کرتے ہیں اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے، ورنہ سچ یہی ہے:

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

چند کلیاں جو اب اُن کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور اپنی تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ پر وہ ڈٹ گئے ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور، میں نے غلطی ہی کیا کی ہے، ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی؟ یہی شوشہ اگر سامنے آجاتا وہی لمبی لکیر بن سکتا تھا ۔اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہو۔ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے، مزاج میں تندی اور غصّہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "نفسانیت" کا ثبوت بھی قرار دیا جاسکتا تھا بلکہ دین کی آڑ لیکر سلطان جی چاہتے، تو "اسوۂ حسنۂ نبویہ" کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے کے لئے آئے تھے، شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجودھن آنے سے مقصود نہ تھا، اس کو طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیب ہے، اسکے بعد تنقید کا حق ان کے لئے باقی ہی کب رہا تھا[1]"۔

ایک رفیق کی ملامت: خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیرؒ کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا، ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذکراہ کرتے تھے اجودھن آئے، انھوں نے جب مجھے پھٹے پُرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا "مولانا نظام

---

[1] "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت"۔ج ۲ (ص ۹۴-۹۵)

الدین نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا، اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے۔" میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور اُن سے معذرت کر دی، اسکے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ نظام اگر تمہارا کوئی دوست تمھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیونکہ چھوڑ دیا جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا، اور یہاں اس حال میں کیوں ہو تو تم اس کا کیا جواب دوگے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو　　　ترا سلامتی بادا مرا نگونساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اُس رفیق کے پاس لے جاو میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اُتارا اور کہنے لگا کہ تم یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصّہ سنایا، اُسنے یہ سُنکر کہا کہ تمھارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہونچا دیا ہے، مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر رکھ کر لے جاوں گا، غرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہونچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی، اور آپ کے حلقہ خدام میں داخل ہوئے[1]۔

کتنے بار حاضری ہوئی؟ حضرت خواجہ شیخ کبیرؒ کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر ہوئے[2]، پہلی یا کسی اور حاضری میں خلافت سے مشرّف ہوئے، تذکروں میں اسکی صراحت نہیں ہے۔

شیخ کی نوازشیں: ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ جمادی الاولی کو نماز جمعہ[3] کے بعد طلبی ہوئی، شیخ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۳۹-۲۴۰

[2] فوائد الفواد (ص ۴۲)

[3] یہاں سیر الاولیاء میں سنہ تسع وستین وستمائۃ (۶۶۹ ھ) یا تو غلط درج ہو گیا ہے، اور تسع خمسین ۶۵۹ مراد ہے سینئے کہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۶۶۴ ھ ہے، یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات ۶۷۰ ھ ہے، جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخبر الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے بہر حال سیر الاولیاء کے سنین میں تضاد ہے۔

کبیر نے اپنا لعابِ دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا قرآن مجید کے حفظ کی وصیت فرمائی فرمایا کہ خدا نے دین وُ دنیا تم کو دی، یہاں سب کچھ ہی ہے، دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا "برو مُلک ہند گیر" نظرة منک تکفینی[1]۔

رخصت اور وصیت : فرمایا کہ دہلی جانا تو مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نفلی) روزہ رکھنا نصف راہ ہے، دوسرے اعمال نماز و حج (نفلی) نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتخب کو دہلی میں دکھا دینا۔ ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ دار درخت ہوگے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی، استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ واپسی میں نے ہانسی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا بڑا اظہار مسرت کیا اور شعر پڑھا:

خدائے جہاں راہزاراں سپاس که گوہر سپردہ بگوہر شناس[2]

ایک دُعا کی درخواست : اسی حاضری میں یکم شعبان کو حضرت خواجہؒ کی طرف سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ: خلق کے در بدر نہ پھرنا پڑے درخواست قبول ہوئی اور دُعا فرمائی گئی۔[3]

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمھارے لئے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سنکر متفکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں پڑگئے، میرا کیا حال ہوگا۔ شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑو گے خاطر جمع رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔[4]

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۲۳)

[2] یضاً ۱۱۶-۱۱۷ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو ۶۶۹ ھ پھر دیا گیا ہے اُسکے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔

[3] سیر الاولیاء (ص ۱۲۳)

[4] ایضاً (ص ۱۳۲)

اجودھن سے دہلی کو: خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربیؒ سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیر رُوحانی اور خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم ومقدس مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیر بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالمِ اسلام کی سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کے دارالسلطنت کو جارہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغنا عن الخلق کے سوا کوئی زادِ راہ اور کوئی، ہتھیار وسلاح نہ تھا۔ مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے:

""ہند گیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دارالسطنت دہلی کی طرف روانہ ہوتے ہیں جہاں نیچے سے اوپر تک بیشمار جھوٹے آلہہ پرا جمائے بیٹھے ہیں، ان میں وہ بھی ہے جس کی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سے سر جُدا کر دیتی ہے وہ بھی ہیں جن کی نیازمندی خاک سے اُٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک پہونچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہورہی ہے، مناصب بٹ رہے ہیں، روپئے لُٹائے جارہے ہیں، گودیں بھر رہی ہیں، اور جن جن ذرائع سے یہ ساری چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ سب سے لیس ہیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی محفلوں کی محفل شکنی میں انکی عام شہرت ہو چکی ہے، کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی وصدرجہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھُلی پا رہے ہیں، لیکن اب خالق کی صورت میں جو الہ اُن کو مل چکا تھا، سینہ اُسی کے وزن سے اتنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی، قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی، جس کا اظہار وہی کبھی کبھی ان مشہور تیز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:

"ایمان کس تمام نہ شود تاہمہ خلق در نزدیکی او ہم چو پشک شتر نہ نماید"[1]

مجلس مُبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا، اپنی انھیں نمازوں کو نگاہِ خلق میں حصولِ عزّت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات راوی ہیں، کہ:

دریں میاں خواجہ، ذکر اللہ بالخیر یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۵۵)

چشم پُر آب کردو برلب مبارک راند	آنسو آگئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی
بسوز اوّل شیخ الاسلامی را، پس	کو جلاو، پھر آگ لگاو خانقاہ کو، پھر اپنی
خانقاہ را، بعد ازاں خود را۔[1]	خودی کو جلا کر خاک کردو۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کرکے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے۔۔۔۔۔۔اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اُسی کے پایہ تخت میں آپ پہونچ گئے"[2]۔

تصفیۂ حقوق: شیخ کبیرؒ نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا، اور اہل حقوق کوراضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے ۲۰ جیتل ایک شخص کے دینے ہیں، اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعارلی وہ کھو گئی ہے، میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی پہونچوں گا تو ان اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے بیس جیتل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا، میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا، کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اس کو پہونچا دیتا، معاش کی بڑی تنگی تھی، کبھی پانچ جیتل ہاتھ آئے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیتل ملے میں اُس بزاز کے دروازے پر پہونچا، اس کو آواز دی، وہ باہر آیا تو میں نے اُس سے کہا کہ تمہارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں، ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی مقدرت نہیں یہ دس جیتل لایا ہوں اس کو لے لو، دس انشاء اللہ اسکے بعد پہونچا دوں گا۔اُس شخص نے یہ سنکر کہا کہ ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو، اُس نے وہ دس جیتل تو لے لئے اور کہا کہ میں نے دس جیتل معاف کئے۔

اس کے بعد میں اُس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی، اُس نے مجھے پہچانا نہیں، میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعارلی تھی وہ کھو گئی، اب میں اس کی نقل تیار کرکے آپ کو دوں گا میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہونچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۳)

[2] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (ص ۱۵۰)

آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے اُسکے بعد اُسنے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی۔[1]

دہلی کی قیام گاہیں: خواجہ صاحبؒ اہلِ دہلی بلکہ اہلِ ہند کی خدمت کے لئے جب دہلی پہونچے تو باوجود اسکے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور ایوانوں سے آباد تھا اور روز نئی سے نئی عمارتیں بن رہی تھیں، خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، جب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، آپ نے اتنی قیام گاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کے لئے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔ سیر الاولیاء کے مصنّف میر خورد اپنے والد سیّد مُبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہؒ کے دوست اور رفیق تھے، اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ سیّد مُبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں:۔

''جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا، اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو سرائے میاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے ہیں اُترے، والدہ اور ہمشیرہ کو وہیں رکھا اور خود ایک قواس (کمان گر) کی بارگاہ میں جو سرائے مذکور کے سامنے تھی مقیم ہوئے۔ امیر خسروؒ کا بھی اسی محلّہ میں مکان تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد راوت عرض کا مکان خالی ہوا، اُس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے امیر خسرو کی معرفت جو راوت عرض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کیلئے مل گیا، آپ دو سال اس مکان میں رہے، یہ مکان شہر پناہ کے متصل مندروازہ دمندھ پل کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر پناہ کا برج اس عمارت کے اندر آگیا تھا، مکان کے ایوان و رواق بڑے بلند اور شاندار تھے۔ اس عرصہ میں راوت عرض کے لڑکے آگئے، سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا۔ آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ہم سروں پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں (جو سراج بقّال کے سامنے تھی) لے آئے۔ دوسرے روز سعد کاغذی نے جو شیخ صدر الدین کے مریدین میں تھے یہ قصّہ سنا، اور سلطان المشائخ کے پاس آکر بڑی عزّت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے گیا، بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی

---

[1] فوائد الفواد (ص ۱۴)

تھی وہاں آپ کو ٹھہرایا۔ سلطان المشائخ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے، اسکے بعد وہاں سے بھی اُٹھے۔ رکابدار کی سرائے میں جو قیصر پُل کے متصل تھی۔ سرائے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے، ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد میوہ فروش کی دو کانوں کے درمیان واقع تھا قیام اختیار کیا، اس درمیان میں شمس الدّین شراب دار[1] کے لڑکے اور اعزّہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزّت اور احترام کیساتھ شمس الدّین شراب دار کے مکان میں لے آئے، کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے اس مکان میں بڑی راحت اور سکون خاطر میسّر آیا[2]۔

فقر و فاقہ: خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتلا و تربیت کا وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے سالکوں کو جو آگے چل کر مرجع خلائق و سرچشمہ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے، یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زروجواہر دہلی اُمنڈ کر آرہے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جیتل میں دو سیر میدے کی پکّی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ آجاتا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب کے فقروفاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اُس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمشیرہ اور گھر کے اُن لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے۔ خربوزہ کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گذر جاتی اور خربوزہ چکھنا نہ نصیب ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا تا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ گذر جائے اور میں اسی حال میں رہوں۔[3]

غیر کے واسطہ کے بغیر: اسی زمانے میں جبکہ آپ شہر پناہ کے اس برج میں مقیم تھے جو مندہ دروازہ کے متصل ہے، کئی روز گذر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ ایک طالبعلم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے، اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو نور باف تھے اس کی اطلاع کی، وہ کھانا تیار کر کے لائے۔ کھانے کے لئے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا

---

1 بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ
2 سیر الاولیاء (۱۰۸)
3 سیر الاولیاء (ص۱۱۳)

خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اُسنے ہمیں خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا۔ کیا خبر کی ؟اُسنے کہا کہ۔فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کئ روز سے فاقہ سے ہیں ،چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کرکے لائے۔آپ نے فرمایا معاف رکھو۔کتنے ہی ان لوگوں نے کوشش کی،آپ نے کھانا قبول نہیں کیا[1]۔

شیخ کبیرؒ کی وفات: آخری بار آپ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے، فرماتے ہیں کہ ۵ محرم[2] کو شیخ کبیرؒ نے وفات پائی اور شوال کے مہینے میں مجھے حضرت نے دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی ابتداء ہوچکی تھی۔رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے ،ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا،خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا،شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی،میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرمارہے ہیں ،میں کھالوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر(فرض روزہ توڑدینے) کا کفارہ ادا کر دوں گا۔فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے تمھارے لئے جائز نہیں[3]۔

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ نظام الدین تو دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ۔ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا،ہانسی میں تھا۔فوائد الفواد میں ہے کہ یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے[4]۔

وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔مولانا بدرالدین اسحق نے شیخ کبیر کی وصیت کے مطابق جامعہ مصلے اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کیلئے شیخ کبیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔[5]

غیاث پُور کا قیام: فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ نے شہر کے شور وشر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لگتا تھا۔ایک روز قتلغ خاں کے حوض پر

---

1 جوامع الکلم (ملفوظات حضرت محمد گیسودرازؒ)ص ۲۹٦

2 ٦٦۴ھ

3 ۴۔فوائد الفواد (۵۳)

4 فوائد الفواد ص ۵۳

5 سیر الاولیاء ص ۱۲۲

تھا، ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا، وہاں ایک درویش یادِ خدا میں مشغول تھا، میں اُسکے پاس گیا اور اُس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں ؟ انھوں نے کہا ہاں میں نے کہا اپنی مرضی سے اس شہر میں رہتے ہیں ؟ اُسنے کہا یہ بات تو نہیں ہے۔ اسکے بعد اُس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا، بیرونِ کمال دروازہ اس احاطہ میں جو لبِ خندق ہے، اس دروازہ کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہداء کی چار دیواری بنی ہوئی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے، اُس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ، میں نے اسی وقت اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن مواقع پیدا ہوتے رہے، آج پچیس سال ہوگئے کہ میرا ارادہ باقی ہے لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی۔ حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کرکے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ کئی جگہ خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں، کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی[1] چلا جاؤں، وہاں ان دنوں ایک ترک تھا۔ کبھی دل کرتا تھا کہ بشنالہ چلا جاؤں، وہ ایک پاک صاف جگہ ہے۔ چنانچہ بشنالہ چلا گیا، تین روز وہاں رہا، کوئی مکان نہیں ملا، نہ کرایہ کا نہ بقیمت۔ ان تین دنوں روزانہ کسی ایک کا مہمان رہتا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا کہ ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا، وہاں ایک باغ میں جس کو "باغ حیرت" کہتے ہیں اللہ سے مناجات کی، طبعیت متوجہ تھی میں نے عرض کیا کہ خداوندا میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں، اس درمیان میں ایک غیبی آواز "غیاث پور" کے نام کی آئی، میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے؟ میں نے جب آواز سُنی تو ایک دوست کے پاس گیا، وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا، جب میں اُسکے گھر گیا اور اُس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہی غیاث پور ہے۔ الغرض غیاث پور آیا۔ اُس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا، ایک غیر معروف جگہ تھی، آدمی بھی کم تھے۔ میں آیا اور

---

[1] ضلع انبہ میں ایک قصبہ ہے جو خسرو کا ننہال یہیں تھا اور اسی تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے۔

میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی ۔جب کیقباد[1] نے کیلو کھری[2] کو اپنی فرود گاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلائق ہوا، امراء اور اعیان سلطنت اور اُن کے متعلقین کی آمدورفت شروع ہو گئ، جب میں نے یہ اژدحام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلاجانا چاہیے ،اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے اُستاد بھی تھے ،شہر میں انتقال ہوا ،میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل جب میں اُن کے فاتحہ میں جاؤں گا پھر کسی طرف کا قصد کروں گا،اپنے دل میں اس کو طے کر لیا اسی روز نماز عصر کے وقت ایک جوان آیا حسین لیکن نحیف خدا جانے مردان غیب میں سے تھا یا کون تھا۔اُسنے آتے ہی مجھے خطاب کر کے یہ شعر پڑھا۔

آں روز کہ مرشدی نمی دانستی　　　　که انگشت نمائے جہاں خواہی شد

(جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا،اُسی روز سمجھنا چاہئیے تھا کہ ساری دنیا کی اُنگلیاں تمھاری طرف اٹھیں گی)

حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اُسنے کچھ اور باتیں بھی کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے،اُسکے بعد اُسنے یہ کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیے،اور جب کوئی شخص مشہور ہوجائے تو پھر ایسا بننا چاہیے کہ کل روز قیامت رسول اللہ ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اسکے بعد اُسنے کہا کہ یہ کیا ہمّت وحوصلہ ہے کہ خلقِ خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے اور یاد خدا میں مشغول ہوا جائے ۔اُس کا مقصود یہ تھا کہ قوت وحوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یادِ خدا میں مشغول ہو۔جب اُسنے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لا کر اُسکے سامنے رکھا اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا اُسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا،جب میں نے یہ نیت کر لی، تو اُسنے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔[3]

رجوع عام: غیاث پور کے دوران قیام میں خلقِ خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا،اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

---

[1] سطان معزالدین کیقباد(۶۸۶ھ-۶۸۸ھ) بغراخان کالڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا ۳ سال حکومت کی۔

[2] سر سید احمدخان آثار الصنادید میں لکھتے ہیں معزالدین کیقباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا ور کیلوکھری س کانام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں لیکن اسی جگہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے ور دس پانچ جھونپڑے موجود ہیں۔(آثار الصنادید باب ۳ ص ۴)

[3] سیر الاولیاء ص ۱۲۹

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مُدت گذرنے کے بعد آپ کی ذات با برکت کو مرجعیت اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرتِ عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عُسرت اور بے اسبابی کا دور گذرا، یہاں تک کہ ایک عرصہ تک آپ سخت گرمیوں اور لو دھوپ کے زمانے میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا تشریف لیجاتے تھے یہاں تک کہ اس ''عُسر'' کے بعد ''یسر'' کا دور آگیا[1]، اور وہ رجوع عام شروع ہوا کہ اُسکے سامنے سلاطین دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی، امیر خسروؒ کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی۔

در حجرہ، فقر بادشاہی — درعالم دل جہاں پناہی
شاہنشہے بے سریر وبے تاج — شاہا نش بہ خاک پائے محتاج

فقیر منعم: صاحب سیر الاولیاء رکھتے ہیں کہ وارد وصادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا اور سعادت قدمبوسی حاصل کرتا، کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا۔[2]

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا:

''فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشاء تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کچھ کوئی لاتا اُس سے زیادہ حضرتؒ کی عنایت سے پاتا۔''[3]

بیداری پر پہلا سوال: عادت مبارک تھی کہ جب قیلولہ سے اُٹھے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے، ایک یہ کہ زوال ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اُس کو انتظار نہ کرنا پڑے۔[4]

---

[1] **فإنّ معَ الْعُسْرِ يُسْراً، إنّ معَ الْعُسْرِ يُسْرا۔** بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔

[2] سیر الاولیاء

[3] سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (ص ۲۰۲)

[4] سیر الاولیاء (۱۶۶)

دنیا سے تنفر اور بذل وعطا: دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی، اکثر اگریہ فرماتے جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اُتنی ہی زیادہ گریہ کرتے، اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہوجائے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے، جب سب تقسیم ہوجاتا اور ضرور تمندوں کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر خواں ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرادیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو، اس کے بعد مسجد جاتے، اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا، اور ان کی نذر اور آمد آمد کی خبر پہونچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ کہاں آئے ہیں فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔[1]

زمین وجائداد سے پرہیز: امیر حسن علاء سنجری فرماتے کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا ان دنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اُسکے سازو سامان کی دستاویز حضرتؒ کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت واخلاص کا اظہار کیا تھا۔ حضرتؒ نے قبول نہ فرمایا متبسم ہوکر فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کرلوں تو پھر لوگ کہا کرینگے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں ۔میرے کام سے اس کو کیا مناسبت ؟ہمارے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین وجائداد قبول نہیں کی۔[2]

فقیر کا شاہی دستر خوان: خود دائم الصوم تھے ، لیکن دونوں وقت شاہی دستر خوان لگتا اور انواع واقسام کے کھانے وافر مقدار میں چُنے جاتے ،امیر وغریب ،شاہ وگدا،شہری وپردیسی ، صالح وگناہگار کسی کی تفریق نہ تھی،سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے ،لے جانے کی بھی اجازت تھی بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے، یہ شاہی دستر خوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا، اسی دستر خوان پر بیٹھ کر سینکڑوں ہزاروں غرباء کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی نام سُنے تھے ، بڑے بڑے امراء دربار اور اعیان سلطنت کو بھی اس دستر خوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس

---

[1] یضاًص ۱۲۹

[2] فوائد الفواد ج ۱ ص ۹۹

کھانے کی لذّت کو وہ یاد کرتے تھے، ہدایت وارشاد اور سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ (جس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا حضرت خواجہؒ کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پوری روانی کیساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگان خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے درویش کے اس خوان سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

"آج جن چیزوں پر ایوان نعمت کے قصّوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رویا جاتا ہے گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدۃ ٹیبل ٹاک اور ہضم کرنے کا چورن ہے ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیہ اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں، ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا گذر چکا کہ ولی عہد سلطنت خضر خاں تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا، لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اُسے بھی مالگزاری داخل کرنی پڑتی تھی[1]۔

یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعے سے ملک کے عام غربا فقراء تک اُن کا حصہ پہونچ جاتا تھا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ :۔

"مال صوفی سبیل است[2]" غربت وامارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراءو غرباء دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اس سے غریب اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ یسا ہوگا۔ جہاں "تؤخذ من أغنياء هم وتردّ على فقراءهم" "انکے دولتمندوں سے لیا جائےاور ان کے ضرورتمندوں کوپہونچادیا جائے"، کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق وصفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا خصوصا جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہوجاتا تھا، یوں سمجھیے کہ غربا کی قسمت جاگ اٹھتی تھی[3]۔

---

1 نظام تعلیم (ص۲۱۴)
2 ایضاً (ص۲۱۴)
3 نظام تعلیم (ص۲۲۰)

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھئے اور اس پر غور کیجئے، آپ کو نظر آئے گا کہ امراء اور غرباء کے درمیان ان بزرگوں کا وجود باجود حلقۂ اتصال بنا ہوا تھا۔۔۔ اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے، ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، مسلمانوں، بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں، بلکہ ان ہی کے ذریعے سے غریبوں تک بھی وہ ''نعمتیں'' پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانے کے غریبوں نے شاید نہ سُنا ہو[1]۔''

شیخ کی غذا: شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اُس شاہی دسترخوان پر جس پر انواع و اقسام کے کھانے اور الوان نعمت ہوتے، ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلہ وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے[2]۔ آپ کے ایک مرید با اختصاص مولانا شمس الدّین یحیٰؒ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

''میں ایک مرتبہ دستر خوان پر موجودہ تھا افطار کے وقت میری نظر سُلطان المشائخ پر تھی میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کیلئے جو ہاتھ پیالہ کیطرف بڑھایا تھا وہ آخر تک وہیں رہا، مُنھ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دستر خوان بڑھادیا گیا''۔[3]

ترتیب: دستر خوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے مخدوم زادگان (مرشد سے نسبت قرابت رکھنے والے) ہوتے، پھر علماء پھر رؤساء و اشراف[4]۔

سلاطین عہد سے بے تعلقی: سلسلہ چشتیہ کی بُنیاد سلطنت ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنت اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت و انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے سلاطین وقت سے بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی، اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار

---

1 نظام تعلیم (ص ۲۲۸)

2 سیر الاولیاء ص ۱۲۵

3 یضاً ص ۱۲۵

4 سیر الاولیاء ص ۲۰۲

اور مشائخ چشتیہ کا مقدّس ترکہ اور امانت بن گئی تھی مشائخ چشت نے اس "شیشہ و آہن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا تھا۔ایک طرف وہ دربار کے غلط رحجانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے استیصال سے غافل اور غمِ اسلام سے خالی اور اس مُلک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہ راست کوئی تعلق رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدینؒ تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے مُلاقات کرنی ہے ،اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے ،اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں اُلجھا ،اور انقلابات سلطنت کا ان کے مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ان کا اخلاص ،ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلّم رہی ،اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا،اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبولیت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب سے شیخ کبیرؒ کے پاس سے ہندوستان کی تسخیر رُحانی اور تبلیغ وارشاد پر مامور ہو کر آئے تھے دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جاہ جلال کیساتھ سلطنت کی لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت وحرمت کی مجلس مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔

غیاث الدّین بلبن کے عہد سلطنت میں ان کا آفتاب شہرت وقبولیت نصف النّہار پر نہیں پہنچا تھا اس لئے غیاث الدّین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی معزالدین کیقباد لہوولعب اور سیروشکار میں مشغول رہا۔

جلال الدّین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحب علم وحلم جوہر شناس ،اور ارباب کمال کا قدر دان تھا اور حضرت خواجہؒ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی ۔جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی، لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی ۔آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف بردار

تھے) یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دے دی جائے،اس لئے اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو،اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسروؒ کواپنا راز دار بنایا تھا لیکن اپنے مرشدؒ سے راز داری امیر خسروؒ کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔امیر نے حضرت خواجہؒ سے جا کر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا حضرت خواجہ نے یہ سُنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے اجودھن کارُخ فرمالیا اور روانہ ہوگئے بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسروؒ پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کردیا، اور حضرت خواجہؒ کی قدمبوسی کی سعادت سے محروم کردیا۔ امیر خسروؒ نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا، لیکن مرشد کی رنجش سے سلب ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حلیم وفرزانہ تھا اُس نے اس جواب کو پسند کیا،اور خاموش ہوگیا۔[1]

سُلطان علاء الدّین کا امتحان اور عقیدت:سُلطان علاء الدّین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبر وت اور اقبال مند بادشاہ اور سکندر ثانی ہے،اپنے چچا جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ابتداء میں اُس کو حضرت خواجہؒ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ تنفّر تھا۔بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہؒ کی طرف سے بد گمان کرنے کی کوشش کی ،اور انکی مقبولیت اور رجوع عام سے سلطنت کیلئے خطرات ثابت کئے سُلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا جس میں آپ سے انتظام سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی گئی تھی ۔جب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہؒ کی خدمت میں آیا،آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لےلیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ہم دُعا کرتے ہیں اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہ سے کیا کام ؟

میں ایک فقیر آدمی ہوں،شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہی ، بادشاہ اور مسلمانوں کیلئے دعا گوئی میں مشغول ہوں ،اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرض کرنا ہے میں یہاں سے بھی چلاجاتا ہوں،اللہ کی زمین وسیع ہے۔ سلطان علاء الدّین اس جواب سے بہت خوش ہوا،اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہؒ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۵

کو امورِ سلطنت دسیاست سے کوئی سرور کار نہیں، لیکن بد خواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑا دیں اور اس طرح ملک تباہ ہوجائے۔[1]

بادشاہ کے آنے سے مغذرت: سُلطان نے حضرت خواجہؒ سے بڑی مغدرت کی اور کھلوایا کہ "میں آں مخدوم کا معتقد ہوں، مجھ سے گستاخی ہوئی معاف کیا جائے، اور حاضری کی اجازت دیجائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں"۔ حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ "آنے کی حاجت نہیں میں غائبانہ دُعا کرتا ہوں، اور غائبانہ دُعا بڑی مؤثر ہوتی ہے۔"[2]

گھر کے دو دروازے: سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کے لئے بڑا اصرار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا میں دوسرے دروازے سے باہر چلاجاوں گا۔[3]

غمِ اسلام: اگرچہ علاء الدین حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا، لیکن اس کو آپ سے برابر عقیدت رہی، اور وہ مہمات سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہؒ سے رجوع کرتا رہا، ایسے موقع پر وہ آپ سے دُعا کی درخواست کرتا، اور آپ اہتمام کے ساتھ دُعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں: کہ جب ملک نائب (کافور) درنگل کے محاصرے میں مشغول تھا، تلنگانہ کا راستہ پُرخطر ہو گیا تھا، راستہ کے تھانے اور چوکیاں بھی اُٹھ گئیں تھیں، چالیس روز سے زیادہ ہوگئے تھے، کہ لشکر کی سلامتی اور خیریت کی اطلاع سُلطان تک نہیں پہنچی تھی، سُلطان کو بڑا تردد تھا، اکثر اعیان وامراء دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کے نذر ہو گیا کہ سلسلہ رسل ورسائل منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکرو تردد کے ایّام میں ایک روز سُلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا اور کھلایا کہ لشکر اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے، آپ کو اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے، اگر نور باطن سے آپ کو لشکر کا

---

1. سیر الاولیاء ص ۱۳۴
2. ایضاً ص ۱۳۵
3. یضاً ص ۱۳۵

کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن و مسرور فرمائیں ، سُلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی حضرتؒ کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اُس کو محفوظ رکھیں ،اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں ۔وہ دونوں حضرات شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے سُلطان کا پیغام پہنچایا ،آپ نے پیغام سُننے کے بعد بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ" یہ فتح کیا ہے ہم اور فتوحات کی بھی اُمید رکھتے ہیں "۔ یہ سنکر ملک مرزا بیگ اور قاضی مغیث الدین شاداں و فرحاں واپس آئے اور سُلطان کو جواب سُنایا سُلطان یہ جواب سنکر بہت خوش ہوا ، اُس کو یقین ہو گیا کہ درنگل فتح ہوچکا ۔۔۔اُسی روز نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور درنگل فتح نامہ لائے جمعہ کے دن وہ فتح نامہ منبروں پر سے پڑھ کر سنایا گیا، صحن میں خوشی کا نقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں سُلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔[1]

ایک دوسری مرتبہ جب مغل دہلی پر حملہ آور ہوئے سُلطان بنفس نفیس جنگ میں شریک تھا،اُس نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کروایا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے ،آپ متوجہ رہیں۔ حضرت خواجہؒ نے تمام اہل خانقاہ سے ارشاد فرمایا کہ :متوجہ الی اللہ رہیں ،اور خدا سے مُسلمانوں کی فتح کی دُعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں فتح کی خبر آئی مغلوں نے شکست فاش کھائی۔[2]

قاضی ضیاء الدّین سُلطان علاء الدین کے اہل دربار میں سے تھے کہتے ہیں کہ :اپنے پورے عہد حکومت میں کبھی سُلطان کی زبان سے حضرت خواجہؒ کے بارے میں کوئی خلاف شان بات نہیں نکلی اگرچہ دشمن اور حاسدین شیخؒ کی شاہانہ داد و دہش ،رجوعِ خلائق اور شاہی لنگر کو سُلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان بد گمان ہوجائے، لیکن سُلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا،اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اُس کو حضرتؒ سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، اس سب کے باوجود کبھی مُلاقات کی نوبت نہ آئی۔

نظام الاوقات: روزہ افطار کرنے کے بعد (جو اہل جماعت کی ساتھ ہوتا تھا)اپنے بالاخانہ کے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے، احباب وخدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوئے ہوتے تھے مغرب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۳۳
[2] سیر الاولیاء ص ۱۶۰

وعشاء کے درمیان اوپر ہی بُلالئے جاتے تھے ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور مُلاقات کا شرف حاصل ہوتا ہر قسم کے تروخشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف ولذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں ، حاضرین مجلس تناول کرتے، آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور خیریت وحالات دریافت فرماتے۔[1]

امیر خسرو کی خصوصیت: عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے، جماعت کیساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لے جاتے، کچھ دیر مشغول رہتے ، پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لے جاتے ،اُس وقت خدام تسبیح لا کر آپ کے ہاتھ میں دیتے ،اُس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی[2] وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے،آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ تُرک کیا خبر ہے؟امیر خسرو اتنی بات سُنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے ،اگر آپ نکتہ پوچھتے تو وہ پوری داستان سُناتے[3]۔اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرتے۔

نخفت خسرو مسکین ازیں ہوس شبہا   کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد بخواب شود

شب کی تیّاری: جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوتے تو اقبال خادم آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کے لئے رکھ کر باہر چلے جاتے ،اس کے بعد حضرت خواجہؒ خود اُٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے ، پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں ،خدا ہی جانتا ہے کہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۵

[2] امیر خسرو کو حضرت خواجہؒ سے جو والہانہ عاشقانہ تعلق تھا وہ اُن کے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے جیسے کو گل سے در پروانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے اُسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا حضرت خواجہؒ کو بھی اس عاشق صادق سی یسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ۔ ''من از ہمہ تنگ آیم و از تو تنگ نیایم ''مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں ہوتی مزید برآں ایک بار فرمایا ''از ہمہ کس تنگ آیم تا حدے کہ از خود تنگ آیم و ز تو تنگ نیایم '' بعض اوقات اپنے سے بھی اُکتانے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں اکتاتا (سیر الاولیاء ص ۳۰۲)ایک بار رشاد فرمایا کہ یک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر وخسرؒ کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر ڈال دیجیے ۔میں نے اُس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اُس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ۔(۳۰۲)

[3] بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را   من از شوق حضوری طول دادم داستانے را

تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق وشوق کی باتیں ہوتیں۔ حضرت خواجہؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔

تنہا نہم وشب وچراغی　　　مونس شدہ تا پگاہ روزم
کاہش زآہ سرد بکشم　　　گاہ از تف سینہ بر فروزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبان مُبارک سے سنُا گیا ہے، اور حکایت حال ہے۔

بارے بہ تماشائے من وشمع بیا　　　کزمن دمکے نماند وازوے دودے

سحری: سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا، حضرت خواجہؒ دروازہ کھول دیتے، سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو۔ خواجہ عبد الرحیم جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا، بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا، اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقہ سے رات گذار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اُتر سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اُٹھا کر لے جاتا۔

صبح کے وقت: جب دن ہوتا جس کی جمال مبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں بیداری سے سرخ ہیں، ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی ضعف نظر نہ آتا، اور آپ کی کسی ہیئت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا، کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں، یا اتنی تسبیح کا معمول ہے عمر عزیز ان باطنی مشغولیتوں میں گذرتی جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں مشغول رہتے، جس سے افضل کوئی کام نہیں۔

ع دل بدست آور کہ حجِ اکبر است

دن میں: دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول متوجھاً الی اللہ

تعالٰی کأنّہ ینظرُالیہ (اللہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا وہ روبرو ہے) بیٹھ کر گذار دیتے آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے علماء و مشائخ، صدور و اکابر، وضیع و شریف ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اُسی میں اُس سے گفتگو کرتے اور اُس کی دلجوئی فرماتے، ظاہری طور پر اُن میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول بحق ہوتے[1]۔

دلداری و تربیت: نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدمبوسی کیلئے آئے ہوئے ہوتے اُن کو طلب فرمایا جاتا اور اُن سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گزرتا عبادات و سلوک و محبت الہیؔ کے بارے میں اُن کی رہنمائی کی جاتی، اکابر علماء و صلحاء کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) ہمّت نہ ہوتی کہ سر اُٹھا کر چہرہ مُبارک کو دیکھتے، ایسا رعب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قربِ سفر: عمر مُبارک جب اسی سے متجاوز ہوئی تو سفر آخرت کے آثار نمایاں ہوئے۔ایک روز ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں حضرت سرور عالم ﷺ کی زیارت کی ارشاد ہوا، نظام ہم کو تمھارا بڑا اشتیاق ہے[2]۔

خلفاء کبار کو اجازت نامے اور انکی محبت و مواخات: بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی، اور اجازت نامے لکھ کر دیئے۔ مولانا فخر الدین زراوی نے ان کا مضمون مرتب کیا، اور سیّد حسین کرمانی نے اُن کی کتابت کی، آپ نے اُن پر اپنے دستخط مبارک ثبت کئے، دستخط کے الفاظ یہ تھے "من الفقیر محمد ابن احمد ابن علی البد اؤنی البخاری" ان اجازت ناموں پر ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ درج ہے، گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں[3]۔

جن حضرات کیلئے یہ اجازت نامے تھے اُن کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے، جو حضرات موجود تھے اُن کو بلا کر خود عطا کئے گئے پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے خلعت خلافت

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۵ و ۱۲۹

[2] ایضاً ص ۱۴۱

[3] حضرت خواجہؒ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی۔

عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ اُن کو مرحمت ہوا، اور ارشاد ہوا کہ جاؤ دوگانہ ادا کرو، دوستوں نے مبارک باد دی ۔اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا، اُن کو بھی خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی ۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوئے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارک باد دو، پھر شیخ نصیر الدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارکباد دو، دونوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی، پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو، تقدیم وتاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔[1]

وفات کا حال: وفات سے ۴۰ روز پیشتر استغراق و تحیّر کی کفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خورد نے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے، اُن کا بیان ہے:

جمعہ کا دن تھا، سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی، نور تجلی سے ان کا باطن منور معلوم ہورہا تھا، نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے ۔اسی حالت تحیّر میں مکان تشریف لائے، گریہ میں ترقی ہو گئی۔ روزانہ کئی بار غیبوبت و استغراق ہوجاتا تھا، پھر توجہ ہوجاتی تھی، یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہے، دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہوجاتا ہے ۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں، ہر نماز کو مکرّر ادا کرتے، جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرّر فرماتے: آج جمعہ کا دن ہے؟ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی یہ مصرع پڑھتے۔

"می رویم ومی رویم ومی رویم"

اسی دوران میں ایک روز تمام خدام مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: "تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سے بچالی ہے تو کل روز قیامت اُس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔" اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں

---

[1] سیر الاولیاء ۲۲۰- ۲۲۱- ۲۲۲- ۲۴۸- ۲۴۹-

چھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔اور واقعی اُس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا، سوائے اُس غلّہ کے جو چند دن کیلئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کردیا تھا۔ میرے چچا سیّد حسین نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے اُن کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بُلاؤ۔جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلّہ بے تکلف اُٹھالے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اُس نے غلّہ کو لوٹ لیا۔اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدمتگار حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا کہ آں مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہو گا؟ فرمایا کہ یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گذر ہوجائے۔میں نے بعض معتبر مشائخ سے سُنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون نصیب ور[1] ہو گا؟

فرمایا جس کی قسمت یاوری کرے گی بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا مولانا شمس الدین وامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنا لی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اُس کی عمارت میں آرام فرمائیں[2] اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خودرائی سے کام نہ کرے۔مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہونچایا تو ارشاد ہوا کہ میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا، بعد میں سلطان محمد تغلق نے اُس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی، کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی، گریہ اس شدّت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیلئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔

گر نہ بینی گریہ زارم ندانی فرق کرد
کاب چشم است اینکہ پیشت می رود یا آب جو

---

1 غالباً جانشینی و خلافت کے متعلق سوال تھا

2 یعنی مدفون ہوں

اسی درمیان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شوربہ لائے مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناوں فرمالیں۔سلطان المشائخ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ فرمایا"بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو" آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔میرے چچا سیّد حسین نے عرض کیا کئی دن ہوگئے ہیں کہ آں مخدوم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا سیّد، جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی ملاقات کا مشاق ہو اُس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے۔ الغرض ۴۰ روز کی مدّت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اُسی طرح بات بھی بہت کم کی۔آخر چہار شنبہ کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع آلاخر ۷۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت، حقیقت و معرفت اور ہدایت وارشاد کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ:"مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ۴سال تک دہلی میں اسلئے رکھا گیا کہ مجھے اس نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو"۔[1]

ساری عمر تجرّد میں گذری اسلئے کوئی اولاد نہیں تھی رُوحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا، اور ابھی تک جاری ہے۔

ماخوذاز"تاریخ دعوت وعزیمت،ج ۳"

[1] سیر الاولیاء ص ۱۵۲-۱۵۵

سیدنفیس الحسینی

سیّد علی لاحِق

م ۷۵۷ھ

سید غلام علی آزاد بلگرامی نے آپؒ کے بارے میں اپنی تصنیف "مآثر الکرام (ص ۲۸۴_۲۸۵)" میں لکھاہے:

"از ذریت طیّبہ امام زین العابدین علیہ السلام،
وصاحب ولایت آن مقام است،
مزار مبارک در بلدہء سیالکوٹ"۔

سید صباح الدّین عبدالرحمن نے اپنی تالیف بزم صوفیہ میں (ص ۱۰۲) پر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر (م ۶۶۴ھ) کے خلفاء میں آپ کا نام مبارک درج کیاہے۔

آپ کا شجرہء نسب اس طرح بیان کیاجاتاہے: حضرت امام سید علی لاحِق بن حسن مکی بن سید احمد بن سید یوسف بن سید اسحاق بن سید ہاشم بن سید عبدالرزاق بن سید عربی بن سید محمد صالح بن سید علی اکبر علی بن سید طاہر بن سید محی الدین بن سید عبداللہ بن سید الحسن سرآہنگ احمد بن سید موسیٰ بن ابراہیم اصغر بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں سیالکوٹ کے راجہ سہنپال کے مظالم کی شہرت ہوئی اُس کی سر کوبی حضرت امام سید علی لاحق کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ سہنپال نے ایک مسلمان بیوہ بڑھیا کے نوجوان اکلوتے بیٹے کو شہید کر کے قلعہ کی دیواروں پر اُس کے خون کا چھڑکاؤ کیا اُس کی بیوہ ماں کی فریاد حضرت سید علی لاحق کی بارگاہ تک پہنچی چنانچہ امام سید علی لاحق کی سر کردگی میں ایک لشکر جرار علم جہاد بلند کئے ہوئے سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوا اور دلی سے منزل بہ منزل طے کرتا ہوا سیالکوٹ کی طرف بڑھا راستے میں جالندھر کے مقام پر حضرت کے مجاہد بہادر غازی بھائی سید ناصر الدین بیمار ہوئے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے حضرت امام علی لاحق کا لشکر جہاد کی منزلیں طے کرتا رہا۔ جگت پور کے مقام پر جو سیالکوٹ سے پندرہ بیس میل کے فاصلے پر ہے لشکر اسلام زبردست معرکے سے دوچار ہوا اس مقام پر بھی بہت سے شہداء نے جام شہادت نوش کیا جس میں حضرت سید برخوردار نے بھی جام شہادت نوش کیا اس مقام کی فتح کی خوشی میں جگت پور کا نام ''پسرور'' رکھ دیا گیا۔ یہاں سے لشکر اسلام سید غالب علی غازی کی سر کردگی میں ہنس پورہ پر حملہ آور ہوا یہ قلعہ ٹھاکر ہنس پال برادر زادہ راجہ سہنپال کا تعمیر کردہ تھا۔ ٹھاکر اور اس کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ سید غالب علی غازی بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ لشکر اسلام فتح کا علم بلند کئے ہوئے یہاں سے سیالکوٹ کی منزل کی طرف بڑھا یہاں بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی غازیانِ اسلام نے حضرت سید امام علی لاحق کی سر کردگی میں سیالکوٹ پر ''ایک ندی'' کے جنوبی جانب سے حملہ کیا۔ اور سیالکوٹ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔

بڑا زبردست معرکہ ہوا راجہ سہنپال کی فوجوں کو شکست فاش ہوئی غازیانِ اسلام نے فتح پائی لیکن بہت سے مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا حضرت سید امام علی لاحق بھی اس معرکہ میں شہادت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے اور بالآخر اسی شہر میں سپرد خاک ہوئے۔ مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ آپ کا سال شہادت ۷۵۷ھ ہے۔

○

مولانا صباح الدین عبد الرحمنؒ

حضرت سیّد جلال الدّین بُخاریؒ

مخدومِ جہانیاں جہاں گشت

م ۷۸۵ھ

اسم گرامی و لقب: اسم گرامی سید جلال الدین تھا، لیکن عام طور پر "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ صدر الدینؒ اور حضرت شیخ رکن الدینؒ کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا، اور مراقبہ میں عیدی طلب کی، توان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں مخدوم جہانیاں کا لقب ملا، اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ "مخدوم جہانیاں" آتے ہیں[1]۔

چونکہ سیاحت بہت کی، اس لئے "جہاں گشت" بھی کہلائے، ان کی سیاحت کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے: "سیاحت بسیار کردہ واز بسیار از اولیاء نعمت و برکت یافتہ۔" (ص ۱۴۳)

مرآۃ الاسرار میں ہے: "واکثر سفر ربع مسکون نمودہ وجمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ وچہل یک کردہ ریافت۔"

خاندان: حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کے دادا کا اسم گرامی بھی سید جلال الدین تھا، تذکرہ نگاران

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵۶-۱۵۷

کا نام عموماً سید جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں[1]، وہ بخارا سے بھکر آئے[2]، اور بھکر سے ملتان آکر حضرت بہاء الدین زکریا سے بیعت کی، اور تعلیم و تربیت کے بعد خرقۂ خلافت بھی پایا[3]، ان کی بزرگی کے بارہ میں سفینۃ الاولیاء میں ہے: "از بزرگان صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بوداند۔" (ص ۲۱)

بھکر کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سید بدر الدین کی لڑکی سے عقد کیا، اس عقد کی بشارت حضرت رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دی تھی، اس کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اچہ منتقل ہو گئے، اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی[4]، اور یہی ان کی ابدی خوابگاہ بھی ہے۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ کے تین فرزند تھے، ان ہی میں حضرت سید احمد کبیر تھے، جو حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے والد بزرگوار تھے۔

تذکروں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نسب نامہ یہ ہے[5]:

مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبد الحسین بن احمد کبیر الدین بن سید جلال الملۃ الدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد بن[6] محمود بن احمد عبداللہ بن علی اصغر[7] بن عبداللہ جعفر[8] ابن امام علی نقی علیہ السلام۔

حضرت سید احمد کبیر، حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین سہروردی کے مرید تھے[1]۔ حضرت مخدوم

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۹ و خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۷

[2] سیر العارفین ص ۱۵۵ میں ہے کہ حضرت سیّد جلال الدین بخارا سے قبۃ الاسلام شہر ملتان آئے

[3] سیر العارفین ص ۱۵۵ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۳

[4] اخبار الاخیار ص ۵۹

[5] یہ نسب نامہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظات المخدوم کے دیباچہ میں تذکرۃ السادات کے حوالہ سے درج ہے

[6] فرشتہ (ج ۲ ص ۴۱۲) میں ہے جعفر بن محمد بن احمد بن محمود

[7] الدر المنظوم کے دیباچہ میں علی الاشغر ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے

[8] الدر المنظوم کے دیباچہ میں ابو عبداللہ جعفر الکذاب ہے، لیکن فرشتہ میں صرف علی اصغر بن جعفر بن امام علی الہادی ہے۔

جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کی بزرگی کا ذکر بار بار فرمایا ہے، ایک موقع پر فرمایا:

"والد مخدوم کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے، سردی اور گرمی میں کوئی چیز اوپر کھینچ لیتے تھے، اور اسی پر کفایت کرتے، ہر روز قرآن شریف دو بار ختم کرتے ایک دن میں، ایک رات میں، نہایت بزرگ آدمی تھے"[2]۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: "جس وقت مخدوم والد نماز ادا کرتے یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینہ مبارک سے نعرے نکلتے تھے"[3]۔

ایک اور موقع پر ہے: "جس وقت والد دامت برکاتہ نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے"[4]۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی شیخ راجو قتال بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے، اور وہ حضرت مخدوم کے مرید اور خلیفہ تھے[5]۔

ولادت و طفلی: حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی، سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اچہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ جمال خنداں رو کی ایک مجلس میں شریک ہوئے، مجلس میں حضرت شیخ جمال خنداں رو کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا، انھوں نے کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں، حضرت سید جلال الدین کو یہ ملیں تو گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال نے یہ دیکھ کر دریافت کیا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھالیں، جواب دیا، آپ کے دست مبارک سے جو کھجوریں ملیں ان کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا، یہ سن کر حضرت شیخ جمال خنداں رو نے فرمایا تم فقر اور اپنے خاندان دونوں کا نام روشن کروگے[6]۔

---

1 الدر المنظوم مطبوعہ دہلی ص ۵۰۶

2 ایضاً ص ۲۳۸

3 ایضاً ص ۵۴۶

4 یضاً ص ۵۵۰

5 تفصیل کے لئے دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۴۶

6 لطائف اشرفی ص ۳۹۲، سیر العارفین ص ۱۷۵

تعلیم : ابتدائی تعلیم اچہ ہی میں پائی، لطائف اشرفی (ج ا ص ۳۹۰) میں ہے کہ شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی، پھر اچہ کے قاضی علامہ بہاء الدین سے ہدایہ اور بزدوی پڑھیں، ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے، خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھا، اس لئے اپنے والد ماجد کے مرشد یعنی شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین خاص شفقت سے پیش آئے، اور ان کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی اور ان بزرگوں سے ہدایہ اور بزدوی ختم کیں، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رکن الدین نے ان کو اپنی کشتی پر سوار کر کے اچہ واپس بھیج دیا[1]۔

اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قراءتیں سیکھیں[2]۔ تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ مکہ عبد اللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبد اللہ مطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں[3]، دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف کے درس لئے، شیخ مدینہ عبد اللہ مطری کے ساتھ دو سال رہے، اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبوی ﷺ اور عوارف ان سے پڑھتے رہے[4]، وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں، کہ شیخ عبد اللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا۔ میں نے ان سے ایک روز عرض کیا: اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں، لیکن انھوں نے فرمایا تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمہارے پاس آیا کروں گا، تم رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہو۔ حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت اور محبت کا ذکر بار بار فرماتے، رمضان شریف میں مسجد نبوی ﷺ میں اعتکاف کرتے تو شیخ مدینہ افطار کے وقت ان کے لئے دو قرص لاتے، ور جب وہ

---

[1] الدر المنظوم ص ۵۰۶-۵۵۰

[2] یضاً ص ۴۷۲ الدر المنظوم (۵۶۸) میں ہے کہ ایک محدث وفقیہ ان کے والد بزرگوار کی خانقاہ میں ٹھہرے تو ن سے مصابیح اور دوسری کتابیں پڑھیں

[3] الدر المنظوم ص ۶۰۶-۶۷۲

[4] ایضاً ص ۶۸۷

مسجد نبوی ﷺ کے احترام کی خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے تو شیخ کہتے: اے فرزندِ رسول اللہ! تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور رشتہ دار والے ہو، ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے، کم کھاوگے تو کمزور ہو جاؤگے، ان کے پاس واپس کیونکر جاسکو گے، زیادہ کھانے سے تمہارا دین کمزور نہ ہو جائیگا بلکہ قوی ہوگا۔

شیخ مدینہ کی شفقت و محبت کی بناء پر مسجد نبوی ﷺ میں ایک بار امامت کرنے کی بھی سعادت حاصل کی[1]۔

حضرت سید جلال الدین بخاری نے شیخ عبد اللہ مطری سے ''عوارف'' کا درس اس خاص نسخہ سے لیا، جو خود شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا، شیخ عبد اللہ مطری نے وفات کے وقت س نسخہ کو شیخِ مکہ عبد اللہ یافعی کے پاس بھیجا کہ اس کو حضرت جلال الدین کے پاس پہنچادیا جائے، چنانچہ شیخ مکہ نے یک حاجی کے ذریعہ اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس بھیج دیا، جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے[2] عورف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی ان کے وطن قصبہ شومارہ (عراق) میں جا کر پڑھا، یہ حضرت شیخ لشیوخ شہاب مدین سہروردی کے خلیفہ تھے، جب حضرت سید جلال الدین ان کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی[3]۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے مرتب سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے، کہ حضرت مخدوم یک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان علوم کی طویل فہرست بھی ملفوظات کے شروع میں دی ہے [4]، دوسرے تذکرہ نویس بھی لکھتے ہیں کہ ''جامع است میان علم وولایت'' (اخبار الاخیار ص ۱۴۳)

''سید جلال الدین حسین بخاری قدس سرہ، او محتشمان روزگار وعارفان صاحب اسرار بود و درعلوم ظاہری وباطنی ہم درفقر واستغنا ونظیرے نداشت'' (مراۃ الاسرار قلمی نسخہ)

علوم وفنون سے برابر گہرا شغف رہا، چنانچہ رشد وہدایت کے زمانہ میں اپنی مجلسوں میں کبھی کلام پاک[5]،

---

[1] الدر المنظوم ص ۶۰۳-۶۰۴

[2] الدر المنظوم ص ۴۷۸-۴۷۹

[3] یضاً ص ۶۸۷

[4] ایضاً ص ۱۲-۱۳

[5] ایضاً ص ۵۶۵-۷۴۴

کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک[1]) کبھی احادیث نبوی ﷺ (مثلاً صحاح ستہ، مشارق الانوار، مشکوۃ المصابیح)[2] فقہ میں کبھی ہدایہ، کبھی تصوف کی کتابیں عوارف المعارف اور رسالہ بکہ وغیرہ، کبھی قصیدہ لامیہ[3]، کبھی مختلف[4] اوراد اور کبھی شرح نودو نواسماء کے باضابطہ سبق دیا کرتے تھے۔

بیعت و خلافت: شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر تصوف کی تعلیم پائی، پھر حضرت بہاء الدین زکریا کے نامور پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی ذاتِ اقدس سے اس قدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت رکن الدین اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اتر کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے، دہلیز کا زینہ نیچا تھا، حضرت سید جلال الدین بخاری وہاں آکر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاوں رکھ کر آسانی سے اتر جائیں، مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی شہادت کی انگلی منہ میں دبا کر پنے شفیق مرید سے فرمایا نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے، لیکن اے سید! ولایت کی اقلیم پر تمہارا تصرف حد بشریت سے زیادہ ہوگا، یہ کہہ کر حضرت جلال الدین کو دست مبارک سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگالیا[5]۔

لطائف اشرفی (ج اص ۱ ۳۹) میں ہے: ''حضرت شیخ اشرف الدین مشہدی نوشتہ اند کہ حضرت مخدوم جہانیاں خلافت و اجازت صدو چہل و چند اولیاء را شیخ و مشائخ اہل ارشاد خرقہ معنعن و سلسہ با حضرت رسالت ﷺ یافتہ اند و علم شریعت و طریقت و حقیقت و تصوف از ایشان گرفتہ اند۔''

مراۃ الاسرار میں سید جلال بخاری کے ذکر میں ہے کہ ''اکثر سفر ربع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ چہاردہ سلسہ چہل و یک کردہ را در یافت وہم در کتاب مذکور شیخ راجو قتال نقل می کند کہ او از سی صدو چند مشائخ صاحب ارشادو نعمت یافتہ و خرقہ اجازت از دست ایشاں پوشیدہ بود[6]۔''

---

[1] یضاًص ۶۹۷

[2] الدرالمنظوم ص ۱ ۶-۴۷ ۲

[3] ایضاًص ۲ ۶ ۲-۵۵۶

[4] ایضاًص ۶۰۰

[5] سیر العارفین ص ۱۵۸

[6] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دارالمصنفین ص ۴۸۳

مذکورہ بالا تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ "مخدوم جہانیاں اول بخدمت شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ تعالی ارواحھم تربیت یافتہ و ازدست وے خرقہ پیران سہروردیہ پوشید۔"

اخبار الاخیار میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا[1] لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ نے خواب میں ان کو خرقہ پہنایا، اور "قطب عالم" کے لقب سے یاد فرمایا[2]، جن بزرگوں اور مشائخ نے ان کو خلافت کے خرقے پہنائے، ان کی تعداد بیس بتائی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) والد بزرگوار سید احمد کبیر (۲) والد ماجد نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا (۳) حضرت شیخ رکن الدین (خواب میں) (۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (خواب میں) (۵) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ) (۷) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (۸) شیخ مکہ عبداللہ یافعی (۹) شیخ مدینہ عبداللہ مطری (۱۰) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بصال (۱۱) شیخ مرشد ابواسحق گازرونی (۱۱) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۳) حضرت سید جہدہ حمید حسینی (۱۴) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (۱۵) سیدی احمد کبیر رفاعی کبیر (۱۶) حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی (۱۷) حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (خواب میں) (۱۸) حضرت خضر علیہ السلام (۱۹) حضرت اوحد الدین حسینی (۲۰) حضرت شیخ نور الدین[3]۔

شریعت کی پابندی: لیکن تصوف وعرفان کے اعلی مدارج طے کرنے کے باوجود زندگی شروع سے آخر تک پابندئ شریعت اور اتباعِ سنت میں گذاری، راہ سلوک کی خواہ کسی منزل میں رہے، لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا، خود فرماتے ہیں کہ حقیقت شریعت میں ہے، اور جب تک

---

1 اخبار الاخیار ص ۱۳۴

2 الدر المنظوم ص ۲۵۷

3 الدر المنظوم ص ۱۶-۱۷

کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا، ہرگز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا[1]، اور ایک موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے عاری ہے، وہ طریقت و حقیقت کو نہیں جان سکتا، شریعت بمنزلہ میوے کے ہے، اور طریقت و حقیقت اس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں[2]، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شیخ طریقت و حقیقت سے آشنا ہے، لیکن شریعت سے واقف نہیں، تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے کوئی صالح اور نیک آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اسکو حاصل نہ ہوا[3]۔

ایک جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص شہر اچہ میں وارد ہوا، وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا، اس کے پاس عوام و خواص کا ہجوم رہنے لگا، حضرت سید جلال الدین بھی اس سے ملنے تشریف لے گئے، جب اس کے پہلو میں جا کر بیٹھے تو اس نے کہا اے سید ابھی ابھی حق تعالی میرے پاس سے گیا ہے، حضرت سید جلال الدین یہ سن کر غضبناک ہوئے، اور فرمایا اے بد بخت، تو کافر ہو گیا ہے، پھر سے کلمۂ شہادت پڑھ، اور اسی وقت اٹھ کر شہر کے قاضی کے پاس آئے کہ اس بد بخت کو طلب کرو، اگر وہ توبہ کرے تو معاف کر دو، ورنہ اس کو قتل کرنے کا حکم دو، مقطع شہر اس شخص کا معتقد ہو چلا تھا اس لئے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس و پیش کیا، حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اس کو سزا نہ دلائی تو پھر بادشاہ سے جا کر کھوں گا، بالآخر وہ شخص شہر بدر کیا گیا[4]۔

تارکِ صلوٰۃ کو بھی ولی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے، انھوں نے کہا کہ قصبہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے نماز معاف کر دی ہے، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا، وہاں امراء اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا، اس ہجوم سے گذر کر میں کسی طرح اس

---

[1] ایضاً ص ۴۱۳

[2] ایضاً ص ۴۱۴

[3] ایضاً ص ۴۱۳، ۱۹۱

[4] الدر المنظوم ص ۵۰۳-۵۰۴

کے پاس پہنچا، میں نے اس کو سلام نہیں کیا، بلکہ جا کر بیٹھ گیا، اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، حضور ﷺ کا قول ہے "الفرق بین المؤمن والکافر الصلوۃ" یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے، درویش نے جواب دیا، سید! میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدائے تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمہارے لئے نماز معاف کردی گئی، اور تم مقرّبِ خاص ہوگئے، میں (یعنی سید جلال الدین) نے کہا کہ بیہودہ مت بکو محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے تو نماز معاف نہیں ہوئی تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہو سکتی ہے، وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں، جبرئیل وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے، اور وہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے، درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے اس میں لذت محسوس کرتا ہوں، میں نے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ آئے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا، میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا، اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا، اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا، اور جو کھانا اس نے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر پڑا، اور میرے سارے کپڑے نجس ہو گئے، س کے بعد حضرت سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں، ان کی قضا پڑھوائی[1]۔

اپنے مریدوں کو نماز باجماعت کی بڑی تاکید فرماتے، اور جماعت کے تارک کو ارشاد نبوی ﷺ کی بناء پر ملعون[2] اور بدعتی کہتے، اپنی ایک مجلس میں اس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلے کی مسجد کی اذان سنے اور نماز کے لئے نہ جائے تو اس کی قبر میں کیڑے نہ مریں گے، اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی، وہ ہر وقت عذاب میں رہے گا[3]۔

سفر و سیاحت میں تنہا ہوتے تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہیں سے ابدال آجاتے اور

---

1 الدر المنظوم ص ۲۱۷-۲۴۶-۲۴۷

2 ایضاً ص ۹۸-۱۲۱

3 ایضاً ۲۸۱

اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا[1]۔

اتباعِ سنت: اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک سالک کو چاہیے کہ سرور عالم ﷺ کی متابعت کرے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی، اہل بدعت، بدعت کو قربت جانتے ہیں، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں، داڑھی ترشواتے ہیں، جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہیں، لیکن اس طرح قربت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بعد وضلالت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، أی فاتبعونی بالأفعال والأقوال و الأحوال، یعنی اے محمد ﷺ! تم لوگوں سے کہہ دو کہ گر تم خدا کی محبت کا دعوی کرتے ہو، تو تم میرے افعال، اقوال اور احوال کی پیروی کرو، پس اللہ تم کو دوست رکھے گا[2]۔

حضرت مخدوم جہانیاں خود بھی ہر حال میں اتباع سنت کا خیال رکھتے، اسی لئے احادیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی شغف تھا، ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ سراج الہدایہ میں "احادیث پیغمبر ﷺ" کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے، جس میں مختلف حدیثوں کی تشریح و توضیح ہے، اپنی مجلسوں میں احادیث نبوی کا ذکر بار بار فرماتے، اور ان ہی کے مطابق اپنے مریدوں کی تعلیم و تلقین کرتے، احادیث کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے۔ اپنی روز مرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے، پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھی تھیں[3]، زیادہ تر انہی اوراد و وظائف کی مداومت کرتے، جن کا ذکر حدیثوں میں ہے[4]، اپنی عبادت میں ساری رات نہ جاگتے، بلکہ کچھ دیر سو رہتے، فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا، اس نے ترک سنت کیا، کیونکہ حضور ﷺ کا قول تو یہ ہے کہ انا اصلّی وانام،

---

[1] یضاً ص ۱۰۷

[2] الدر المنظوم ص ۲۲۸

[3] مثال کیلئے دیکھو الدر المنظوم ص ۳۴۸-۳۵۹-۳۶۲-۳۶۸-۳۸۰

[4] ایضاً ص ۵۶-۳۶۵-۳۷۵

یعنی میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں [1]، کھانا تنہا تناول کرنا پسند نہ کرتے، بلکہ تقسیم کرکے کھاتے، اور فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے اور اپنے غلام کو مارتا ہے اور بخل کرتا ہے [2]، آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منھ دھوتے اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے [3]، کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے، فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام ادا نہیں کرتا، اور سو رہتا ہے، س کا دس سخت اور سیاہ ہوجاتا ہے [4]، پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور فرماتے یہی حضرت محمد مصطفی ﷺ کا طریقہ تھا [5]، رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے اور کہتے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، نے کے خیاں سے پرہیز کرتے، اور اس کو مکروہ بتاتے، اس لئے کہ یہ سنت نہیں ہے [6]، ریشمی اور باریک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے، ایک بار سلطان فیروز شاہ نے ان کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے، ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ نہ پہنوں گا، پھر یہ حدیث پڑھی، کہ ریشم اور سونا رسول اللہ ﷺ کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے واسطے حلال کیا گیا [7]، اسی طرح باریک کپڑوں کے متعلق فرمایا رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ جس کا کپڑا باریک ہو اس کا دین باریک ہوا [8]، پیروی سنت میں گریبان کے بغیر کرتے پہنتے، گریبان دار کرتے پہننا بدعت سمجھتے [9]، ایک بار ایک مرید نے جوتیوں کا ایک جوڑا خدمت میں پیش کیا، اس کو قبول کرکے فرمایا نعلین پہننا سنت ہے، میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک کو دیکھا تھا، اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا تھا [10]، جب کوئی ہدیہ پیش

---

[1] الدر المنظوم ص ۳۱۷

[2] ایضاً ص ۵۷

[3] ایضاً ص ۳۴۲

[4] ایضاً ص ۵۸

[5] ایضاً ص ۲۹۰

[6] ایضاً ص ۳۲۹

[7] ایضاً ص ۳۴۰

[8] یضاً ۳۷۶

[9] ایضاً ص ۲۵۹

[10] ایضاً ص ۲۴۸

کرتا تو کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ ضرور دیتے، اور فرماتے صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ دو، اگر بدلہ دینے کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو اس کے واسطے دعائے خیر کرو، یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[1]، اتباعِ سنت میں ایندھن بھی باہر سے لانے کی کوشش فرماتے[2]، اسی طرح اور جزوی باتوں میں بھی اتباعِ سنت کا لحاظ رکھتے، چنانچہ مراۃ الاسرار میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ذکر میں ہے: "در جمیع امور صوری و معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی ﷺ می رفت"۔

کرامات: حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ متاخرین صوفیہ میں سے کسی سے نہیں ہوئیں، اسی لئے وہ "مظہر العجائب" اور "مصدر الغرائب" کہے جاتے تھے[3]، لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں ان کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے تھے، فرماتے ایک ولی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، اس کے لئے زمین اور آسمان کی طنابیں کھنچ جائیں، لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں اپنے پیغمبر یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ کا پیرو نہ ہو[4]۔

سیاحت: حضرت مخدوم جہانیاں کی سیاحت کی تفصیل ترتیب کے ساتھ کسی تذکرہ میں نہیں ملتی، لطائف اشرفی میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی صرف اتنا فرماتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف وحقائق کی تلاش میں سیاحت کی ہے، لیکن مخدوم جہانیاں کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا، انھوں نے ربع مسکون کی سیاحت کی، اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہو جس سے انھوں نے فوائد حاصل نہ کئے ہوں[5]، اخبار الاخیار میں بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے، اور اس میں صرف یہ مرقوم ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاری نے سیاحت بہت کی، اور بہت سے اولیاء اللہ سے نعمت اور برکت حاصل کی۔ خزینۃ

---

1 الدر لمنظوم ص ۴۹۱

2 یضاً ص ۵۴۷

3 لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰

4 الدر المنظوم ص ۵۴۵

5 لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰

الاصفیاء میں ان کی سیاحت کا حال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں دو سال رہ کر گازرون آئے، گازرون سے مصر، شام، عراقین، بلخ، بخارا اور خراسان کی سیاحت کی، اور چھ بار حج اکبر سے مشرف ہوئے[1]۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا جستہ جستہ حال بیان کیا ہے، اس سے اور کچھ زیادہ تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں: سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا، اور میرے تصرف میں خانقاہیں دیں، میرے مرشد شیخ رکن الدین خواب میں نظر آئے، اور فرمایا کہ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہوجائے گا، صبح کو شیخ کے امام نے کہا سید جلد روانہ ہوجاؤ، شیخ نے اشارہ کیا ہے۔ میں مخدوم والد دامت برکاتہ سے اجازت لینے روانہ ہو گیا، میرے پاس خرچ نہ تھا، لیکن اللہ تعالی نے فتوحات پہنچائیں، ایک شخص حج کو جارہا تھا، مگر اس کے گھر والوں نے اس کو لوٹا لیا، اس نے زادِ راہ مجھ کو دیدیا، ایک گھوڑا بھی نظر کیا، لیکن میں نے گھوڑا مولانا نظام الدین کو دیدیا، وہ مدقوق تھے، میں پاپیادہ حج کو روانہ ہوا، اور حج سے پہلے پہنچ گیا، اور انواع واقسام کی نعمتوں سے مشرف ہوا[2]۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں، میں سات سال مکہ معظمہ میں مجاور رہا، وہاں ایک مفسر اور محدث اپنے وعظ میں سات برس تک مسلسل سورۃ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے رہے، میں تو وہاں سے چلا آیا، معلوم نہیں کتنے دنوں تک اور انھوں نے اس تفسیر کو جاری رکھا[3]۔

مکہ کے قیام میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی[4] سے علومِ ظاہری و باطنی دونوں حاصل کئے، اور ان سے خرقہ بھی پایا، ملفوظات میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے، پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی دو سال تک رہے، ور شیخ

---

1 اخبار الاخیار ص ۱۴۲

2 بدر المنظوم ص ۲۴۵-۲۵۵

3 ایضاً ص ۵۰۸-۵۶۷

4 حضرت سعد یافعی کے صاحبزادے تھے، وطن یمن تھا لیکن تمام عمر حرمین شریفین میں رہے مذہب شافعی رکھتے تھے تاریخ یافعی وروضۃ الریاضین کے مصنف ہیں۔ اولیاء اللہ میں شمار کئے جاتے ہیں

مدینہ عبد اللہ مطری سے علمی و روحانی فیوض حاصل کر کے ان سے بھی خرقہ پایا، مدینہ منورہ کے قیام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا تو ایک وقت مسجد نبوی ﷺ کے امام نہ آسکے، تو شیخ عبد اللہ مطری نے مجھ کو امامت کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے سید تم امامت کرو، تا کہ یہ شرفاء تمہاری قتند کریں، ورنہ یہ کسی اور کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے، میں نے تکبیر تحریمہ کہی تو ایک صف کھڑی ہو گئی، اور جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ تمام شرفاء میری اقتداء میں ہیں، شیخ مدینہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم امامت نہ کرتے، تو وہ نماز نہ پڑھتے، یا دوسری جگہ جا کر ادا کرتے، یا جب میں نماز پڑھ لیتا تو وہ پڑھتے، وہ جانتے ہیں کہ تم شریف ہو، اور وہ کسی شریف ہی کے پیچھے نماز روا رکھتے ہیں، عجیب گروہ کے لوگ ہیں [1]۔

فرماتے ہیں کہ مکہ کے قیام کے ساتویں برس میں فقیہ بصال قطبِ عدن کی زیارت کے لئے عدن گیا وہ بیمار تھے، چند دنوں بعد وفات پائی، وفات کی تیسری رات میں حضرت شیخ رکن الدین کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ کو خرقہ پہنایا، اور فرمایا کہ کل فقیہ بصال کی وفات کو تیسرا دن ہے، یہ خرقہ فقیہ بصال کے چھوٹے بیٹے کو پہنا دینا [2]۔

فرماتے ہیں کہ شیخ عبد اللہ یافعی، شیخ عبد اللہ مطری اور دوسرے مشائخ نے مجھ سے کہا کہ عراق میں شوکارہ ایک شہر ہے، وہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید رہتے ہیں، ان سے جا کر ملو، میں ن سے ملا، ان کا اسم مبارک شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری تھا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا، تو وہ یک سو تیس سال کے تھے، لیکن ایسے تندرست تھے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر نماز کو جاتے تھے، میں نے ان سے عوارف پڑھی، میں ان کے پاس ایک مدت تک رہا، اور جب میں رخصت ہونے لگا تو انھوں نے خرقہ عطا کیا ور خرقہ پہنانے کی اجازت بھی دی [3]۔

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں، میں شیخ رکن الدین کے مرید شیخ امام الدین سے بھی دن میں ملا۔ ایک مدت تک ان کے پاس رہا، وہیں شیخ امین الدین گازرونی کے بھائی شیخ امام الدین سے بھی ملاقات ہوتی رہی، ان کو اپنے بھائی

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۶۴

[2] الدر المنظوم ص ۶۰۶-۶۰۷

[3] ایضاً ص ۵۵۲-۶۸۷

شیخ امین الدین سے جو سجادہ، مقراض اور عصا وغیرہ ملا تھا، وہ تمام امانتیں مجھ کو دیں [1]۔

شیراز بھی تشریف لے گئے، فرماتے ہیں، جس زمانہ میں مکہ معظمہ سے شیراز پہنچا تو وہاں لوگ مجھ سے سبق پڑھتے تھے، اولوالامر کا ذکر آیا تو اس سلسلہ کی کچھ باتیں بادشاہ شیراز کے کان میں پڑیں، وہ مجھ سے ملنے آیا، اور ایک چاندی کے طشت میں سونے اور چاندی کے سکے لایا، اس نے مجھ سے کہا کہ بیت المال میں تمہارا بھی حق ہے، اس کو قبول کرو، میں نے معذرت کی، لیکن اس کا اصرار ہوا، تو میں نے ان سکوں کو قبول کرلیا۔ میں نے اولوالامر کے بارے میں گفتگو شروع کی، تو گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا تم سے جو باتیں سنیں، وہ کسی اور سے نہیں سنی تھیں، عجیب وغریب ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ مکہ معظمہ کے مفسرین، فقہاء اور مشائخ سے سنا ہے۔ میرے خدمت گذار سید شمس الدین خوش تھے کہ بادشاہ کے دیئے ہوئے سکوں کو جمع کریں گے، لیکن سید شمس الدین کے والد سید حمید الدین آگئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک سید پر چار سو ٹنکے قرض ہیں، چار سو ٹنکے تو اسکو دیئے، اور باقی مجھ سے یہ کہہ کر خود لے گئے کہ تم کو بہت فتوح پہنچے گی، واقعی مجھ کو برابر فتوح پہنچتی رہی [2]۔

ایک جگہ فرماتے ہیں، جس زمانہ میں میں سفر میں تھا، یمن میں ایک پہاڑ پر پہنچا، تین روز میں اوپر گیا اور تین روز میں نیچے آیا، اس پہاڑ پر ایک غار دیکھا، اذان کی آواز سنی تو غار میں گیا، دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نماز پڑھ رہی ہے، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ہر شخص سے مصافحہ کیا، اور جب تمام لوگ چلے گئے تو ایک شخص وہاں رہ گیا، اس کے نزدیک گیا، اور پوچھا یہاں کوئی اور غار نہیں، پھر اتنے آدمی کہاں سے آتے ہیں، اس شخص نے کہا کہ میں تنہا اس غار میں رہتا ہوں، اور جو لوگ آتے ہیں، وہ ابدال ہیں، وہ میری وجہ سے آتے ہیں، تاکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، تنہا نہ پڑھوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں نہیں رہتے، تاکہ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک موذی کتا ہے اس کو میں نے قید کرلیا ہے تاکہ وہ کسی کو کاٹ نہ کھائے، جب یہ نیک ہوجائے گا، تو اس کو آبادی میں لے جاؤں گا، موذی کتے سے مراد اس کا نفس تھا اس نے اپنے نفس کو برا کہا، اور یہ نہیں کہا کہ

---

[1] ایضاً ص ۶۹۹۔۶۹ے

[2] الدر المنظوم ص ۴۵۱۔۴۶۲

لوگ برے ہیں، اسی لئے میں خلوت میں آکر بیٹھ گیا ہوں [1]۔

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، سفر میں ایک روز ایک درویش کے پاس پہنچا، میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد وہ غائب ہو گیا، اور پھر تھوڑی دیر میں وہاں نظر آیا، اس کی آنکھیں اشکبار تھیں، میں نے پوچھا تم کہاں گئے تھے، اس نے جواب دیا عالم ملکوت میں تھا، میں نے دریافت کیا تمہاری آنکھیں پُر آب کیوں ہیں، بولامیں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دنیامیں غرق ہو رہے ہیں اور اپنی خبر نہیں رکھتے، میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ وہ اپنی چند روزہ زندگی میں ایک مردار پر جان دیتے ہیں [2]۔ فرماتے ہیں، جب میں دمشق پہنچا، تو ایک بڑے درویش سے ملا، انھوں نے مجھ کو پاس بلایا، اور فرمایا، ایک روز میں اصفہان میں تھا، وہاں ایک بزرگ تھے جو بڑے صاحبِ کشف و کرامات تھے، آٹھ سو سجادہ نشینوں کی زیارت کی تھی، اور ہر ایک سے مستفیض ہوئے تھے، خواجہ شمس العارفین کے نواسے سے بھی استفادہ کیا تھا، انھوں نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بادشاہوں، امیروں اور دولتمندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا تا کہ آخرت میں نجات ہو [3]۔

اسی کے بعد فرماتے ہیں، غزنی میں تھا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے، میں نے اسمیں لکھا دیکھا کہ جو درویش عالم امیروں اور دولتمندوں کی صحبت میں رہتا ہے، اس کو قیامت کے روز دوزخ میں جگہ ملے گی [4]۔

فرماتے ہیں، میں شارستان (؟) میں تھا تو ایک چرواہا آیا، اور اس نے مجھ سے کہا اے سید جلال مجھ کو بیعت کیجیے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں سب کچھ رکھتا ہوں، لیکن کسی سے بیعت نہیں ہے، میں نے اسکی بیعت لی، لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا، اس نے ابدال کی جماعت میں شرکت کرلی، لیکن جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا کہ مسجد حرام میں معتکف ہے، اس کو

---

1 الدر المنظوم ص ۲۲۴-۳۰۷

2 ایضاً ص ۲۹۶-۲۹

3 سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور

4 ایضاً

دین کے کاموں میں ہوشیار پایا[1]۔

مراجعت ہند: تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعی نے حضرت سید جلال الدین سے خانہ کعبہ میں فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے ہیں، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے، ان کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں، اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین نے یہ سنا تو حضرت شیخ نصیر الدین سے ملنے کے مشتاق ہوئے، اور مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے، حضرت شیخ نصیر الدین نے حضرت سید جلال الدین کو دیکھ کر فرمایا، شیخ عبداللہ یافعی کی بدولت تمہارے دیدار سے مشرف ہوا، حضرت سید جلال الدین نے عرض کیا شیخ عبداللہ یافعی پر اللہ کی رحمت ہو، کہ ان کی بدولت آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا، حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے خوش ہو کر ان کو خرقہ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا، اور اسی کے بعد وہ یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمود "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہوئے[2]۔

رشد و ہدایت: ہندوستان میں زیادہ تر وطن مالوف اچہ میں قیام رہا، کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے تھے، لیکن جہاں بھی ہوتے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھتے، مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک، احادیث نبوی ﷺ اور فقہ پر تقریریں کرتے اور سلوک و معرفت کی تعلیم خالصۃً شریعت کے مطابق دیتے، ان کے ملفوظات کا مجموعہ جامع العلوم، جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۂ ملفوظ المخدوم ہے، ایک عالم اور ایک سالک دونوں کے لئے مفید اور پُر از معلومات ہے، اور آج بھی خاص ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، ملفوظات کے ایک دوسرے مجموعہ سراج الہدایہ میں احادیث نبوی ﷺ کی تشریح، فقہی مسائل کی تصریح، انبیاء کے قصے، اوراد و وظائف کی تفصیلات کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں، مثلاً ایک باب میں چاول، گیہوں، خرما، انگور، امرود، خربوزہ، انار، اسبغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضۂ مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے بھی فوائد بتائے ہیں، جن سے مرید متمتع ہوتے رہتے تھے۔

---

1 سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور

2 سیر العارفین ج ۲ ص ۱۵۶ و خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۸-۵۹

نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں بلکہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ روحانی و باطنی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے آتے، ایک بار خواجہ محمد ظفاری عرب سے آئے، اور تہجد کے وقت حجرے میں آکر عربی زبان میں عرض کیا، اے مخدوم میں ایک رات ذکر خفی کر رہا تھا، کہ ایک آدمی میرے داہنے طرف سے آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو دعا پڑھ کہ اے رب تو معبود عالم ہے، میں جاہل ہوں، مجھ کو علم دے، تا کہ علم کے ساتھ تیری عبادت کروں، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا۔ خواجہ محمد ظفاری نے حضرت سید جلال الدینؒ سے پوچھا کہ اس واقعہ کی کیا تاویل ہے، جواب میں فرمایا کہ تم ابھی دینی علوم حاصل کرو[1]۔

ایک بار عراق کے سادات آئے، اور کچھ نذرانے ساتھ لائے، اس وقت ''عوارف'' کا درس ہو رہا تھا، سادات نے عرض کیا کہ ہم کو قدم بوسی کا اشتیاق تھا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے خادم خاص سے شیرینی لانے کو کہا، اور یہ حدیث شریف پڑھی، کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے، تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی، پھر سادات کو مخاطب کر کے فرمایا تم کو ذوق معنوی و صوری دونوں حاصل ہو گئے، تم نے عوارف کا سبق سنا، اس سے ذوق معنوی حاصل ہوا، پھر مسکرا کر کہا تم نے شیرینی کھائی، اس سے ذوق صوری کی تسکین ہوئی، شیرینی کھلاتے وقت فرمایا، جو شخص روزہ دار نہ ہو، وہ کھائے، روزہ دار نہ کھائیں، پھر فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جب روزہ دروں کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں، کیونکہ ایسی حالت میں روزہ دار اپنے دل پر جبر کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو ثواب ملتا ہے[2]۔

ایک بار حدود بخارا سے شیخ زادہ معظم تیس ہمراہیوں کے ساتھ خدمت میں دہلی آئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بہت خوش ہو کر ان سے بغل گیر ہوئے اور پوچھا کس غرض سے آئے ہو، عرض کیا کہ قدم بوسی اور تربیت حاصل کرنے کے لئے، فرمایا مبارک ہو، لیکن بہتر ہے کہ (دہلی کے) شیخ الاسلام (یعنی سلطان فیروز شاہ کے پیر شیخ علاء الدین) کے پاس ٹھہرو، وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں، میں تم کو اپنے یہاں سے جانے کو نہیں کہتا، لیکن جہاں تمھیں انشراح حاصل ہو وہیں قیام کرو، شیخ زادہ معظم نے

---

1. نور المنظوم ص ۵۸۶
2. الدر المنظوم ص ۶۴۱-۶۴۲

کہامیں تو آپ ہی کے قدموں کے سایہ میں ٹھہروں گا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاں نے خادم کو کہا کہ ان کو کچھ کھلاؤ میں تو روزہ سے ہوں[1]۔

ایک بار کچھ درویش عرب سے آئے، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان سے پوچھا کس خاندان سے ہو، عرض کیا، سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا حضرت سیدی احمد کبیر سے میں نے خرقہ پہنا ہے اور انھوں نے مجھے خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے، وہ صوفی تھے اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے، اس کے بعد درویشوں کو نصیحت کی، کہ تم علم شریعت پڑھو، سنت کے پابند رہو، اور بدعت سے بچو، پھر ان کو توبہ کی تلقین کی، اور خرقہ پہنایا[2]۔

دربار شاہی سے تعلقات: پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے تصرف میں چالیس خانقاہیں دی تھیں، لیکن وہ ان کو چھوڑ کر حج کے لئے تشریف لے گئے، خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا، اور کیچڑ میں پڑا رہتا[3]۔

حج اور سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے، تو سلطان فیروز شاہی کو ان کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت پیدا ہو گئی، چنانچہ شمس عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے:

> ''حضرت سید جلال الدین بخاریؒ ہر دوسرے یا تیسرے سال اوچہ سے سلطان کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے، دونوں کے درمیان بیحد محبت تھی، دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے جب حضرت سید جلال الدین اوچہ سے تشریف لاتے، اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ مندتک استقبال کے لئے جاتا، اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی بادشاہ حضرت سید کو بڑے اعزاز و اکرام سے شہر میں لاتا، وہ کبھی تومنارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر شفاخانے میں، کبھی شہزادہ

---

1 الدر المنظوم ص ۶۵۷

2 ایضاً ص ۹-۶۵۸

3 ایضاً ص ۲۴۵

فتح خان مرحوم کے حظیرے میں قیام فرماتے، جب سید السادات اپنی قیامگاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق سلطان فیروز کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے، اور جیسے ہی وہ محل حجاب میں پہنچ کر سلام کرتے، سلطان اپنے رتبہ کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہوجاتا، اور بے حد تواضع کے ساتھ پیش آتا، پھر دونوں جام خانہ کے اوپر جاکر بیٹھتے، جب حضرت سید واپس ہوتے، اس وقت بھی فیروز شاہ جام خانہ کے اوپر تعظیم کے لئے کھڑا ہوجاتا، اور جب تک کہ حضرت سید محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے، اسی طرح کھڑا رہتا، یہاں پر حضرت سید سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا، جب حضرت سید نظروں سے غائب ہوجاتے، اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا، سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا، جو سلطان حضرت سید کے لئے بجالاتا تھا، سلطان بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید کی قیامگاہ پر ملاقات کے لئے جاتا، اور دونوں میں بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی، اوچہ اور دہلی کے باشندے، اپنی اپنی حاجت اور غرض حضرت سید کی خدمت میں پیش کرتے، اور اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان باتوں کو قلمبند کرلیں، اور جب سلطان ملاقات کے لئے آتا تو وہ ضرورت مندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان ان کاغذات کو پڑھ کر ہر حاجت مند کی حاجت روائی کرتا، کچھ دنوں قیام فرماکر حضرت سید اوچہ واپس ہوتے تو بادشاہ ایک منزل تک ان کو پہنچانے کے لئے جاتا۔" (ص ۵۱۴-۵۱۶)

۷۶۴ھ میں سلطان فیروز شاہ جام اور بابنھ کے خلاف ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوا، تو حضرت مخدوم جہانیاں ہی کی مساعی جمیلہ سے سلطان اور اہل ٹھٹھہ کے درمیان صلح ہوئی، شاہی فوج کے محاصرہ سے ٹھٹھہ میں قحط پڑنے لگا تو وہاں کے لوگ حضرت مخدوم جہانیاں کی مداخلت کے خواہاں ہوئے، ان کی دعوت پر حضرت مخدوم اچہ سے ٹھٹھہ فیروز شاہی لشکر میں تشریف لائے، عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

"حضرت سید جب لشکر میں پہنچے تو تمام اہل لشکر نے دل وجان سے قدمبوسی کی کوشش کی، حضرت سید نے ان سے فرمایا، بابا، اطمینان رکھو، ان شاء اللہ چند روز میں فتح ہو گی، جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز نے نہایت خلوص اور عقیدت سے استقبال کیا، اور بہت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، حضرت سید جلال الدین نے فرمایا، ایک

پارسا اور صالحہ عورت ٹھٹھ میں موجود تھی، اس کی دعا کی برکت سے ٹھٹھ فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا، لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہوجاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی راہ لی اور امید ہے کہ ٹھٹھ جلد فتح ہوجائے گا، اہل ٹھٹھ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف فرماہیں تو ان کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کئے اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا، حضرت سید نے بھی اہل ٹھٹھ سلطان سے کہہ کر ان کو مطمئن کیا، اور سلطان فیروز شاہ نے بھی اہل ٹھٹھ کو ان مطالبات سے دو چند عطا فرمایا۔ (ص ۴۲۱-۴۴۲)

ایک بار ۷۸۱ھ میں حضرت مخدوم جہانیاں نے دہلی کو اپنی آمد سے شرف بخشا، اس وقت سلطان فیروز شاہ سومانہ کی مہم میں دار السلطنت سے باہر تھا، اس لئے حضرت مخدوم جہانیاں کو سلطان کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے رکنا پڑا، اس اثنا میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کرتے رہے، مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی، کبھی شرعی اور فقہی مسائل کی تشریح ہوتی، کبھی اخلاق و معاشرت کو سنوارنے کی تعلیم دی جاتی، اور کبھی صوفیانہ عوامض و دقائق بیان کئے جاتے، ان تمام ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک مرید سید علاء الدین علی بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے مرتب کیا تھا، جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم کے نام سے ۸۵۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

سلطان کی عدم موجودگی میں وزراء اور شہزادے ہر قسم کی خاطر و تواضع میں لگے رہے۔ سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہاں قدم بوسی کے لئے آیا، تو اثنائے گفتگو میں اس کو نصیحت کی کہ وہ عدل و نصاف میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑے[1]، خانجہاں دوسری مرتبہ آیا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے لایا، حضرت مخدوم نے ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ بچوں کی والدہ کے لئے رکھ چھوڑوں گا، خانجہاں نے قسم کھائی کہ مشروع ہیں، حضرت مخدوم جہانیاں کو جب اطمینان ہو گیا تو کپڑے قبول کر لئے، اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجالانا واجب ہے[2]۔

---

1 الدر المنظوم ص ۱۳

2 ایضاً ص ۳۴۱

دہلی ہی کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک بھائی سید صدرالدین سلطان فیروز شاہی سے جاکر شاہی لشکر میں ملے، وہاں سے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آئے تو عرض کیا کہ سلطان نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عطا کی[1]۔

ایک بار ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے حج کی نیت کی ہے، آپ سلطان کو لکھ دیں کہ مجھ کو زادراہ عنایت کرے، یہ سن کر منشیوں سے فرمایا، سلطان کو لکھ دو، لیکن یہ بھی فرمایا کہ فقہ میں ہے کہ جو شخص بادشاہوں سے خرچ لے کر حج کو جاتا ہے، اس کا حج قبول نہیں ہوتا[2]۔

اسی قیام کی مدت میں عیدالاضحیٰ بھی آگئی، حضرت مخدوم جہانیاں نے عید اضحیٰ کا دن جس طرح گذارا، اس کی تفصیل ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔

عید اضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو صبح کی نماز ادا کی، ننانوے اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلیٰ سے اٹھے، غسل فرمایا، اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہو کر عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے، تکبیر کہتے جاتے، اور ہمراہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عید گاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جا کر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے **اوراد** و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا، بقرعید کی نماز جلد ہونی چاہیے تاکہ قربانی جلد ہو، اور جانور بیچارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہو کر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلا کر کہا کہ داروغۂ مطبخ سے تاکید کر دو کہ سلام پھیرتے ہی جا کر قربانی کرے، تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لئے کہ یہ مستحب ہے، اس اثناء میں سلطان فیروز شاہ کا وزیر خانجہاں آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری قبا مشروع ہے، جواب دیا، مشروع ہے، پھر پوچھا، موے بند سوتی ہے یا

---

[1] ایضاً ص ۳۵۰

[2] الدر المنظوم ص ۳۵۵

ریشمی، جواب دیا سوتی، پھر فرمایا، تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا، ورنہ نماز مکروہ ہوجائے گی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم اپنے بال کو کھول دو تا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کریں، اسی سلسلہ میں فرمایا، بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان میں سلطان فیروزشاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہاں نے قدم بوسی حاصل کی اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد علماء نے سہو کے بارے میں حضرت مخدوم جہانیاں سے رجوع کیا، فرمایا عیدین کی تکبیریں وجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے، لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ میں لوگوں کو زحمت ہوگی، س لئے اعادہ کی ضرورت نہیں، خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدوم نے چار رکعت نماز پڑھی، ور پنے ہمراہیوں سے بھی پڑھوائی، ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لئے لوگوں کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور بپا ہو گیا، مشکل سے پالکی لائی گئ، اور جب پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا، اور کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدم نے لوگوں کو منتشر کیا، کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہوجائے، صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے، اور جب ان کے گھر پر پہنچے تو وہاں ائمہ، علماء، قضاۃ، صدور اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے، جنھوں نے اٹھ کر تعظیم کی، اثنائے گفتگو میں حضرت مخدوم نے صدر جہاں کو مخاطب کر کے فرمایا، مکبر اکبار بمد کہتے ہیں، ان کو منع کرو، یہ لفظ کفر کا ہے، اکبار شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پھر فرمایا، مستحب یہ ہے کہ مؤذن صاحب علم اور مفتی ہو تا کہ فتویٰ بھی دے سکے۔ گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی، اشراق پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھ کر فرمایا، عید اضحی میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی، اسی سے افطار کیا، اور ہمراہیوں کو بھی افطار کرنے کو کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دسترخوان بچھوایا، کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے[1]۔

سلطان فیروزشاہ جب مہم سے واپس آیا، تو اس نے شہزادہ محمود خاں کو حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس

---

[1] الدر المنظوم ص ٥٦-٦٤٧

بھیجا، کہ ان کو جا کر شاہی محل میں لے آئے، تا کہ ان کی زیارت جلد جلد ہوسکے، لیکن حضرت مخدوم جہانیاں کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، اس لئے انھوں نے شاہی محل میں جانا پسند نہیں فرمایا، شہزادہ محمود خاں جب رخصت ہونے لگا، تو حضرت مخدوم جہانیاں نے اس کو کلاہ پہنائی اور کچھ شیرینی بطور تبرک دی، سلطان فیروز شاہ نے پھر اور دوسرے شہزادوں اور ارکان سلطنت کو بھیجا کہ وہ شاہی محل میں ضرور تشریف لائیں، چنانچہ اس اصرار کے بعد وہ شاہی محل منتقل ہو گئے، جہاں شہزادے اور عمائدین سلطنت برابر خدمت میں حاضر رہتے تھے[1]، ایک روز شہزادہ مبارک خاں اپنے لڑکوں کے ساتھ قدم بوسی کے لئے آیا، تو اس کی ٹوپی پر نظر پڑی، فرمایا، ایسی ٹوپی پہننا روا نہیں، لڑکے بھی اسی طرح کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، یہ تو بچے ہیں ان سے تو مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن ان کے ولی سے باز پرس ہو گی[2]۔

ایک روز جامع مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے، تو مؤذن نے اذان میں اکبر کی جگہ "اکبار" کہا، فرمایا یہ کفر ہے، سید الحجاب اور صدر جہاں کی توجہ اس طرف دلائی، سلطان کو خبر ہوئی تو مؤذن کو طلب کیا، اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے، مؤذن حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی عتاب کا ذکر کیا، حضرت مخدوم نے اس کی دلجوئی کی، اور فرمایا میں سلطان سے کہوں گا تمہاری روٹی موقوف نہ کرے، لیکن اکبار نہ کہنا، اور نہ ہی حی علی الصلوۃ کے بجائے حیا علی الصلوۃ کہنا، کیونکہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں۔

کئی بار سلطان فیروز شاہ نے بھی حاضری دی، پہلی دفعہ آیا تو حضرت مخدوم جہانیاں اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا، سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی حضرت مخدوم جہانیاں نے ان پھولوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں، اس کے بعد ساتھیوں سے دو رکعت نماز باجماعت ادا کرنے کو کہا، مولانا سراج الدین نے امامت کی،

---

[1] ایضاً ۹۰-۹۹ے

[2] یضاًص ۱۰۸

سلطان بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز ختم ہوگئ تو حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا، امام شافعیؒ کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہے، پھر فقہ کی کتاب کافیہ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا عبادات میں غیر کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے، یعنی اگر کوئی حنفی ہے تو شافعی کی عبادت میں شریک ہوسکتا ہے، لیکن معاملات میں غیر مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز اور درست نہیں، اس کے بعد سلطان سے نماز کی نیت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاء الدین کی بزرگی، خرقہ مشائخ دشمن نفس وغیرہ پر گفتگو رہی، اسی اثنا میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لئے سلطان سے کہہ کر وظائف مقرر کرائے، جب سلطان رخصت ہونے لگا تو اس نے حضرت مخدوم جہانیاں سے اپنے پوتوں کے لئے دعا کرنے کو کہا، انھوں نے ان کے لئے وہی دعائیں کیں، جو حضرت رسول ﷺ بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان کو رخصت کرنے کے لئے حضرت مخدوم جہانیاں نر دبان سے نیچے آنا چاہتے تھے، لیکن سلطان نے دست مبارک پکڑ کر نیچے آنے سے روکا، حضرت مخدوم نے کہا تم جب مجھ سے ملنے آئے ہو تو کچھ تو تمہاری تعظیم کروں، سلطان نے کہا واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں، سلطان جا چکا تو اس کے ساتھ آنے والے ارکانِ سلطنت بھی اسی طرح تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

سلطان دوسری دفعہ آیا تو اس ملاقات میں کسی موقع پر حضرت مخدوم جہانیاں نے بعض اشعار پڑھے، جو سلطان کو پسند آئے، ان کو خود بھی لکھا اور سید الحجاب سے بھی لکھوایا، وہ اشعار یہ ہیں:-

ہمت بس بلند روزی کن　　　کن من از ہمیں ترا خواہم
ہر آنکو غافل از وے یکزمان ست　　　دراں دم کافرست اما نہاں ست
مبادا غائبے پیوستہ باشد　　　در اسلام بروے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگار　　　کہ من غائب شدن طاقت ندارم[1]

فیروز آباد یعنی دہلی سے رخصت ہوتے وقت دو روز پہلے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کی خاطر سلطان خانہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، نماز کے بعد سلطان سے ملے، بعض فقہی مسائل پر گفتگو ہوئی، پھر لوگوں نے کچھ

---

1 الدر المنظوم ص ۸۳۶

عرضداشتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں، جن کو اس نے قبول کیا، اسی اثنامیں سلطان خانہ میں آخری ملاقات کے لئے لوگوں کا ہجوم بڑھا تو حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک دریچہ سے روئے مبارک نکال کر لوگوں سے فرمایا، السلام علیکم، میں نے تمہارے بھائی (یعنی سلطان) اور تمہارے دین کو خدا کو سونپا، تم بھی مجھ کو خدا کو سونپو، پھر لوگوں کے لئے دعائیں کیں، اتوار کے روز اشراق کے بعد فیروز آباد سے نکل کر کوشک شکار عرف جہاں نما آئے، اس وقت سلطان کی طرف سے کھانا آیا، حضرت مخدوم جہانیاں نے ایام بیض کا روزہ رکھا تھا، لیکن اور لوگوں نے کھانا کھایا، اس موقع پر فرمایا مقطع اور دوسرے ملوک کو رشوت دینا یا ان کی مالی مدد کرنا جائز نہیں، بادشاہ کے لئے بھی یہ باتیں حرام ہیں، ہدیہ لینا روا بلکہ سنت ہے، بشرطیکہ یہ ہدیہ رشوت نہ ہو، کسی احسان یا معاوضہ کی خاطر نہ دیا گیا ہو، صرف خدا کی خوشنودی کے لئے پیش کیا گیا ہو، البتہ ہدیہ میں کفار کا کھانا قبول کرنا ممنوع ہے۔

کچھ لوگ ساتھ تھے، تہجد کے وقت ان کو رخصت کیا، لیکن پھر بھی کچھ رہ گئے، چاشت کی نماز کے وقت چھوٹے شہزادے رخصت کرنے کے لئے آئے، ان کے جسم پر ریشم کا لباس دیکھ کر فرمایا ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، اس لباس کے پہننے کا وبال چھوٹے شہزادوں کے ولی پر ہوگا، پھر ۱ محرم ۷۸۲ھ کی صبح کی نماز کے بعد اچہ کی طرف روانہ ہوگئے، بعض معتقدین نے قدم چومنا چاہا، لیکن چومنے نہ دیا[1]۔

فیروزشاہ پر بزرگان دین کے اثرات: حضرت مخدوم جہانیاں کی صحبت سے سلطان فیروز میں جو جلا ہوئی اس کے اثرات اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتے رہے، وہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے نواسے شیخ الاسلام شیخ علاء الدین کا مرید تھا، لیکن اپنے تمام معاصر مشائخ وصوفیہ سے بھی بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ ملتا رہا، انھوں نے جو نصیحتیں کیں، ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی۔ شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے: "سلطان نے اپنے تمام عہد حکومت میں اولیائے کرام کی متابعت کی، آخر زمانے میں مخلوق بھی ہو گیا تھا، اس نے ہر وقت مشائخ کی پیروی کی، اور ان کی محبت کا دم بھرتا رہا۔ (ص ۳۷۱)

سلطان حضرت شرف الدین احمد منیری حضرت چراغ دہلی، اور حضرت قطب الدین منور کے پندو

---

[1] الدر المنظوم ص ۸۵۱-۸۵۵

نصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا[1]، اوران تمام بزرگان دین کے انہیں فیوض و برکات کی وجہ سے س میں شریعت اور سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا، اور اس نے اپنے دور حکومت میں شریعت کے احیاء اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی، اسی سلسلہ میں اس نے ایک رسالہ فتوحات فیروز شاہی قلمبند کیا، اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے: ''حمد بے حد اور شکر بے شمار اس خالق غفور و شکور کا ہے جس نے مجھ بیچارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن شاہ کے غلام کو سنت رسول کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، بری باتوں کو دور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض و واجبات کی پابندی کی توفیق بخشی۔''

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کئے اس کی پوری تفصیل فتوحات فیروز شاہی میں ملے گی، ایک جگہ رقمطراز ہے: ''گذشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا، مثلاً ترکاریوں کی منڈی، دلالوں کے بازار، قصاب، طرب و نشاط، پھولوں کے فروخت، پان، غلہ، مچھلی ندافی، صابون سازی، ریسمان فروشی، روغن گری، خشک چنے، تہ بازاری، قمار بازی، واد بیگی، چرائی وغیرہ پر چنگی لیجاتی تھی، ہم نے دفاتر و دیوان کو ہدایت کردی کہ ان تمام چنگیوں کی وصولی کو ختم کردیں، اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں، اور بیت المال میں جو مال آئے، وہ شرع مصطفیٰ ﷺ اور کتب دینیہ کے مطابق ہو، اور وہ یہ ہیں، خراج، اراضی، عشور، زکوۃ، جزیہ، لاوارثوں کا مال، غنیمت، اور معدنیات کا خمس، اور جو مال کلام پاک کے احکام مطابق نہ ہو، وہ بیت المال میں جمع نہ کیا جائے[2]۔''

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہوں: ''شہر کے مسلمانوں میں ایک ایسا رواج ہو گیا تھا، جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے متبرک دنوں میں عورتیں پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہو کر اور پاپیادہ جوق در جوق شہر سے باہر آتی تھیں، اور مزاروں پر جاتی تھیں، بدمعاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر ان عورتوں کو چھیڑ کر فتنہ و فساد پیدا کرتے، عورتوں کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے، اگر کوئی جائے تو اس کی سزا

---

1 تفصیل کیلئے دیکھو سہ صدی مکتوبات ص ۹۲-۹۳ھ و تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۱۹۱-۷۸-۸۱-۱۳۲-۱۳۱

2 فتوحات فیروز شاہی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ص ٦

کی جائے، حق تعالیٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہیں، اور نہ زیارت کو جاتی ہیں، اب یہ بدعت دور ہو گئی[1]۔"

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور روزمرہ کی دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھا، چنانچہ لکھتا ہے: "گذشتہ زمانے میں دستور یہ تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں کو دستر خوان پر استعمال کرتے تھے، اور تلواروں کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مرصع کرتے تھے، اس کی ممانعت کر کے میں نے اپنے ہتھیاروں کو شکاری جانوروں کی ہڈی سے مرصع کیا، اور وہ برتن استعمال کئے جو شریعت میں جائز ہیں۔

گذشتہ زمانے میں یہ دستور تھا کہ کپڑوں پر تصویر بناتے تھے، اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگوں کو پہناتے تھے، اسی طرح لگام، زین، سواری کے پٹہ، عود کی انگیٹھیوں، طشت، پیالہ، صراحی، لوٹا، خیموں، پردوں، تخت، کرسی اور تمام ساز و سامان پر تصویریں بناتے تھے، خدا کے حکم و ہدایت کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ ان چیزوں سے ان تصویروں کو مٹا دیں، اور جو چیزیں شریعت میں جائز ہیں ان کو بنائیں، اور گھروں اور محلوں اور دیواروں پر جو تصویریں بنائی گئی ہیں ان کو بھی مٹا دیں۔

اس سے پہلے لوگوں کا لباس ریشمی اور زردوزی کا ہوتا تھا، جو شرعاً جائز نہیں، خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول ﷺ کی شریعت کے موافق ہو گئے، اور زردوزی کے جھنڈے اور زربفت کی ٹوپیاں جن کا عرض چار انگل سے زیادہ نہ ہو جائز قرار دی گئیں، اور جو لباس خلاف شریعت اور ناجائز تھے وہ مٹائے گئے[2]۔"

مندرجہ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہے، اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے: "سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع امور کو جو احکام خلاف شرع ملک میں رائج تھے، دور کیا۔ فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلاف شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کر دیا۔"

سلاطین کے خلوت خانہ میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے، تاکہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظر ان تصاویر پر پڑے، فیروز شاہ نے خوفِ خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ اس خلوت خانہ میں اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے، بلکہ

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۰-۱۱

[2] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۳-۱۴

بجائے تصاویر کے باغات و مناظرِ قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں۔ سلاطین کے قدیم محلات میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بت اور دوسری مورتیں رکھی جاتی تھیں، بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دور کیا۔

سی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے، لیکن فیروز شاہ نے ن کو بھی خلاف شرع خیال کر کے اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا، اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کئے، اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا، وجہ یہ ہے کہ علماء مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے، اسی لئے فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ وحرام اشیاء وافعال کا علم رہتا تھا، بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا، اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دستکش ہو جاتا، اور اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا[1]۔"

فیاضی: بادشاہ معتقدین کی طرف سے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس ہدیے آتے توان کو قبول کرلیتے، ایک موقع پر فرمایا کہیں سے فتوح آجاتی ہیں تو قبول کرلیتا ہوں، کیونکہ شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ، شیخ مدینہ عبداللہ مطریؒ اور دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ فتوح قبول کرکے دوسروں تک پہنچادو، اور کچھ اپنی ضروریات کے لئے بھی رکھو[2]، اسی پر برابر عمل رہا۔

مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے بادشاہ نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے، لیکن یہ تمام سکے ان ہمراہیوں کو دیدیے، جو مقروض تھے[3]، شیراز ہی میں ایک شاگرد نے جو حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مصابیح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار پیش کئے، لیکن یہ تمام دینار ان ہمراہیوں کے

---

[1] تاریخ فیروزشاہی ص ۳۷۳، نیز دیکھواردو ترجمہ (جامعہ عثمانیہ)ص ۲۵۴ بعض تذکروں مثلا خزینۃ لاصفیاء (ج ۲ ص ۶۰)اور مراۃ الاسرار (ص ۴۸۵ قلمی نسخہ دار لمصنفین)میں ہے کہ سلطان ابرہیم شرقی ولی جونپور حضرت مخدوم جہانیاں کا مرید تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے لیکن سلطان ابراہیم ۸۰۲ھ میں تخت پر بیٹھا ور حضرت جہانیاں کی وفات ۷۸۵ میں ہوئی۔

[2] الدرالمنظوم ص ۲۳۸

[3] ایضاً ص ۲۶۴

حوالے کردیے، جن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں انجام دینی تھیں [1]۔

رشد و ہدایت کے زمانے میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں، رات کو تقسیم کردی جاتیں، یہاں تک کہ خانقاہ میں پانی بھی نہیں رہتا، فرماتے، یہی ترک و تجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے، پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی [2]۔

جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے، ایک بار ایک وظیفہ خوار سید شمس الدین مسعود عراقی نامی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ آج ان کو وظیفہ نہیں ملا ہے، خادم خاص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی تک کہیں سے فتوح نہیں آئی ہے، فرمایا بقال سے قرض لے کر وظیفہ دیدو، سید شمس الدین مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے [3]۔

ایک بار ایک سید آئے، انھوں نے اپنے لئے کفن کا کپڑا مانگا، اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا، اور نہ دام تھے، جاڑے کا بستر موجود تھا، خادموں سے فرمایا جاڑے کا موسم ختم ہوچکا ہے، بستر سے روئی نکال لو، اور کپڑا کفن کے لئے دیدو، روئی بیچ کر دام رکھ لو تا کہ درویشوں کے وظیفے کے لئے کام آئے، یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے، خادم خاص نے ایسا ہی کیا، اور کہنے لگا قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی، وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین حضرت مخدوم جہانیاں نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے، کسی اور کے لئے نہیں ہوسکتی ہے [4]۔

ایک بار ایک عرب آیا، اس نے کہا کہ میں لکھنوتی کی طرف جانا چاہتا ہوں، مجھ کو زاد راہ اور کپڑے دیجئے، اسی وقت ایک مرید ایک طشت میں بھر کر مصری تحفہ لایا، حضرت مخدوم جہانیاں نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اس نے لے لیا، پھر کپڑے کا طلبگار ہوا، جسم مبارک پر جو کپڑا تھا، وہ کسی نے عاریۃً پہنا

---

1 ایضاً ص ۴۵۲

2 یضاً ص ۶۸۰

3 یضاً ص ۱۷۸

4 الدر المنظوم ص ۶۸۷

دیا تھا کہ وہ تبرک ہوجائے اس لئے عرب سے فرمایا کہ یہ کپڑے میری ملک ہوتے تو میں تمکو دیدیتا، لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا، خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، عرب نے کہا اے مخدوم آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں، فرمایا اگر وہ تمھیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا، میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا، اور اپنی گردن مبارک جھکادی، عرب یہ خلق دیکھ کر بیحد متاثر ہوا، اور قدموں پر گر پڑا، حضرت مخدوم جہانیاں نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا، اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا[1]۔

جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کرتے ایک بار ایک معتقد نے سونے اور چاندی کے ٹنکے پیش کئے، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس کو اپنی بارانی دیدی اور فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کا بدلہ ضرور دو، اگر اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو تم اس کے لئے دعائیں کرتے رہو، یہاں تک کہ تم کو یقین ہوجائے کہ ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[2]۔

مہمان نوازی: جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے، فرماتے جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی[3]، کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا، اس کے لئے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ کا انتظام کر کے یک حجرہ علیحدہ کر دیا جاتا[4]۔

عفو و در گذر: خانقاہ اور قیام گاہ سے چیزیں اکثر چوری ہوجاتیں، لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے، ایک بار دہلی کے قیام کے زمانے میں کسی نے چادر چرالی، ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لئے آپ بددعا کریں، بار بار چیز چرالے جاتے ہیں، فرمایا ہر گز بددعا نہ کروں گا، بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا، میری بہت سی چیزیں مثلاً مٹکا اور مسجہ وغیرہ چور اٹھا کر لے گئے، لیکن میں نے کبھی بددعا نہیں کی[1]۔

---

1 ایضاً ص ۱۸۷

2 الدر المنظوم ص ۴۹۱

3 ایضاً ص ۵۸۶

4 ایضاً ص ۳۵

غیر شرعی تعظیم سے پرہیز: معتقدین غایت تعظیم وتکریم میں پاؤں چومنے کی کوشش کرتے، لیکن چومنے نہیں دیتے[2]، بعض مریدین تعظیم میں سجدہ کرنے کی کوشش کرتے، لیکن ان کو سجدہ کرنے نہیں دیتے، فرماتے غیر حق کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے، ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں، امام شافعیؒ کے یہاں پیر، استاد، والدین اور خسر کے لئے سجدہ روا ہے، لیکن ہمارا ہی مسلک صحیح ہے[3]۔

خاکساری: ایک مرید نے مدح لکھی، اور قطب عالم، شیخ الشیوخ، اور سید السادات کے القاب لکھے، سن کر فرمایا، مجھ کو گدائے عالم کھو[4]۔

معاصر صوفیہ کا احترام: ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس کفش بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی، جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سر تاج ہیں[5]، سمنان سے آکر حضرت جہانگیر سمنانیؒ نے ان کی قدم بوسی کی تو بہت ہی شفقت سے ملے اور فرمایا: ''بعد از مدتے بوے طلب صادق بہ دماغ رسیدہ بعد از روزگارے نسیم از گلزارے سیادت وزیدہ''۔

اس کے بعد حضرت جہانگیر کو بنگالہ حضرت شیخ علاء الدین لاہوری کی خدمت میں بھیجا[6]۔ اچہ میں حضرت شیخ جمال الدین بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے، ان کے فضائل ومناقب کا ذکر ملفوظات میں اکثر آیا ہے، حضرت مخدوم جہانیاں کے والد بزرگوار کو حضرت شیخ جمال الدین سے کچھ خلش تھی، لیکن حضرت

---

1 یضاً ۴۷۱

2 ایضاً ص ۸۵۵

3 ایضاً ص ۷۵۶

4 الدر المنظوم ص ۴۵۳

5 مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف

6 لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴ خزینۃ الاصفیاء (ج ۲ ص ۲۰) اور مرآۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں نے حضرت شیخ علاء لدین لاہوری کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی ور حضرت شیخ علاء الدین کا وصال ۸۰۰ میں ہوا۔

مخدوم جہا نیاںؒ نے اپنے عنفوان شباب میں درمیان میں پڑ کر یہ خلش دور کرادی تھی، حضرت شیخ جمال مدین کی ولاد سے برابر شفقت ومحبت سے پیش آتے رہے، اور ان کے لئے فیروز شاہ سے وظائف بھی مقرر کرئے[1]۔

سماع: سماع سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ سماع میں اختلاف ہے، لیکن اس شخص کے لئے مباح ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے[2]۔

اشاعت اسلام: غیر مسلم خصوصا ہندو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے[3]، ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ بن گئ، تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرتی، اور اکثر مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف میں روحانی لذت حاصل کرتی[4]، حضرت مخدوم جہا نیاںؒ اچہ سے تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم ان کے دست مبارک پر اسلام لاتے[5]۔

ازدواجی زندگی: حرم محترم بھی بڑی عابدہ وزہداہ تھیں، ایک موقع پر فرمایا: ''لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں، اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھ لیتیں تو دعا گو کو بیدار کرتیں، بی بی ایسی ہی چاہیئے[6]۔''

ایک اور موقع پران کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بیہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں، جب ہوش میں آئیں تو سجدہ سے اٹھیں، میں نے ان سے کہا جا کر وضو کرلو، کیونکہ بیہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کہنے لگیں، مجھ کو بیہوشی نہ تھی، میں نے دل کی آنکھوں سے حق تعالی کو دیکھا، پھر تعظیم میں کیوں نہ سجدہ کرتی، بادشاہ مجازی کے لئے تو ہزاروں تعظیم کی جاتی ہے، بادشاہ حقیقی کی تعظیم سجدے سے کیوں نہ کرتی[1]۔

---

1 الدرالمنظوم ص ۱۵۵

2 الدرالمنظوم ص۷۸۹

3 یضاًص ۷۱۹

4 ایضاًص۸۰۸

5 یضاًص ۷

6 یضاًص ۱۳۱

ان کے ملفوظات میں ان کے لڑکوں کے یہ نام ملتے ہیں، سید شمس، سیدماہ، سید صدر الدین، سید ناصر الدین، ان کی قبریں سکھرو بھکر میں ہیں [2]، لیکن خزینۃ الاصفیاء ص ۲۴۲۶ میں ہے کہ ان کے تین صاحبزادے (۱) سید ناصر الدین محمود (۱) سید عبداللہ (۳) سید محمد اکبر، ایک صاحبزادی ملکۂ جہاں تھیں، سید ناصر الدین کے متعلق خزینۃ الاصفیاء میں ہے: ''جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات در ولایت رتبۂ عالی و مراتب بلند داشت، صاحب اولاد کثیر بود۔۔۔۔ در طریقت نسبت ارادت بہ پدر بزرگوار خود داشت و ازوے خلافت و اجازت حاصل فرمود۔'' (ج ۲، ص ۶۹)

مراۃ الاسرار میں ہے: ''حضرت سید جلال کی بہت سی اولاد تھی، اور ان کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبہ پر پہنچے، ان میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے، جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اوچہ سے قنوج آگئے تھے، اور اسی شہر میں سکونت اختیار کرلی، اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، ان کے صاحبزادے بھی صوری و معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواح قنوج کے لوگ ان ہی کے سلسلۂ ارادت سے منسلک رہے، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکار پور میں محوِ خواب ہیں، ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحبِ کشف و کرامات تھے، اور بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں۔''

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پوتے حضرت شیخ کبیر الدین بڑے صاحبِ دل تھے، ان کا شمار برگزیدہ اولیاء اللہ میں کیا جاتا ہے [3]۔

وصال: لطائف اشرفی میں ہے، کہ رحلت کے وقت اٹھتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کے تھے، سال وفات ۷۸۵ھ ہے، چہار شنبہ کا دن تھا، اسی روز عید الاضحیٰ بھی تھی، عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر طبیعت زیادہ خراب ہوئی، اور غروب آفتاب کے وقت مالک حقیقی سے جا ملے [1]، مزار اقدس اچہ شریف میں ہے، جو

---

1 ایضاً ص ۵۰

2 یضاً دیباچہ ص ۶

3 خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۵

ریاست بہاولپور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے، اس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے:

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ　　　　تاریخ بود ہفت صد ہشتاد و پنج سال

ملفوظات: حضرت مخدوم جہانیاں کے مختلف ملفوظات کے مجموعوں کے نام یہ ہیں، (۱) خزانہ جلالی (۲) سراج الہدایہ (۳) جامع العلوم۔

خزانہ جلالی کا ذکر تذکروں اور کتب خانوں کی فہرستوں میں ہے[2] لیکن یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ہے، اس کے مرتب کا نام احمد برنی ہے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے، اس میں ۷۷۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں، جو حسب ذیل مختلف ابواب میں منقسم ہیں۔

باب اول در بیان احادیث پیغمبر ﷺ، باب دویم در بیان روایت پیرو مرید گرفتن و مسائل دینی، باب سیوم در بیان فوائد و احکام شرع جملہ بصحت کتب و قصہ قوم لوط، باب چہارم حکایات، باب پنجم در بیان قصص انبیاء و بیان دعا و نماز برائے برآمدن حاجت، باب ششم در بیان احادیث مصابیح و فضائل میوہا، و خضریات بر حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حدیث طبقات و بیان خرابی دیارہا، باب ہفتم و باب ہشتم در بیان اشعار عربی و نظم و فضائل سورہ فاتحہ، باب نہم مسائل متفرقہ۔

تمام ملفوظات میں سب سے زیادہ مفید، دلچسپ اور مفصل جامع العلوم ہے، جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں بار بار آچکا ہے، اس میں دہلی کے قیام ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۷ا محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم کے نام سے مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے نواب سید نور الحسن صاحب کی فرمائش پر کیا، جو مطبع انصاری دہلی میں چھپا، اور ۸۵۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف ہیں، ان کے علاوہ بکثرت ایسے شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی ہیں، جن کے مطابق ایک مسلمان آج بھی اپنی روزمرہ زندگی کو روحانی، مذہبی اور اخلاقی طور پر سنوار سکتا ہے۔

پروفیسر محمد ایوب قادری (اردو کالج، کراچی) نے اپنی کتاب ''مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ'' میں

---

[1] لطائف اشرفی ج اوّل ص ۳۹۲، اخبار الاخیار ص ۱۳۲

[2] اخبار الاخیار ص ۱۳۳ فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۵۷۶

حضرت مخدوم کے کچھ اور ملفوظات اور مکتوبات کا پتہ لگایا ہے، اور ان کو لکھ کر ان کی تفصیل لکھی ہے، جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

خزانہ جلالی کے ملفوظات کو حضرت مخدومؒ کے مرید احمد المدعو بہ بہا ابن حسن بن محمود بن سلیمان تلنبی نے مرتب کیا، اس میں سترہ ابواب ہیں، جن کے عنوانات یہ ہیں۔

(۱) علم و علماء (۲) توبہ (۳) اذکار (۴) صلوۃ (۵) موت والزیارت (۶) زکوۃ وسخاوت (۷) صوم و اعتکاف (۸) حج (۹) سفر و تجارت (۱۰) الاکل والاصناف (۱۱) نکاح و طلاق (۱۲) حلیہ رسول اللہ ﷺ (۱۳) اولاد رسول وازواج مطہرات (۱۴) فضائل صحابہ واہل بیت (۱۵) تعظیم لولات (۱۶) مناقب الاولیاء والمشائخ (۱۷) خرقہ مشائخ وصوفیہ۔

اس کے نسخے کتب خانہ اوچ گیلانی، (ملکیت مخدوم شمس الدین تامن) مکتوبہ ۱۲۴۴ھ نو بہار شاہ بخاری سجادہ نشین اوچ کی ملکیت مکتوبہ ۱۲۶۵ھ سنٹرل لائبریری حیدرآباد دکن اور کتب خانہ مبانہ شریف ضلع سرگودھا مکتوبہ ۱۰۳۲ھ میں ہیں۔

حضرت مخدوم کے ایک اور مجموعہ ملفوظات کو فضل اللہ بن ضیاء العباسی نے ۷۸۱ھ میں مرتب کیا، اس میں زیادہ تر نماز کے فضائل و برکات پر ملفوظات ہیں، کھانے، پینے، پہننے، ضیافت اور دعوت کے آداب پر بھی کچھ ہدایتیں ہیں، اس کا ایک نسخہ سنٹرل لائبریری حیدرآباد میں اور ایک نو بہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے۔

ایک اور مجموعۂ ملفوظات مظہر جلالی ہے، جس میں توحید، فرض، عزیمت و رخصت، مسح موزہ، تیمم، نواقض وضو، مستحبات و فرائض وغیرہ پر مباحث ہیں، یہ نسخہ بھی نو بہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے، ایک اور مجموعہ مناقب مخدوم جہانیاں کے نام سے ہے، جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں ہے۔

حضرت مخدوم نے شیخ قطب الدین دمشقی کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ فارسی میں کیا، اس کے نسخے کیمبرج اور پرنسٹن کے کتب خانوں میں ہیں۔

حضرت مخدوم نے ایک رسالہ اربعین صوفیہ کے نام سے بھی مرتب کیا، جو ان کے یہاں باقاعدہ درس

میں رہتا تھا، مکتوبات کا ایک مجموعہ مقرر نامہ کے نام سے ان سے منسوب ہے، یہ مکتوبات تاج الدین بن معین سیاہ پوش کو لکھے گئے ہیں، جن میں تصوف و سلوک کی تعلیمات ہیں، یہ ۷۰۶ھ میں مرتب کیا، اس میں ۴۲ مکتوبات ہیں۔

تعلیمات: گذشتہ صفحات میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی زندگی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے ان سے ان کی تعلیمات کا اندازہ ہو گا، ملفوظات میں ایسے اور ادووظائف بکثرت ہیں، جن کی مداومت سے روحانی مدارج طے کئے جاسکتے ہیں، ان کے علاوہ بعض خاص خاص باتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فقر: فقر کے لئے حسب ذیل پچاس چیزیں ضروری بتائی ہیں:۔

(۱) توبہ (۲) علم (۳) حلم (۴) عقل (۵) معرفت (۶) عافیت (۷) رحمت (۸) قناعت (۹) صدق (۱۰) یقین (۱۱) حیاوت (۱۲) ذکر (۱۳) زہد (۱۴) تقوی (۱۵) توکل (۱۶) تفکر (۱۷) رجاء (۱۸) صبر (۱۹) شکر (۲۰) سخاوت (۲۱) خلوت و عزلت (۲۲) رضا (۲۳) اخلاص (۲۴) بیچارگی (۲۵) اخلاق (۲۶) تواضع (۲۷) خوف (۲۸) اعتقاد (۲۹) افلاس (۳۰) تحمل (۳۱) شوق (۳۲) تجرد (۳۳) لطف (۳۴)--*--- (۳۵) خشوع (۳۶)--*---(۳۷)--*-- (۳۸) ریاضت (۳۹) شرف (۴۰)---*--- (۴۱) سرمستی (۴۲) ہمت (۴۳) محبت (۴۴)--*-- (۴۵) وصل (۴۶) قرب (۴۷) ادب (۴۸) اشتیاق (۴۹) تسلیم (۵۰) دیدار۔

اگر مندرجۂ بالا تمام چیزیں حاصل نہ ہوسکیں تو حسب ذیل چیزوں کے لئے کوشش کرنی چاہئے:

(۱) توبہ (۲) توکل (۳) حمد (۴) صبر (۵) شرم (۶) زہد (۷) قناعت (۸) تسلیم (۹) صدق (۱۰) رضا (۱۱) دیدار (۱۲) تفکر (۱۳) ہیبت (۱۴) شکر (۱۵) عصمت۔

اگر یہ بھی حاصل نہ ہوں تو پھر مندرجہ ذیل چیزیں اختیار کی جائیں:

(۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) صبر (۵) عرفان (۶) شکر (۷) توکل (۸) طلبِ دوست

ان میں ہر ایک صفت ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے[1]۔

---

* سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاتے

1 تفصیل کے لئے دیکھو اس حقیر تالیف کا صفحہ ۶۰

اگر یہ چیزیں بھی حاصل نہ ہوں تو ایک سالک کے لئے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ کے گروہ میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں۔

فقر کے ابتدائی دور میں مذکورہ بالا چیزوں کے حاصل کرنے میں مشکلات درپیش ہوں تو ان سے حسب ذیل چیزوں کو دور کرنا چاہیئے:

(۱) غصہ (۲) حسد (۳) بخل (۴) عجب (۵) نفاق (۶) شہرت پسندی (۷) حرام چیزوں کے کھانے پینے، لینے، سننے اور دیکھنے کا خیال (۸) کاہلی (۹) انتقام، ان کو دور کرکے تواضع اختیار کرنا چاہیئے[1]۔

شرائط ذکر: ذکر کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں:۔ (۱) تصدیق یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو، اس کا یقین اس کے دل سے بھی ہو، اگر یہ تصدیق نہیں تو ذاکر منافق ہے، (۲) تعظیم، یعنی زبان پر جو کچھ ہو اس کی عظمت بھی دل میں ہو، اگر یہ تعظیم نہیں تو ذاکر بدعتی ہے، (۳) حلاوت یعنی ذاکر ذکر سے پوری لذت اٹھائے ورنہ وہ ریاکار ہے، (۴) اگر ذکر کے وقت اس کی حرمت کا خیال نہ ہو تو ذاکر فاسق ہے۔

عقبات سالک: عقبات کے معنی گھاٹیاں ہیں، راہ سلوک میں مختلف قسم کی گھاٹیاں آتی ہیں، پہلی گھاٹی دنیا ہے، جب سالک راہ سلوک میں گامزن ہوتا ہے، تو دنیا کہتی ہے تو کہاں جاتا ہے، لوٹ میرے پاس کتنے لذائذ ہیں، یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتیں ہیں، ان کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے، لیکن سالک ن سے منہ موڑ کر ن کو محض فانی چیزیں سمجھتا ہے، تو وہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے، ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالی سے التجا کرتے رہنا چاہیئے، کہ اس کو گھاٹیوں سے پار کردے[2]۔

مقامات سالک: سالک کے دو مقامات ہیں، ابتدا اور انتہا، مقام ابتدا توبہ ہے، توبہ دو طرح کی ہے، ایک تو یہ کہ شریعت و طریقت کی معصیتوں سے توبہ کرے، یعنی حرام، مکروہ چیزوں، بے ادبی، اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرے، اور دوسرے ماسوائے اللہ سے توبہ کرے، مقام انتہا تمکین مع اللہ ہے، اور یہ قدیم یعنی باری تعالی کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے، وہ شخص کبھی عاقل نہیں جو نعمتوں سے لطف اٹھائے اور نعمتوں کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہوجائے[3]۔

---

[1] سراج الہدایہ قلمی نسخہ

[2] الدرالمنظوم ص ۱۰۱-۱۶۰

[3] الدرالمنظوم ص ۱۱۸

حالات سالک: ان مقامات کو طے کرکے ایک سالک میں تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں، سلوک، وقوف، رجوع ، سلوک سے مراد وہ حالت ہے، جس سے منزل مقصود کے مقامات طے ہوتے ہیں، ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے، جس کو وقوف کہتے ہیں، سالک جب کسی مکروہ یا حرام چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے، یا اس میں کسل پیدا ہوجاتا ہے، یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کردیتا ہے، تو پھر مقامات طے نہیں ہوتے ہوتے، وقوف کا علاج رجوع ہے، یعنی سالک کو صابر وشاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہئے، اور وقوف لینا چاہیئے، لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو[1]۔

منازل سلوک: ایک سالک کی چار منزلیں ہیں، ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے، جب ایک سالک کے نفس سے اوصاف ذمیمہ زائل ہوجاتے ہیں تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، یہ دل کی جگہ ہے، جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں، اس منزل سے گذر کر سالک عالم جبروت میں پہنچتا ہے جو روح کی جگہ ہے اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں جو حق تعالی کی ذات سے قریب کرتی ہیں، اس منزل کے بعد لاہوت ہے، جہاں "خود" سے رہائی حاصل ہوجاتی ہے۔ یہ تمام منزلیں نفس، دل اور روح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں، نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے ور روح "محل نظر رحمن" ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے، وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا، جو دل کی متابعت کرے گا، س کو جنت نعیم حاصل ہوگی اور جو روح کی فرماں برداری کرتا ہے، اس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی[2]۔

معرفت: جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ خداوند تعالی کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف ہوجاتا ہے، معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے، نہ اس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اسکو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اس کو افکار وغفلت کا غبار چھپا سکتا ہے[3]۔

خلفاء: حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی ؒ نے اپنے آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔ بعض اور دوسرے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

---

1 ایضاً ص ۲۵۸

2 الدر المنظوم ص ۸۵-۲۸۷

3 ایضاً ص ۲۳۲

سید صدر الدین راجو قتال، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے سگے بھائی تھے، ان کی تعلیم و تربیت میں صاحب کرامت ہوئے، وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی، مزار دہلی میں ہے۔

شیخ اخی راجگری، خزینۃ الاصفیاء میں ہے: "مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں بود، آنحضرت وے را بخطاب اخی یادی فرمود، وطن اصلی وے موضع زہر اازاعمال پرگنہ دریا بادسرکار اودھ است، بعد عطائے خرقۂ خلافت صاحب ولایت دیار قنوج شد، چوں در آنجار سید، ازدحام خلق بسیار شد، از آنجا بموضع راجگیر کہ بر آب دریائے گنگ است متوطن شد۔" (ج ۲ ص ۶۳-۶۴)

حضرت سید علم الدین، سادات ترمذ میں تھے، قنوج وطن تھا، حضرت مخدوم جہانیاں سے مرید ہو کر ان کے حکم کے بموجب جون پور آئے، اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں منسلک ہو کر امراء میں داخل ہوئے، پٹہ پلاؤں (؟) جاگیر میں ملا، خزینۃ الاصفیاء میں ہے: "از کامل ترین خلفاء و مریدین حضرت مخدوم جہانیاںؒ است" (ج ۲ ص ۶۴)

شیخ سراج الدین، حافظ قرآن تھے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان کے پیچھے برسوں نماز پڑھی[1]، وفات ۸۳۰ھ میں ہوئی، مزار کالپی میں ہے۔

سید اشرف الدین مشہدی، شیخ بابو تاج الدین بکبری، سید محمود شیرازی، سید سکندر ابن مسعود، سید علاء الدین بن سعید حسینی (مرتب جامع العلوم) سید شرف الدین سامی اور مولانا عطاء اللہ بھی اکابر خلفاء میں تھے[2]۔

ماخوذ از "بزم صوفیہ"

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۸

[2] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۲

مفتی شریف اللہ الکوثری

حضرت سیّد علی ہمدانیؒ

م ۷۸۶ھ

اشاعتِ اسلام میں صوفیاء کرام کا کردار بنیادی اور مسلم ہے۔ کیونکہ بلحاظ حکم الہیٰ انکی دعوت کا اسلوب نہایت ہی حکیمانہ واقع ہوا ہے اور انکی دعوت میں اثر انگیزی ان کے عمل، مجاہدات، حسن سلوک، لوگوں سے محبت، اور ان کی نجات کیلئے درد اور تڑپ جو ان کے دل میں تھی کے سبب ہے۔ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں لشکر جرار وہ کام نہ دکھاسکے جو ایک برگزیدہ ہستی کے ایک ہی نظرِ کیمیا اثر نے دکھائی۔ مختلف علاقوں، ملکوں اور قبائل میں اسلام کی اشاعت و ترویج کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے تو ناقابل یقین واقعات یہی شہادت دیتے ہیں۔

انہی برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک نامور اور قد آور ہستی حضرت امیر کبیر سید علی الھمدانیؒ کی ہے، جنکی دعوت و تحریک کا دائرہ اثر تبّت، ترکستان (چین)، کشمیر (ہند)، بلتستان (پاکستان)، تاجکستان، افغانستان، ایران اور ماوراء النہر کے کئی اور مردم خیز علاقے شامل ہیں۔ آپ ان علاقوں میں بسنے والوں کے حقیقی محسن ہیں۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں، ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

سلسلۂ نسب: آپ کا سلسلہ نسب حسبِ ذیل ہے:

سید علی بن سید شہاب الدین بن سید محمد بن علی حسن بن سید یوسف بن سید شرف بن سید محب اللہ بن سید محمد بن سید جعفر بن سید عبداللہ بن محمد بن سید علی حسن بن سید حسین بن سید جعفر الحجہ

بن سید عبداللہ زاہد بن سید اصغر بن سید علی الملقب بہ زین العابدین بن سید شباب اہل الجنۃ سید نا حسینؓ بن سید نا علی المرتضی اسد اللہ الغالبؓ۔

ولادت: ۱۲ رجب المرجب ۷۱۴ھ بمطابق ۲۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء ہمدان کے تاریخی اور مردم خیز شہر میں ہوئی، ہمدان تہران سے ۲۰۰ کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔

وطن مألوف: کبار حفاظ حدیث، فقہاء، ادباء اور صوفیاء و حکماء کا شہر ہے۔ شہر نے اپنے دروازے اسلام کے لیے حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے سامنے وا کیے حضرت عمرؓ نے جب اس شہر کے فتح ہونیکی خبر سنی تو زور سے اللہ اکبر کہا، حافظ ذہبی نے اس شہر کو دار السنّۃ قرار دیا ہے۔

تعلیم و تربیت: آپ کا خاندان سادات ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب اہل علم و عرفان تھا، بریں بنا حضرت امیر کبیرؒ کو ماں کی گود سے ہی مدرسہ و خانقاہ کا ماحول ملا آپ کا ننہالی خاندان بھی اہلِ علم و عرفان تھا، آپ کے ماموں حضرت سید علاؤالدولہ سمنانیؒ بھی اپنے وقت کے اولوالعزم اور یکتائے زمانہ شیخِ طریقت تھے۔ انہی سے ابتدائی علوم حاصل کیئے، علم حدیث آپ نے شیخ نجم الدین محمد بن احمد الاذکانیؒ سے حاصل کیا، شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ نے آپ کی مخفی صلاحیت اور جوہر کو بھانپ کر علوم سے فراغت کے بعد حضرت امیرؒ کو اپنے تربیت یافتہ مرید شیخ علی الدوسیؒ کے پاس بھیجا تاکہ آپ کی روحانی تربیت ہو، ان کے علاوہ بھی بہت سے مشائخ سے علوم ظاہری اور باطنی میں کسبِ فیض کیا۔

آپ کے مشائخ کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ مشائخ کی کثرت، انکی تربیت اور توجہ کی برکت تھی کہ آپ کی نسبت حد درجہ قوی تھی جو آپ کی تعلیمات اور معمولات کی مقبولیت اور تاثیر سے عیاں ہو رہی ہے۔

اسفار: قل سيروا في الأرض کے حکیمانہ حکم کی بجا آوری اور طلبِ علم اور حصول صحبتِ اولیاء و عارفاں کی خاطر آپ نے ربع مسکون کا تین مرتبہ چکر لگایا۔ اولیاء الرحمنؒ کی نظر کیمیا اثر نے اکسیر کا کام کیا، حرمین شریفین کی حاضری، حج کے مواقع اور مراقبوں کے لاتعداد سنہرے مواقع انہی اسفار میں ہاتھ آئے۔

مولانا عبد الرحمن جامیؒ نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ "سید علی ہمدانیؒ نے طریقت کا اکتساب قطبِ وقت تقی الدین علی الدوسیؒ سے کیا ہے۔ جب شیخ تقی الدینؒ رحلت فرما گئے تو پھر شیخ شرف الدین محمودؒ کی طرف رجوع کیا۔"

حضرت امیر کبیر کے مرید و شاگرد و خلیفہ حضرت جعفر بدخشیؒ کا بیان ہے: "حضرت سیادت نے فرمایا کہ میں نے تین بار مشرق سے مغرب تک کا سفر کیا۔ بحر و بر میں بے شمار عجائب دیکھے گئے، ہر بار جس شہر اور ملک میں گیا اس علاقے کے لوگوں کی نئی عادتوں اور رسموں کو دیکھا۔"

مشائخ: جعفر بدخشیؒ کے خلاصۃ المناقب میں (جو کہ حضرت سیدؒ کے حالات کے بارے میں قدیم ترین ماخذ ہے) لکھا ہے کہ حضرت سیادت قدس اللہ سرہ نے اپنے شیوخ حدیث کبار کے اسماء والقاب معارف وعلوم کے سرادق میں آنے والوں کی معلومات کیلئے اپنے خط مبارک سے ثبت فرمائے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

شیخ محمود مزدقانی، شیخ علی دوسی، اخی محمد حافظ، اخی محسن، اخی حسین، شیخ جبرائیل کردی، شیخ خالد، شیخ ابوبکر طوسی، شیخ نظام الدین غوری، شیخ شرف الدین، شیخ اثیر الدین، شیخ نجم الدین ہمدانی، شیخ محی الدین لنکانی، شیخ محمد اذکانی اسفرائنی، شیخ محمد مرشدی، شیخ عبداللہ مطری، شیخ مراد اگریدوزی، شیخ عمر برکانی، شیخ عبداللہ سفالی، شیخ ابوبکر حربہ، شیخ بہاؤالدین قمکندی، شیخ عزالدین جتائی، شیخ بہاؤالدین ساغرجی، شیخ شرف الدین منیری، شیخ رضی الدین اوچی، شیخ ابوسعید حبشی، شیخ زین الدین المغربی، شیخ عوض علاف، شیخ ابوالقاسم تخطوی، شیخ عبدالرحمن مجذوب، شیخ محمد محمود مجذوب، شیخ حسن بن مسلم، شیخ عمادالدین ٹکاہی، شیخ عمر، شیخ ابوحرمہ، شیخ علی مصری، شیخ ابوالفرح طرطوسی۔

ہجرت: اپنے مسلک وعقیدے کی حفاظت اور اسکی تبلیغ کیلئے آپ نے بعہد سلطان شہاب الدین ۷۷۵ھ، خطۂ کشمیر کی طرف ہجرت فرمائی آپ اپنے ساتھ ۷۰۰ کامل مریدین ہمراہ لائے، جو کہ مختلف علوم وفنون اور صنعت وحرفت کے ماہر بھی تھے۔ جو راتوں کو جاگنے والے اور دن کو تبلیغ اور لوگوں کی خدمت کرنے والے تھے، آپ کی آمد خطہ کشمیر کیلیے انقلاب انگیز ثابت ہوئی۔ جہاں آپ نے اہل کشمیر (بلتستان) کو ایمان وعقیدے کی لازوال دولت سے سرفراز کیا، وہاں مختلف عظیم صنعتوں سے انکو مستفید کیا۔ اہل کشمیر کے ظاہری و باطنی حسن وجمال میں حضرت سیدؒ اور ان کے رفقاء کا گہرا اثر ہے، خود کشمیر میں تو اسلام اس سے پہلے پہنچ چکا تھا لیکن اسکو بے پناہ وسعت اور قبولیت

حضرت شاہ ہمدانؒ کے دور میں ہی ملی اور علاقہ لداخ، کرگل، بلتستان جو کہ اس وقت تبت خرد کہلاتا تھا، اس خطے کو آپ نے مشرف بہ اسلام کیا، اور والئ کشمیر سلطان شہاب الدین بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوا۔ روایات کے مطابق آپ نے اپنے قیام کشمیر کے دوران میں ہندوستان کے کئ علاقوں نیز سراندیب کا سفر بھی کیا۔[1]

اور دوسری مرتبہ کشمیر میں ۷۸۱ھ میں وارد ہوئے اور ۷۸۳ھ کے دوران تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ آپ نے تبت خرد(لداخ، خپلو، سکردو)میں تعلیم و تبلیغ میں گذارا اور دوران سفر و تبلیغ عظیم الشان کرامات کاظہور ہوا اور علاقہ بلتستان کے لوگوں نےآپ کی دعوت پر لبیک کہا اوراہل بتستان نے بدھ مت سے تائب ہو کر پہلی مرتبہ آغوش اسلام میں پناہ لی اور تیسری مرتبہ ۷۸۵ھ میں علاقہ بتستان تشریف لائے اور اس مرتبہ علاقہ بلتستان کا کوئی بھی کو نہ باقی نہ رہا جہاں حضرت شاہ ہمدانؒ یا ان کا کوئی مرید دعوت حق لیکر نہ پہنچا ہو۔ آج بھی اہل بلتستان حضرت امیر کبیرؒ کی ذات سے نہایت عقیدت رکھتے ہیں، آپ نے بلتستان کے راستہ سے یارقند، چین کا بھی سفر فرمایا۔ کشمیر سے باہر عموماً آپ کا سفر بدخشان وتاجکستان کی طرف ہوتا تھا کیونکہ آپ کی بیٹی آپ کے اپنے سب سے قریبی اور بااعتماد مرید وخلیفہ حضرت خواجہ سید اسحاق ختلانی سے بیاہی گئی تھی، کولاب(روس)ان کا وطن تھا۔ یہیں پر آپ نے خانقاہ اور مسجد آباد کر رکھی تھی، حضرت خواجہ اسحاق ختلانی کے بچپن سے آپ کا ختلان(کولاب) میں آنا جانا اور تعلقات قائم تھے۔

سلاسل طریقت : آپ کے مشائخ طریقت وشریعت کی تعداد بےشمار ہے، لیکن جو سلسلہ آپ نے اور آپ کے خلفاء کرام نے بکثرت بیان کیا ہے اس کو یہاں برائے برکت تحریر و بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت نورالدین جعفر بدخشیؒ نے خلاصۃ المناقب میں ، حضرت سید محمد نور بخشؒ نے مشجرالاولیاء میں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الانتباہ میں اور ان کے علاوہ دیگر نے یہ سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کے نام سے اہتمام واعتقاد کے ساتھ نقل کیا ہے۔

آپ کا سلسلہ طریقت آپ کے بعد ہمدانیہ کے نام سے مشہور ہوا، لیکن آپ سے پہلے کبرویہ کے نام

---

[1] حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے حالات میں آتا ہے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ حضرت منیریؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور چھ ماہ کا عرصہ گزارا، اور شیخ شرف الدین بھی سلسلہ عالیہ کبرویہ کے کبیر الشان شیخ تھے۔

سے مشہور تھا جو کہ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ سے منسوب ہے۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ تصوف و طریقت میں مرتبہ عالی پر فائز تھے اور مجمع البحرین تھے۔ آپ کو دو بڑے حضرات، خواجہ عمار یاسر بدلیسیؒ اور خواجہ اسمٰعیل اقصریؒ دونوں سے فیضان حاصل تھا۔ خود حضرت شاہ ہمدانی نے "کتاب الفتوۃ" میں اپنا سلسلہ حضرت اسمٰعیل اقصریؒ سے بیان کیا ہے، جو کہ آگے حضرت کمیل ابن زیادؓ کے واسطے سے حضرت امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰؓ تک پہنچتا ہے اور دوسرا سلسلہ جو کہ عمار یاسر بدلیسی سے ہے اس میں اہل بیت کا سلسلہ غالب ہے۔ اسی لیے اسکو سلسلۃ الذھب بھی کہتے ہیں۔ اور یہ محدثین کی طرف سے اسناد اہل بیت کے لیے بولا جاتا ہے۔

برصغیر ہندوستان میں سلسلہ کبرویہ تین مشائخ سے پھیلا ان میں سب سے اعلیٰ نسبت حضرت سید علی ہمدانی کی ہے، ان کے ذریعے اس سلسلہ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" میں ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد کے عنوان میں لکھتے ہیں:

"آپ کا (حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ) طریقہ "طریقہ کبرویہ" کہلاتا ہے، یہ تین طریقوں سے ہندوستان پہنچا، ایک امیر سید علی بن الشہاب ہمدانی کشمیری متوفی ۷۸۶ھ کے ذریعہ جو شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ المزدقانی کے خلیفہ تھے، ان کو شیخ علاؤالدین سمنانی سے اجازت تھی اور وہ تین واسطوں سے خواجہ نجم الدین کبریٰؒ سے اجازت رکھتے تھے۔ سید علی ہمدانیؒ ۷۷۳ھ یا ۷۸۰ھ میں کشمیر تشریف لائے اور ان کی تبلیغ اور مساعی جمیلہ سے کشمیر کی آبادی مسلمان ہوئی۔ یہ سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کشمیر میں گیارھویں صدی تک سرسبز رہا۔ اس سلسلہ کے ایک بڑے شیخ مولانا یعقوب صرفی کشمیری متوفی ۱۰۰۳ھ تھے، جو اپنے زمانہ میں حدیث و تفسیر کے ایک بڑے عالم علامہ ابن حجر ھیتمی مکی کے تلامذہ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے اساتذہ میں سے ہیں، یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک زندہ اور موجود رہا ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں یہ سلسلہ خود شاہ صاحب تک درج کیا ہے جو کہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی　　(۲) حضرت شیخ شرف الدین محمود مزدقانی

(۳) حضرت شیخ عبدالرحمان اسفرائنی　(۴) حضرت شیخ جمال الدین احمد ذاکر جوزجانی
(۵) حضرت شیخ رضی الدین　(۶) حضرت شیخ الطریقہ نجم الدین کبریٰ
(۷) حضرت شیخ عمار یاسر　(۸) حضرت شیخ ابو نجیب عبد القاہر سہروردی
(۹) حضرت شیخ احمد غزالی　(۱۰) حضرت شیخ ابوبکر
(۱۱) حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی　(۱۲) حضرت شیخ ابو عثمان مغربی
(۱۳) حضرت خواجہ علی الکاتب　(۱۴) حضرت خواجہ ابو علی روز باری
(۱۵) حضرت خواجہ جنید بغدادی　(۱۶) حضرت خواجہ سری سقطی
(۱۷) حضرت خواجہ معروف کرخی　(۱۸) حضرت سیدنا امام علی الرضاؑ
(۱۹) حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظمؑ　(۲۰) حضرت سیدنا امام جعفر صادقؑ
(۲۱) حضرت سیدنا امام محمد الباقرؑ　(۲۲) حضرت سیدنا امام علی زین العابدینؑ
(۲۳) ریحانۃ النبی سیدنا حسینؑ　(۲۴) امیر المومنین امام الاولیاء حضرت سیدنا علی المرتضیٰؑ
خاتم النبیین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضرۃ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

* حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی　از:　حضرت شیخ شرف الدین محمود مزدقانی
* حضرت شیخ عبدالرحمان اسفرائنی　حضرت شیخ جمال الدین احمد ذاکر جوزجانی
* حضرت شیخ رضی الدین　حضرت شیخ الطریقہ نجم الدین کبریٰ
* حضرت شیخ اسمٰعیل اقصری　حضرت شیخ محمد بن المانکیل
* حضرت شیخ داؤد　حضرت شیخ ابوالعاص بن ادریس
* حضرت شیخ ابوالقاسم بن رمضان　حضرت شیخ ابو یعقوب الطبری
* حضرت شیخ عمر بن عثمان　حضرت شیخ ابو یعقوب النور جوری
* حضرت شیخ ابو یعقوب　حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید
* حضرت خواجہ کمیل بن زیاد　امیر المومنین امام الاولیاء حضرت سیدنا علی المرتضیٰؑ

خاتم النبیین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضرۃ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خود شاہ ہمدان نے اپنے رسائل داؤدیہ اور کتاب الفتوۃ میں دونوں سلسلے درج کئے ہیں۔ آپ عقیدتاً اہلسنت والجماعت کے امام تھے اور فروع میں امام شافعی کے متبع ومقلد تھے۔

خلفاء: آپ کے بعد آپ کے علوم ومعارف کے علمبردار خلفاء کئی ایک ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں:

حضرت شاہ اسحاق ختلانی، حضرت میر سید محمد ہمدانی، حضرت سید میر حسین سمنانی، حضرت سید سلیمان کشمیری، حضرت نور الدین جعفر بدخشی، حضرت سید کمال الدین ثانی، حضرت سید جمال الدین، حضرت سید جلال الدین، حضرت سید بہاء الدین، حضرت سید فخر الدین، حضرت سید قوام الدین، حضرت سید فیروز المعروف سید جلال، حضرت سید کمال الدین، حضرت سید محمد، حضرت سید محمد کاظم، حضرت حاجی حافظ محمد، حضرت سید محمد کبیر بیہقی، حضرت شیخ محمد قریشی، حضرت میر اشرف سمنانی، حضرت مخدوم اشرف ملتانی رحمھم اللہ اجمعین

وفات: پوری زندگی اشاعتِ اسلام کیلیے پابرکاب رہے، حج کی نیت سے کشمیر سے براستہ پکھلی (گنھار) کثیر احباب کے ساتھ سفر باظفر کرتے ہوئے نوکوٹ کے مقام پر پہنچے، علاقے کے والی سلطان محمد نے ٹھہرنے کیلیے اصرار کیا چند دن کا قیام ہوا۔ اسی دوران پرانے زہر کا اثر عود کر آیا اور شدید علیل ہوئے اور یہیں ہی ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو انتقال فرماگئے۔ وقتِ رحلت آپ کی زبانِ مبارک ذکر میں مصروف تھی، مقامی احباب نے یہیں دفن کا اصرار کیا، اہلِ کشمیر نے واپس کشمیر لے جانے پر اصرار کیا۔ لیکن بالآخر قوام الدین بدخشی کے آپ کی وصیت وخواہش کے بیان پر آپ کو ختلان لیجایا گیا، عرصہ ۳ماہ میں جمادی الاولیٰ ۷۸۷ھ میں آپ کو ختلان پہنچایا گیا۔ آپ کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ آج بھی آپ کا مزار اشتراکیت کے دست برد سے محفوظ اور مرجع خلائق ہے۔

آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا آپ بکثرت ذکر کرتے تھے، آپ کی تاریخ وفات اسی سے نکلتی ہے۔ اوراد فتحیہ آپ کے معمولات کا مجموعہ ہے، جو کہ آج بھی کشمیر اور پاک وہند کے دیگر علاقوں، خانقاہوں میں پڑھا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ بھی آپ کے بے حد عقیدت مند تھے، فرماتے ہیں:

سید السادات سالار عجم   دست او معمار تقدیر امم   مثنوی)

○

مولانا سیّد زوّار حسین شاہؒ

حضرت خواجہ سیّد بہاء الدین نقشبند بخاریؒ

م ۷۹۱ھ

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد البخاری کنیت بہاء الدین اور لقب نقشبند ہے۔ سادات عظام میں امام حسن عسکریؒ کی اولاد میں سے ہیں، کمخواب بافی کے پیشے کی وجہ سے یا پہلی ہی صحبت میں سالک کے دل سے ماسویٰ کا نقش مٹا کر اللہ تعالیٰ کا نقش دل پر جمانے کی وجہ سے آپ اس لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کی ولادت با سعادت ۴ محرم ۷۱۸ھ قصرِ ہندواں میں ہوئی جو بعد میں قصرِ عارفاں کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ قصر عارفاں بخارا سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے بچپن ہی سے آثارِ ولایت اور انوارِ کرامت آپ کی جبینِ مبارک سے ظاہر و آشکارا تھے۔ حضرت بابا سماسی قدس سرہ نے ولادت کے تین دن بعد ہی آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا اور آپ کی تربیت حضرت امیرؒ کے حوالہ کردی تھی، اس طرح بظاہر حضرت امیر کلالؒ سے فیضیافتہ تھے لیکن بطریق اویسیت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے مستفیض ہوئے، اسی لئے آپ نے اس طریقہ میں دوبارہ ذکر خفی جاری فرمایا، اگرچہ بزرگان سلسلہ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ سے حضرت امیر کلالؒ تک ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرتے رہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ولایت بڑی نعمت ہے، ولی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے، ولی محفوظ ہوتا ہے، عنایت الٰہی اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور بشریت کی آفت سے اس کو محفوظ رکھتی ہے، خوارق و کرامات کے ظاہر ہونے پر کوئی اعتماد نہیں کرنا چاہیے، معاملہ

استقامت سے متعلق ہے، اس لئے استقامت کا طالب بن امت کا طالب نہ بن، کیونکہ استقامت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نفس کرامت کا طالب ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ توکل کرنے والے کو چاہیے خود کو توکل کرنے والوں میں شمار نہ کرے اور اپنے توکل کو اسباب کے استعمال میں پوشیدہ کردے۔

نیز فرمایا کہ ہمارا طریقہ سب سے ملے جلے رہنے کا ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے اور خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے اور خلوت و صحبت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے، کھانے پینے، کہنے سننے، چلنے پھرنے، خریدنے بیچنے، عبادت کرنے، نماز پڑھنے، قرآن شریف پڑھنے، کتابت کرنے، سبق پڑھنے، وعظ کہنے، غرضیکہ پلک مارنے میں بھی خدائے تعالیٰ سے غافل نہ رہے تاکہ مقصود حاصل ہو۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی　　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(یعنی ایک پلک مارنے کی مقدار بھی اس دوست سے غافل نہ ہو مبادا وہ نظرِ لطف کرے اور تجھ کو خبر نہ ہو)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نہایت درجہ مستجاب الدعوات اور روشن ضمیر بزرگ تھے آپ کے حالات و واقعات اور کشف و کرامات بہت کثرت سے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تصوف میں چار طرح کی نسبتیں ہیں، ایک حضرت خضر علیہ السلام سے، دوسرے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی سے، تیسرے سلطان العارفین شیخ بایزید قدس سرہ سے، جو امیر المومنین حضرت علیؓ سے ان کو ہے چوتھے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے، اسی لئے اس طریقے کے درویشوں کو نمک مشائخ کہتے ہیں[1]۔

شیخ شادیؒ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی نظرِ قبولیت سے مشرف ہوا تو فدائیت اور ایثار کا عالم مجھ پر آسان ہو گیا، میرے پاس سو دینار عدلی تھے جن کے متعلق میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ ان دیناروں کو چھپا کر رکھنا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو، یقین کی کمزوری کی بنا پر میں نے اس رائے سے اتفاق کرلیا اور بخارا چلا گیا، وہاں سے گھر کے لئے ہر قسم کی چیزیں خریدیں۔ اس

---

[1] حضرات القدس دفتر اول ص ۱۲۱

کے بعد قصرِ عارفان حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہو گیا، آپ نے فرمایا بخارا کیوں گئے تھے؟میں نے عرض کیا کچھ کام تھا۔ فرمایا اچھا جو کچھ تم نے خریدا ہے حاضر کرو۔ میں نے سب چیزیں پیش کر دیں، پھر فرمایا وہ سو دینار عدلی جو تم نے چھپا کر رکھے ہیں وہ بھی حاضر کرو، میں نے وہ بھی پیش کر دیئے ، تب آپ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اگر تو دینار چاہتا ہے تو عنایت الہیٰ سے پہاڑ کو تیرے لئے سونا بنا دوں لیکن ہم عالم فقر میں ایسی چیزوں پر نظر نہیں ڈالتے، فقیروں کی جماعت کا کارخانہ اس عالم سے الگ ہے تم کو کسی چیز کی کمی نہ ہو گی پھر کیوں جمع کرتے ہو۔[1]

ایک درویش کا بیان ہے کہ میرے ہاں اولاد نرینہ نہ ہوتی تھی میں نے دعا کیلیے عرض کیا حضرت خواجہ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے مجھ کو ایک لڑکا عطا کیا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لڑکے کیلئے آپ کا ملبوس مانگا آپ نے ملبوس دینے سے انکار فرمایا، آخر میں گھر واپس آیا تو دیکھا کہ لڑکا فوت ہو چکا ہے، میں پھر حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو گزرا تھا عرض کیا، آپ نے فرمایا تو نے لڑکا مانگا تھا وہ ہو گیا اچھا اب حق سبحانہ وتعالیٰ تجھ کو دو لڑکے عطا کرے گا جن کی عمر بہت ہو گی، اس کے بعد میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا، کچھ عرصہ بعد وہ بیمار ہو گیا میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر صحت کی درخواست کی، آپ نے فرمایا اس کی علالت سے فکر نہ کرو، بیماری اور صحت تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔اس کے بعد دوسرا لڑکا بھی تولد ہوا۔[2]

آپ کی رباعیاں بھی بڑی پر کیف ہیں مناجات کی ایک رباعی تبرکاً درج ذیل ہے:

یارب زکرم برمنِ درویش نگر برحال من خستہِ دل ریش نگر
ہرچند نیَم لائقِ بخشائش تو برمن مِنگر بر کرمِ خویش نگر

---

[1] حضرات القدس ص ۱۵۱

[2] حضرات القدس ص ۱۵۶

(یعنی اے اللہ اپنے کرم کی نگاہ مجھ درویش پر فرمائیے، مجھ خستہ وزخمی دل کے حال پر نظر فرمائیے، اگرچہ میں آپ کی عنایت و بخشش کے لائق نہیں ہوں لیکن آپ میرے اعمال پر نگاہ نہ فرمائیں بلکہ اپنے کرم پر نگاہ فرمائیں۔)

حضرت خواجہ علاؤ الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے انتقال کے وقت آپ کے سرہانے سورۃ یٰس پڑھ رہا تھا جب نصف کے قریب پہنچا تو انوار ظاہر ہونے لگے ہم کلمہ پڑھنے میں مشغول ہوئے کہ خواجہ صاحبؒ کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، تہتر سال کی عمر میں دو شنبہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو وفات پائی، "قصرِ عارفان" کے اعداد سے سال وصال برآمد ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کے آگے یہ رباعی پڑھی جائے:

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما　　آفریں بر دست و بر بازوئے تو[1]

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے مریدوں میں باکمال اصحاب تو بہت ہیں لیکن خلفائے عظام چار ہیں: ۱۔خواجہ علاؤالدین عطارؒ، ۲۔خواجہ محمد پارساؒ، ۳۔خواجہ علاؤ الدین غجدوانیؒ، ۴۔حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس اللہ اسرارہم اور آپ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھیں۔اور یہ سنتِ نبوی ﷺ بھی آپ کو نصیب ہوئی۔[2]

ماخوذ از "حضرت مجدد الف ثانی"

○

---

[1] از حضرات القدس وحالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ

[2] عمدۃ المقامات ص ۷۰

سیّد نفیس الحسینی

حضرت سیّد محمّد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

م ۸۲۵ھ

حالات و سوانح

ولادت باسعادت: حضرت مخدوم قطب الاقطاب سید محمد حسینی گیسودراز قدس اللہ سرہ کی ولادت باسعادت ۴ رجب المرجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں ہوئی۔

حضرت مخدومؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید یوسفؒ تھا لیکن مشہور نام سید راجا تھا۔ اُن کا وصال دولت آباد میں ہوا اور وہیں کرانہء لری میں مدفون ہیں حضرت مخدوم فرماتے ہیں جس زمانہ میں ہم دولت آباد سے جانب دہلی روانہ ہوئے ہمارے والد صاحب نے اس سے چار سال بیشتر انتقال کیا تھا۔ ہمارے گھر کے سامنے ایک بڑا صحن تھا، والد صاحب کو ہم نے وہیں دفن کردیا۔

نسب نامہ: حضرت مخدوم قدس سرہ کا سلسلہء نسب بائیسویں پُشت میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے اور سلسلہ مشیخت بھی بائیس واسطوں سے خاتمِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

سید السادات، منبع السعادات، صدرُ الملّۃ والدین، الولی الاکبر الصادق، ابوالفتح بن یوسفؒ بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابی الحسن الجندی بن حسین بن ابی عبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی زین العابدین بن الحسین السبط الشہید بن فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

امیر المومنین سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے والد نامدار حضرت ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ تھے۔

شجرہء طریقت: حضرت مخدوم قطب الاقطاب سید محمد حسینی گیسودراز قدس سرہ

شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین محمود اودھی (چراغ دہلی) قدس سرہ

شیخ الاسلام شیخ نظام الدین محمد بدایونی ؒ	شیخ الاسلام شیخ فرید الدین مسعود (گنج شکر) اجودھنیؒ
شیخ الاسلام شیخ قطب الدین بختیار اوشی ؒ	شیخ الاسلام شیخ معین الدین حسن سجزیؒ
شیخ الاسلام شیخ عثمان ہارونی ؒ	شیخ الاسلام حاجی شریف زندنی ؒ
شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین مودود چشتی ؒ	شیخ الاسلام خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ
شیخ الاسلام خواجہ رکن الدین ابو محمد چشتیؒ	شیخ الاسلام خواجہ احمد چشتیؒ
شیخ الاسلام خواجہ ابواسحق چشتیؒ	شیخ الاسلام خواجہ علودینوریؒ
شیخ الاسلام خواجہ ابوہبیرۃ البصریؒ	شیخ الاسلام خواجہ حذیفۃ المرعشیؒ
شیخ الاسلام سلطان ابراہیم ادہم البلخیؒ	شیخ الاسلام خواجہ فضیل ابن عیاضؒ
شیخ الاسلام خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ	شیخ الاسلام خواجہ حسن بصریؒ

شیخ الشیوخ امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

حضرت سید المرسلین تاج المحققین سلطان صوفیاں محمد رسول اللہ ﷺ۔

سفرِ دولت آباد: سلطان محمد تغلق نے جب اہل دہلی کو دولت آباد روانہ کیا، اُس وقت حضرت مخدومؒ چار برس کے تھے۔ آپ بھی اپنے والدِ بزرگوار کے ساتھ دولت آباد تشریف لے گئے۔

شیخ بابوؒ کا ارشاد: حضرت مخدومؒ کے والد ماجد شیخ بابوؒ کی ملاقات کے لیے دیوگر (دولت آباد) تشریف لے گئے۔ حضرت مخدومؒ فرماتے تھے کہ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ شیخ بابو قدس سرہ ایک مرد بزرگ اور صاحب نعمت تھے، گھر سناری دروازہ کے قریب تھا۔ انہوں نے حضرت مخدومؒ کے بارے میں بہت اچھے اور پاکیزہ کلمات ارشاد فرمائے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی ظہور میں آیا۔

ابتدائی حالات: جب حضرت مخدوم قدس سرہ آٹھ سال کے ہوئے تو وضو، نماز اور دوسرے

دینی کاموں میں اہتمام کرنے لگے۔ بہت سے بچے آپ کے پاس جمع ہوتے اور بآداب تمام آپ کی خدمت میں بیٹھتے اور کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت مخدوم قدس سرہ پانی کا ایک کٹورا رکھتے اس میں سے ہر ایک کو مشائخ کے طریقے پر تبرک عنایت فرماتے۔

بعد ازاں آپ تعلیم میں مشغول ہوئے اور بیشتر اپنے ناناجان کی صحبت میں رہنے لگے۔ آپ کے نانا حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین محمد بدایونی قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید تھے۔ آپ کے والد بزرگوار بھی انہیں کے ارادت مند تھے۔ والد ماجد اور نانا جان سے حضرت شیخ نظام الدین (قدس سرہ) کے فضائل اکثر سنا کرتے تھے۔ آپ کی بیشتر توجہ حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ کی جانب مائل تھی۔

حضرت مخدوم قدس سرہ طلب علم میں برابر مشغول رہتے تھے۔ جس زمانہ میں آپ استاد سے مصباح اور قدوری پڑھتے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپ سے سوال کیا کہ نماز میں جب رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہیں تو زمین پر ہاتھ پہلے رکھتے ہیں یا گھٹنے؟ اور جب سجدہ سے اٹھتے ہیں تو (زمین سے) ہاتھ پہلے اٹھاتے ہیں یا گھٹنے؟ حضرت مخدوم قدس سرہ نے ابھی یہ مسئلہ نہیں پڑھا تھا۔ فرمایا، تھوڑی دیر بعد آؤ تو میں اس کا جواب دونگا۔ جب وہ چلا گیا تو آپ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ اس کا جواب کیا دوں؟ دفعۃً آپ نے دیکھا کہ ایک شخص صحیح قامت، گندم گوں، سر پر بڑی سی پگڑی، فراخ آستینوں والا مسجد میں آیا اور دوگانہ شروع کیا۔ حضرت مخدوم قدس سرہ نے اپنے دل میں کہا کہ مرد بزرگ معلوم ہوتا ہے شاید یہ شیخ الاسلام شیخ نظام الدین ہوں اس اعتبار سے کہ اپنے نانا جان سے حضرت شیخ کا حلیہ بالکل ایسا ہی سن رکھا تھا، اُن کی نماز دیکھنے لگے اور جی میں کہا کہ یہ بزرگوار ہاتھ اور گھٹنے جس طرح رکھیں گے اور اٹھائیں گے، میں سائل کو ویسے ہی بتادونگا۔ بزرگوار نے نماز دوگانہ تمام کی اور غائب ہوگئے۔ آپ نے جواب مسئلہ حاصل کرلیا۔ دوڑے دوڑے اپنے نانا جان کے پاس آئے۔ اور کہا کہ میں نے آج آپ کے پیر شیخ نظام الدینؒ کو دیکھا ہے۔ ایسی اور ایسی صورت تھی۔ آپ کے نانا نے ارشاد فرمایا تم نے یقیناً دیکھا۔ حضرت مخدومؒ ایسے تھے کہ سب لوگ تعجب کرتے تھے۔ اور یہ واقعہ حضرت شیخ (نظام الدین اولیاؒ) کے وصال کے بعد پیش آیا تھا۔

اشتیاقِ ارادت: اب حضرت مخدومؒ کے دل میں ارادت کا ولولہ پیدا ہوا حضرت شیخ نصیر الدینؒ (چراغ دہلی) کے فضائل بہت سن چکے تھے آپ کا قلب اُن کی طرف مائل تھا۔ لیکن اس تردّد

میں تھے کہ کیسے ان کی خدمت میں حاضر ہوں، وہ دہلی میں اور ہم دولت آباد میں، سات سو کوس کا فاصلہ درمیان ہے۔

عزم دہلی: جب حضرت مخدومؒ پندرہ برس کے ہوئے اتفاقاً آپ کی والدہ ماجدہ کسی وجہ سے اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی سے مکدّر ہوئیں۔ اور اسی غصے میں دہلی کو روانہ ہو گئیں۔ حضرت مخدومؒ اور ان کے بڑے بھائی سید حسین عرف سید چندن قدس سرہ ہمراہ تھے۔ حضرت مخدوم قدس سرہ کے والد بزرگوار اُس زمانے میں وصال فرما چکے تھے۔ چند ماہ بعد آپ دہلی پہنچ گئے۔

شرف بیعت: جمعہ کے دن جامع مسجد سلطان قطب الدین میں جو سرائے کے اندر واقع تھی آپ نماز جمعہ کے لیے تشریف لے گئے۔ صحنِ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ حضرت شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین قدس سرہ جامع مسجد تشریف لائے۔ حضرت مخدومؒ کی نظر اُن کے جمال پر پڑی۔ اور عاشق و مبتلائے جمال ہو گئے جی میں کہنے لگے اگر یہی شیخ نصیر الدینؒ ہوں تو کیا اچھا ہو۔ بعض حاضرین سے آپ نے پوچھا کہ یہ بزرگوار کون ہیں؟ انہوں نے کہا، شیخ نصیر الدین محمود اودھی بہت ہی خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے کہ پہلے دل نے انہیں قبول کیا تھا اب آنکھ نے بھی قبول کرلیا۔ اپنے بڑے بھائی سے آپ نے اصرار فرمایا کہ آئیے ہم اور آپ دونوں چلیں اور حضرت شیخ کے مرید ہو جائیں۔ سولھویں رجب المرجب ۷۳۶ھ بروز استفتاح حضرت مخدومؒ اور ان کے بڑے بھائی سید چندن حضرت شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے حلقہء ارادت میں داخل ہو گئے۔

سید چندن تو دنیوی کاموں میں مشغول ہو گئے اور حضرت مخدوم قدس سرہ نے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت گزاری اختیار کی مجاہدہ وریاضت، ذکرومراقبہ اور حضرت شیخ کی تلقین و فرمائش کی بجا آوری میں مصروف ہوئے۔ نیز علوم ظاہری کی تعلیم بھی کچھ سید شرف الدین کیتھلیؒ سے اور کچھ مولانا تاج الدین بہادرؒ سے حاصل کرتے رہے۔

مولانا علاء الدین الندیؒ کی تربیت: جب مولانا علاء الدین الندیؒ کو ان کے خالہ زاد بھائی ملک حاجی حضرت شیخؒ کی خدمت میں بیعت کے لیے لائے اور آپ نے ان کو مرید کرلیا۔ تو فرمایا ملک زادہ تمہاری میرے ساتھ مصاحبت ممکن نہیں اور کچھ کہنے سننے کا اب وقت نہیں رہا ہے۔ ان یاران طریقت

میں سے کسی ایک کی صحبت اختیار کرلو۔ مولانا علاء الدین سوچ میں پڑگئے۔ حضرت شیخ نے دوبارہ ارشاد فرمایا، ''کسی کو پسند کیا''، مولانا علاء الدین قدس سرہ نے عرض کیا کہ جی ہاں اس سید کو، جو لمبے لمبے بال رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مخدومؒ کے بال بہت لمبے تھے زانو تک پہنچتے تھے۔

حضرت شیخؒ نے فرمایا سید محمد گیسودراز آؤ، ملک زادہ کو اپنی صحبت میں رکھو اور جو کچھ میں نے تمہیں تلقین کیا ہے ان کو بھی حصہ دو۔ اس وقت سے حضرت مخدومؒ اور مولانا علاء الدین قدس سرہ یکجا رہنے لگے۔ حضرت مخدومؒ کی والدہ ماجدہ مولانا علاء الدین کو بیٹا فرماتی تھیں اور مولانا مذکور حضرت مخدومؒ کی والدہ کے سامنے آیا کرتے تھے۔

جب حضرت مخدومؒ پر لذت مشغولی غالب ہوئی اور گھر میں یکسوئی حاصل نہ ہوتی تھی تو آپ حظیرہء شیر خاں جہاں پناہ میں مشغول رہنے لگے وہاں ایک حجرہ تھا۔ حضرت مخدوم قدس سرہ دس سال اس حجرہ میں مشغول بحق رہے۔ مولانا علاء الدین بھی ہمیشہ ساتھ ہی رہتے تھے۔ وہیں سے حضرت قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں تعلیم کے لیے جایا کرتے تھے۔ غالباً حضرت شیخ کے حکم سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ پھر وہاں سے ہر روز حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ارشاد و تربیت حاصل کرتے۔

تحصیل علوم ظاہر: کبھی کبھی حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کرتے کہ علم ظاہر کسی قدر حاصل ہوچکا ہے اگر اجازت ہو تو اس پر بس کروں اور کلی طور پر علم باطن میں مشغول ہو جاؤں۔ حضرت شیخؒ فرماتے، خیر ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف، مفتاح، صحائف ان سب کتابوں کو ترتیب سے پڑھ لو۔ مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔ حضرت مخدوم قدس سرہ نے سب کتابیں پوری کر لیں اور حضرت شیخ کی خدمت میں گزارش کی۔ شیخ بے حد خوش ہوئے۔

مجاہدہ وریاضت: اس کے بعد حضرت مخدومؒ ہمہ تن علوم باطن میں لگ گئے۔ مجاہدہ وریاضت طے کے روزے پنجگانہ، دہ گانہ اور پانزدہ گانہ اختیار فرمائے اور مکاشفات و تجلیات پر فائز ہوگئے۔ اپنے حالات حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتے رہے۔ حضرت شیخ قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے مجھ میں پھر سے شوریدگی پیدا کردی ہے اور مجھے میرے پہلے زمانے کے واقعات یاد دلادیے ہیں۔

حضرت شیخ کی نوازش: حضرت شیخؒ بڑی مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ حتی کہ حضرت شیخؒ اپنے معتقدوں میں سے ایک بزرگ کی وفات پر نکلے توزیارت کے بعد فرمایا: سید محمد ابقاہ اللہ تعالی کامقام مشغولیت کہاں ہے تاکہ اُن کوچل کر دیکھوں۔ وہاں سے قصد فرمایا اور حظیرہء شیر خان میں حضرت مخدومؒ کے دیکھنے کو تشریف لے گئے۔ کچھ روپے بھی ساتھ لائے تھے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ سید محمد کے لیے یہ ہماری نذر ہے۔ اس دن سے حضرت مخدوم قدس سرہ کا نام بہت بلند ہوا اور طائفہ صوفیا میں ان کی شہرت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ صوفیانِ کامل بیک زبان فرماتے تھے کہ اس شخص کو جوانی ہی میں مقام پیرانِ واصل ومقتدایانِ کامل حاصل ہو گیا ہے۔

خلوت گزینی: جب حضرت مخدوم قدس سرہ کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر ہوئی توآپ زیادہ تر خلوتوں اور صحراؤں میں رہا کرتے۔ اور خلقت سے بالکل منقطع رہتے اور سیر سلوک بہ تمام وکمال فرمانے لگے آخر انتہائی مقامات پر پہنچ گئے کہ اس سے آگے سیر کی جگہ نہیں ہے۔ عورتوں کی صحبت سے آپ بالکل محترز تھے۔ اہل وعیال سے فارغ تھے اور کمال مجاہدہ کرتے تھے۔

شیخؒ کی علالت: اسی سال حضرت شیخ نصیر الدینؒ کو باسُور بادی کا دورہ ہوا۔ حضرت کے حسب ارشاد مشغول بحق ہو کر آپ نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ ایک پرانا چھپر ہے، خواجہ خضر علیہ السلام اُس کی چھت پر کھڑے ہیں۔ اور حضرت مخدوم سے اشارہ میں کہ رہے ہیں کہ حضرت شیخؒ کو میرا سلام پہنچاؤ۔ حضرت مخدوم قدس سرہ خانقاہ میں آئے۔ حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے دریافت فرمایا تم نے کیا دیکھا؟ عرض کیا، حضرت خواجہ کی صحت یابی۔ میں نے یہ دیکھا کہ خواجہ خضر علیہ السلام مجھے اشارہ میں کہ رہے ہیں، ''حضرت شیخ نصیر الدینؒ کو میرا سلام پہنچاؤ''۔ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ خوش ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد حق تعالی نے فضل فرما دیا۔ حضرت خواجہؒ کو صحت ہو گئی۔ اس کے ایک سال بعد تک حیات رہے۔ کیونکہ خواجہ خضر کا کہنہ چھپر پر کھڑے ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت شیخؒ کی عمر اخیر کو پہنچ گئی ہے اور سلام کی تعبیر یہ تھی کہ اس بیماری سے حضرت شیخؒ کو صحت وسلامتی ہوجائے گی۔

حضرت مخدومؒ کی علالت: جب حضرت مخدومؒ کی عمر کا سینتیسواں برس شروع ہوا۔ اس سال دہلی میں وبا پھیلی۔ حضرت مخدومؒ کو خلہ کی بیماری لاحق ہو گئی اور خون تھوکنے لگے۔ ساتھ ہی ہچکی بھی

شروع ہو گئی۔ تمام یاران واصحابِ طریقت اور ارباب درس میں شور برپا ہو گیا کہ سید محمد سلمہ اللہ تعالی کومہلک مرض لاحق ہو گیاہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین قدس اللہ سرہ نے مولانا صدر الدین طبیب اور مولانا علاء الدینؒ کو حضرت مخدوم قدس سرہ کے دیکھنے کو بھیجا۔ مولانا صدر الدینؒ نے نبض پکڑی، دیکھا کہ آپ اضطراب میں ہیں اور حالت دگرگوں ہے وہ وہیں ٹھہر گئے اور افطار بھی وہیں کیا۔ حضرت شیخؒ نے روغنِ خشت بھیجا، اُس کو خلہ کی جگہ پر ملا گیا، اس سے تخفیف مرض ہو گئی۔

جب مولانا صدر الدینؒ سے حضرت شیخؒ نے دریافت فرمایا کہ سید محمد طال عمرہ کیسے ہیں؟ تو مولانا نے عرض کیا اچھے ہیں، روغنِ خشت سے بہت فائدہ ہوا۔ حضرت شیخؒ نے مولانا زین الدینؒ سے فرمایا روغنِ خشت تھوڑا سا اور بھیج دو۔ اور سید محمد سے کہو کہ بادشاہ کے سوا کوئی دوسرا یہ روغن کشید کرنا نہیں جانتا۔ وہ کشید کرتا ہے اور میرے لیے بھی بھیج دیتا ہے۔ مولانا صدر الدینؒ نے عرض کیا آپ کے غلام بھی یہ روغن نکالنا جانتے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا پھر کیوں نہیں نکال کر دیتے ہو۔ مولانا صدر الدینؒ نے گزارش کی، اسلیے نہیں نکالتا کہ لوگ لے جاتے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا علاء الدینؒ، سید محمد سے کہنا کہ ایسے ہی تمہارے دوست ہیں۔ حضرت شیخؒ کا ایک آدمی ہر روز حضرت مخدومؒ کی بیمار پرسی کے لیے آیا کرتا تھا۔ حتی کہ اللہ تعالی کے کرم سے صحت ہو گئی۔

علالت کے بعد حاضری: حضرت مخدومؒ بروز چہارم شنبہ ۷۵۷ھ کو حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں حاضرِ خدمت ہوئے۔ خواجہ بشیر موجود تھے۔ حضرت شیخؒ کو اطلاع کی گئی۔ شیخؒ بے حد خوش ہوئے۔ اسی وقت بلوایا۔ جب حضرت خواجہؒ کی نظر حضرت مخدومؒ پر پڑی تو بلند آواز سے فرمایا، الحمدللہ، آپ قریب ہوگئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا: سید، تمہیں کیا بیماری تھی؟، حضرت مخدوم نے عرض کیا خلہ کی بیماری تھی، خون تھوکتا تھا اور ہچکی آتی تھی، آپ نے تعجب کیا۔ فرمایا، بڑی سخت بیماری تھی، اللہ تعالی نے کرم کیا کہ تمہیں صحت ہو گئی حضرت مخدومؒ نے عالمِ واقعہ میں کچھ دیکھا تھا۔ چاہا کہ عرض کریں کھڑے ہوگئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ آفتاب نکل آیا ہے، مجھے نماز اشراق ادا کرنی ہے، تم بھی جاؤ اور پڑھو۔ اس کے بعد آؤ اور کہو۔ حضرت مخدوم قدس سرہ باہر آگئے، شیخؒ اشراق میں مشغول ہوگئے۔ اسی اثناء میں قاضی عبدالمقتدر اور شیخ محمود درویش قدس سرہما اور دوسرے حضرات حاضر خدمت ہوئے۔ خواجہ بشیر نے جا کر خبر کی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ ان حضرات کو بلا لو اور سید محمد سے کہو کہ

وہیں ٹھریں، یہ حضرات حاضر ہوئے۔ آپ نے سب کو بہت جلد رخصت فرمادیا، حضرت قاضی عبدالمقتدر اور شیخ محمود بیٹھے رہے شیخ نے ان سے فرمایا، سید محمد خون تھوکتے تھے خلہ کی بیماری تھی۔ اللہ تعالی نے کرم کیا کہ سید محمد طال عمرہ کو صحت ہوگئی۔ کچھ وقفے سے پھر یہی فرمایا۔ بعد ازاں ان سے فرمایا، آپ لوگ جائیں اور سید محمد کو میرے پاس بھیج دیں - وہ باہر آگئے۔ حضرت قاضی عبدالمقتدرؒ نے فرمایا، سید تمہیں اندر بلاتے ہیں ہمیں باہر جانے کا حکم ملاہے۔ تم جاؤ۔

عرضِ حال و کیفیت: حضرت مخدومؒ کوٹھے پرحاضر ہوئے اور عرض کیا: ''میں نے اس بیماری میں یہ دیکھا کہ میرے لیے ایک جامہ لایا گیا۔ فرمان ہوا اسے پہنو کہ یہ جامہء ولایت ہے پھر فرمایا اتار ڈالو۔ میں نے اتار دیا۔ ایک اور جامہ لائے اور فرمایا کہ اسے پہنو، یہ جامہء نبوت ہے۔ پھر فرمایا اتار ڈالو۔ میں نے اتار دیا پھر ایک اور جامہ لائے اور فرمایا اسے پہنو یہ جامہء رسالت ہے۔ پھر فرمایا اتار ڈالو میں نے اتار دیا۔ پھر ایک اور جامہ لائے اور فرمایا اسے پہنو کہ یہ جامہء اتحاد ہے۔ پھر فرمایا اتار ڈالو۔ میں نے اتار دیا۔ پھر اور جامے لائے گئے۔ فرمایا انہیں پہنو کہ یہ جامہ ہائے ربوبیّت والوہیت و ہوئیت ہیں۔ میں نے ہر ایک کو پہنا۔ حضرت مخدوم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس درمیان میں حضرت شیخ کا روئے مبارک میں نے دیکھا کہ خوشی سے تمتما رہا ہے۔ وہ ہر بار فرماتے جاتے تھے کہ ہاں پھر، ہاں پھر، پس میں نے عرض کیا کہ پھر تمام اشیاء مختلف کو جو صورۃ متفاوت ہیں سب کو میں نے ایک حقیقت پر پر لوٹی ہوئی دیکھا۔

خلافت سے سرفرازی: حضرت شیخؒ بے حد خوش ہوئے اور اپنا دست مبارک اپنے چہرے پر پھیرا اور فرمایا الحمد للہ رب العالمین اور چند الفاظ اس قسم کے ارشاد فرمائے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شیخؒ کی عمر آخر ہونے والی ہے۔ اس کے بعد اپنے سامنے سے کمبل اٹھایا اور حضرت مخدوم قدس سرہ کو عنایت فرمایا۔ اور حضرت مخدومؒ کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے پیچھے مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے اس کے بعد فرمایا سید محمد اس کام کو میری طرف سے قبول کرو یعنی دست بیعت دیا کرو۔ حضرت مخدوم قدس سرہ نے سر نیچا کرلیا اور خاموش رہے۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا، تم نے

قبول کیا؟ حضرت مخدوم قدس سرہ نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ پھر فرمایا تم نے قبول کیا؟ حضرت مخدوم قدس سرّہ نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ اپنے ظاہری اوراد کو ترک نہ کرنا اور دوسری یہ کہ ہمارے متعلقین کے ساتھ رعایت کرنا۔

اس کے بعد مولانا زین الدین آگئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا، زین الدین جاؤ اور کندوری کے لیے حلوے کی فرمائش کرو۔ جب مولانا زین الدین چلے گئے تو آپ نے اپنا نہالچہ حضرت مخدومؒ کی طرف پھینکا اور فرمایا سید اس نہالچے کا غلاف اتار کر آستین میں رکھ لو اور چلے جاؤ۔

شیخ کی جانشینی: ۱۵ رمضان المبارک سہ شنبہ کی رات حضرت شیخ کی علالت شروع ہوئی بیماری کے دنوں میں بعض یارانِ طریقت نے حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں گزارش کی کہ ہر بزرگ نے اپنی مراجعت کے وقت چند اشخاص مقرر کیے ہیں اور اپنی جگہ کے لیے ان میں سے ایک کو ممتاز فرمایا ہے۔ حضرت شیخؒ کے بعض مسترشد اعلیٰ مقامات پر فائز اور صاحب کشوف و تجلیات ہیں اگر ان میں سے بعض کو مجاز اور ایک کو ممتاز فرمادیں تو یہ بات طریقۂ خواجگان کے کچھ خلاف نہ ہوگی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا ان لوگوں کے نام لکھ کر لاؤ۔ یارانِ طریقت سے مشورہ کے بعد مولانا زین الدین نے فہرست پیش کی۔ اس فہرست میں حضرت مخدوم قدس سرہ کا نام نہ تھا۔ جب حضرت شیخؒ پوری فہرست اسماء دیکھ چکے تو فرمایا کہ کیا ڈھیلے پتھر باندھ لائے ہو۔ ان لوگوں سے کہو کہ اپنے ایمان کا غم کھائیں اور اس فہرست کو پھینک دیا۔ مولانا زین الدین نے چند نام خارج کردیئے اور فہرست مختصر کرکے دوبارہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا، پڑھو انہوں نے پڑھی۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا: سید محمد کا نام تم نے نہیں لکھا؟ سب خوف سے کانپنے لگے، اُسی وقت حضرت مخدومؒ کا نام لکھ کر پڑھ دیا۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے حضرت مخدومؒ کا نام سن کر فہرست لے لی اور اپنے قلمِ مبارک سے صاد فرمایا۔

حضرت شیخ نصیر الدینؒ کی وفات: ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ شب جمعہ کو حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہ نے دارِ فنا سے دارِ بقا کو رحلت فرمائی۔ حضرت شیخ کی عمر شریف ۸۲ سال تھی۔

انتقال نسبت: وہ نعمت جو حضرت شیخؒ کے پاس تھی، چار اشخاص کو ملی، ان میں سے ایک مخدوم قدس سرہ تھے۔ اور جب دوسرے تین حضرات نے انتقال کیا تو وہ تمام نعمت بھی حضرت مخدوم قدس سرہ کے پاس لوٹ آئی۔

سجادہ ولایت پر: حضرت شیخ قدس سرہ کے وصال کے تیسرے روز حضرت مخدوم قدس سرہ سجادہء ولایت پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھا دیا۔ طالبانِ حق کو تلقین وارشاد فرمانے لگے۔ جس طرح حضرت شیخ نصیر الدینؒ فرمایا کرتے تھے۔

نکاح: جب آپ کی عمر چالیس سال سے اوپر ہو گئی تو حضرت مخدومؒ کی والدہ حضرت بی بی رانی شادی کے لیے مُصرِ ہوئیں۔ بضرورت آپ نے شادی کرلی۔ سید احمد بن جمال الدین مغربیؒ کی صاحبزادی آپ کے نکاح میں آئیں۔

رجوعِ عام: زمانہء مشیخت میں بہت سے علماو صلحا، ملوک وخواتین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی مرید ہوئی۔

دہلی سے گلبرگہ

جب آپکی عمر شریف اسی سال کی ہوئی تو ۷ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو مغلوں کے حملے کی وجہ سے اپنے تمام کنبے سمیت بھیلسہ دروازہ کے راستے شہر دہلی سے باہر نکلے۔ ''سیر محمدی ''کا مؤلف (محمد علی سامانی) بھی ہمراہ تھا۔

بہادر پور: جب آپ بہادر پور پہنچے ملک محمد علی افغانی اور مولانا بہاء الدین ہر دو مریدانِ حضرت مخدومؒ نے استقبال کیا۔ انہوں نے قصبہ کے اندر مکانات خالی کرادیئے اور ان میں آپ کو ٹھہرایا۔ حضرت مخدومؒ نے مولانا بہاء الدین کو اپنی طرف سے وکیل مقرر فرمایا کہ جو کوئی حضرت مخدومؒ سے بیعت ہونا چاہے وہ حضرت کی طرف سے اُسے ٹوپی دے دیا کریں۔

مکتوب بنام مولانا علاء الدین گوالیریؒ: وہاں سے ۱۸ ربیع الثانی ۸۰۱ھ گوالیر میں مولانا علاء الدین گوالیری کے نام جو آپ کے مرید صادق، مشغول، تارکِ دنیا، عالم باعمل تھے۔ اور مغلوں کے حملے سے تقریباً دس سال بیشتر دہلی میں حضرت مخدومؒ سے بیعت ہو کر ارشاد و تلقین حاصل کی تھی۔ اس مضمون کا فرمان بھیجا۔

فرزند دینی، مولانا علاء الدین گوالیری، محمد حسینی کی دُعا مطالعہ کرو۔

تقدیر سے ایسا اتفاق پیش آیا کہ ہم شہر دہلی سے حملے کی وجہ سے باہر نکلے تھے جو تحریر و تقریر سے باہر ہے دیکھنے ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہمارا قصد گوالیر آنے کا ہے۔ میرے بیٹے، ایسا کرو کہ فرید خاں کو اپنے ساتھ لے کر فلاں جگہ اور فلاں مقام کی سرحد تک ہمارے لینے کو آجاؤ اور شرف افلح سے بھی کہہ دو کہ انہیں موقع ملے تو وہ بھی آئیں۔ سبحان اللہ العظیم عجب زمانہ ہے کہ میں لوگوں سے منّت کرتا ہوں کہ میں تمہارے پاس آرہا ہوں، میری امداد کرو۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے پیٹھ کو پیٹ کی طرف اور پیٹ کو پیٹھ کی طرف الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ پھر تاکید کی جاتی ہے اب تاخیر و تامل کا موقع نہیں ہے۔ تم پر عجلت لازم ہے۔

دریاب اگر تو عاقلی بشتاب اگر صاحب دلی	باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایّام را

عزمِ گوالیر: ۲۰ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو بہادر پور سے گوالیر روانہ ہوئے۔ جب گوالیر تقریباً بیس میل رہ گیا، ایک بیابان میں پہنچے۔ وہاں بہت سے ہنود جمع ہوگئے قریب تھا کہ وہ لوٹ مار شروع کردیں۔ ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور تسبیح و تہلیل و تحمید میں مشغول ہوگئے۔ ناگاہ گوالیر کی طرف سے ایک فوج نمودار ہوئی۔ ساتھیوں کو بڑی سخت تشویش ہوئی۔ اور گمان ہوا کہ شاید ہنود کی معاونت کے لیے آرہی ہے۔ جونہی آنے والی فوج کی نظر حضرت مخدوم قدس سرہ پر پڑی سب کے سب گھوڑوں سے اتر پڑے۔ حضرت مخدومؒ و مخدوم زادگاں اور سب ساتھیوں نیز ابوالمعالی مولانا محمد، مولانا محمد معلم، مولانا شیخو، سید تاج الدین اور مولانا محمد بسد تراش وغیرہم نے پہچانا کہ مولانا علاء الدین گوالیری استقبال کو آئے ہیں۔ سب باغ باغ ہوگئے۔ اور ہنود مقہور و مردود ہوئے۔

مولانا علاء الدین گوالیری کا ایثار: ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو گوالیری میں رونق افروز ہوئے۔ حضرت مولانا علاء الدین نے اپنا مکان خالی کر رکھا تھا، وہاں آپ نے نزول فرمایا، حضرت مولانا علاء الدین نے قافلے کی دعوت کی۔

دوسرے دن مولانا علاء الدین گوالیری نے ایک فہرست جس میں اپنا نام، اپنے فرزندوں اور اہل خانہ کے نام لکھے تھے حضرت مخدومؒ کی خدمت میں پیش کی ہم سب کو فروخت کرکے کام میں لائیں۔ اور دیگر تمام غلام، گھوڑے اور مویشی اور وہ سب غلہ جو گھر میں تھا نقد روپیہ اور کتابیں سب خدمت میں پیش کردیں۔

ان سب میں سے کچھ نقد روپیہ، غلہ، گھوڑے اور چند کتابیں آپ نے قبول فرمائیں۔ مولانا پر بہت مہربانی فرمائی اور بغلگیر ہوئے اپنا سینہ ان کے سینے سے ملایا اور فرمایا تمہاری اولاد میری اولاد ہے۔

حضرت مولانا علاء الدین کے بیٹے مولانا ابوالفتح جو مغلوں کے حملے سے دوسال پہلے مرید ہو چکے تھے گوالیر میں انہوں نے حضرت سے تجدید بیعت کی۔

مولانا علاء الدین کی خلافت یابی: ۱۷ جمادی الثانی ۸۰۱ھ کو حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ بھاندیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اُسی دن حضرت مولانا علاء الدین کوجامہء خلافت عطا فرمایا۔ مولانا حمید الدین مفتیء دہلی سے جو حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ کے مریدوں میں سے تھے اور شریک سفر تھے خلافت نامہ لکھوایا۔ مولانا حمید نے حضرت مخدومؒ سے عرض کیا کہ اب تک حضرت نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی اور مخدوم زادوں کو بھی اجازت نہیں ہوئی۔ مولانا علاء الدین کو سب سے پہلے خلافت کیسے عطا فرمارہے ہیں۔ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ نے فرمایا اے مولانا حمید کیا میں اپنی طرف سے (خلافت) دے رہاہوں۔ مجھے تو فرمایا گیاہے کہ مولانا علاء الدین کو خلافت دو۔ اس لیے دے رہا ہوں۔ اگر میں اپنی خواہش پر عمل کروں توپہلے اپنے بیٹوں کو خلافت دوں۔ اس کے بعد حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ نے خلافت نامہ املا کرایا اور مولانا حمید نے تحریر کیا۔

بھاندیر: اس کے بعد گوالیر سے بھاندیر اور بھاندیر سے ایرچہ تشریف لائے۔ جب آپ بھاندیر میں تھے ایک بڑے عالم مولانا ذوالقرنین جو شیخ الاسلام نصیر الدین اودھی قدس اللہ سرہ کے مرید تھے کے فرزندوں، بہت سے افغانوں اور ان کے بیٹوں، اور وہاں کے خیلداروں نے آپ سے بیعت کی۔ اس مقام کا حاکم مظفر خاں بھی آپ کے استقبال کو آیا۔

ایرچہ: جب آپ ایرچہ پہنچے تو خوانین وملوک اور علماء مشائخ کی ایک کثیر تعداد نے استقبال کیا اور ملاقات کو حاضر ہوئے۔ مثلاً سید اکرام، سید مہمان، مولانا امیر الدین، قاضی برہان الدین، سید احسن، شیخ خوند میر اور اس مقام کے حاکم سلیمان خاں وغیرہ خلقِ کثیر بیعت سے مشرف ہوئی۔ شیخ الاسلام ایرچہ کے صاحبزادے شیخ خوند میر اپنے بھائیوں سمیت بیعت ہوئے۔

چھترہ: وہاں سے چھترہ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی خلقِ کثیر بیعت ہوئی۔ قاضی اسحاق، محمد

رکن مفتی چھترہ اور ان کے بھائی، قاضی سلیمان اور ان کے دوسرے بھائی، حضرت قاضی القضاۃ قاضی منہاج الدین مدرس اور حاکم چھترہ کے بیٹے بھی مرید ہوئے۔ وہاں کے باشندوں کا ایک بہت بڑا ہجوم تھا سب نے بیعت کی۔

چندیری :وہاں سے چندیری تشریف فرماہوئے۔ مخدوم خواجہ یعقوبؒ چندیروی کے صاحبزادے حضرت شیخ نصیر الدین نے استقبال کیا۔ اپنے گھر لاکر ٹھہرایا۔ وہاں پر مفتی چندیری کے صاحبزادے جو بڑے عالم تھے اور قاضی خواجگی کہلاتے تھے نیز دوسرے لوگوں نے بیعت کی۔ شیخ نصیر الدین چندیروی نے تلقین ذکر کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ تلقین ذکر میں میری ایک روش ہے کہ طالبین ایندھن کا گٹھا (جنگل سے سر پر اٹھا)لاتے ہیں تب میں تلقین کرتا ہوں۔ تم شیخ اور شیخ زادہ ہو اور اس جگہ کے صاحبِ صدر ہو ایندھن کا گٹھا نہیں لاسکوگے جس شغل میں ہو اُسی میں مشغول رہو۔

بڑودہ: پھر وہاں سے آپ نے روانگی اختیار فرمائی اور میاندھار ہوتے ہوئے بڑودہ تشریف لئے گئے۔ شبِ عید الفطر ۸۰۱ھ کو بڑودہ پہنچے۔ بالائے حوض فروکش ہوئے۔ آدم خاں اور ان کے لڑکے اور دوسرے لوگوں نے بڑی خاطر مدارات کی۔ چند دنوں بعد ظفر خاں و نثار خاں نے خرچہ اور عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔

قیامِ کھنبایت: ذوالقعدہ ۸۰۱ھ میں کھنبایت کو رونق بخشی۔ ظفر خاں نے تقریباً پانچ چھ کوس آگے آکر استقبال کیا۔ کافی مقدار میں فُتوح اور کندوری ساتھ لایا۔ ظفر خاں کو فرمان ہوا کہ آج کوئی ہے جو تیرا عیب تیرے منہ پر بیان کرے اور تجھے اس کی خبر کرے۔ قاضی سلیمان نے جو اس کے مقربوں میں سے تھا، کہا، خوند خاں کا کیا کہنا کسی خلافِ شرع کام کے آس پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا: میں نہیں کہتا تھا کہ یہ سب تیرے خوشامدی ہیں؟ ظفر خاں اور سب موجود ساتھیوں نے سر نیچا کرلیا۔

کچھ عرصہ آپ سرزمین گجرات میں کھنبایت اور دوسرے مقامات پر قیام پذیر رہے۔ مولانا نظام الدین صرفی جو پہلے ہی سے شرفِ بیعت رکھتے تھے اور دوسرے لوگ بھی حاضرِ خدمت ہوئے۔ شیخ سعید

کھنبایتیؒ مرید حضرت شیخ علاء الدین الندیؒ کے صاحبزادے شیخ عمر حضرت مخدومؒ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے اُن کا ایک لڑکا تھا اُسے بھی برابر ساتھ لایا کرتے تھے۔

یہاں سے دوبارہ بڑودہ تشریف لائے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر سلطان پور سے ہوتے ہوئے دولت آباد کی طرف عزم فرمایا۔

سفرِ دولت آباد: دولت آباد میں آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت سید یوسف قدس اللہ سرہ کے مزار کی زیارت فرمائی۔ جب فتح آباد عرف دیو گر پہنچے۔ عضد الملک جو اُس جگہ کا حاکم تھا۔ حاضرِ خدمت ہوا اور سلطان فیروز (بہمنی) بادشاہِ گلبر گہ کی طرف سے نذر پیش کی۔ سلطان فیروز نے سُنا تھا کہ حضرت مخدومؒ اس طرف تشریف لا رہے ہیں۔ اُس نے (حاکم کو) لکھا تھا ہماری طرف سے نذر لیجا کر خدمت میں پیش کرو۔

قصد گلبر گہ: پھر وہاں سے دارالسلطنت احسن آباد عرف گلبر گہ کا قصد فرمایا۔ سلطان فیروز (بہمنی) لشکر کے ساتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ راہ میں حاضر ہو کر حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ کی خدمت میں باسرار عرض کیا کہ گلبر گہ کی سکونت اختیار فرمائیں۔ حضرت مخدومؒ تھوڑی دیر مراقب ہوئے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے چاہا تھا کہ تمہاری بات مان لیں لیکن تمہاری عمر بہت تھوڑی باقی رہ گئی ہے۔ پس اگر میں گلبر گہ میں رہوں گا اور تم نہ ہوگے تو پھر کیا راحت ملے گی۔ سلطان فیروز (بہمنی) نے فوراً عرض کیا اگر میری عمر تھوڑی باقی رہ گئی ہے لیکن حضرت مخدومؒ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا تو کر سکتے ہیں کہ میری عمر بڑھ جائے۔ ارشاد فرمایا: ہاں، ایسا کر سکتا ہوں، آج رات میں مشغول ہوں گا، کل آؤ جواب دوں گا، سلطان واپس چلا گیا، دوسرے دن پھر آیا۔ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کھڑے ہو کر کیفیت مذکور کے لیے التماس کی۔ ارشاد فرمایا: آج رات تمہارے واسطے مزید عمر کے لیے دعا کی تو فرمان ہوا کہ ہم نے اُس کی عمر زیادہ کردی جبتک تم جیوگے وہ بھی زندہ رہے گا، اور واقعتہً ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ حضرت مخدومؒ گلبر گہ میں جلوہ افروز ہوئے اور سکونت اختیار فرمائی۔

وصال: جب آپ کی عمر شریف ایک سو پانچ سال چار ماہ اور بارہ روز کی ہوئی تو ۱۶ ذوالقعدہ ۸۲۵ھ بروز دوشنبہ وقت اشراق وچاشت کے درمیان اس سرائے فانی سے اُس جہانِ باقی کی طرف رحلت فرمائی۔ رضی اللہ عنہ۔

اے اللہ اے اکرم الاکرمین تیرے کرم سے ان کے اور ان کے اجداد کے زمرے میں ہمارا حشر ہو۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مولانا بہاء الدین امام مجھے غسل دیں اور مولانا سراج الدین پانی ڈالیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت مخدومؒ کا سالِ وفات ''مخدومِ دین ودنیا'' سے ۸۲۵ نکلتا ہے۔

فضائل

حضرت مخدومؒ کا مقام و مرتبہ احاطہء تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامیؒ وخواجہ جنید بغدادیؒ اور دیگر بزرگوں کے جو حالات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور کانوں تک پہنچے ہیں وہ سب آپ سے ظاہر ہوئے۔ آپ کی روش متقدمین کے طرز پر تھی۔

حضرت نصیر الدینؒ چراغ دہلی کے بعد حضرت سید محمد گیسودرازؒ کے ذکر کی طرف بڑھتے ہوئے ابوالحسن علی ندوی اپنی معروف کتاب تاریخ دعوت وعزیمت:۳/ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں۔

''پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا، جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطر کردیا، یعنی حضرت سیّد محمد گیسودرازؒ مدفون گلبرگہ (۸۲۵ھ) جن کے متعلق کسی صاحب نظر نے کہا ہے:

ہر کو مرید سیّد گیسودراز شد واللہ خلاف نیست کہ او عشقِ باز شد''

حضرت سید گیسودراز کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک بیّن دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان کی خدمت میں روحانی استفادہ کے لیے تشریف لائے،

وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''چوں بشرف ملازمت حضرت میر سید محمد گیسودراز مشرف شدم آں مقدار حقائق ومعارف کہ از خدمت وے بحصول پیوست اند ہیچ مشائخ دیگر نبود، سبحان اللہ چہ جذبہ قوی داشتہ اند''

حضرت سید اشرف جہانگیر اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

''در سیر نخستیں کہ بجانب دیارد کن واقع شد ملازمت حضرت میر سید محمد گیسودراز کردیم بغایت عالیشان یافتم، و تصنیفات بسیار از آنحضرت سر برزدہ ودر آخر مصنفات حضرت میر است کہ در وحد توحود مطلق ایمای نسبت صاحب فصوص کردہ اند این فقیر تغیر مزاج کردہ با نواع دلائل عقلی و نقلی نشان خاطر

آنحضرت نمودہ، اما فرجہ نیافت کہ در تصنیف اصلاح کردہ آید"[1]۔

استغراق کامل: یارانِ معتبر اور مریدان معتمد سے سنا گیا ہے کہ حضرت مخدومؒ کو ابتدائے حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا استغراق تھا کہ کھانے پینے کی کچھ خبر نہ تھی۔ دو گانہ، دوازدہ گانہ اور پانزدہ گانہ طے کے روزے رکھا کرتے تھے۔ زیادہ تر صومِ دوام رکھتے تھے۔

آپ ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت شیخ نصیر الدین قدس اللہ سرہ نے پہلی مرتبہ جب مجھے روزہ کیلئے فرمایا، آخر شب میں میرا دل بے قرار ہو گیا جیسے جان نکلنے لگی۔ آخر میں نے صبر کیا۔ اس کے بعد میرے دل کو متلی ہوئی اور میں نے قے کی۔ تو گولی کی شکل میں ایک چیز میرے حلق سے باہر گری۔ ہر چند میں نے اُسے توڑنا چاہا لیکن نہ ٹوٹی۔ میں نے اُسے دور ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے بعد مجھے بھوک لگنی بالکل موقوف ہو گئی میں گرمی کے موسم میں طے کے روزے رکھتا تھا لیکن ہر گز کوئی ضعف پیدا نہیں ہوتا تھا۔

خطاب من جانب اللہ: جناب مخدومؒ کا خطاب من جانب اللہ "ولی الاکبر" تھا قطب ابدال شیخ نور الدین پائزاد آپ کو سید محمد صادق کہا کرتے تھے۔

ایام طفولیّت سے لے کر بیعتِ شیخ کے زمانہ تک عالمِ غیب کا ایک شخص آپ کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ اگر بتقاضائے بشری کسی نامشروع کام کا ذرا سا قصد بھی آپ کے دل میں پیدا ہوتا تو وہ شخص مانع ہو جاتا۔

ابدالوں اور مردان غیب سے ملاقات: اکثر آپ پہاڑوں اور ویرانوں میں مشغول بحق رہا کرتے تھے اور اگر شہر میں تشریف لاتے تو کسی کی جانب نظر نہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ آپ کو سید دیوانہ کہتے تھے۔ ابدالوں اور مردانِ غیب سے اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ذکر ابدالاں جو آپ بعض مریدین کو تلقین فرماتے تھے انھیں سے حاصل کیا تھا اور بعض ابدال حضرت مخدومؒ کے مرید تھے۔ مثلاً فخر الدین، چھجو اور اسفند یار وغیرہ جو اپنے قطب شیخ نور الدین پائزاد کے اذن سے بیعت ہوئے تھے۔

لُطفہ قهرہ ، قهرہ لطفہ: فرمایا: ایک دفعہ میں کھنبایت سے پٹّن جارہا تھا امساکِ باراں تھا۔ مویشی بہت مارے گئے تھے۔ جانور انہیں کھا رہے تھے ایک کوّا شاخ پر بیٹھا ہوا کھا رہا تھا۔

---

[1] بحوالہ مراۃ الاسرار ذکر حضرت سید گیسودراز۔

یاواسع المغفرۃ وسعت اے اللہ تیری مغفرت بڑی وسیع ہے اے رحیم،
علینا رزقاً بفضلك یا اے وہاب اے کریم اے توّاب تونے اپنے
وهّاب یاکریم یا توّاب فضل سے ہم پر ہمارا رزق وسیع کر دیاہے۔

میں نے تعجب کیا کہ اس زمین کے رہنے والوں پر تو مصیبت آئی ہوئی ہے اور کوّے رزق و نعمت کی کشادگی پر اور زیادہ شکر ادا کررہے ہیں۔ میں نے جان لیا کہ لطفه قهره، قهره لطفه (اس کا لطف قہر ہے اور اس کا قہر لطف ہے)۔

رکن الدین ابدال سے ملاقات: ایک مرتبہ حضرت مخدومؒ گھر سے باہر تشریف لے جارہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص پرانی دہلی کی جامع مسجد کے نزدیک قے کررہاہے اور گوشت کی بوٹیاں اگل رہاہے ایک خارش زدہ بیمار کتا ان کو کھارہاہے۔ اور لوگ جو اس راہ سے گزر رہے ہیں اس شخص کو گالیاں دے رہے ہیں۔ جب وہ فارغ ہو گیا وہاں سے ایک تالاب کی طرف چلا گیا۔

حضرت مخدومؒ نے اُس کی پیشانی پر آثارِ معرفت دیکھے۔ اُس کے پیچھے پیچھے ہولیے۔ آخر کار اس کو پالیا وہ شخص حوض پر آیا وضو کیا۔ کلی کرنے میں اس نے بہت مبالغہ کیا پھر دوگانہ ادا کیا۔ حضرت مخدومؒ نے اس سے فرمایا تمہیں اُس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تمہیں اور مجھے پیدا کیا اور تمہاری پیشانی پر آثارِ نعمت ہویدا فرمائے، مجھے بتاؤ تم کون ہو۔ اُس نے کہاآپ نے قسم دے دی اب ناچار اپنا حال کہنا پڑ گیاہے۔ میں ابدالوں کی جماعت کا ایک فرد ہوں۔ رکن الدین میران نام ہے میں یہاں سے تقریباً ایک ہزار کوس پر تھامجھے حکم ملا کہ جامع مسجد پرانی دہلی کے دروازے پر ایک خارش زدہ بیمار کتا ہے آج اس کا رزق چند پیالے شوربا اور گوشت کی چند بوٹیاں ہم نے فلاں جگہ سے مقرر کیاہے۔ اُن کا برتن تیرا پیٹ ہے تو وہاں جا اور اس گوشت اور شوربے کو کھالے پھر جا کراس کتے کو کھلا۔ بضرورت آیا ہوں، مجھے جیسے فرمایا گیامیں نے کردیا۔ آپ نے دیکھا کہ لوگوں نے کیا کیاکہا۔ لازم ہے کہ تحمل کیاجائے۔

بعد میں حضرت مخدومؒ نے اُس سے محبت کی گرہ باندھی اور بھائی چارہ کیا اور اُس سے بہت سے اشغال باطنی حاصل کیے۔

حضرت گنج شکرؒ کے مزار پر حاضری: ایک دفعہ شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ روحہ کی

زیارت کے لیے اجودھن تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ منور نواسہء شیخ فرید الدینؒ نے حضرت مخدومؒ کو حضرت شیخ کے روضے میں ٹھہرنے کی جگہ دی۔ وہاں آپ فروکش ہوئے۔ ایک دن حضرت مخدوم وہاں مشغول بحق تھے۔ ناگاہ شیخ منور کا کوئی آدمی وہاں آیا کیا دیکھتا ہے کہ سر علیحدہ پڑا ہے اور ہاتھ الگ۔ وہ باہر آیا اور چلایا کہ حضرت سید محمد حسینی کو کسی نے مارڈالا بہت سے لوگ دوڑے آئے۔ دیکھا کہ بالکل ٹھیک قبلہ رو تشریف فرماہیں۔ یہ قصہ حضرت شیخ منور کی خانقاہ میں مشہور ہے۔

تجلی صفتِ رضا: جس وقت مولانا ابوالفتح کو ذکر ومراقبہ کی تلقین ہوئی۔ تو مخدوم زادگان و یارانِ طریقت مثلاً مخدوم زادہ میاں ید اللہ ومیاں سفیر اللہ ومیاں احمد ومیاں ابن الرسول وقاضی راجہ و شیخ شہاب الدین شیخ زادہ، خواجہ احمد دبیرو مولانا بہاء الدین امام ومولاناسراج الدین خادم و قاضی سیف الدین وسید تاج الدین وملک مبارک وملک عثمان و شیخ حمید ومولانا فخرالدین نواسہء مولانا فخرالدین زرّادی سب کو بعد فراغت تلقین واپس فرمادیا لیکن مولانا ابوالفتح کو بٹھائے رکھا۔ ان سے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جب میں تجھے تلقین کررہا تھا اور سب یارانِ طریقت حلقہ میں بیٹھے ذِکر کررہے تھے۔ حق تعالیٰ نے مجھ پر اپنی صفت رضا کی تجلی فرمائی۔ اس کے بعد مولانا مذکور کو شانہ دان سے اپنا شانہ مرحمت فرمایا اور واپس فرمادیا۔

ایک دوسرے وقت حضرت ابوالفتح نے عرض کیا کہ عرصہ ہوا حضرت مخدوم کے صدقے سے کوئی چیز بخشش نہیں ہوئی۔ فرمایا ''جاؤآج رات مشغول رہو اپنا مطلب پالوگے''۔ مولانا کو اس رات میں عظیم چیزیں حاصل ہوئیں جو بیان سے باہر ہیں۔

نورِ فراست: جس زمانہ میں حضرت مخدومؒ دہلی میں تھے۔ مغلوں کے حملوں سے دو تین سال پیشتر آپ نے سب کو مطلع کردیا تھا کہ اس مقام کے لیے بلا نامزد ہوچکی ہے۔ یہ مقام تباہ ہوجائے گا۔ جس سے ہوسکے باہر چلاجائے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم لوگ باہر نہ جاسکوگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا ارشاد فرمایا تھا۔ ایک دن ایک ارادتمند حاضر ہوا۔ دریافت فرمایا، کس راستے سے آئے ہو؟ اُس نے کہا بازارِ کمان سے ہوکر۔ فرمایا کہ یہ بازار کمان ایسا ہوجائے گا کہ یہاں شیر رہیں گے آخر مغلوں کے ہنگامہ کے بعد وہاں شیر آکر رہا تھا۔

جب حضرت مخدومؒ گوالیر تشریف لائے۔ گوالیر کے لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت مخدومؒ یہاں سکونت اختیار فرمائیں۔ سب لوگ خدمت کریں گے۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس جگہ کے لیے بلا نامزد ہو چکی ہے۔ تم سے ہو سکے تو باہر چلے جاؤ۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ اس مقام پر کافروں نے قبضہ کر لیا۔

دہلی میں جس وقت مولانا حسین آپ کے مرید ہوئے، ان کی بہن کے داماد نے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے۔ مولانا حسین نے کہا کہ تو نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں۔ اگر دیکھو تو معلوم ہو جائے کہ سید محمد کیا چیز ہیں۔ اُس نے کہا اچھا میں اور آپ کل چلیں گے۔ دوسرے دن مولانا حسین اور ان کی بہن کے داماد حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدومؒ چوکی پر تشریف فرما تھے۔ گرمی کا موسم تھا حضرت مخدومؒ سر پر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھے جس کے کنارے سرخ تھے ہاتھ میں سرخ چمڑے کا پنکھا تھا مولانا حسین کی بہن کے داماد کے جی میں آیا کہ اگر یہ صاحبِ نعمت ہوں گے تو یہ پنکھا اور عمامہ مجھے دے دیں گے۔

حضرت مخدومؒ نے ارشاد فرمایا، مولانا سنو، بغداد میں ایک بازیگر تھا۔ وہ اپنے گدھے کو مجمع میں لا کھڑا کرتا اور کرتب دکھاتا اس کی دونوں آنکھوں پر پٹی مضبوط باندھ دیتا، پھر کہتا، تم لوگوں میں سے کوئی کسی کا سامان چرا لے تو میں اُسے پکڑلوں گا۔ کوئی کسی کا سامان چرالیتا وہ گدھے کی آنکھیں کھول دیتا اور کہتا فلاں آدمی کا سامان کسی نے چرالیا ہے۔ چور کو تلاش کرو۔ وہ گدھا سب کو سونگھتا ہوا چلتا جب چور کے پاس پہنچتا تو اس کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا اور کھینچتا ہوا بازی گر کے پاس لے آتا۔ اس (قصہ) کے بعد فرمایا کہ بڑی مشکل ہے کہ اگر کوئی اظہار کرامت کرے تو گدھے کے مانند بنے۔ اگر اظہار نہ کرے تو لوگ اُسے بے نعمت کہتے ہیں۔ مولانا یہ لو پنکھا اور عمامہ، مولانا حیران و متحیر کھڑے ہو گئے اور بیعت کی درخوست کی آپ نے قبول فرمائی۔ مرید ہوئے اور مشغولانِ حق میں سے ہو گئے۔

مولانا نصیر الدین قاسم کی بیعت: دہلی میں ایک عالم تھے مولانا نصیر الدین قاسم۔ مولانا معین الدین عمرانی کے اوّل درجے کے شاگردوں میں سے تھے۔ بیحد اہل و متقی تھے۔ مخدوم زادگان ان سے پڑھتے تھے۔ کبھی ان کے گھر جا کر پڑھتے تھے اور کبھی وہ خانقاہ میں تشریف لا کر سبق پڑھاتے۔ ابتدا میں کسی سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے آخر کار حضرت مخدومؒ کی خدمت میں آکر مرید ہو گئے۔ حضرت مولانا

معین الدین عمرانی نے سنا تو ان سے کہا مولانا تم تو عالم ہو، پھر سید محمد کے مرید کیوں ہوگئے مولانا نصیر الدین نے کہا۔ ہاں میں عالم تو تھا لیکن مسلمان سید محمد کے سامنے ہوا ہوں۔

ایک دن (مولانا نصیر الدین قاسم نے) تفرقہء باطن اور حضور قلب کے لیے التماس کی۔ حضرت مخدومؒ نے انہیں کوئی چیز فرمادی۔ چند روز بعد دریافت فرمایا کہ کچھ خطرہ ابھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جس طرح پہلے دل میں تصور حضوری محال تھا اب خطرے کا تصول محال ہے۔

معیت صفتی وذاتی: ایک دفعہ ایک ملک زادہ جو تارک ہو گیا تھا، حضرت مخدومؒ کی خدمت میں آیا۔ حضرت مخدومؒ کے دست مبارک میں اپنا تصنیف کردہ رسالہ تھا۔ ملک زادہ نے التماس کر کے رسالہ لیا اور دیکھا۔ اُس میں حضرت مخدومؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ ہمارے ساتھ حق تعالی کی معیت ذاتی ہے۔ اس ملک زادہ نے یہ جملہ یاد کرلیا۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو حضرت قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں گیا۔ ان سے عرض کیا کہ سید نے ایسا لکھا ہے کہ (مخلوق کے ساتھ) حق تعالی کی معیت ذاتی ہے۔ یہ بات کتابوں کے خلاف ہے ان میں معیّت علمی بتائی گئی ہے۔ یہ کلام درست نہیں ہے حضرت قاضی عبدالمقتدر نے فرمایا۔ ہاں اگر وہ تمہیں رسالہ نہ دکھاتے تو تم ایسا کیوں کہتے۔ اُن کی سزا یہی ہے۔

اس ملک زادہ نے اس پر اکتفا کی حتی کہ بات سلطان فیروز (تغلق) بادشاہ دہلی کے کانوں تک پہنچا دی۔ سلطان نے ملک عماد الملک کو بلا کر کہا، کہتے ہیں پرانی دہلی میں سید محمد نام ایک درویش ہیں۔ شریعت کے خلاف باتیں کہتے ہیں۔ عماد الملک نے کہا، بندہ ان کو جانتا ہے اور ان کی پابوسی کرچکا ہے اور بندہ کے لڑکے میاں جیون ومیاں شاہن ان کے مرید بھی ہیں۔ اگر فرمان ہو تو تحقیق کروں۔ حکم ہوا کہ علماء کو بلاؤ اور جمع کرو تاکہ اس مسئلہ کی تحقیق کریں، ملک عماد الملک نے کہا کہ پرانی دہلی کی جامع مسجد میں جہاں حضرت مخدومؒ نماز جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں وہیں علماء کو جمع کروں گا۔ فرمان ہوا بہتر ہے۔ نماز جمعہ کے بعد علماء جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت مخدومؒ نماز ادا کر کے واپس تشریف لے جاچکے تھے۔ عماد الملک نے کہا ان کو طلب کرنا بے ادبی ہے۔ کوئی ایک شخص ان کے ہاں چلا جائے اور دریافت کرے۔ سید علاء الدین جو شہر کے سید اجل تھے اور سید علاء الدین جیپوریؒ کے نواسے تھے نیز ان کی صاحبزادی مخدوم زادہ خُرد (سید محمد اصغر حسینی بن حضرت مخدومؒ) کے گھر میں تھی۔ سب نے کہا کہ سید اجل جائیں۔ سید اجل گئے اور عرض کی کہ بعض لوگ ایسا کہتے ہیں۔ کہ آپ

(معیت کو) معیّت ذاتی فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں سید سنو، علما معیت صفتی کہتے ہیں اور صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے، جو معیت ازروئے صفت ہوئی وہ ازروئے ذات بھی ہوئی اور پھر یہ معیت اعتباری ہے نہ حقیقی اور اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں (ایک ہی چیز ہے) سب نے قبول کیا۔ آپ کی عظمت شان کی وجہ سے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ آپ کے سامنے تردید کرتا۔

حضرت مخدوم کے فضائل معرضِ تحریر اور حد تقریر سے متجاوز ہیں مختصر طور پر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

اگر در سرائے سعادت کس است ز گفتارِ سعدیش حرفے بس است

روشِ سلوک:

نماز باجماعت: حضرت مخدوم پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ کسی وقت بھی تنہا ایک آدمی کے ساتھ ادا نہیں فرمائی۔ گلبرگہ میں حضرت مولانا بہاء الدین امام امامت کرتے تھے اور مولانا قطب الدین اذان کہتے تھے۔ اذان جماعت خانہ (مسجد) میں ہوا کرتی تھی۔ آپ سنت باہر ادا فرماتے اس کے بعد تکبیر ہوتی اور آپ اندر جا کر فرض ادا فرماتے اگر فرض کے بعد کوئی سنت ہوتی تو اسے بھی باہر آکر ادا فرماتے۔

معمولات: حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے اوراد پر آپ کا روزانہ عمل تھا اور مریدوں کو بھی اورادِ شیخ پر مداومت کی تلقین فرماتے۔ مولانا نور الدین نے کئی بار تلقین ذکر کی درخواست کی۔ ہر بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ کے اوراد کی پوری پُوری پابندی کرو۔ پھر میں تلقین کروں گا۔ اس کے علاوہ فجر اور عشاء کی نماز کے بعد ہمیشہ ۳۳ آیات پڑھا کرتے تھے۔ اور نمازِ فجر کے بعد آپ چہل اسم پڑھا کرتے اور بعض مریدوں کو بھی ان کی تلقین فرمائی۔ آخر زمانہ میں حضرت مخدوم زادہ میاں ید اللہ طاب عمرہ بلند آواز سے حضرت مخدومؒ کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ نماز عصر کے بعد آپ دعا استفتاح بلاناغہ پڑھا کرتے تھے ان دنوں یہ دعا میاں ید اللہ پڑھ کر سناتے تھے۔

حضرت شیخ (نصیر الدینؒ) کے فرمان کے مطابق ہر روز نماز ظہر کے بعد تلاوت کرتے تھے۔ تلاوت کے ساتھ مراقبہ فرماتے جیسا کہ اس کام کے کرنے والے جانتے ہیں۔ آخر عمر میں حضرت مولانا بہاء الدین امام بلند آواز سے تلاوت کرتے اور آپ سنتے تھے۔

اشراق وچاشت فئ الزوال اور تہجد تمام وکمال آپ ادا فرماتے تھے، آخر عمر میں قیام کی طاقت نہیں رہ گئی تھی اس لیے فرائض و نوافل سب بیٹھ کر ادا فرماتے۔

حضرت مخدومؒ دوپہر کو قیلولہ کرتے تھے اور فرماتے تھے جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا وہ شب بیداری کی نیت نہیں رکھتا۔ ساری رات چاہتا ہے کہ پڑا سوتا رہے۔

تہجد کے بعد آپ ذکر میں مشغول ہوتے۔ زیادہ تر ذکر دو حلقی کرتے۔ بار بار آپ ارشاد فرماتے تھے، جس کسی کو فتحِ باب ہوا ذکرو مراقبہ سے ہوا۔ لوگوں نے برسوں نماز، روزہ اور تلاوت میں گزار دیے لیکن کوئی راستہ نہ ملا اس لیے کہ وہ ذکرو مراقبہ سے غافل رہے۔

حضرت شیخ الشیوخ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی) قدس اللہ سرہ کے اوراد پر آپ کا عمل تھا، جوانی کے ابتدائی زمانہ میں صومِ دوام رکھتے تھے۔ آخر میں ایّام بیض کے روزوں اور اوراد و ظائف کا معمول تھا۔

جمعہ کے دن غسل فرماتے تھے اور بلاناغہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔ مسجد میں جا کر چھ رکعت نماز تین سلام کے ساتھ ادا فرماتے۔ سلام کے بعد بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔

سماع بالمزا امیر پر شیخ کی تنبیہ: سماع میں چشتیوں کی سی رغبت رکھتے تھے۔ اکثر اوقات آپ سید نصیر خلیفہء شیخ برہان الدین غریب کے ہاں تشریف لے جایا کرتے۔ ان سے قرابت داری بھی تھی۔

حضرت مخدوم فرماتے تھے ایک دفعہ، مولانا صلاح الدین اور مولانا علاء الدین نے اتفاق کیا کہ ایک بار ایسا سماع سنیں کہ اس میں جملہ مزامیر ہوں۔ مولانا صلاح الدین کا گھر تجویز کیا گیا۔ تمام مزامیر وہاں جمع کیے۔ دروازہ ہم نے بند کر دیا۔ دیواریں اونچی تھیں۔ تین رات دن ہم نے سماع سنا خلقت نے گھر کے گردا گرد ہجوم کیا۔ یہ خبر حضرت شیخ (نصیر الدینؒ) تک پہنچی۔ جب ہم حاضر خدمت ہوئے تو ارشاد فرمایا سید محمد ایسا سماع مت سنا کرو۔ اس وقت سے پھر ہم نے مزامیر نہیں سنے۔

سماع شعر و غزل اور قول و ابیاتِ فارسی پر مشتمل ہوتا۔ آپ فرماتے تھے کہ میری فتحِ کار کثرتِ تلاوت اور سماع سے ہوئی ہے۔

تدریس و تصنیف: آپ دو وقت سبق پڑھایا کرتے تھے۔ ایک چاشت کے وقت، دوسرے بعد نمازِ ظہر تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد۔ زیادہ تر علمِ تفسیر و حدیث اور سلوک کا درس دیتے اور کبھی کبھی علمِ کلام و علمِ فقہ کا۔ اگر کوئی چیز تصنیف فرماتے تو فئ زوال ادا کرنے کے بعد لکھواتے۔

صورت بیعت: صورت بیعت اس طرح پر تھی کہ اپنا دست مبارک مرید کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور فرماتے کہ تم نے عہد کیا اس ضعیف سے اور اس ضعیف کے خواجہ سے اور خواجہ کے خواجہ اور تمام مشائخِ طبقات رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہ آنکھ اور زبان کی حفاظت کروگے اور جادۂ شریعت پر چلو گے، تم نے یہ سب قبول کیا۔ مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا۔ پھر آپ ارشاد فرماتے الحمد للہ۔ اس کے بعد قینچی دستِ مبارک میں لیتے اور تکبیر فرماتے اور داہنی طرف سے کان کے قریب کے تھوڑے سے بال تراش لیتے پھر تھوڑے سے بال بائیں جانب سے۔ اس کے بعد تکبیر فرماتے ہوئے ٹوپی اُس کے سر پر رکھ دیتے۔ مرید چلا جاتا اور دوگانہ ادا کرتا۔ پھر آتا اور نذر لاکر پیش کرتا۔

ارشاد و تلقین: پھر آپ ارشاد فرماتے کہ پانچوں وقت نماز باجماعت پڑھا کرو۔ نماز مغرب کے بعد چھ رکعت نماز اوّابین تین سلام کے ساتھ ادا کیا کرو۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھا کرو۔ اس کے بعد دو رکعت مزید برائے حفظ ایمان۔ اس طرح کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص سات مرتبہ اور معوذتین تین تین مرتبہ پڑھو۔ سلام کے بعد سر بسجدہ ہو کر تین بار **ياحيُّ ياقيّوم ثبّتْني على الإيمان** کہو۔ نمازِ عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو رکعت پڑھا کرو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص دس بار۔ سلام کے بعد ستر مرتبہ یاوَهّابُ یاوَهّابُ یاوَهّابُ پڑھا کرو۔ اگر ہو سکے تو ہر مہینے میں ایام بیض کے روزے رکھا کرو۔

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مرید جمع ہوتے اور تجدید بیعت کرتے آپ انہیں پہلے سے زیادہ عمل کا حکم فرماتے۔ آپ ان سے دریافت فرماتے کہ تم پہلے (تلقین کردہ) اوراد میں مشغول رہے اور التزام کیا، اس سے کچھ فائدہ نظر آتا ہے؟ پھر بہت سی چیزیں مزید ارشاد فرماتے کہ اس طرح کرو اور مشغول رہو۔

خانقاہ کے لیل و نہار: حضرت مخدومؒ ہمیشہ نہالچہ پر بیٹھا کرتے تھے اور کسی کے لیے (تعظیماً) کھڑے نہ ہوتے، مگر صرف بادشاہ کے لیے۔ فرماتے تھے کہ تم اولی الامر ہو اس وجہ سے تمہارے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک روز پہلے پیغام بھیج دیتا تھا۔ آپ فرماتے کہ فلاں دن آؤ۔ پہلے سے آپ کھانے کا حکم فرماتے۔ جب بادشاہ آتا تو دستر خوان بچھایا جاتا۔ وہ کھانا کھا کر واپس جاتا اور تبرک بھی ساتھ لے جاتا۔

دستر خوان کا دستور یہ تھا کہ ہر آدمی کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتی تھیں۔ اور ایک صحنک میں سالن دو دوآدمی شریک ہو کر کھاتے۔ ایک ایک پیالہ آش کا ہر ایک کے سامنے رکھاجاتا۔ کھانے کے دوران میں پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوجاتے۔ تو ہر آدمی اپنا بچا ہوا حصہ صحنک اور آش کا پیالہ اٹھالے جاتا۔

اشراق کے بعد آپ صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد سبق میں مشغول ہو جاتے، علم تفسیر وحدیث اور سلوک کا درس دیتے کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ کا۔ نماز ظہر کے بعد بھی تلاوت سے فارغ ہو کر سبق پڑھاتے۔

جن دنوں مؤلف سَیرِ محمدی (مولانا محمد علی سامانی) گلبر گہ میں تھا قاضی راجا حضرت مخدومؒ کی تصنیف کردہ تفسیر پڑھتے تھے۔ شیخ زادہ شہاب الدین قوت القلوب، اور مولانا ابوالفتح تعرُّف حضرت مخدومؒ کی شرح کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت مخدومؒ کے برادر زادہ سید احمد کے بیٹے سید اصغر کشاف، اور ملک قطبی مستوفی علاقہ چیکنی کے لڑکے ملک زادہ عزّالدین اور ملک زادہ شہاب الدین آداب المریدین پڑھتے تھے۔ مخدومؒ زادہ میاں یداللہ مصباح پڑھتے تھے اس کے بعد کافیہ شروع کی تھی۔ مخدوم زادہ میاں سفیر اللہ تصریف پنج گنج پڑھتے تھے۔

نماز عشاء کے بعد دستر خوان بچھایاجاتا۔ سب صوفی اور مرید جمع ہوجاتے تقریباً چالیس رکابیوں کی روٹیاں کبھی کم کبھی زیادہ دستر خوان پر رکھی جاتیں۔ آش کا ایک پیالہ حضرت مخدومؒ کے حضور میں رکھا جاتا آپ اس میں تھوڑاسا نوش فرماتے، باقی جس پر نظر عنایت ہوتی اس کو مرحمت فرمادیتے۔

(حضرت مخدومؒ کے) دائیں طرف مخدوم زادگان، برادرزدگان اور قرابتدار بیٹھتے تھے، بائیں طرف مریدانِ خاص پھر اس کے بعد دونوں طرف دوسرے مرید ومعتقدین بیٹھتے تھے۔

تلقینات

ابتدائے حال میں مریدوں کو آپ کی تلقین یہ تھی کہ ہر روز حضرت شیخ الشیوخ (شیخ نصیر الدین چراغ دہلی) قدس اللہ سرہ العزیز کے اوراد کو معمول بنائیں۔ بعد ازاں اگر کوئی بلند ہمت ہوتا اور چاہتا کہ اس طائفہء صوفیا کی روش اختیار کرے اور اُن کے مقامات پر فائز ہوجائے۔ تواُسے ذکرومراقبہ تلقین فرماتے۔

حضرت مخدومؒ نہالچہ پر تشریف فرما ہوتے اور مرین دنوں طرف بیٹھتے اور جس کو تلقین کرنی ہوتی

تھی وہ مجمع کے درمیان حضرت مخدومؒ کے سامنے نزدیک ہی بیٹھتا۔ پہلے آپ خود ذکر فرماتے پھر وہ ذکر کرتا جو آپ کے دائیں جانب ہوتا اُس کے بعد وہ جو بائیں جانب ہوتا۔

اسی طرح آخر تک سب کے بعد آپ اسے ارشاد فرماتے کہ اب تم بھی ذکر کرو جیسے ان لوگوں نے کیا ہے۔ پھر آپ اسے کوئی چیز عطا فرماتے اور واپس کردیتے اول ذکر دو حلقی ذکر فنا و بقا اور مراقبہ علم تلقین فرماتے تھے۔ بعد ازاں اس کے حسب حال اس پر لطف و مرحمت فرماتے اور دوسرے اذکار بتدریج تلقین فرماتے مثلاً یک رکنی، دورکنی، سہ رکنی، چہاررکنی، ذکر شیخ خالد، ذکر سہروردیاں، ذکر ہندی جو حضرت شیخ فرید الدین (گنج شکر) کا خاصہ ہے اور ذکر اجابت، ذکر طریقت، ذکر کشف ارواح، کشف قبور، ذکر ابدال، ذکر لا اله إلا هو ذکر ربوبیت، ذکر الوہیت، ذکر صمدیت، ياحيّ ياقيّوم، ذکر جبرائیل، ذکر کبریائی، ذکر وحدت ذکر متکلم ذکر مخاطب اور دوسرے اذکار و مراقبات۔ مزید مراقبات بتدریج تلقین فرماتے تھے۔ مثلاً مرا بقہء معیّت مراقبہء طریقت، مراقبہء قرب، مُراقبہ احاطت، مراقبہ افعال، مراقبہء صفات، مراقبہء ذات، مراقبہء استواء، مراقبہء فنا، مراقبہء شہور، مراقبہء وجود، مراقبہء تصور، مراقبہ جمال، مراقبہء آئینہ، مراقبہ ہوئیت، مراقبہ فردانیت، مراقبہء صمدیت، مراقبہء امانت، مراقبہء ہئیت، مراقبہء وجہ اللہ اور دیگر مراقبات کو اس سے زیادہ بیان کرنا خلاف مصلحت ہے اس لیے نااہل اس کلام کو دستاویز بنالیں گے اور خود اس کام کا کرنے والا ظاہر کریں گے اگرچہ مغیبات کا جاننا سوائے اس کے جو اس کام کا محرم راز اور اس حال کا لذّت شناس ہے، دوسرے کے لیے ممکن نہیں ہے۔

یہ تمام اذکار و مراقبات حضرت مخدومؒ زادگان، حضرت مولانا علاء الدین، خواجہ احمد دبیر، مولانا ابوالفتح قاضی راجا اور بعض دوسرے یاران طریقت جانتے ہیں اور وہ ان سے ثمرات حاصل کرتے ہیں۔

هنيئاً لارباب النعيم نعيمهم　　ارباب نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین

وللعاشق المسكين لا يتجرّع　　کو جو مصائب برداشت کررہا ہے مبارک رہیں۔

آپ ذکر خفی بھی تلقین فرماتے تھے جس میں ضرب کا اظہار نہیں ہوتا لیکن ذکر میں ضرب کا خیال ملحوظ رکھتے ہیں۔ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ دل میں اتر جائے اور جب دل میں اتر جائے تو زبان کو بند کر لو۔ کہ الذّکر باللسان لقلقة کہ زبان کے ساتھ ذکر کرنا لقلقہ میں داخل ہے اور جب ذکر میں راز کی بات پیدا ہو جائے تو دل کو خاموش کردو کہ الذكر بالقلب وسوسة ذکر

بالقلب بھی وسوسہ ہے۔ الذکر بالسرّ معاینۃ ذکرِ بالسر مشاہدہ ہے اور چاہیے کہ سانس روک کردں پر ضرب قوّت سے لگائی جائے تاکہ دل کی چربی پگھل جائے اور دل کا منہ کھل جائے اور جب فتحِ باب ہوجائے تو مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔ فتح کے بعد پھر رجعت نہیں ہے بعض اوقات کسی پر آپ کی نظر عنایت ہوتی تو کوئی آیت اور کوئی دعا بھی تلقین فرمادیتے۔ جس طرح کہ حضرت مولانا نصیر الدین قاسم کووہ دعا جس کا آغاز اله العالمين والآخرين سے ہوتا ہے تلقین فرمائی تھی۔

حضرت مولانا علاء الدین جب گلبرگہ میں حاضر خدمت ہوئے۔ عرفہ کے دن تجدید بیعت کے بعد حضرت مخدومؒ نے کوئی خاص چیز انہیں ارشاد فرمائی کہ اس کی مداومت کریں۔ اس کو صراحت سے بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسی پر بس کرنا چاہیے۔

حضرت مخدومؒ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی میری تلقینات پر میری شرائط کے ساتھ چالیس روز مداومت کرے اور پھر فتحِ باطن کے ابتدائی حالات اور کشوفات و تجلیات اُس پر ظاہر نہ ہوں تو کل قیامت کے دن اُس کا چُنگل اور میرا دامن۔ والموفق هو الله (توفیق دینے والا وہی اللہ ہے)

اولاد واحفاد

مخدوم زادہ بزرگ سید محمد اکبر حسینیؒ

حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ کے دو بیٹے تھے، ان میں بڑے صاحبزادے زبدۂ اصحاب شریعت قدوۂ ارباب طریقت و حقیقت سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی طاب ثراہ وحسن مثواہ تھے۔ ان کے فضائل اس سے زیادہ ہیں کہ کتاب میں سما سکیں۔

تعلیم و تربیت: دونوں مخدوم زادے بڑے عالم اور صاحب استعداد تھے۔ تمام علوم معقول و منقول اساتذۂ دہلی حضرت قاضی عبدالمقتدرؒ، مخدوم مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم رحمہم اللہ سے پڑھتے تھے۔ علومِ سلوک اور ارشاد و تلقین حضرت مخدوم سے حاصل کی تھی۔

واردات: مخدوم زادۂ بزرگ کو ابتدائے حال میں خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے فرمایا مانگو جو کچھ چاہتے ہو۔ مخدوم زادۂ بزرگ نے فرمایا میرا مقصود اس قسم کا نہیں ہے کہ آپ سے مانگا جائے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ کی زیارت کے لیے گئے۔ حضرت شیخؒ کی روح سے ملاقات ہوئی تو تمام رات ان کے ساتھ یکجا رہے۔

ایک دن مولانا ابوالفتح نے حضرت مخدوم قدس سرہ کی خدمت میں گزارش کی کہ میں نے آج رات مخدوم زادہ بزرگ کو عالمِ واقعہ میں دیکھا۔ مجھے یہ ذکر تلقین کیا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے ارشاد فرمایا کہ تم پر ان کی عجب مہربانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ ذکر ان کے سوا کسی کو تلقین نہیں کیا تھا۔

رتبہء بلند: حضرت مخدومؒ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر محمد اکبر میرا بیٹا نہ ہوتا تو میں اُس کے لیے آفتابے میں پانی بھر بھر لاتا اور فرماتے تھے کہ کوئی مرید اپنے پیر سے بہتر نہیں ہوا ہے مگر دو شخص، ایک حضرت شیخ قطب الدینؒ حضرت شیخ معین الدینؒ سے، دوسرے محمد اکبر مجھ سے۔

وفات: ۱۵ ربیع الثانی ۸۱۲ھ کو چہار شنبہ (بدھ) کے دن رحلت فرمائی۔ حضرت مخدومؒ نے انہیں غسل دیا۔ فرماتے تھے میں نے (عمر بھر میں) دو آدمیوں کو غسل دیا ہے ۔ ایک اپنے خواجہ حضرت شیخ نصیر الدین (چراغ دہلی) قدس سرہ کو ان کی وصیت کی تعمیل میں دوسرے محمد اکبر کو۔

تصانیف:

مخدوم زادہ بزرگ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ تفصیل یہ ہے:

(۱) معارفِ عربی در علم نحو
(۲) شرحِ ملتقط (حضرت مخدوم قدس سرہ کی تفسیر ملتقط کی شرح)
(۳) عقیدہ (فارسی زبان میں)
(۴) رسالہء اباحتِ سماع
(۵) رسالہء اباحتِ پوشیدن کفش در مسجد
(۶) مقامات صوفیاں (عربی)
(۷) تصریفِ مالکی
(۸) شرحِ سوانح
(۹) رسالہء فارسی در علم صرف
(۱۰) ملفوظ حضرت مخدوم قدس سرہ، دو نسخے۔ ایک دہلی میں اور دوسرا گجرات میں قلمبند کیا۔

اولاد: مخدوم زادہ بزرگ کی شادی سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی حاتم خاں کے نواسے ملک چھجو کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

آپ کے ایک فرزند ہیں مخدوم زادہ میاں شاہ سفیر اللہ۔ اُن کی شادی مخدوم زادہ خُرد (محمد اصغر حسینی) کی صاحبزادی سے ہوئی ہے اور ایک صاحبزادی جن کا عقد میاں کلمۃ اللہ سے ہوا تھا۔

مخدوم زادہ خُرد سید محمد اصغر حسینی

دوسرے مخدوم زادہ شیخ اعظم مقتدائے مکرّم جمالُ الملۃ والدین سید یوسف المعروف بہ سید محمد اصغر طاب ثراہ و حسن مثواہ تھے۔ ان کے فضائل احاطہء تحریر و تقریر سے متجاوز ہیں۔

حالات و کیفیات: سات برس کی عمر میں حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ سے عرض کیا کرتے تھے کہ بعض صوفی کہتے ہیں ہم خدا کو دیکھتے ہیں آپ مجھے بھی خدائے تبارک و تعالیٰ دکھا دیجئے۔ اُسی زمانہ سے آپ سلوک میں مشغول ہوگئے۔ کشوف و تجلیات جلالی و جمالی آپ کو حاصل ہو گئیں اور حقیقت اشیاء کماحقہ آپ پر منکشف ہو گئیں۔

ایک دن مولانا ابوالفتح نے آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ بندہ کے والد مولانا علاء الدین گوالیریؒ حضرت مخدوم قدس سرہ کے منظورِ نظر تھے۔ حضرت مخدوم زادہ بزرگ بھی ان پر لطف و شفقت فرماتے تھے۔ اگر مخدوم زادہء خُرد اس غلام پر مہربانی فرمائیں تو ان اسرار سے جو حضرت مخدوم سے حاصل کئے ہیں کچھ حصہ مجھے عنایت فرمائیں۔ مخدوم زادہء خرُد نے ارشاد فرمایا، مولانا، حضرت مخدومؒ آپ کے حق میں کمی نہیں فرماتے ہیں۔ وہ کافی ہے۔ مولانا ابوالفتح نے پھر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ آج تم جماعت خانہ میں ٹھیرنا تمہیں کچھ بتاؤں گا۔ نمازِ عصر کے بعد آپ گھر سے باہر تشرف لائے۔ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر مولانا ابوالفتح کو آواز دی۔ مولانا ابوالفتحؒ فوراً حاضر ہوئے۔ مخدوم زادہء خُردؒ نے فرمایا، اندر آجاؤ۔ اپنے ساتھ لیے ہوئے کوٹھے پر گئے اور چھجہ میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہیں وہ ذکر تلقین فرمایا جس سے ہر شے کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ حضرت مولانا ابوالفتح نے اس سے بہت اسرار دیکھے۔

حضرت مخدوم زادہ میاں ید اللہ طال عمرہ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی مخدوم زادہء خردؒ کے مقام مشغولیت میں چلا جاتا تھا تو اُس مقام کو آپ کی ذات سے مملوّ دیکھتا تھا اور پھر آپ کو اسی جگہ بیٹھا ہوا دیکھتا تھا۔

ایک بار حضرت مخدوم زادہ خرد کوٹھے میں مشغول بحق تھے۔ مخدوم زادہ میاں یمین الرحمن کوٹھے پر چلے گئے بچوں کی طرح کھیلنے لگے بلند آواز نکالی۔ حضرت مخدوم زادہ خُرد کو خلل واقع ہوا آپ نے میاں یمین الرحمن کو اٹھایا اور کوٹھے سے نیچے زمیں پر پھینک دیا۔ گھر میں شور مچ گیا۔ اہل خانہ دوڑے۔ میاں یمین الرحمن کو اٹھایا قطعاً کہیں زخم ہوا نہ خراش آئی۔

صحبت خلق سے آپ کو بالکل نفرت تھی۔ زیادہ تر خلوت میں رہتے۔ گھوڑے اور پالکی پر سوار نہیں ہوتے تھے مسجد جامع کو پیدل تشریف لے جاتے کسی سے مصافحہ نہ فرماتے اکثر اوقات مسجد اور حوض کی طرف تنہا تشریف لے جاتے اور مشغول رہتے۔ دو آدمی آپ کے یار تھے۔ جو حضرت مخدوم قدس سرہ کے مریدوں میں سے تھے۔ خوش الحان تھے۔ آپ کے پیچھے پیچھے وہ بھی چلے جاتے اور وہاں دور رہتے۔ کبھی کبھی مخدوم زادہء خُرد ان کو طلب فرماتے اور ان سے نغمہ اور غزل سنتے۔ پھر وہ چلے جاتے اور آپ مشغول بحق ہوجاتے۔ جب لوٹتے تو انہیں ہمراہ لیے ہوئے واپس تشریف لاتے۔

اولاد: مخدوم زادہ خُرد کی شادی دہلی کے سید اجل علاء الدینؒ کی دختر سے ہوئی تھی۔ آپ کے سات فرزند تھے۔ بڑے لڑکے مخدوم زادہ مقبولِ حضرت الہ میاں یداللہ طال عمرہ تھے اُن کے بعد میاں یمین الرحمن، میاں یمین اللہ، میاں للہ، میاں باللہ، میاں مِنَ اللہ اور میاں صبغۃ اللہ۔

میاں یداللہ کی شادی میاں سالار کی صاحبزادی سے ہوئی۔ میاں یمین الرحمن کا عقد قاضی راجا کی دختر سے ہوا۔ میاں یمین اللہ اور میاں باللہ وصال فرماگئے۔ حق تعالیٰ باقی صاحبزادوں کی عمر دراز فرمائے۔

میاں زادہء خُرد سید محمد اصغر حسینیؒ کی ایک دختر بھی تھی جو مخدوم زادہ میاں سفیر اللہ ولد محمد اکبرؒ سے بیاہی گئیں۔

حضرت شاہ یداللہ حسینی

میاں یداللہ پر بچپن ہی سے آثار قبولیت و نجابت نمایاں تھے۔ اسی وجہ سے حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ ان کو کبھی کبھی "قبولا" فرمایا کرتے تھے۔

جب حضرت مخدوم بی بی کو مرض موت لاحق ہوا تو حضرت مخدومؒ نے میاں یداللہ سے ارشاد فرمایا: یداللہ، جاؤ اور مشغول ہو کر معلوم کرو کہ ان کے مرض کا انجام کیا ہوگا۔ میاں یداللہ نے آکر عرض کیا کہ اُن کی حیات زیادہ نہیں ہے۔ چند روز بعد انہوں نے وفات پائی۔

حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ میاں یداللہ کو خلوت میں اذکار و مراقبات تلقین فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ بعدہ میاں یداللہ نے عرض کیا کہ مولانا ابوالفتح سے کہوں یا نہ۔ فرمایا ان سے کہہ دینا۔ تمہارے والد اور محمد اکبر ان کے باپ یعنی مولانا علاء الدین گوالیریؒ سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ ان سے کچھ بھی نہ چھپاتے تھے۔ تم بھی ان سے کچھ نہ چھپاؤ اسی وجہ سے حضرت میاں یداللہ اور حضرت مولانا ابوالفتح اکثر قاضی سراج الدین کی قیام گاہ کی چھت پر یکجا مشغوں بحق رہتے تھے۔

ایک بار حضرت مولانا ابوالفتح مخدوم زادۂ خُرد (سید محمد اصغر حسینی) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ نے ارشاد فرمایا: مولانا ابوالفتح، یداللہ کے ساتھ یکجا مشغول رہا کرو۔ یداللہ اگرچہ چھوٹے ہیں لیکن ہمارے ہیں۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

بچۂ بطا اگرچہ دینہ بود آب دریاش تا بسینہ بود

حضرت مخدومؒ کی صاحبزادیاں

بی بی فاطمہؒ: حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ بڑی صاحبزادی بی بی فاطمہؒ عرف ستی بی بی، حضرت مخدومؒ کے بھائی حضرت سید چندنؒ کے منجھلے بیٹے میاں ابن الرسوں کے نکاح میں تھیں۔

حضرت سید چندن کے چار فرزند اور دو دختر تھیں۔ بڑے صاحبزادے سید احمد، اُن کے ایک فرزند تھے۔ سید محمد اصغر۔ (سید چندن کے) دوسرے صاحبزادے ابن الرسول تھے حضرت مخدوم قدس سرہ کی صاحبزادی سے ان کے ایک فرزند تھے میاں مثال اللہ۔ اُن کی شادی نصیر خان کے گھر میں ہوئی تھی۔ اولاد نرینہ نہیں تھی، چار صاحبزادیاں تھیں ایک سید زین العابدین کے گھر میں۔ دوسری عبدالحلیم اور تیسری سید فضل اللہ کے گھر میں چوتھی سید رسول کے قرابتداروں میں بیاہی گئیں۔

سید علیؒ (حضرت مخدوم قدس سرہ کے دادا بزرگوار) کے دو فرزند تھے۔ ایک سید یوسفؒ (حضرت مخدوم کے والد ماجد) دوسرے سید جلالؒ۔ سید جلالؒ کے فرزند شاہ علی برج العشاق، ان کے بیٹے شاہ فضل اللہ داماد بی بی فاطمہ بنت حضرت مخدوم، ان کے بیٹے شاہ محمود نواسہ بی بی فاطمہ اور شاہ محمودؒ

داماد شاہ ید اللہ۔ شاہ محمودؒ کی زوجہ بی بی منّۃ اللہؒ بنت بی بی حجۃ اللہؒ ہمشیر شاہ کلمۃ اللہؒ بن بی بی بتولؒ بنت حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ سید چندن کے تیسرے فرزند سید پیر رسولؒ تھے سید بضع رسول۔
سید چندن کی ایک صاحبزادی بنتِ رسولؒ، سید جیون حقؒ کے گھر میں تھیں۔ ان کے دو بیٹے تھے سید کبیر الدینؒ اور سید فخر الدینؒ اور وہ دہلی میں ہیں۔
سید چندن کی دوسری صاحبزادی بی بی خاتون تھیں۔

بی بی بتولؒ: حضرت مخدومؒ کی منجھلی صاحبزادی بتول سید سالار کے گھر میں تھیں اور ان کے دو فرزند تھے میاں کلمۃ اللہ، ان کی شادی مخدوم زادہء بزرگ کی دختر سے ہوئی تھی۔(اور دوسرے) میاں روح اللہ کہ انہیں سلطان احمد (بہمنی) کی طرف سے دولت خاں کا خطاب ملا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی اولاد نہیں ہوئی۔

میاں سالار کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک شمس الدین کے ہاں، دوسری میاں عبداللہ بن سید ابوالمعالی (حضرت مخدوم کے سالے) اور تیسرے مخدوم زادہ میاں ید اللہ کے گھر میں تھیں۔

بی بی امۃ الدینؒ: حضرت مخدوم کی تیسیری صاحبزادی بی بی امۃ الدّین میاں بضع رسو بن سید چندن کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ایک لڑکی تھی۔

تصانیف خواجہ دکنؒ

تصانیف در دہلی (قبل از ۸۰۱ھ) واثناء سفرِ گلبرگہ (۸۰۱ھ تا ۸۰۳ھ)
(۱) مُلتقَط: قرآن پاک کی عربی تفسیر، برنگ سلوک، دہلی میں تالیف کی۔
(۲) تفسیر بطرزِ کشّاف: پانچ پارے دہلی میں لکھے۔ ۸۰۱ھ میں حملہء تیموری کی وجہ سے نامکمل رہ گئی۔
(۳) حواشئ کشاف (۴) اشارات المشارق: ۸۰۲ھ میں بمقام بڑودہ
(۵) رسالہ رأیتُ ربّيْ في احسنِ صورۃ
(۶) شجرہء نسب: حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ اس شجرہ کو لکھنے کے لیے مجھے کچھ اوپر ستر تاریخ کی کتابیں پڑھنی پڑیں۔
(۷) شرح رسالہ قشیریہ (فارسی) (۸) عوارف المعارف کی شرح معارف العوارف

(۹) شرح فصوص الحکم: ناقدانہ اسلوب پر سلطان پور نزد نندربار (گجرات) میں املا کرائی۔ ۸۰۲ھ۔
(۱۰) رسالہ بودوہست وباشد　(۱۱) رسالہ استقامۃ الشریعۃ بطریقۃ الحقیقہ
(۱۲) ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ: بتقاضا واصرار شیخ زادہ محی الدین نبیرہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ
(۱۳) حظائر القدس المعروف بہ عشق نامہ: ۸۰۳ھ میں بمقام کھنبایت (گجرات) املا کرائی۔
(۱۴) شرح تمہیدات عین القضات ہمدانیؒ
(۱۵) ملفوظات: جمع کردہ مخدوم زادہ بزرگ سید محمد اکبر حسینی (بزمانہ قیام دہلی)
(۱۶) ملفوظات جمع کردہ مخدوم زادہ بزرگ سید محمد اکبر حسینی درسفرِ گجرات یہ نسخہ جوامع الکلم کے نام سے مشہور ہے از ۱۸ رجب المرجب ۸۰۲ھ تا ربیع الثانی ۸۰۳ھ۔
(۱۷) خلافت نامہ: حضرت خواجہ صاحبؒ نے ایک خلافت نامہ دہلی میں لکھوایا تھا، اس میں کسی کا نام نہ تھا قیام گلبرگہ کے اخیر زمانہ میں آپ نے بعض خلفاء کے نام اس میں درج کرائے۔
(۱۸) خلافت نامہء خاص برائے مولانا علاء الدین گوالیریؒ: در ۸۰۱ھ بمقام گوالیر

دراحسن آباد گلبرگہ (۸۰۳ھ تا ۸۲۵ھ)

(۱۹) ترجمہء مشارق: در ۸۱۰ھ　(۲۰) شرح فقہِ اکبر (عربی)
(۲۱) سیر النبی ﷺ: اپنے خادمِ خانقاہ شیخ سراج الدین کو املا کرائی۔
(۲۲) مخصوص اوراد: جو حضرت خواجہ صاحبؒ نے مخدوم زادہ بزرگ سید محمد اکبر حسینی کو عطا فرمائے تھے انھیں حضرت مخدوم زادہ ہی نے جمع فرمایا۔
(۲۳) شرح فقہِ اکبر (فارسی)　(۲۴) شرح قصیدہء امالی
(۲۵) شرح عقیدہء حافظیہ معہ فضائل خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم
(۲۶) ضرب الامثال　(۲۷) حواشی قوت القلوب
(۲۸) رسالہ عقیدہ: اس کے چند ورق لکھائے تھے آپ نے سنا مخدوم زادہ بزرگ عقیدہ لکھ رہے ہیں۔ اس لیے ترک فرمادیا۔ فرمایا وہی کافی ہے۔
(۲۹) شرح رسالہ قشیریہ معہ خاتمہ　(۳۰) شرحِ عوارف (فارسی) در ۸۱۰ھ

(۳۱) شرح آداب المریدین (عربی) (۳۲) شرح آداب المریدین (فارسی) اول

(۳۳) شرح آداب المریدین (فارسی) دوم (۳۴) شرح آداب المریدین (فارسی)سوم

(۳۵) اسماء الاسرار (۳۶) حدائق الانس

(۳۷) خاتمہء آداب المریدین (۳۸) رسالہ دربیان آداب سلوک

(۳۹) رسالہ دربیان اشارات محبّان (۴۰) رسالہ دراذکار مراقبات (فارسی)

(۴۱) رسالہ دربیان معرفتِ حضرت جل جلالہ

(۴۲) ایک رسالہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے نواسے سید روح اللہ کے بچپن کے زمانے میں انھیں املا کرایا تھا۔

(۴۳) مکتوبات: حضرت خواجہ صاحبؒ کے وصال کے بعد مولانا ابوالغیاث المعروف بہ قاضی نورالدین خادم خانقاہ نے جمع کیے تھے۔

(۴۴) دیوان: مرتبہ مولانا عماد فتح آبادی بعض کا قول ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی غزلیں بہت تھیں۔ دوسرے لوگوں نے الگ الگ نسخے مرتب کیے تھے۔

(۴۵) ملفوظات: حضرت مخدوم زادہ سید ابن الرسول المعروف بہ میاں منجھلے نے کچھ ملفوظ شہر دہلی میں لکھے تھے اور بقیہ حصہ گلبرگہ میں تمام کیا تھا۔

(۴۶) ملفوظات: جمع کردہ قاضی علم الدین بن شرف الدین اجودھنیؒ خلیفہ حضرت خواجہؒ۔ در ۸۱۱ھ

(۴۷) ملفوظات: جمع کردہ شیخ الاسلام چھترہ خلیفہ حضرت خواجہ

(۴۸) ملفوظ منظوم: ملک زادہ عثمان جعفر خلیفہ حضرت خواجہؒ

(۴۹) خلافت نامہ: برائے قاضی اسحاقؒ چھترہ در ۸۱۰ھ

(۵۰) خلافت نامہ: برائے قاضی سلیمانؒ برادر قاضی اسحاق چھترہ در ۸۱۰ھ

(۵۱) خلافت نامہء خاص: برائے شیخ صدر الدین خوند میرؒ در ۸۱۰ھ

(۵۲) خلافت نامہ: برائے مولانا ابوالفتح رکن الدین بن مولانا علاء الدین گوالیری در ۸۱۸ھ

مولانا محمد علی سامانیؒ نے ''سیر محمدی'' میں تین خلافت نامے (خلافت نامہء عام دہلی،

خلافت نامہ مولانا علاء الدین گوالیری اور خلافت نامہ مولانا رکن الدین ابوالفتح رحمہ اللہ)

درج کیے ہیں۔ فرماتے ہیں دیگر حضرات کی سرفرازیٔ خلافت کے وقت موجود نہ تھا اور وہ گلبرگہ میں قیام پذیر نہ تھے کہ میں ان کے خلافت نامے نقل کرلیتا۔

خلفاء کرام:

(۱) مخدوم زادہ بزرگ سیّد محمّد اکبر حسینی عرف میاں بڑا

(خرقہ اور سجادہ اور انگوٹھی ان کے لیے ہے، اللہ ہادی ہے)

(۲) مخدوم زادہ خرد سیّد محمد اصغر حسینی عرف میاں لہرہ

(محمد اصغر میری جگہ رہیں۔ پدری حق یہ تھا جس کی نگہداشت مقصود تھی یعنی میرے بعد سجادہ پر بیٹھیں تاکہ دستِ بیعت دیا کریں۔)

(۳) برادرزادہ مخدوم سیّد احمد بن حسن

(۴) سیّدی ابوالمعالی خسرُپورہ حضرت مخدوم

(۵) بردارزادہ مخدوم سید ابن الرسول عرف میاں منجھلے

(۶) مولانا نصیر قاسم دہلوی

(۷) مولانا حسین دہلوی

(۸) مولانا معین الدین توہانی

دوسری مرتبہ: مولانا نظام الدین بن قبول مولانا سلطانی حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے مرید تھے لیکن حضرت قطبی سے تربیت و تعلیم حاصل کی تھی۔

(۹) مولانا حسین حضرت قطبی ہی کے مرید و مسترشد و مجاز تھے۔

(۱۰) مولانا حسن بُسد براش معتقدان حضرت میں سب سے اکبر

(۱۱) خواجہ حسن

(۱۲) علاء الدین گوالیری

(۱۳) خوند میر بن شیخ الاسلام ایرجی

(۱۴) اسحاق بن محمد چھتری

(۱۵) ان کے بھائی سلیمان بن محمد چھتری
(۱۶) کلمتہ اللہ بن سالار لاہوری
(۱۷) ابوالمعالی محمد بن مغربی
(۱۸) سراج الدین بن شہر یار بن محمد
(۱۹) مولانا بہاء الدین بن شہر اللہ (شہید اللہ) دہلوی
(۲۰) سیف الدین لکھنوی
(۲۱) حمید الدین اجودھنی
(۲۲) علم الدین بن شرف الدین (رشتہ دار قاضی (شاد) دولہ اجودھنی
(۲۳) احمد بن عزیز دبیر
(۲۴) عثمان بن جعفر
(۲۵) سید روح اللہ
(۲۶) شیخ منہاج الدین بن قاضی عبدالصمد معروف بہ قاضی راجا
(۲۷) حضرت میاں عبداللہ بن سید المعالی
(۲۸) شیخ منہاج الدین عرف قاضی راجا
(۲۹) شیخ شہاب الدین بن شیخ سلیمان
(۳۰) قاضی سراج الدین
(۳۱) ملک عزالدین بن قطب
(۳۲) ملک زادہ شہاب الدین
(۳۳) قاضی قطب بن فرید
(۳۴) محمد اصغر میری جگہ رہیں۔ پدری حق یہ تھا جس کی نگہداشت مقصود تھی یعنی میرے بعد سجادہ پر بیٹھیں تاکہ دستِ بیعت دیا کریں۔
(۳۵) شاہ یداللہ کو بھی اجازت ہے کہ دستِ بیعت دیا کریں۔
(۳۶) عبداللہ کو بھی اجازت ہے کہ دستِ بیعت دیا کریں۔

(۳۷) میاں سفیر اللہ اگر بادشاہی نوکری ترک کردیں تو انہیں بھی اجازت ہے۔
(۳۸) مولانا بہاء الدین بھی دستِ بیعت دیا کریں۔
(۳۹) مولانا سراج الدین بھی اگر دربارشاہی کی آمدورفت ترک کردیں تو اجازت ہے۔
(۴۰) ملک شہاب الدین بھی اگر بادشاہ کی خدمت ترک کردیں تو اجازت ہے۔
(۴۱) مولانا قطب الدین جو روضہ میں رہتے ہیں انہیں بھی اجازت ہے۔
(۴۲) سید اصغر بن سید احمد بن سید حسن
(۴۳) شیخ میراں جو مولانا کمال الدین کے پوتے اور حضرت شیخ کے بھانجے تھے
(۴۴) شیخ سعد الدین عرف شیخ سادن
(۴۵) مولانا محمود بیناگر
(۴۶) مولانا سعد الدین صوفی یار قاضی سراج الدین خادم
(۴۷) مولانا کبیر الدین سارنگپوری
(۴۸) مولانا جگن سارنگپوری

سارنگپور، صوبہ متوسط و برار میں اورنگ آباد کے شمال میں ایک شہر ہے۔

دوسری قسم:

(۴۹) مولانا محمد معلم (مخدوم زادوں کے استاد)
(۵۰) مولانا داؤد زرگر
(۵۱) مولانا حمید جو قلندری ترک کرکے صوفی ہوگئے۔
(۵۲) مولانا قوام الدین جو مولانا بہاء الدین حاجی کے وکیل اور میر سامان تھے۔
(۵۳) مولانا عین الدین حاجی
(۵۴) تاج الدین زید پوری
(۵۵) مولانا داؤد کمانگر احسن آبادی
(۵۶) مولانا زین الدین موسی صوفی احسن آبادی
(۵۷) مولانا خضر باشندہ اوسہ (بیدر اور نانوتہ کے پاس ہے)

(۵۸) مولانا نور الدین بدر کوٹی کہ جن کا نام ضیاء الدین ہے۔
(۵۹) مولانا علاء الدین اودھی (بحوالہ تاریخ حبیبی)

شجرہء طریقت چشتیہ حضرۃ شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ متوفی ۹۴۴ھ

(نظامیہ گیسودرازیہ، قدوسیہ)

شیوخ: (۱) حضرت شیخ محمد ردولوی بن شیخ احمد عارف بن شیخ احمد عبد الحق ردولوی رحمہم اللہ تعالی
(۲) شیخ الاسلام شیخ درویش محمد بن قاسم اودھی رحمۃ اللہ علیہ
(۳) شیخ الاسلام حضرت بندگی میاں شیخ بن حکیم اودھی رحمۃ اللہ علیہ

* **حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی** کا سلسلہ طریقت شیخ رکن الدین (صاحبزادہ حضرت شیخ) اور شیخ جلال الدین تھانیسری سے جاری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور بزرگان دیوبند اسی سلسلہ عالیہ سے وابستہ ہیں۔ رحمہم اللہ تعالی

مفصل حالات اعجاز الحق قدوسی کی تالیف شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات میں ملاحظہ فرمائیں۔

* **شیخ الاسلام میاں شیخ بن حکیم اودھی رحمۃ اللہ علیہ**

مکتوبات قدوسیہ میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ نے شیخ جلال الدین تھانیسری کے نام ایک مکتوب میں آپ کا ذکر خیر بایں الفاظ کیا ہے فرماتے ہیں:

اززبان شیخ خود شیخ الاسلام عالم ربانی واصل سبحانی شیخ بن حکیم اودھی شنیدہ ام (ص ۲۱۹)

اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''بیک واسطہ مرید سید محمد گیسودرزا است درویش کامل بود ودرزمان وے درولایت مندوازوی بزرگتر نبود شیخ آن ولایت او بود صدو بست سال عمر داشت و پیر او صدو پنجاہ سالہ بود گویند کہ وی از ابتدای ماہ رجب تاروز عاشورہ معتکف می بود ودر حجرہ را بسنگ می برآورد ودرین صورت ششماہ بی طعام وآب معتاد بسر می برد وورزی کہ میخواست کہ از حجرہ بیرون برآید فریاد میکردند مردم راتا کسی حاضر نباشد کہ تاب نظر جلال او نخواہد داشت واگر اتفاقا کسی حاضر می بود و نظر بران کس می افتاد یک دو روز بیخود افتادہ می بود رحمۃ اللہ تعالی علیہما''۔

مسالک السالکین کے مصنف مولانا عبدالستار بیگ سہسرامی تحریر فرماتے ہیں:

آپ مرید وخلیفہ حضرت شیخ صدر الدین کے اور پیر حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہما کے ہیں۔ آپ نے ۷۶۹ھ میں ولادت فرمائی اور ایک سو بیس برس کی عمر میں ۸۸۸ھ میں وفات پائی۔ مزار پرانوار شہر مندو میں ہے۔

اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیا میں آپکا اسم مبارک شاہ میانجیو لکھاہے کہ آپ بیک واسطہ مرید حضرت سید محمد گیسودراز رضی اللہ عنہ کے اور درویش کامل تھے آپ کے وقت میں ولایت مندوں میں آپ سے بزرگ تر دوسرا نہ تھا آپ شیخ اوس ولایت کے تھے اور یہ بھی تحریر ہے کہ آپ ہمیشہ ماہ رجب سے یوم عاشورہ تک معتکف رہتے تھے اور حجرہ کا دروازہ پتھروں سے بند کرادیتے اور چھ مہینہ بے آب وطعام بسر فرماتے تھے جس روز حجرہ سے باہر نکلنے کا وقت آتا آواز دے دی جاتی کہ تمام حاضرین حجرہ سے دور چلے جاتے اگر اتفاقا کوئی سامنے آجاتا اور نظر جلالت اثر آپکی اس پر پڑجاتی تو ایک دو روز بے ہوش وبے خود پڑا رہتا۔ آپ شہر مندو میں کہ پائے تخت سلاطین مالوہ تھا قیام رکھتے تھے ناچیز مولف کہتا ہے کہ اخبار الاخیار وغیرہ سے ظاہر ہے آپ بیک واسطہ مرید حضرت سید گیسودراز قدس سرہ کے تھے اور بعض کتابوں میں ترتیب شجرہ حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ کی اس طرح پر مندرج ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مرید وخلیفہ حضرت شیخ درویش محمد کے وہ مرید وخلیفہ حضرت میاں شیخ ابن حکیم اودھی کے وہ مرید وخلیفہ حضرت شیخ صدرالدین کے وہ مرید وخلیفہ حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز رضی اللہ عنہم کے لیکن لطائف قدوسی میں جو تصنیف وتالیف حضرت شیخ رکن الدین پسرو خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اور سب سے معتبر اور قریب التالیف کتاب ہے ترتیب شجرہ کی اس طور پر مرقوم ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مرید وخلیفہ حضرت شیخ الاسلام میاں شیخ بن حکیم اودھی کے اور وہ مرید وخلیفہ حضرت صدرالدین کے وہ مرید وخلیفہ حضرت علاء الدین کے اور وہ مرید خلیفہ حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز رضی اللہ عنہم کے پس ناچیز مؤلف کے نزدیک یہی ترتیب آخر صحیح ہے واللہ اعلم بالصواب۔

*** حضرت شیخ صدالدین اودھی رحمۃ اللہ علیہ:**

لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ صدر الدین اودھی را خلافت از پیر خود و پدرِ خود حضرت شیخ علاء الدین اودھی بود۔

* **ابوالفضل شیخ علاء الدین اودھی** رحمۃ اللہ علیہ:

آپکی بیعت و ارادت حضرت خواجہ سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ سے تھی حضرت خواجہ صاحب کے حلقہء ارادت میں علاء الدین نام کے دو شخص تھے ایک مولانا علاء الدین گوالیری دوسرے شیخ علاء الدین اودھی۔ "تاریخ حبیبی و تذکرہ مرشدی" کے مؤلف مولانا عبدالعزیز واعظی نے اپنی تالیف میں علاء الدین اودھی کا دو جگہ تذکرہ کیا ہے حضرت گیسودراز کی وفات (۸۲۵ھ) کے بعد حضرت مخدوم زادہ خرد سید محمد اصغر حسینی کے زمانہء شیخوخت (۸۲۵ تا ۸۲۸ھ) میں ایک بار حلقہء تلقین ذکر ہوا جس میں قاضی برہان الدین (بربنڈہ کے نائب حاکم شرع) مولانا اسماعیل جو میاں عبداللہ (بن شاہ ابوالمعالی وخلیفہ خواجہ گیسودراز) کے خلیفہ ہو چکے تھے۔

* تیسرے شخص حاکم شرح قصبہ نیوسہ تھے۔

* چوتھے مولانا علاء الدین جو ہندوستانی تھے اور بعد میں حج بھی کر آئے تھے موجود تھے (تاریخ حبیبی ص ۱۱۵)

مولانا عبدالعزیز واعظی نے ایک دوسرے مقام پر شیخ علاء الدین اودھی کا ذکر حضرت شاہ ید اللہ حسینی خلیفہ و نبیرہ حضرت سید محمد گیسودراز کے خلفاء مجاز کی فہرست میں کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ علاء الدین اودھی نے کچھ تربیت حضرت خواجہ گیسودراز سے اور اسکے کے بعد حضرت مخدوم زادہ خرد سید محمد اصغر حسینی سے پائی پھر انکی وفات کے بعد انکے فرزند عزیز سید شاہ ید اللہ حسینی کے حلقہء تربیت میں آگئے اور منصبِ خلافت سے نوازے گئے۔

تاریخ حبیبی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت مخدوم زادہ خرد سے بھی اجازت تھی۔ لکھتے ہیں کہ موقع پر حضرت خواجہ صاحب نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرے بعد محمد اصغر جس کسی کو اجازت دیں اسے میری طرف سے بھی مجاز سمجھا جائے۔ (تاریخ حبیبی ص ۱۲۳)

لطائف قدوسی میں لکھا ہے مولانا شیخ علاء الدین اودھی را اجازت از پیر خود سید السادات سید محمد گیسودرزا بود (لطائف قدوسی قلمی ورق ۴۴)

عقیدہء پاک: احکام سنت وجماعت

حضرت قطبی کے تصنیف کردہ رسالہ ضرب الامثال سے چند اشعار بسلسلہء عقیدہ۔

تَعالَی اللّٰہ عَنْ قِیْلٍ وَقَالِ	اللہ قیل وقال سے بالا ہے
وَعَنْ حَدٍّ وَرَسْمٍ وَ الْمِثَالِ	اور حدوخال سے اور مثال سے
قَرِیْبٌ ذَاتُہٗ مِنْ کُلِّ شَيْءٍ	اس کی ذات ہر چیز کے قریب ہے
وَلٰکِنْ لَیْسَ یُوْصَفُ بِاتِّصَال	لیکن اتصال سے موصوف نہیں ہوتی
بَعِیْدٌ ذَاتُہٗ مِنْ کُلِّ شَيْءٍ	اس کی ذات ہر چیز سے بعید ہے
بِلا وَصْفِ التَّعَرُّقِ وانْفِصَال	بلاوصف بُعد زمانہ وانفصال
تَنَزَّہَ عَنْ کُلِّ مَکَانٍ فِیْہِ یُوْجَدُ	وہ ہر مکان سے منزہ ہے جس میں وہ ہے
وَلا یُوْجَد مَکَانٌ عَنْہُ خَال	اور کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے
صَلوٰۃٌ وَالسَّلَامُ عَلَی رَسُوْلٍ	صلوۃ وسلام ہو اس رسول پر
حَمِیْدٌ أَحْمَد حَسَنُ الْخِصَال	جو حمید احمد اچھے خصائل والے ہیں
کَرِیْمٌ رَاحِمٌ بَرٌّ رَؤُفٌ	کریم، رحم دل ، نیک سلوک، شفقت فرمانے والے ہیں
شَرِیْفٌ شَافِعُ أَھْلِ الضَّلال	سردار، اہل ضلال کی شفاعت فرمانے والے ہیں
عَلَی أَصْحَابِہٖ تَسْلِیْمُ عَبْدٍ	ان کے اصحاب پر سلام ہو
ذَلِیْلٍ خَاضِعٍ ذِي الْابْتِذَال	عاجز مسکین اور منکسر بندے کا
صَدُوْقٌ صَادِقٌ صِدِّیْقٌ وَصِدْقٌ	انتہائی سچے، صادق، صدیق اور سراپا سچائی پر
أَبوْبَکْرٍ إِمَامُ الحَقِّ وَآل	وہ ابو بکر ہیں حق وآل کے امام
أَبِيْ حَفْصٍ ھُوَ الْفَارُوْقُ حَقًّا	ابو حفص پر جو یقیناً فاروق ہیں
وَذَا مُسْتَنْطَقٌ مِنْ ذِي الْجَلال	ذوالجلال کی طرف سے ان کی زبان پر کلام جاری ہوتا ہے
وَذِي النُّوْرَیْنِ عُثْمَانَ ابنِ عَفَّانٍ	اور ذوالنورین عثمان بن عفان پر
أَشَدُّ الحَقِّ أَعْبَدُ بِاللَّیَالِي	جو حق کے بارے میں اشد اور راتوں میں خوب عبادت کرنے والے ہیں
وَرَابِعُھُمْ عَلِيٌّ زَوْجُ زَھْرَاءَ	اور ان میں چوتھے علی پر جو زہراء کے خاوند ہیں

وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْكَمَال جو مؤمنین کے سراپا کمال ولی ہیں

هُوَ الْهَادِيْ هُوَ الدَّاعِيْ هُوَ الشَّافِيْ وہ ہادی، وہ داعی، وہ شافی ہیں

وَذُوْ شَيْخِ الشُّيُوْخِ بِلا احْتِمَال اور آپ ہی بلاشبہ شیخ الشیوخ ہیں

هُوَ الْقَدَمُ الْهُمَامُ لأَهْلِ زُهْدٍ آپ ہی اہل زہد کے عالی ہمت پیش رو ہیں

لَهُ الْخِرْقَةُ بِلا وَهْمِ الزَّوَال بلاوہم زوال آپ ہی کے لیے خرقہ ہے

حضرت قطب المشائخ فرماتے تھے کہ فقیہ صوفی اور سید سُنی کم ہیں۔ مجھ میں یہ چاروں صفتیں موجود ہیں۔ آپ فرمایا کرتے کہ سب لوگ عالم و غیر عالم یہ کہتے ہیں کہ حقیقت سر الہیٰ ہے۔ مگر میں محمد حسینی یہ کہتا ہوں کہ شریعت سر الہیٰ ہے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ پیش امام چاہیے کہ معصوم ہو۔ یہ بہت بڑی مشکل ہے۔ ایسا کہاں مل سکتا ہے۔ اور کیسے ممکن ہے۔

حضرت قطبی کے عقیدہء پاک کب بابت تفصیل تاریخ حبیبی و تذکرہء مرشدی کے باب چہارم میں مذکور ہے۔

شرح فقہ اکبر میں صحابہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں کہ ''من حسینی ام اگر بہ مبالغہ بنویسم شیطانی، افضلہم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم''۔

چند فرمودات اور واقعات و معمولات:

(از باب ہشتم و دہم ''تاریخ حبیبی و تذکرہء مرشدی ''مولانا عبدالعزیز واعظی)

حضرت قطبی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مخدوم شیخ معین الدین سے لے کر حضرت شیخ فرید الدین تک ہندوستان کے ہمارے مشائخ چشت کا فقر مسلم تھا۔

حضرت بختیار کاکی اپنے داہنے ہاتھ سے پانی کا ایک کوزہ لانے کے لیے اشارہ فرماتے۔ چنانچہ خادم ایک کوزہ میں پانی بھر کر سامنے رکھ دیتا اور یہی ایک کوزہ حاضرین میں سے ہر ایک کے سامنے پیش کرتا۔ تھوڑا اس میں سے ہر ایک پی لیتا۔ اس کے بعد حضرت شیخ دعا کے واسطے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ دعا کے بعد ہر ایک سلام کرکے واپس ہوجاتا۔

اور حضرت شیخ فرید الدین (گنج شکر) کا فقر اس حد تک تھا کہ درختوں کے پتے جنہیں کوئی نہیں چھوتا بغیر نمک حضرت شیخ کے سامنے رکھ دیے جاتے۔ حضرت ان میں سے کسی قدر تناول فرماتے اور خانقاہ مبارک میں آپ کے صاحب اجازت اصحاب ہوتے انہیں بھی اس میں سے ایک ایک لقمہ دیتے۔

شیخ نظام کو خلافت عطا فرمانے کے بعد آخری زمانے میں یہ ارشاد فرمایا کہ مولانا نظام الدین یہاں آؤ آخر زمانہ ہے۔ تمہیں اس (دنیا) سے بھی کچھ ملنا چاہیے۔ چنانچہ ایک چاندی کا تنکہ جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شیخ نظام الدین کو عطا فرمایا۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ اس دعا کی برکت سے شیخ نظام الدین کو تمام کمالات اور دونوں جہانوں کی فقیری ودرویشی کے باوجود عطاو بخشش کا بہت اہتمام تھا۔

حضرت شیخ قطب الدین کے مقربوں میں سے ایک صاحب نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت دستر خواں کیوں نہیں وسیع فرماتے۔ آپ نے فرمایا:

پچاس سال کے بعد میں اپنے خانوادہ میں کندوری کا اہتمام کرونگا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ حضرت شیخ قطب الدین کے اس ارشاد کے پچاس سال بعد حضرت شیخ نظام الدین مسند شیخی پر جلوہ فرما ہوے تو زر کثیر خرچ ہونے لگا۔ اور طعام بہت تیار کیا جاتا اور اس جگہ لوگوں کا اس کثرت سے ہجوم ہوتا کہ اس ہندوستان میں کسی شخص کے یہاں نہ کبھی ہوا تھا اور نہ اب ہے۔

اور عیدین کے ایام یعنی عید الفطر اور بقر عید کے دن دستر خواں بچھا کر کھانا کھلایا جاتا۔

عید فطر کے دن عید گاہ جانے کے پہلے کچھ کھانے پینے کی چیز شیر خرما وغیرہ ہی سامنے طلب فرماتے اور عید گاہ سے واپسی کے وقت عام دستر خواں ہوتا۔

حضرت قطبی کے آخری ایام میں جبکہ آپ کا سن مبارک سوسال کے قریب ہوا اور پھر سو سال سے گزر گیا آپ کے ظاہری معمولات یہ تھے کہ جتنے وظیفے کہ آپ شروع زمانہ میں پڑھتے، ان میں کوئی بھی ناغہ نہیں فرماتے۔

آخری زمانہ میں حضرت قطبی کا جسم مبارک کمزور ہو گیا تھا اور (نمازمیں) کھڑے نہیں ہوسکتے تھے باوجود اسکے جو ریاضتیں پہلے سے کرتے آرہے تھے وہ ترک نہیں فرمائیں۔

اشراق کے بعد آپ قرآن پاک کے تین سپارے تلاوت فرماتے آخری ایام میں چونکہ نظر کی قوت چلی گئی تھی اس لیے بیٹھ کر سنا کرتے۔

مولانا امام ہمام بہاء الملتہ والدین جو آپ کے پیش امام تھے، حضرت قطبی کی تلاوت کے مقدار پر آپ کے سامنے قرآن پاک پڑھتے۔ حضرت قطبی کسی قدر بستر پر تکیہ فرماتے۔اس وقت قاضی بہاء الدین سے ارشاد ہوتا کہ قاضی یہ نہ سمجھنا کہ میں سونے کے لیے لیٹا ہوں، نہ یہ کہنا کہ میرا پیر سورہا ہے۔ آؤمیں بھی سو رہوں۔ یادرکھو کہ میرا سن زیادہ ہوا ہے اس لیے لیٹتا ہوں مگر بیدار رہتا ہوں۔ آنکھیں بند کرلیتا ہوں اس لیے کہ حکمت کی رو سے اس طرح آنکھوں کی برودت دور ہوجاتی ہے۔

پھر آپ اٹھ کرا گر کچھ چاشت کی نماز باقی رہتی تو اسے ادا فرماتے۔

جب آفتاب بلند ہو کر خطِ استوا پر پہنچتا تو حضرت قیلولہ فرماتے آپ نے کسی دن قیلولہ کرنا ناغہ نہیں فرمایا۔

قیلولہ کے بعد آپ وضو فرماتے اور فیئ زوال کی نماز ادا فرماتے اس کے بعد قاضی سراج الدین پھر اوں کی طرح خانقاہ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہتے "یاراں بسم اللہ" یہ سنتے ہی سب لوگ اندر جا کر سجادہ شیخوخت کے سامنے اپنی اپنی نذریں پیش کر کے مجلس میں بیٹھ جاتے۔ حضرت قطبی پندو نصیحت فرماتے۔ اس تقریر کے دوران میں آپ فقہ و تفسیر و حدیث اور نکات تصوف بیان فرماتے۔

جمعہ کے روز حضرت قطبی جمعہ کی نماز کے لیے جمعہ مسجد تشریف لے جاتے مسجد میں دو صفیں بنائی جاتیں۔ پہلی صف میں حضرت قطبی اور مخدوم زادے ہوتے۔ دوسری میں سید ابوالمعالی اور مخدوم زادہ میاں عبداللہ۔ حضرت بہاء الدین امام وغیرہ۔

جب حضرت قطبی نے قلعہ احتشام کی مسجد جامع میں جانا سلطان فیروز شاہ بہمنی سے اختلاف واقع ہونے کی وجہ سے ترک فرمادیا۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ حضرت قطبی حسن آباد گلبرگہ سے کوچ فرما کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ حتی کہ سلطان پور تک آپ پہنچ گئے تھے کہ سلطان فیروز منت وسماجت کر کے لوٹا لایا۔ اس کے بعد حضرت قطبی نے جمعہ کی نماز کے واسطے مسجد محلہ بیرون قلعہ میں جانا اختیار فرمایا۔

حضرت قطبی اپنی مجلس کو کبھی تکلف سے نہیں آراستہ فرماتے اور عادت مبارک یہ تھی کہ جو کوئی اہل تصوف سے نہ ہوتا اس کے سامنے کبھی مسائل سلوک بیان نہیں فرماتے۔

سرکاری ملازموں میں سے جو کوئی حضرت قطبی کی خدمت میں حاضر ہوتے انہیں آپ یہی نصیحت فرماتے کہ ماتحتوں کی خطاؤں سے درگزر کرتے رہو اور فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ سلوک کرتے رہو اور جن لوگوں پر تم حاکم ہو ان کے ساتھ خوب عدل وانصاف برتو اور جہاں تک تم سے ممکن ہو احسان

ومروت کو اپنا معمول بنائے رکھو۔

جب رجب کا مہینہ آتا تو حضرت قطبی کی طبیعت بہت خوش اور بحال ہوجاتی اور حضرت قاضی بہاء الدین امام اور قاضی سراج الدین دونوں میں سے جو کوئی حضرت قطبی کے سجادہ شریف کے قریب ہوتا اس سے فرماتے "ملا رجب کا مہینہ آرہا ہے۔ اس مہینہ کو عبادت حق کے لیے ایک فضیلت حاصل ہے"۔

جب عصر کا وقت آتا آپ وضو تازہ کرکے نماز ادا فرماتے اور جو وظیفے ہمیشہ سے معمول میں ہوتے انہیں ختم فرماتے اور دعاء استفتاح پڑھتے آخری ایام میں چونکہ خود نہیں پڑھ سکتے تھے۔ حضرت میاں یداللہ روزانہ بلاناغہ عصر کے بعد حضرت قطبی کے سامنے دعاء استفتاح پڑھتے اور حضرت قطبی سنتے۔ دعا کے بعد میاں یداللہ کو گود میں لے لیتے۔

فی الجملہ عادت مبارک یہ تھی کہ عصر کے بعد کسی آنے والے کو طلب نہ فرماتے اور نہ مجلس منعقد فرماتے۔

مغرب کی نماز کے واسطے بھی آپ تازہ وضو کرتے۔

عشاء کے بعد دستر خوان پر طعام تقسیم کرتے۔

حضرت قطبی مجلس طعام میں ہر ایک کو دستِ مبارک سے پراٹھا اور طعام کے قعب اور میوہ وغیرہ عطا فرماتے اور آنے والوں کے ساتھ نہایت کشادہ پیشانی اور نوازش ومکرمت سے ملتے اور حال دریافت کرتے اور بہت دلجوئی کے طور پر لطف آمیز باتیں کرتے اور فرماتے کہ جو کوئی میرے دستر خوان پر آتا ہے وہ مجھ پر احسان کرتا ہے۔

فرماتے میں نہیں چاہتا کہ میرے فرزند اور یارواحباب ان موضعوں (سلطان فیروز کے عطیہ) زمینات، یومیوں، مشاہروں اور انعامات اور اپنے نقد رقوم میں سے کوئی چیز میرے سامنے لائیں۔ اگر کوئی آپ کے لوگوں میں سے یا متعلقین اور فرزندوں اور یاروں میں سے نادانستہ طور پر مذکورہ بالا آمدنی میں سے تیل یا سرکہ یا سوئی ایسی معمولی سی شیء بھی حضرت قطبی کے سامنے لاتا تو آپ ناخوش ہوتے، منع کرتے بلکہ جھڑکتے اور اس قسم کی اشیاء کو واپس فرمادیتے۔

۸۰۴ ہجری میں حضرت قطبی شہر دارالبرکہ حسن آباد گلبرگہ تشریف لائے اور یہیں وطن اختیار کیا۔

سلطان فیروز بہمنی نے حضرت قطبی کے خانقاہ کے خرچ کے لیے دو گاؤں بطور نذر کے پیش کیے۔ ایک موضع منہلی اور دوسرا انبو، دونوں گلبرگہ کے قرب وجوار کے دیہات میں سے تھے۔ بادشاہ نے ان

دو نوں موضعوں کا فرمان اعلیٰ لکھ کر اور پختہ طور پر مرتب کر کے حضرت کی خدمت میں بھجوایا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہمارے مشائخ قدس اللہ سرہم العزیز نے اس طرح کی کوئی آمدنی قبول نہیں کی ہے۔ میں بھی قبول نہیں کرتا۔

حضرت قطبی کبوتر کا گوشت کبھی نہ کھاتے۔ اس لیے کہ کبوتر کی ملک میں شبہ رہتا ہے۔ حضرت قطبی نے کسی ہندو کے گھر کبھی نہیں کھایا۔

رمضان شریف میں پان کے صرف چار بیڑے کھاتے تھے لیکن ان آخری ایام میں دو، تین یا چار سال سے رمضان شریف میں پان بالکل ترک کر دیا تھا۔

رمضان شریف میں آپ بہت خوش خوش نظر آتے۔

فی الجملہ عطریات بہت زیادہ استعمال کرنا پسند نہیں فرماتے زیادہ استعمال نہیں کرتے سوائے گلاب اور مہنگے غلے میں گیہوں اور جو کا زیادہ خرچ فرماتے۔

حضرت قطبی کو عورتوں کی مباشرت سے انقطاع رہا۔ چالیس سال کی عمر کے بعد اس سنت کی تعمیل ہوئی۔

دستر خوان سے فارغ ہونے کے بعد آپ تشریف فرما ہوتے اور سب کو رخصت کرنے کے بعد پھر مشغول عبادت ہو جاتے

سورہ اخلاص اور درود شریف وغیرہ شروع زمانے میں پڑھا کرتے تھے اور جو سورہ یسین اور تینتیس آیات صبح وشام میں پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی پڑھتے تھے اسی طرح چہل اسم دو نوں وقت پڑھا کرتے۔ اور جب صبح کی نوبت بجتی تو تہجد کی نماز پڑھتے اس کے بعد صلاۃ تحیۃ ادا فرماتے اور دعاء خلافت بھی پڑھا کرتے تھے عمر کے اس آخری زمانہ میں تہجد کے بعد کسی قدر غنودگی فرمالیتے ورنہ تہجد اور تحیۃ کی نماز کسی شب بھی جس میں آپ ذکر و مراقبہ فرماتے ناغہ نہ ہوتی۔ ذکر دو حلقی کو آپ بیشک دوست رکھتے تھے۔

آپ کو ہمیشہ تلاوت قرآن پاک وذکر ومراقبہ اور سماع کی طرف بہت زیادہ رغبت تھی۔

پھر حضرت قطبی فرماتے کہ تمہیں چاہیے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے پڑھتے رہو اور جمعہ کی نماز اور جمعہ کا غسل سوائے شرعی عذر کے کبھی ناغہ نہ کرو۔

اس کے بعد اوابین کے تین دوگانوں کے لیے جو مغرب کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں، ارشاد فرماتے یعنی تین دوگانے نفل نماز کے اس طرح ادا کیا کرو کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد تین بار سورہ اخلاص پڑھنا۔ اگر آپ کسی کے سست قدمی محسوس فرماتے تو اسی پر اختصار فرماتے اور اگر اسے عابد محسوس کرتے اور شوقین پاتے تو فرماتے کہ مغرب کے بعد حفظ ایمان کے لیے بھی ایک دوگانہ پڑھ لیا کرو، جس میں ہر رکعت میں سورۃ اخلاص سات بار اور معوذتین ایک ایک بار پڑھنا چاہیے۔ اور اگر کشف فرماتے کہ وہ اس زیادہ عبادت کی طرف مائل ہے تو پہلی ہی مجلس میں دوگانہ پڑھنے کے لیے بھی ارشاد فرماتے جو عشاء کے بعد آیا ہے یعنی آپ فرماتے کہ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نفل اس طرح پڑھا کرو کہ سورۃ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھو اور سلام پھیر کر ستر بار یاوھاب پڑھو۔

حضرت کے ارشادات معمولاً یہ ہوتے کہ شروع ارشاد میں حضرت قطبی سونے سے قبل کے چند دوگانہ ادا کرنے کے سلسلہ میں سونے کے پہلے چند سو بار اخلاص اور درود شریف بھی پڑھنے کے لیے فرماتے اور چند دعائیں سکھاتے۔ جب مرید اس پر استقامت پالیتا تو التماس کرتا کہ حضرت مخدوم اس بندہ کو اب اجازت دیں کہ لکڑیاں لائے اس لیے کہ اس میں تلقین ذکر کی طرف اشارہ ہوتا اور یہ گویا ایک عرضداشت پیش کرنا ہوتا کہ ذکر تلقین فرمایا جائے۔

اور جب حضرت قطبی اجازت دیتے کہ جاؤ لکڑیاں لاؤ تو مسترشد جاتا اور لکڑیاں مول لے کر سر پر رکھ کر بازار کے راستہ سے تمام راہ چلنے والوں کے مجمع میں سے گزرتا ہوا ایک عاشقانہ رفتار کے ساتھ ننگ و نام کو ایک کنارے رکھ کر صادقانہ آتا، اور خانقاہ عالی مرتبت کے صحن میں داخل ہو کر صحن کے پائتین میں کھڑا ہوجاتا اس کے آنے کی خبر حضرت قطبی کے خادم حضرت کو اس کے داخل ہونے سے پہلے کر دیتے۔

وہ طالب مسترشد لکڑیاں باورچی خانہ میں اتار کر سجادۂ ولایت کے سامنے حاضر ہوتا۔

جو دعائیں حضرت تلقین فرماتے انہیں قاضی سراج الدین ایک کاغذ پر لکھ کر دیتے تھے۔ ایک دعا یہ ہے کہ:

اللهم أحيني مُحبّاً لَكَ وامتْني مُحبّاً لكَ واحْشُرني يَومَ القيامَة تَحْتَ أقْدام كلاب أحْبابكَ برَحْمَة ياأرْحَمَ الرّاحمينَ۔

یعنی الٰہی مجھے اپنا محب بنا کر زندہ رکھ اور محب بنا کر موت دے اور قیامت کے دن اپنے دوستوں کے کتوں کے قدموں کے نیچے اٹھا اپنی رحمت سے اے ارحم الراحمین۔

حضرت فرماتے تھے کہ ہر فرض نماز کے بعد بھی پڑھ لیا کرو۔

وہ طالب زیارتوں کے بعد فرمان عالی سے اپنے گھر آتا حضرت کے خادم ان لوگوں کو جو سکھاتے وہ پڑھتے اور ظہر کی نماز پڑھ کر غسل کرتے اور غسل کے بعد کوئی بات نہیں کرتے اور اسی طرح بھیگے ہوئے خانقاہ عالی میں آتے۔ لیکن نہاتے وقت یہ کہتے جاتے:

"کہ خدا میں اپنی ظاہر کو پانی سے دھوتا ہوں تو اس غریب کے باطن کو آب کرم سے دھودے۔"

جب طالبان حق اپنے مکانوں اور مقاموں سے خانقاہ مبارک میں حاضر ہوتے تو حضرت قطبی عصر کے بعد تشریف فرما ہوتے۔ اور خدام کو اشارہ فرماتے کہ قدیم تلقین یافتوں کو بلائیں تمام حلقے مجلس خاص میں حاضر ہوتے۔ حضرت کے خدام ایک ایک کو دائیں اور بائیں سے لالا کر جو مقام ان کے مرتبہ کے لائق ہوتا وہاں بٹھاتے۔ اس کے بعد خانقاہ کے نئے لوگوں کو طلب فرماتے۔ یہ تین آدمیوں سے کم نہ ہوتے اور اکثر تین سے زیادہ ہوا کرتے تھے، حضرت قطبی کے سامنے لا کر روبرو بٹھا دیتے۔ حکم یہ تھا کہ چھوٹے مخدوم زادوں کو دالان کے بیرونی حصہ سے لا کر چبوترے پر بٹھائیں۔ تاکہ یہ دور دیکھتے رہیں اور تاکہ انہیں بھی اس کام کی طرف رغبت ہو اور اس کام میں لگ جائیں۔

حضرت قطبی ذکر دو حلقی کر کے دکھاتے اور جس وقت حضرت قطبی سر مبارک بلند کرتے تو ہر مشتاق کی دونوں آنکھیں چہرہ مبارک پر نظر پڑتے ہی چکا چوند میں آجاتیں اور ضرب کے ساتھ جو حضرت قطبی سینہ اور سر مبارک کو اٹھا کر ضرب کے وقت دل پر مارتے جس سے نفسانیت کی زنجیر جو سختی میں لوہے کی طرح ہوتی اور بشریت کا اس پر قفل چڑھا ہوتا وہ سب کھل جاتی۔

دو حلقی ضربوں کے بعد جو خود حضرت نے لگائی تھیں۔ آپ دائیں اور بائیں ان خلفاء اجازت یافتہ اور مسترشدوں میں سے ہر ایک کی طرف نظر فرما کر جو اپنے اپنے اعلیٰ وادنی رتبہ کے لحاظ سے بیٹھا ہوتا اس مسترشد سے جو ان میں سب سے بڑے مرتبے کا ہوتا فرماتے کہ تم کہو۔

پھر سب کے ذکر کر چکنے کے بعد آپ خود ذکر "آوردو برد" فرماتے۔ اور تمام پرانے اور نئے تلقین یافتوں کو اپنے ذکر کرنے کے مطابق ومانند ذکر کرنے کا اشارہ فرماتے۔ پھر کچھ دیر کے بعد ہر ایک جدید تلقین

یافتہ کواپنے زانوے مبارک کے سامنے بٹھا کرحلقہ بنا کرسر گھمانا تعلیم فرماتے اور کسی کا سر خود دست مبارک سے پکڑ کرحلقہ کی تعلیم فرماتے لیکن سب اسی ترتیب کے ساتھ یعنی پہلے صاحب حلقہ ذکر کو، پھر طفیلیوں کو اور سابق کے مسترشدوں کو دکھاتے اور ارشاد فرماتے کہ ذکر کی حرکات کو دل پر مارنا چاہیے۔
اس ترتیب مذکورہ بالاکے بعد آپ ہرایک تلقین یافتہ کوطاقیہ، دستار اور ملبوس مبارک جدید خود اپنے ہاتھ سے پہناتے۔ اس وقت حضرت کے خادم انہیں اس جگہ سے اٹھا کرایک کنارے ساتھ لے جاتے۔ اور دو رکعت نماز نفل کا طریقہ بتا کرنماز پڑھواتے۔ یہ لوگ خدام کے ہمراہ پھر حضرت قطبی کےسامنے حاضر ہوتے اور سجادے کےسامنے نذرر کھ کر قدم بوسی حاصل کرکے کھڑے رہتے۔ حضرت قطبی یہ ہدایت فرماتے کہ ان تین راتوں کومتواتر حاضری کو غنیمت سمجھیں اور آج کی شب دونوں بہت ذکر کریں اور بیدار رہیں اور چاہیے کہ کسی شب یہ ذکر پانچسوبار سے کم نہ ہو۔
القصہ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو کوئی تمہارے مریدوں اور مسترشدوں میں سے ذکر کی یہ شرطیں یعنی زیارت کرنا، کھچڑی اور روغن، دہی نمک اور لکڑیاں (سرپررکھ) لانا بجالائیگا۔ اگروہ اپنے مقصود تک نہ پہنچے تو کل قیامت کے دن آمنا صدقنا (یعنی جس پر ہم ایمان لاتےاور جس کی ہم تصدیق کرتے ہیں) اس کا ہاتھ اور میرا دامن ہوگا
حضرت مخدوم یہ حکایت ہمیشہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے تلقین ذکر کی درخواست کی۔ میں نے اس میں کچھ ہوشیاری، عالی ہمتی اور عشق کی سوزش وجلن محسوس نہیں کی،اس لیے تلقین ذکر نہیں کی۔ وہ میرے پاس سے اٹھ کرناخوش چلا گیا۔ چونکہ طالب صادق تھا اس لیےاس کی یہ ناخوشی اور محرومی زیادہ دیر تک نہ رہی۔ آپ فرماتے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ کیوں تم نے اس غریب کو اس کام سے محروم لوٹادیا۔ زمانہ آخری ہے۔ اتنا عبادت کا شوق، صلاح و تزکیہ نفس وکمال تقویٰ اور دوام توجہ تم شروع حال ہی میں ایک شخص سے کیسے چاہتے ہو۔ جو شخص تمہارا دامنِ ارشاد طلب کے ہاتھوں سے پکڑے اسے کبھی اس کام سے محروم واپس نہ کیجئے۔ مناسب ہوگا کہ اسے یہ شرطیں پیش کیجئے اور ان کے آداب کی پابندی کرائیے اور ذکر تلقین فرمائیے۔ پھر بھی اگروہ اپنے مقصد کو نہ پہنچے تو کل قیامت کے دن تمہارا ہاتھ اور میرا دامن۔
ارشاد کے وسط حال میں، بعض کہتے ہیں کہ اجلاس شیخوخت کے ابتدائی زمانہ میں اندازاً بارہ برس اور بعض

کہتے ہیں کہ اندازاً دو تین سال حضرت قطبی نے دست بیعت کو کشادہ فرما کر پھر تنگ فرما دیا تھا۔ انہیں دنوں خواجہ خضر علیہ السلام نے یہ بشارت دی کہ زمانہ آخر ہے۔ ہر مرید میں اعتقاد کم ملے گا۔ ہر شخص کو دست بیعت دو۔ تمہارے مریدوں اور تعلق رکھنے والوں کو بخشش کی بشارت ہے۔

حضرت قطبی جن مسترشدین کو یہ احساس فرماتے کہ اس کام میں وہ کافی پرانے ہوچکے اور ترقی کر چکے ہیں تو خلعت خلافت واجازت سے مشرف کرتے اور غریب ونادر دعائیں جن میں اسرار ہیں اور نازک مراقبے اور ذکر کہ کسی اجنبی کے سامنے ان کو بیان نہیں کرسکتے انہیں تعلیم فرماتے اور نازک نازک اسرار پر مطلع فرماتے اور دعاے خلافت تلقین فرماتے۔

حضرت قطبی کے خانوادہ میں جس پیر کے اجازت یافتہ مسترشدین ہوتے انہیں نہالچہ، مصلی تسبیح، دستر خوان، نمکدان اور ایک جوڑا لباس لبادہ اور عصاے مشائخ بھی عطا ہوتا اور اسے خلافت عطا ہونے کی ایک دلیل سمجھا جاتا۔

ایک پیر اپنے مرید خاص کو اپنی پیش امامی کا حکم فرماتا ہے اب اگر اس کا مرید اس پیر کی نماز میں ایک وقت بھی امامت کرلیتا ہے تو وہ مرید اپنے پیر کا خلیفہ ومجاز ہوجاتا ہے۔

حضرت قطب المشائخ (خواجہ بندہ نوازؒ) ہمیشہ علماء کا لباس پہنتے، جس طرح کہ حضرت مرشد المشائخ نصیر الدین محمود نور اللہ مرقدہ پہنا کرتے تھے۔ اور ویسا ہی کھنبل کا پیراہن اور تا برانی جو بہترین ہوتی، پہنتے اور بارش کے موسم اور جاڑے میں گھر کے اندر بھی بارانی پہن کر بیٹھا کرتے تھے۔ اور پانچ گز کی دستار باندھتے لیکن عیدین اور جمعہ کے دن چندری کے ایک پارچہ کی دستار باندھتے اور اکثر بلکہ کبھی کملی بھی بغیر بارانی پہنے گھر سے باہر نہیں جاتے۔

اور کبھی آبہوت اور سالو کا رنگ نہیں پہنتے تھے۔ اور خواب کے وقت غایت حرارت سے جو جسم مبارک میں تھی صرف تین گز کی دستار رکھتے تھے۔

اور اکثر لبانچہ ملبوس کے اندر پہنتے اور لباس کھلے کھلے اور ڈھیلے ڈھالے کٹواتے اور جامے اور دستار جھمین پہننے کی ایک مستحسن رسم ہے اس قد زیب پر بہت زیب دیتے تھے۔ مصرع

زیبائی نہ زیباز توزیباست زیبائی

یعنی آپ ایسے قبول صورت وزیبا قد تھے کہ زیبائی کو آپ سے زیبائش وحسن ملا تھا۔

فی الجملہ آپ کوئی رنگین اور میلا اور چست لباس کبھی نہیں پسند کرتے تھے۔
اور جب کبھی قطبی ناخوش ہوتے اور روئے مبارک غصہ سے چڑھالیتے (یعنی جس سے چہرہ ء مبارک میں شکنیں پڑجاتیں)۔
(۱) جب آپ یہ سنتے کہ کسی نے ''خزینہ'' یعنی خانقاہ میں کوئی خلاف شرع کام کیا ہے
(۲) جب آپ دیکھتے کہ مجلس خاص میں کسی کو اس کے مرتبہ سے متفاوت و متجاوز جگہ دی گئی ہے۔ نیز جماعت میں سب بیک وقت باتیں کررہے ہوں۔
(۳) جبکہ کوئی خان یا بادشاہ یا سوداگر حضرت قطبی کے سامنے ارشاد کے لیے حاضر ہوتا اور ذکر و مراقبہ کی درخوست کرتا اس وقت آپ بہت زیادہ مکدر اور ناخوش ہوتے۔

ایک مرتبہ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے ذکرومراقبہ کے لیے درخواست کی تھی اور عرض کیا تھا کہ ایک ایسی شرط درمیان میں ہو کہ حضرت شیخ کے ارشاد کی برکت سے چند روز ہی کے مہلت میں وہ شرط پوری ہوجائے تاکہ اس کام میں صوفیوں کو جوآثار نمایاں ہوتے ہیں میرے لیے بھی نمایاں ہوں۔ حضرت قطبی نے جواب دیا کہ یہ کام خاص فقرا کا حصہ ہے۔
لیکن آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری تعلیم میں کوئی پیشہ عہدہ، اور شغل اور کام مانع راہ نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ باوجود بادشاہت، خانی وحکمرانی، عہدہ ملکی، تجارت و کتابت وغیرہ کے جو اوراد کہ میں بتاؤں اور جو ذکر، مراقبہ اور توجہ کہ میں تلقین کروں اور جو شرائط وآداب میں بیان کروں انہیں ہمیشہ کرتے رہیں اور اس کام میں صدق نیت سے داخل ہوں اور میرے احکام وہدایت پر قائم رہیں تو یقین ہے کہ ان اسرار و گفتار سے ضرور کچھ حصہ حاصل کرلیں گے اور اپنے دل کی ہمت کے اندازہ اور تزکیہ نفس اور توجہ تام سے راہ میں ترقی کرلیں گے۔
(۴) جبکہ اہل دنیا جو بادشاہی عہدوں پر فائز ہیں سلطانی خلعت ولباس پہن کر سجادہء ولایت کے سامنے آتے۔ معمول یہ تھا کوئی سرکاری لباس پہن کر حضرت قطبی کے دروازے پر آتا تو آپ کے خدام وہ لباس اس سے اترواتے۔ اس کے بعد اسے حضرت قطبی کے سامنے لاتے۔
(۵) ناخوشی کی ایک بات وہ ہوتی جبکہ حاضرین مجلس میں سے کوئی شخص حضرت کے منہ پر حضرت کی تعریف کرتا آپ نہایت ناخوش ہوتے اور چہرہ مبارک پر شکنیں پڑجاتیں۔

اگر کوئی توحید کا مضمون یا نعت لکھ لاتا تو اسے اپنی پہنی ہوئی دستار عطا فرماتے اور جائے نماز اور سجادہ شیخوخت کے پاس اگر کچھ نقد رقم ہوتی تو وہ بھی دے دیتے۔

اگر کسی کی بابت یہ سنتے کہ وہ آپ کے پیٹھ پیچھے آپ کی نیک خصلتیں اور اخلاق ومکارم کی تعریف کرتا تو اس سے خوش ہوتے اور اس کے صدق واخلاص پر عمدگی کرتے، لیکن منہ پر کہتا تو اسے بے ادبی، چاپلوسی اور تملق پر محمول کرتے۔

(۶) اگر کوئی کسی دوسرے شخص کی خواستہ شے یا املاک پر تغلب سے قبضہ کرلیتا یا کسی شخص کو رنج دیتا اور سختی کرتا تو آپ ازراہ کرم وشفقت مظلوم کو اپنی حمایت میں لے لیتے اور اس کی بہت دلداری فرماتے اور اس کے ساتھ انصاف ہونے کی سعی کرتے۔

جو مظلوم آپ کے پاس آتے، آپ اس کی غمخواری فرماتے اور ظالم پر دل وجان سے ناخوش ہوتے۔

(۷) اگر کوئی کسی عورت یا بچہ یا کسی دوسرے کے مرید کو سجادہ شیخوخت کے سامنے پیش کرکے رشد وارشاد کی درخواست کرتا یا تلقین ذکر کی استدعا کرتا اور مراقبات کی تعلیم کی طمع رکھتا تو اس وقت طبیعت مبارک مکدر ہوجاتی اور ہمیشہ فرماتے کہ ان تین جماعتوں کو تعلیم کرنے سے مجھے ندامت ہی ندامت حاصل ہوئی ہے اور ان تین لوگوں کا میں نے اچھی طرح تجربہ کیا ہے اور آخر الأمر ناخوش ہونا پڑتا ہے اور اچھی طرح جان لیا ہے کہ یہ بات نقصان سے خالی نہیں ہے۔

(۸) جب آپ قلندری کو دیکھتے اور ان کے نام، قصے اور ان کے اعمال کا حال سنتے تو ناخوش ہوتے اور فرماتے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے بچوں کو بدراہ کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہیں۔

آپ ہمیشہ اپنے پوتوں، نواسوں اور خُرد رشتہ داروں کو متنبہ کرتے رہتے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر کا کوئی بچہ اپنی مجلس میں کسی قلندر کو آنے دے اور اس سے بات چیت کرے یا قلندروں کی باتیں سنے۔

فرماتے تھے کہ شیخ شہاب الدین نے کہاں سے یہ بات کہی ہے کہ قلندروں کی جماعت میں ایسا بھی کوئی آدمی اٹھ کھڑا ہوتا ہے یعنی ایک ولی، واصل وعارف وکامل پیدا ہوتا ہے۔ خیر یہ ممکن ہے کہ کوئی ولی اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اس جماعت میں شامل ہوجائے اور چھپائے رکھے لیکن اس بات کو اس قوم سے کیا نسبت کہ ایسے لوگوں کی جماعت میں سے کوئی ایسا شخص یعنی ایک مرد ولی وعارف وکامل و شیخ ومرشد پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ بد قوم اور بدملت ہیں۔ ان میں دینداری کی کوئی بھلائی نہیں۔

(۹) جس وقت خانقاہ کا کوئی خادم اور گھر والوں میں سے کوئی یہ عرض کرتا کہ اس جگہ کوئی عمارت ہونی چاہیے یا اس مکان کی مرمت ہونی چاہیے۔ تو آپ ناخوش ہوتے۔ لیکن ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک لڑکا (غلام) آیا اور اس نے حضرت قطبی سے عرض کیا کہ خانقاہ کی دیوار کا ایک مینار فلاں جگہ سے ٹوٹ گیا ہے، اس کی مرمت ہونی چاہیے۔ ورنہ برسات کا زمانہ ہے۔ پانی اندر آئے گا اس وقت بھی آپ نے کسی قدر ناخوشی کے ساتھ فرمایا جاؤ درست کراؤ۔

(۱۰) جب نوکر گھر کا یا خانقاہ کا حساب کتاب حضرت قطبی کے سامنے پیش کرتا۔ آپ فوراً ہی ناخوش ہوجاتے اور کچھ نہ سنتے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے کسی وقت بھی (حساب کتاب) سماعت نہیں فرمائی۔

حضرت قطبی فرماتے تھے کہ درویش کو اس سے کیا نسبت کہ گھر کے حساب کتاب کی طرف توجہ اور التفات کرے، خواہ وہ صدق بے پروائی کو نگاہ رکھنے ہی کیلئے کیوں نہ ہو۔

حضرت قطبی ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو اپنی ذات سے اور مسترشدوں اور طالبان حق سے خواہ وہ حضرت کے مرید ہوں خواہ کسی اور کے جو شے مطلوب و مقصو ہے وہ یہ ہے کہ وہ جادہء شریعت پر رہیں اور اپنے مشغلِ باطن مین مستغرق رہیں۔ چنانچہ اپنی تصنیفات میں آپ نے بہت جگہ یہ لکھوایا ہے کہ نفس کا تزکیہ کرو اور دوام توجہ حاصل کرو۔

حضرت قطبی کے قلب مطہر کو اس وقت فرحت اور خوشی ہوتی کہ جب آپ کے تمام مریدوں اور مسترشدوں میں سے کوئی خواہ آپ کے فرزندوں سے ہو خواہ حضرت مخدوم کے مریدوں سے اپنے پیش آئے ہوئے کشف و تجلیات کو حضرت قطبی کے سامنے عرض کرتا۔ اسے آپ توجہ سے سنتے اور اس کے حوصلہ کے مطابق رشد و ھدایت فرماتے لیکن جب کوئی کشف حقیقت تجلی صفات وذات باری تعالیٰ کا واقعہ عرض کرتا تو بہت مسرور ہوتے اور ان صادق مسترشدوں پر بہت کچھ توجہ اور نوازشیں مبذول فرماتے ان پر اور ان کے آباو اجداد پر اللہ جل شانہ کی رحمت ہو۔

حضرت مخدوم زادہء خرد سید محمد اصغر حسینی:

جب حضرت مخدوم زادہ خرد نے حضرت قطبی کی وفات کے دوسرے روز حضرت قطبی کے سجادہ پر بطور شیخ وقت اجلاس فرمایا اور ابھی کسی شخص نے حضرت خواجہ سے بیعت نہیں کی تھی کہ آپ نے میاں یداللہ سے فرمایا کہ بابو حضرت مخدوم کے سجادہ پر تم بیٹھو۔

لیکن اسی روز یعنی منگل کا روز سترھویں ذی قعدہ ۸۲۵ھ کو حضرت قطبی کے تمام فرزند، رشتہ دار وخلفاء اور یاران طریقت نے اور ان کے ساتھ مجلس میں جو لوگ حاضر تھے انہوں نے حضرت خواجہ مخدوم زادہء خرد کے حضور نذریں پیش کیں۔

حضرت مخدوم زادہء خرد افعال واعمال اور طریقہ سنت وجماعت پر دعوت دیتے تھے جس میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خالص پیروی ومتابعت تھی۔

حضرت مخدوم زادہء خرد کا کلام اور ارشاد اہل سنت وجماعت کے قاعدے پر اور ہدایتیں مشائخ طبقات کے قانون پر ہوتیں۔

اپنی شیخوخت کے زمانہ میں اگرچہ کہ آپ ہر روز اجلاس فرماتے اور ہر جمعہ کو جامع مسجد سے لوٹتے وقت حضرت قطبی کے سجادہ پر ان کی جگہ تشریف فرما ہوتے۔ استفتاح کے دن اور بقرعید کے عرفہ کے دن تجدید بیعت کے وقت لوگ آتے اور خرقہ توبہ اور دست بیعت کے لیے عرض ومعروض کرتے مگر آپ اکثر کو حسن خلق اور تواضع وانکسار کے ساتھ جواب دے کر لوٹا دیتے۔ لیکن کبھی کبھی بعضوں کو قبول توبہ اور دست بیعت دیتے اور خرقہ ارادت عطا کرکے سرفراز بھی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مخدوم زادہء خرد کے زمانہء شیخوخت میں ایک بار حلقہء تلقین ذکر ہوا۔ جس میں :

(۱) قاضی برہان الدین جو خطہ پرنیڈہ کے نائب حاکم شرع تھے۔

(۲) مولانا اسماعیل جو حضرت میاں عبداللہ کے خلیفہ ہو چکے تھے۔

(۳) تیسرے شخص حاکم شرع قصبہ نیوسہ (غالباً یہ لفظ ادسہ ہے)

(۴) چوتھے جن کا مولانا علاء الدین نام تھا جو ہندوستانی تھے اور بعد میں حج بھی کر آئے تھے موجود تھے۔

حضرت مخدوم زادہء خُرد کو خلق سے انقطاع، راتوں کو جاگنا اور جنگلوں اور باغوں میں تنہا رہنا پسند خاطر تھا اور ہمیشہ نعرہ وگریہ، آہیں اور سوزش درون رہتی۔ مقربان صادق اور مخبران واثق یہ کہتے ہیں کہ شیخوخت کے ان ایام میں حضرت مقام تسکین وتمکین پر قرار فرما تھے۔

حضرت مخدوم زادہء خرد نور اللہ مرقدہ ہمیشہ کمال استغراق وشغل وباطن کی وجہ سے امور شیخوخت کی جاری رکھنے کی طرف ملتفت نہ ہوتے اور دنیا کی بات چیت آپ کے سامنے کوئی وقعت نہ رکھتی اور آپ اس سے قطعی طور پر نفرت ظاہر کرتے اور ایسے سرکاری مولوی جو سرکاری دفتروں میں نوکر ہوں اور

بادشاہی ملازمین کی نیز ان کی گفتار، رفتار ولباس ومعاملات کی حضرت خواجہ کے پاس ایک دانہ اور ایک جو کے برابر بھی وقعت نہیں ہوتی اس لیے کہ ان لوگوں کو کسبِ وطن اور شغلِ دل کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح شیخی اور جاہ طلبی کی اور خانقاہوں کی رسمیں اور عادتیں نیز لنگر اسی قدر وقعت رکھتے لیکن طلب علم اور تصوف کی طرف رغبت حضرت کے نزدیک بڑی چیز سمجھی جاتی۔ طالب علموں اور اہل سنت وجماعت کے صالحان امت اور فقیروں اور صوفیوں کو دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب رکھتے۔

حضرت توجہ دل سے یہ سعی فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص طلب کے شروع میں عبادت زیادہ کرے اور نہایت کار میں صوفی مشرب ہو جائے۔

حضرت مخدوم زادہء خرد کے زمانہ شیخوخت میں سلطان احمد شاہ بہمنی کو تین بار حضرت کی ملاقات نصیب ہوئی۔ سلطان آپ کی بہت حرمت وعزت کرتا اور اعتقاد والوں کی طرح تعظیم وتکریم کرتا اور جب حضرت سے بات کرتا تو بہت ادب سے کلام کرتا۔ حضرت بھی ایک شان مجذوبی وبے پروائی سے اس طرح ملتے کہ ماسوی اللہ سے بالکل خالی ہیں۔

حضرت مخدوم زادہء خرد ہمیشہ یہ فرماتے کہ بابو"یدو" یہ تمہاری جگہ ہے آؤ اور بیٹھو اور حضرت مخدوم کا کام جاری کرو اور مجھے خلاصی دو تاکہ فراغ خاطر سے اللہ کی طرف دل سے متوجہ ہو کر خوش رہوں۔

حضرت قطبی نے اس بارے میں خاص اپنے ہی زمانہ میں خلافت نامہ میں زیادہ لوگوں کو دست بیعت دینے کی اجازت دی تھی مگر اس کام کی اجرائی کے لیے جو ہر بارو گوہر نثار تقریر لکھا دی تھی وہ یہ ہے: کہ میری جگہ محمد اصغر ہوگا۔ اور مراحق پدری اس وقت ملحوظ رکھے گا جبکہ میرے بعد وہ میرے سجادے پر بیٹھے اور دست بیعت دے"۔

اس لیے آپ بدرجہ مجبوری حضرت قطبی کے سجادہء ولایت اور مقام ہدایت پر تشریف فرما ہوئے لیکن علی العموم دست بیعت دراز نہیں فرمایا اور شیخوخت کا وہ خیال جو اہل خانوادوں اور شیخ زادوں میں جاری ہے دل میں نہ رکھا اور سرور وسرفراز بننے کی طرف کبھی قدم نہ اٹھایا۔

حضرت قطبی کی شیخوخت کے زمانے کے رسوم میں سے چند جزئیات مثلاً مریدوں اور معتقدوں کا سر جھکانا اور اسی طرح کے دیگر امور تھے آپ نے لوگوں کو ان پر عامل رہنے کی اجازت نہیں دی اور بہت تاکید سے منع کیا اور جھڑکا"۔

حضرت مخدوم زادہء خرد دو برس دو مہینہ چار دن حضرت قطبی کے سجادہء ولایت پر جلوہ فرما رہے۔
بدھ کے روز اکیسویں محرم ۸۲۸ھ کو اس منزل ناپائیدار سے اس مقام پائیدار کی طرف سفر اختیار کیا۔

حضرت سید ید اللہ حسینی رحمہ اللہ

آپ تیسویں محرم ۸۰۳ھ کو کھمبایت ولایت گجرات میں تولد ہوئے۔
اس زمانہ میں حضرت قطبی قصبہ پٹن میں تھے، ولادت کی خوش خبری سنتے ہی کھمبایت تشریف لائے۔
حضرت مخدوم نے فرمایا: "اے محمد اصغر تیرے گھر ایسا لڑکا آیا ہے جو جہانگیر ہو گا"۔
فی الجلمہ جب حضرت قطبی کھمبایت سے سفر کر کے تھانیسر تشریف لائے۔ وہاں نصیر خان، ملک حسام الدین مہابلی احمد شاہی فرزندان خان اعظم عادل خان محمد عین فاروقی اور دوسرے بہت سے اس جگہ کے رہنے والے حضرت قطبی کے مرید ہوئے۔
پھر وہاں سے جمادی الثانی کے مہینہ ۸۰۴ ہجری میں بزمانہء سلطنت شاہنشاہ مرحوم سلطان فیروز شاہ بہمنی رحمہ اللہ شہر احسن آباد (عرف گلبرگہ شریف) میں تشریف فرما ہوئے۔
ان دنوں حضرت سید ید اللہ حسینی ایک سال چار مہینہ کے تھے۔
جب آپ چار سال چار ماہ اور چار دن کے ہوے تو قاضی بہاء الدین امام کے پاس تعلیم کے لیے حضرت قطبی نے مکتب میں بٹھایا۔
بعد ازاں حضرت قطبی نے بہت کوشش فرمائی کہ حضرت سید ید اللہ کلام اللہ حفظ کر لیں۔
چنانچہ حق جل وعلا کی مدد سے تھوڑے ہی دنوں میں حضرت میاں ید اللہ کو کلام اللہ کا حفظ ختم کرنا نصیب ہوا جب کلام اللہ ختم کر کے آپ نے پہلی محراب سنائی تو حضرت میاں ید اللہ قاضی بہاء الدین امام کے ہمراہ کچھ مٹھائی لے کر حضرت قطبی کی قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت قطبی بہت خوش ہوئے۔
اسی زمانہ میں حضرت قاضی بہاء الدین نے حضرت قطبی کے سجادہء ولایت کے سامنے عرض کی کہ مخدوم زادہ حضرت میاں ید اللہ کو سوائے مخدوم کے اور کون پہچانتا ہے یا متقدمین میں سے حضرت قطب الدین اور حضرت شیخ فرید الدین تشریف لائیں تو میاں کو پہچانیں۔ حضرت قطبی کو بہاء الدین کی یہ تعریف پسند آئی۔ جواب دیا "خوش می گوئی ملاں، نیکوئی میگوئی ملاں"۔

حضرت شاہ ید اللہ نے اور بھی چند ختم سنائے۔ اس کے بعد حضرت قطبی نے فرمایا کہ مولانا تاج الدین خوش نویس کے پاس جا کر خط درست کریں۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک حضرت میاں ید اللہ مولانا تاج کے سامنے خط کی مشق کرتے رہے اس کے بعد حضرت قطبی نے فرمایا کہ قاضی سراج الدین خادم خانقاہ کے پاس بھی جا کر خط کی مشق کریں اور علم بھی حاصل کریں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد حضرت قطبی نے فرمایا کہ میرے سبق کی مجلس میں بھی ید اللہ آیا کریں۔

کچھ علوم ظاہری بھی مثلاً نحو، صرف، فقہ اور علم تصوف حضرت قطبی سے پڑھ کر سند حاصل کی جس زمانہ میں حضرت میاں ید اللہ حضرت قطبی سے آداب المریدین پڑھتے تھے حضرت قطبی اس کا ترجمہ بھی لکھایا کرتے تھے۔

حضرت میاں ید اللہ نے حضرت مخدوم کے ہاتھ پر بیعت کی چنانچہ بیعت کے ہی دن حضرت مخدوم نے اپنا نہالچہ سجادہء خلافت میاں ید اللہ کو عطا فرمایا اور ازراہ کرم و نوازش مجمع عام میں اپنی زبان جوہر بار گوہر نثار سے فرمایا کہ چونکہ باپ نے اپنے آپ کو دوسرے جہان میں ڈال دیا ہے، اس لیے باپ کی جگہ یہ سب اسے میں نے عطا کیا کہ میرے بعد میرے کام کو بھی جاری رکھے گا۔ اس کے چند روز بعد ورد اوراد بھی بتائے اور فرمایا کہ ید اللہ تمہیں چاہیے کہ میری صحبت میں رہا کرو۔

حضرت قطبی نے حضرت میاں ید اللہ کو بلا کر کہا کہ بابو یدّو! اب میں کبیر السن ہو گیا ہوں اور دعائے استفتاح پڑھ نہیں سکتا۔ تم پڑھ دیا کرو۔ چنانچہ حضرت قطبی کے فرمانے کے بموجب حضرت میاں ید اللہ عصر کی نماز کے بعد دعاء استفتاح پڑھتے اور حضرت قطبی سن کر خود بھی پڑھنے لگتے۔ اس کے بعد اپنے سینہ مطہر سے لپٹا لیتے اور سینہ سے سینہ ملتے۔

حضرت قطبی نے میاں ید اللہ کا پیارا نام ازراہ مرحمت قبول رکھا۔

حضرت قطبی کے ولایت کے آخری زمانہ میں جبکہ حضرت مخدوم کا جسم بہت کمزور ہو گیا تھا ایک روز حضرت میاں ید اللہ نے حضرت مخدوم کے سامنے بیٹھ کر یہ عرض کیا کہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جناب رسالت مآب ﷺ سے یہ گزارش کی کہ میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک میں دیکھتا رہوں۔ میرا بھی حال حضرت مخدوم کے ساتھ ایسا ہی ہے۔

فی الجملہ حضرت مخدوم جس وقت چاہتے کہ مردانِ غیب کے پاس کسی کو بھیجیں تو حضرت میاں یداللہ ہی کو بھیجا کرتے تھے۔

حضرت قطبی نے جب اپنے مقربوں، مسترشدوں اور مقبولوں کواجازت خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا تو ہر بار حضرت میاں یداللہ کا نام بھی لکھوایا ہے۔ ایک بار حضرت قطبی اجازت نامہ لکھوارہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ قاضی راجا دست بیعت دیا کریں، عبداللہ دست بیعت دیا کریں اور ہر دو ملک زادے ملک عزالدین، ملک شہاب الدین دست بیعت دیا کریں، اور میرا جانشین وخلیفہ یداللہ ہے۔

حضرت مخدوم زادہء خرد کو حضرت قطبی نے جانشین بنایا۔

خلافت نامہ میں چند سطور لکھیں:

"والخرقه والسجادة والخاتم الذي بيدي كل ذلك مبذولة ومملوكة لمحمد اصغر".

یہ انگوٹھی مخدوم زادہء خرد سے حضرت میاں یداللہ کو پہنچی۔

حضرت مخدوم زادہء خرد کی وفات کے بعد پنجشنبہ کے دن بائیسویں محرم ۸۲۸ھ کو جانشینی کی مجلس ہوئی۔ میاں سفیراللہ نے حضرت میاں یداللہ کادایاں ہاتھ پکڑا اور قاضی بہاء الدین نے بایاں ہاتھ اور حضرت میاں یداللہ حقیقتہً حضرت قطبی کی خلافت پر لیکن بظاہر مخدوم زادہء خرد کی بجائے حضرت قطب المشائخ کے سجادہء شیخوخت اور مقام ہدایت پر متمکن ہوئے۔

حضرت مخدوم زادہء خرد اپنی شیخوخت کے زمانہ میں لوگوں کو علی العموم مرید نہیں کیا کرتے تھے۔ اب اس عہد دولت خلافت حضرت میاں یداللہ میں اس راستہ کے کھلتے ہی اور ارشاد کے دروازے کے وا ہوتے ہی خلق کا ہجوم بہت ہوا۔

قاضی سراج الدین فرماتے تھے کہ میں نے بارہا تجربہ کیا اور اچھی طرح یہ امر محسوس کیا ہے کہ مخدوم زادہ میاں یداللہ کے عہد دولت خلافت میں جس کسی کو حضرت میاں صاحب کی طرف سے تلقین ذکر اور تعلیم مراقبہ ہوئی اور اس نے اس کام میں صبر و تحمل سے کام لیا تو البتہ آپ کے ارشاد اور دل کی نظر کی تاثیر اور حضرت مخدوم زادہ کی نوازش و مہربانی سے اس کام کا کچھ نہ کچھ حصہ اسے ضرور ملا ہے اور خالی نہیں رہا۔

مؤلف تاریخ حبیبی کا بیان ہے کہ حضرت میاں یداللہ کے سجادہ شیخوخت پر اجلاس فرما ہونے کے وقت سے اس وقت تک حضرت کے تربیت یافتہ چند خلیفہ و مجاز ہوئے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) مخدوم زادہ حضرت میاں من اللہ رحمہ اللہ

(۲) مخدوم زادہ حضرت میاں صبغۃ اللہ رحمہ اللہ

(۳) مخدوم زادہ حضرت میاں حفظ اللہ رحمہ اللہ

(۴) مخدوم زادہ حضرت میاں محمود رحمہ اللہ

(۵) سید کمال الدین بن صفی بھروچی رحمہ اللہ

(۶) سید اسمعیل بن حسام رحمہ اللہ

(۷) سید ابن ماہ منیر بن حسام رحمہ اللہ

(۸) مولانا تاج الدین رحمہ اللہ

(۹) مولانا ابوالفضل علاء الدین اودھی رحمہ اللہ

(۱۰) ملک زادہء حضرت فرید فرشوری رحمہ اللہ

(۱۱) حضرت شیخ اویس رحمہ اللہ

(۱۲) اصیل الدین محمد آبادی رحمہ اللہ

(۱۳) مولانا مخدوم زادہ یعنی صاحب سجادہ حضرت میاں احمد فرزند حضرت میاں یداللہ

سوانح بندہ نوازؒ کے دیگر قدیم و مستند مآخذ:

(۱) سیر محمدی: مولفہ مولانا محمد علی سامانیؒ، سنہ تالیف ۸۳۱ھ (۲) تاریخ محمدی و تاریخ حبیبی: تالیف ۸۴۹ھ مؤلفہ مولانا عبدالعزیز (۳) محبت نامہ: ملفوظات حضرت شاہ ید اللہ حسینی، تالیف ۸۴۳ھ (۴) شوامل الجمل درشمائل الکمل ملفوظات حضرت خواجہ ابوالفیض بیدریؒ، سن تالیف ۸۷۴ھ تا ۸۷۷ھ (۵) تبصرۃ الخوارقات: سید من اللہ، ۹۸۱ھ۔

(ماخوذاز "شجرۃ الاشراف")

مولانا صباح الدین عبدالرحمنؒ

حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانیؒ

م بعد ۸۲۵ھ

سید محمد اشرف اسم گرامی اور جہانگیر لقب تھا، آل سمنان میں تھے، ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی۔ والد بزرگوار، محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے۔[1] والدہ ماجدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسوی کی لڑکی تھیں، ان کے زہد و عبادت کا حال یہ تھا کہ ان سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی، پوری رات عبادت میں گذارتیں، اور صائم الدہر رہیں۔[2]

تعلیم: تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوب کی دعاؤں کی برکت سے حضرت سید اشرف پیدا ہوئے۔ سات سال کے ہوئے تو سات قراءتوں کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا، چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تعلیم ختم کی جس سے تمام عراق میں مشہور ہوگئے۔[3]

اورنگ نشینی: والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کی عنانِ حکومت سنبھالی، ان کے زمانہ حکومت کے عدل وانصاف کے بہت سے قصے مشہور ہیں، لطائف اشرفی کے مؤلف نے اس عدل وانصاف کا ذکر اشعار میں کیا ہے:

---

1 لطائف اشرفی ج ۲ ص ۸۷

2 ایضاً ج ۲ ص ۹۰

3 ایضاً ص ۹۱

چون اورنگ سمنان بدُو تازہ گشت | جہاں از عدالت پرُ آوازہ گشت
بدورانِ عدلش ہمہ روزگار | گلستاں شدہ عدل آوردبار
زہے عدل وانصاف آں دادگر | کہ برمیش گرگے نہ بندد کمر
بشاہین زند بال بازی کلنگ | کبوتر سوے باز آورد چنگ
اگر فیل برفرق موری گذر | کند مور برفیل آرد نظر
کہ این دور سلطانِ اشرف بود | چساں ظلم تو بر سرِ من رود[1]

ترک سلطنت: حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت سید محمد اشرف فرائض وسنن اور واجبات ونوافل کے پابند تھے۔راہِ سلوک کی طرف طبیعت صغرسنی سے مائل تھی،اس لئے خواب میں بزرگان دین ہی کو دیکھتے ،اور ان سے فیوض حاصل کرتے، بالآخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ سلطنتِ الہیٰ چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ،اس خواب کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا،والدہ نے فرمایا تمھاری پیدائش سے پہلے میرے والد بزگوار نے بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوگا، جس کے نورولایت سے تمام عالم منور ہوگا ،اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آ پہنچا، سفر مبارک ہو۔

والدہ ماجدہ کی اجازتِ سفر کے بعد سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔[2]

سفر تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور فوجی رخصت کرنے آئے،ان کو وداع کر کے حضرت سید محمد اشرف ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے ، بخارا سے سمرقند آئے ،سمرقند تک کچھ گھوڑے سواری میں ساتھ تھے، لیکن ان گھوڑوں سے راحت کے بجائے رسوائی محسوس کی،اس لئے فقراء کو دیدیئے۔سمرقند سے اوچہ وارد ہوئے، جہاں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہان گشت کی خدمت میں پہنچے ، حضرت جہانیاں جہان گشت نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا:

---

1 لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱

2 ایضاًص ۹۲-۹۳

"بعد از مدتے بوے طالب صادق بدماغ رسیدہ بعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت وزیدہ فرزند بسیار مردانہ برآمدہ مبارک باد، زود قدم در راہ نہ کہ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف ہستند زینہار در راہ جاے نمانی۔"

(لطائف اشرفی جلد دوم ص ۹۴)

حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت سے فیضیاب ہوکر دہلی میں نزول اجلال فرمایا، یہاں کے مشائخ سے متمتع ہو کر بہار کی طرف رخ کیا۔ قصبہ بہار شریف اس وقت پہنچے جب حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت مخدوم نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارکِ مملکت ہو، اور سات قراء توں کا قاریٔ ہو۔ یہ تمام شرطیں حضرت سید محمد اشرف میں موجود تھیں، اس لیے انہی نے حضرت مخدوم کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی، کچھ دنوں حضرت مخدوم کے مزار اقدس پہ مراقبہ کر کے روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کیے، اس کے بعد بنگالہ کی طرف آگے بڑھ گئے۔[1]

بیعت: اس زمانہ میں اہل بنگالہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق بن السعد اللاہوری بنگالی کی مذہبی و روحانی تعلیمات سے فیضیاب ہورہے تھے۔ یہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ سراج الدین اخی عثمان کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ علاء الدین کے خاندان کے لوگ وزارت اور دوسرے بڑے بڑے شاہی عہدوں پہ مامور تھے، لیکن خود انھوں نے درویشی اختیار کی تھی، جید عالم بھی تھے۔ اس لئے مذہبی اور روحانی تعلیمات کے لیے ان کے پاس لوگ بکثرت آتے ان کی سخاوت بھی مشہور تھی، ان کی خانقاہ کے اخراجات پر سلاطین کو بھی رشک ہوتا تھا، روضہ شریف پَنڈوَہ شریف (ضلع مالدہ) میں ہے، لیکن قیام سُنار گاؤں اور بنگال کے دوسرے مقامات پر بھی رہا[2]، لطائف اشرفی میں ہے کہ حضرت سید اشرف کے آنے سے پہلے حضرت علاء الدین نے اپنے مریدوں کو بشارت دی تھی کہ:

سن کسے کہ از دوسال انتظار او می کشیدہ ایم وطریق مواصلت او می دیدہ ایم امروز فردا می رسد (ج ۲ ص ۹۵)

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴

[2] تفصیل کیلئے دیکھو اخبار الاولیاص ۱۳۵

اور جب حضرت سید اشرف پنڈوہ [1] کے قریب پہنچے تو حضرت علاء الدین قیلولہ فرمارہے تھے لیکن یکایک بولے: ''بوے یار می آید''

اور اس محافہ پر شہر سے باہر نکلے جو حضرت سراج الدین اخی سے ان کو ملا تھا، شہر سے ان کو باہر جاتے دیکھ کر مریدوں اور معتقدوں کا ہجوم بھی ان کے ساتھ ہو گیا بعض پاپیادہ اور بعض گھوڑوں پر سوار تھے، حضرت سید اشرف کے استقبال کے لئے یہ جلوس شہر سے ایک کوس باہر گیا، جب حضرت سید اشرف کی نظر حضرت شیخ علاء الدین پر پڑی تو دور سے دوڑے اور ان کے قدموں پر جا گرے، حضرت شیخ علاء الدین نے والہانہ انداز سے ان کو اٹھا کر گلے سے لگایا، اور فرمایا:

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے بامیدِ رسد امیدوارے

حضرت علاء الدین کے محافہ خاص پر حضرت سید اشرف خانقاہ تشریف لائے جہاں ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی، اور جب مرشد نے بیعت سے مشرف کیا تو حضرت سید محمد اشرف نے فی البدیہ یہ اشعار کہے:

نہادہ تاجِ دولت برسرِ من علاء الحقِ والدیں گنجِ نابات
زہے پیرے کہ ترک از سلطنت داد برآوردہ مرا ازچاہِ آفات

مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے، خرقہ خلافت کے علاوہ ان ہی سے جہانگیر کا لقب پایا خود فرماتے ہیں:

مرا از حضرت پیرِ جہاں بخش خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنوں گیرم جہان معنوی را کہ فرمان آمد از شاہم جہانگیر [2]

ایک موقع پر حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے کہ مرشد نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟

حضرت جہانگیر نے جواب دیا: ''میان برائے خدمت می بندم'' یعنی خدمت خلق کے لئے کمر کس رہا ہوں۔

---

[1] لطائف اشرفی میں ''بندوار'' مرقوم ہے، جو غالباً کتابت کی غلطی ہے۔

[2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۹

مرشد نے فرمایا: ''اگرمی بندی محکم بہ بند کہ ہیچ درمیان نداری'' یعنی اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو تا کہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے۔

حضرت اشرف جانگیر نے عرض کیا: ''آرزوے نفس ازمیان بیرون کشیدہ ام تازندہ ام'' یعنی اپنی میان سے نفس کی آرزو کو دور کر دیا ہے جب تک زندہ ہوں نفس کی آرزو کو دور رکھوں گا۔مرشد نے یہ سنکر فرمایا مبارک باد۔[1]

نواح جونپور کا سفر: جب ہر قسم کے روحانی فیض سے متمتع ہوچکے تو مرشد نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو نواح جونپور کی طرف جانے کا حکم دیا، حضرت جہانگیر دل پر جبر کرکے مرشد سے رخصت ہوئے، سفر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی کافی تعداد ساتھ رہی راستے میں لوگوں نے ان کی درویشی میں یہ امارت دیکھ کر اعتراض کیا تو فرمایا: میخ طویلہ در گل زدہ ام نہ در دل[2]

قیام محمد آباد کہنہ: منیر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد کہنہ اعظم گڈھ پہنچے یہاں کے تمام علماء وفضلا ملنے آئے تو رسول ﷺ کے چار یار پر گفتگو ہونے لگی حضرت اشرف جہانگیر نے خلفاء راشدینؓ کی مدح میں ایک رسالہ لکھا تھا، اس میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی مدح اور خلفاء سے نسبتاً زیادہ کی تھی، محمد آباد کہنہ کے علماء نے اس پر بحث کرنی شروع کی اور حضرت اشرف جہانگیر پر رفض کا الزام عائد کیا، دوسرے دن جمعہ تھا جمعہ کی نماز کے بعد علماء کا محضر ہوا انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر کے خلاف فتویٰ دیا لیکن قصبہ کے مفتی اور سرحلقہ علماء مولانا سید خان نے تمام علماء سے اختلاف کیا، اور حضرت اشرف جہانگیر کی حمایت میں کہا کہ وہ سید ہیں، اگر انھوں نے اپنے جدامجد کی شان میں کچھ اچھے کلمات استعمال کیے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ یہ سن کر علماء شرمندہ ہوئے، حضرت اشرف جہانگیر نے سید خان کو دعائیں دیں، رفتہ رفتہ اور دوسرے علماء بھی حضرت اشرف جہانگیر کی بزرگی کے قائل ہوتے گئے۔[3]

---

[1] ایضاًص ۳۸۰

[2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۱

[3] یضاًج ۱ ص ۱۸-۲۰

قیام ظفر آباد: غالباً محمد آباد کھنہ سے ظفر آباد پہنچے ظفر آباد میں پہلے تو لوگوں کا سلوک اچھا نہ رہا لیکن بالآخر انکی بعض کرامتیں دیکھ کر لوگ ان کی طرف ملتفت ہوئے، یہیں حضرت شیخ کبیر سرور پوری مرید ہوئے جو بڑے صاحب علم اور صاحب ثروت تھے اور آگے چل کر حضرت اشرف جہانگیر کے محبوب خلیفہ ہوئے۔[1]

قیام جونپور: کچھ دنوں کے بعد حضرت اشرف جہانگیر ظفر آباد سے جونپور آرہے اور وہاں کی ایک مسجد میں نزول اجلال فرمایا، انکی تشریف آوری پر ملا قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملنے آئے۔[2]

قاضی شہاب الدین دولت آبادی: قاضی شہاب الدین اپنے زمانہ کے بڑے جید عالم تھے۔ ان کو اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی ان کے معاصر علماء میں کسی اور کو نہ ہوئی، اصلی وطن تو غزنین تھا، لیکن دولت آباد دکن میں نشوونما پائی، دہلی آکر اس عہد کے ممتاز علماء مثلاً قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی دہلوی سے مختلف قسم کے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی، قاضی عبدالمقتدر کو ان کی ذات پر فخر تھا، ان کے بارہ میں ایک بار فرمایا کہ میرے یہاں ایک طالب علم آیا ہے جس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور استخوان بھی علم ہے، امیر تیمور کے ہنگامہ کے زمانہ میں مولانا شہاب الدین نے دہلی کو خیر آباد کہا، سلطان ابراہیم شرقی کی دعوت پر جونپور پہنچے، سلطان نے ان کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کیا، انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً (۱) شرح کافیہ، جو شرح ہندی کے نام سے ان کی زندگی ہی میں بہت مقبول اور مشہور ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ملا عبدالرحمن جامی نے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری شرح ہندی کا خلاصہ لکھا ہے (۲) ارشاد در نحو جو ایک نئے طرز پر نحو کی ایک کتاب ہے، (۳) بدیع البیان، علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے (۴) بحرالمواج، یہ فارسی زبان میں کلام پاک کی ایک تفسیر ہے (۵) اصول ابراہیم شاہی، اس میں عربی زبان میں اصول شرح پر بحث ہے، یہ

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۳

[2] ایضاً ص ۱۰۴

ابراہیم شاہ کے نام سے موسوم ہوئی (٦) رسالہ در تقسیم علوم (۷) رسالہ در صنائع (بزبان فارسی) شعر گوئی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے[1]۔ قاضی شہاب الدین جب حضرت اشرف جہانگیر سے ملے تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ کبھی توروزانہ، اور کبھی دوسرے تیسرے دن خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت اشرف جہانگیر نے بھی ان کے علم وفضل کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کی تصنیف ارشاد در نحو کے متعلق فرمایا: "اینکہ می گویند کہ سحراز ہندوستان راست آمدہ غالباً این راست سحر بودہ۔"[2]

قاضی شہاب الدین نے حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت میں باطنی اور روحانی کمالات بھی حاصل کیے چنانچہ حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو خرقہ خلافت اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا، لطائف اشرفی میں ہے:

> "حضرت قاضی خدمتے شایستہ وملازمتے بایستہ شد والباس خرقہ کردندو بخطاب ملک العلماء مخاطب کردند و مہین خلفاء ولایت مآب وبہترین ندما اصحاب اندجامع بودہ میان علوم ظاہری وباطنی صاحب معاملات یقینی وجامع و اردات دینی شدہ بود تشرع بسیار داشت، ریاضات شدیدہ ومشاہدات جدیدہ کشید کہ اشرف خلافت واجازت یافتہ۔"[3]

قاضی شہاب الدین ہی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شاہ اپنے خوانین وامراء کے ساتھ کئی بار حضرت اشرف جہانگیر کی قدمبوسی کے لئے آیا ان ملاقاتوں کی تفصیل لطائف اشرفی میں اس طرح درج ہے:

"حضرت قاضی نے عرض کیا کہ آج سلطان شرفِ ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج یہ فقیر خدمت میں حاضر ہولے تو کل پھر سلطان کے ساتھ قدمبوسی کا شرف حاصل کرے گا، (حضرت قدوۃ الکبراء یعنی حضرت جہانگیر نے) فرمایا اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہتر ہو، اگر سلطان آتے ہیں، آنے دو وہ حاکم ہیں۔ جب قاضی کو رخصت کیا تو فرمایا کہ

---

1 تفصیل کے لئے دیکھو اخبار الاخبار ص ۱٦۹ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۹۰ و مشاہیر جونپور ص ۳۳-۳٦

2 لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰٦

3 لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰

ہندوستان میں اتنی فضیلت (جتنی کہ قاضی میں ہے)کم دیکھی گئی ہے دوسرے دن حضرت قدوۃ الکبراء اپنے وظائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا کہ سلطان خوانین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آرہا ہے، جب مسجد کے دروازے پر یہ جماعت پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے اژدحام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لئے جانا مناسب نہیں ،ان کو تکلیف ہوگی،آخر سلطان نیچے اتر آیا، اور اپنی جماعت سے بیس اہل فضیلت واہل فراست کو منتخب کرکے پائے بوسی کے لئے حاضر ہوا، اس نے حضرت کے دل کو ہاتھ میں لینے کے لئے حد سے زیادہ ادب اور احترام کیا ،اس نے قلعہ جنادہ کی فتح کے لئے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا ،اس کے لئے وہ متردد تھا ،اس نے حسبِ حال حضرت قدوۃ الکبراء کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

دلی کان انوراست ازجام جمشید روان روشن تراز خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن برضمیرش کے کورا یقیں امید باشد

حضرت قدوۃ الکبراء نے فرمایا:

اگر بہ یقین شد قدمت استوار گردزدر یانم ازآتش برآر

اور جب سلطان رخصت ہونے لگا تو حضرت نے ایک مسند عطا کی جس سے وہ بہت خوش ہوا، اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو بولا: "چہ سیدیست عالی جناب ومقاصد مآب الحمدللہ کہ در ہندوستاں چنین مردم درآمدہ اند"۔

تین روز کے بعد سلطان تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حضرت قدوۃ الکبراء کی خدمت میں پھر آیا۔روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا ،لوگوں نے قلعہ کی فتح پر مبارک باد دی لیکن حضرت نے فرمایا سلطان کو مبارک باد دو کہ بند دروازے کو کھولا ہے۔اس مرتبہ سلطان کی عقیدت ہزار گنی زیادہ ہوگئی اور عرض کیا کہ بندہ تو جناب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا، بندہ زادے بھی حلقہ بیعت میں داخل ہونگے۔اور اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے مشرف ہوئے سلطان نے بہت سے نذرانے دینے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا پھر حضرت سے وہیں مستقل اقامت کے لئے بہت ہی اصرار کے ساتھ استدعا کی لیکن حضرت نے فرمایا تمہاری سلطنت کے حدود سے باہر نہ جاؤں گا۔ اس جواب سے سلطان بہت ہی پرامید ہوا، حضرت قدوۃالکبراء وہاں دو مہینے سے زیادہ مقیم رہے چھوٹے بڑے لوگ

شرف بیعت سے مشرف ہوتے رہے۔[1]

لطائف اشرفی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جونپور سے رخصت ہو کر مینی[2] پہنچے اور وہاں سے بھدونڈ[3] آئے جہاں ملک الامراء محمود نے پُرجوش خیر مقدم کیا۔

اشاعت اسلام: اسی مقام پر ایک ہندو جوگی سے حضرت اشرف جہانگیر کا مقابلہ ہوا، جوگی کو ہوامیں اڑنے کا دعوی تھا لیکن وہ حضرت اشرف جہانگیر کی روحانیت سے ایسا مرعوب اور مغلوب ہوا کہ اپنے تمام باطل دعووں سے باز آیا، اور اپنی ساری مذہبی کتابوں کو جلا کر پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا اسلام لانے کے بعد جوگی نے باباکمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جوگی سے مقابلہ "کچھوچھہ" میں ہوا اور اسی کی مڑھی میں خانقاہ بنوائی گئی لیکن لطائف اشرفی میں "کچھوچھہ" کا نام نہیں آتا۔

قیامِ روح آباد: اس تذکرہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوگی کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ملک الامراء محمود نے اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت جہانگیر سے بیعت کی اسی کی وساطت سے روح آباد قائم ہوا، جو آج کل کچھوچھہ شریف کہلاتا ہے یہاں ایک خانقاہ بنائی گئی جس کا نام کثرت آباد رکھا گیا، اور ایک چھوٹا سا حجرہ بھی تعمیر کرایا گیا جو وحدت آباد کے نام سے موسوم ہوا اور اس کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ بیٹھ کر حضرت اشرف جہانگیر اصحاب خاص کے سامنے سلوک و عرفان کے رموز و نکات بیان کیا کرتے تھے۔ اسی لئے اس جگہ کا نام دارالامان رکھا گیا اور اس کے شمال میں ایک پر رونق جگہ روح افزا کے نام سے مشہور ہوئی جہاں آکر بزرگان دین روحانی فیوض حاصل کرتے تھے۔[4]

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۵-۱۰۶ لطائف اشرفی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر ور سلطان براہیم شاہ کی ملاقات جونپور میں حضرت کی آمد کے ابتدائی زمانہ ہی میں ہوئی لیکن جب یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر کے وصال کا سال ۸۰۸ھ اور ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال ۸۰۴ھ ہے تو پھر گمان ہوتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت جہانگیر کے آخری زمانہ میں ہوئی ہو گی واللہ اعلم بالصواب۔

[2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶

[3] ایضاً

[4] لطائف اشرفی ص ۱۰۸

فیوض: حضرت اشرف جہانگیر کا معمول تھا کہ وہ مختلف مقامات پر جا کر رشد و ہدایت فرماتے چنانچہ ''کچھوچھہ'' کے آس پاس اور کبھی دور کے قصبوں اور قریوں میں نزول اجلال فرما کر خواص و عوام کی اصلاح و تربیت کرتے، جب اودھ یعنی اجودھیا تشریف لے گئے تو وہاں کے ملوک و امراء مرید ہو کر متمتع ہوئے۔ خود اودھ کے حاکم نواب سیف خان کو حضرت اشرف جہانگیر سے بڑی عقیدت ہو گئی، چنانچہ تربیت پا کر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے، اور حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو خرقہ خلافت عطا کیا۔[1] اودھ ہی میں حضرت شمس الدین نے جن کا شمار ''علمائے نامدار'' اور ''فصحائے روزگار'' میں ہوتا تھا، حضرت اشرف جہانگیر کی صحبتِ کیمیا اثر سے راہِ سلوک کے تمام مدارج بہت جلد طے کر لیے اور وہ حضرت اشرف جہانگیر کے بڑے محبوب خلیفہ ہوئے۔ حضرت جہانگیر کو ان پر بڑا ناز تھا، فرماتے تھے: '' اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند۔''[2]

ردولی پہنچے تو شیخ صفی الدین صیفی اور شیخ سماء الدین صحبت خاص سے فیضیاب ہوئے شیخ صفی الدین علوم ظاہری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، خود حضرت جہانگیر نے ان کے متعلق فرمایا:

''در بلاد ہند کسے را کہ بفنون درخشندہ غرایب و شیون عجائب پیراستہ دیدم وی بودہ۔'' (ج ۱ ص ۴۰۴)

حضرت اشرف جہانگیر کے ہاتھ پر جب شیخ صفی الدین نے بیعت کی تو حضرت جہانگیر نے ان کے لئے دعا کی کہ ان کو نور الانوار حاصل ہو، اور ان کی اولاد میں تحصیل علم کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ پھر صرف ان ہی کی خاطر ردولی میں چالیس روز قیام فرمایا اور اس عرصہ میں ان کو سلوک کی تمام تعلیمات دیں اور خلافت بھی عطا کی ان کا شمار حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔

شیخ سماء الدین بھی حضرت جہانگیر کے ممتاز خلفاء میں تھے ان کے بارے میں حضرت اشرف جہانگیر فرماتے ہیں:

''در طے انوار سبعہ از یاران مادو کس را واقع افتادہ بود یکے شیخ ابو لمکارم را کہ اہتمام تمام در حق او مبذول شد تا از ان در طے مہلکہ بدر آمدہ دوم شیخ سماء الدین را از محنت بسیار و کلفت بے شمار از ان در طہ بدر آوردہ شد۔'' (ج ۱ ص ۴۰۵)

---

[1] ایضاً ج ۱ ص ۴۱۱

[2] ایضاً ص ۴۰۲

ردولی کے پاس ایک گاؤں میں ایک ممتاز بزرگ مولانا کریم الدین رہتے تھے مولانا جب حضرت اشرف جانگیر سے ملے تو فرمایا "سبحان اللہ! سید اشرف جہانگیر ایک ایسے شہباز ہیں جس کے کونین دو بازو ہیں وہ دریا ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں"[1]۔

حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود اسمو (آسومئو) میں ہوا، تو وہاں ایک ہزار آدمی اُن سے مرید ہو کر فیضیاب ہوئے۔[2]

قصبہ جائس کو اپنی آمد سے شرف بخشا تو وہاں کے دو تین ہزار آدمی حلقہ بیعت میں داخل ہوئے[3] جائس کے ایک بزرگ مولانا علام الدین متبحر عالم اور فقیہ تھے۔ انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر سے تعلیم پا کر خلافت بھی پائی،[4] یہاں ایک دوسرے بزرگ شیخ کمال بھی حضرت اشرف جہانگیر کے خلیفہ تھے جو جائس کے لوگوں کو روحانی تعلیم و تربیت دیتے تھے ایک بار ان کے یہاں دعوت تھی دعوت کا انتظام قصبہ کے کچھ لوگوں کے سپرد تھا لیکن عین وقت پر شیخ کمال کو معلوم ہوا کہ دعوت کا انتظام نہ ہوسکا غصہ میں بددعا دی کہ یہ جل کر خاک ہوجائیں اتفاق سے اسی روز قصبہ میں آگ لگ گئی اور تقریباً چار ہزار آدمی جل کر ہلاک ہوگئے۔ حضرت شیخ کمال کو بڑی ندامت ہوئی مرشد کے پاس روح آباد یعنی کچھوچھہ پہنچے لیکن مرشد نے ان سے یہ کہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے فرزندوں کو نذرِ آتش اور خانمان برباد کر کے مجھ سے ملنے کیا آئے ہیں ؟۔ایک مدت تک معتوب رہے مگر مرشد کے آستانہ سے علیحدہ نہیں ہوئے بعض لوگوں کی سفارش پر ایک طشت میں ہزار چنگاریوں کی راکھ سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقصیر کی معافی چاہی مرشد نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ تمھارا ایمان تو سلامت رہے گا لیکن تم اور تمھاری اولاد پریشان رہے گی[5]۔

جب قصبہ انھونہ پہنچے تو وہاں کے تمام سادات نے بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی حضرت اشرف جہانگیر نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ ہمیشہ آرام سے رہیں[1]۔جب قصبہ سدھورہ میں نزول اجلال

---

1 لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲

2 ایضاً

3 ایضاً ص ۳۸۴

4 لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۷

5 ایضاً ص ۴۰۸

فرمایا تو وہاں شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری نے پر جوش استقبال کیا۔ شیخ خیر الدین اپنے وقت کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ لیکن اصول وفقہ کے بعض مسائل پر علماء وقت سے سوالات کیے تو کسی سے تشفی بخش جواب نہیں پایا حضرت اشرف جہانگیر سے ملاقات کے بعد ان مسائل کی تشریح چاہی تو حضرت نے ان کی تشریح اس طرح کی کہ شیخ خیر الدین کو پوری تسکین ہو گئی اور اسی وقت حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے ساتھ بارہ اشخاص اور بھی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ان ہی میں قاضی سدھوری بھی تھے جن کے بارہ میں لطائف اشرفی میں ہے:

"قاضی محمد سدھوری بفنون علوم غریبہ وشیون معلوم عجیبہ پیراستہ بودند خصوص در علوم اصوں مشار الیہ بودہ اند۔" (ج ۱ ص ۴۰۹)

شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری دونوں حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفا میں ہوئے ان ہی کی وساطت سے سدھور کے چھوٹے بڑوں کی اولادیں بھی حضرت جہانگیر کی تعلیمات سے مستفیض ہوتی رہیں سدھور کے ایک اور بزرگ قاضی ابو محمد عرف معین مھین بھی روحانی تعلیم و تربیت پا کر ممتاز خلفاء میں ہوئے۔ (ج ۱ ص ۴۰۷)

یک بار بنارس بھی تشریف لے گئے اور وہاں کے بت خانوں کے پوجاریوں سے مناظرے کیے دونوں طرف سے کرامت اور استدراج کے مظاہرے ہوئے اور آخر میں وہاں کے ایک ہزار ہندو حضرت اشرف جہانگیر کی کرامت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ (ج ۱ ص ۴۱۲)

ارباب ثروت کی اصلاح: حضرت اشرف جہانگیر نے نواح جونپور کے قیام کے زمانہ میں شرقی سلطنت کے معاصر حکمران اور امرائے کبار سے گہرے تعلقات رکھے ذکر آچکا ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ اور اودھ کے حاکم نواب سیف خان اور وہاں کے امراء کس طرح حلقہ ارادت میں داخل ہو کر مستفیض ہوتے رہے حضرت اشرف جہانگیر سلاطین اور امراء سے ارتباط رکھنے کے مخالف نہیں لیکن فرمایا ہے کہ کوئی درویش سلاطین وامراء سے حظ نفسانی اور لذت شہوانی کی غرض سے ملتا ہے تو وہ درویش نہیں درویش کو ہر حال میں متوکل باللہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ نواب سیف خان نے اودھ کا ایک قریہ نذر کرنا چاہا جس کی آمدنی ایک لاکھ ٹنکہ تھی، تو اسکو قبول کرنا اپنی درویشی کی شان قناعت کے خلاف سمجھا اور فرمایا:

---

[1] ایضاً ج ۲ ص ۳۸۵

"کسے را کہ قریہ روزگار و پر گنہ او را سپردہ باشد او بایں جزوی قریات مقید نشود"[1]۔

حکمران طبقہ کے ظاہری اور باطنی اخلاق کے سنوارنے میں برابر کوشاں رہے ایک ملفوظ میں فرمایا:

جہانداری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے (۱) سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا (۲) اپنے مقربین کے ساتھ بد خلقی سے پیش آنا (۳) سزا دینے میں زیادتی کرنا (۴) رعیت پر ظلم کرنا۔[2]

بادشاہوں اور حکمرانوں کے اوقات کے نظم ونسق کی بھی تفصیل بتائی کہ وہ اپنے روزمرہ کے مشاغل کو کس طرح ترتیب دیں اور اسی کے ساتھ بعض مفید ہدایتیں بھی دی ہیں فرماتے ہیں:

بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں پھر علماء وصلحاء کے ساتھ صحبت رکھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل وانصاف کے متعلق قرانی آیتوں کے مطالب پوچھیں اسی جگہ وزیروں اور ندیموں کو بلائیں اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں ان کا مناسب جواب دیں ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں اس کے بعد دربار عام ہو جس میں رعایا اور مسلمانوں کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔ مشائخ اور ملوک کے معروضات کو حتی الوسع کسی کے توسط سے سنیں سادات، قضات اور مشائخ کی درخواستوں کو صدر پہنچائے، اس گروہ کے لئے ایک ایسے شخص کو صدر مقرر کریں جو متدین اور ہمدرد ہو بلکہ اس کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہیے۔وزیر تمام علوم وفنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دیندار ہو۔ وکالت کا منصب ایسے شخص کو دیں جو پسندیدہ اخلاق کا حامل، نہایت عقلمند، سریع الفہم اور حاضر جواب ہو۔ اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دیں۔ حکومت کے چلانے میں تخلیط مناصب سے کام نہ لیں، ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھیں، قیلولہ کے وقت آرام کے لئے چلے جائیں، قیلولہ کے بعد نماز پڑھیں اور کبھی نماز نہ چھوڑیں، ظہر کی نماز کے بعد جسقدر ہوسکے قرآن مجید کی تلاوت کریں خصوصاً سورۃ قد سمع اللہ کی مواظبت کریں، کیونکہ سلاطین اس سورۃ کی مواظبت کرتے آئے ہیں ۔ سلطان

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲

[2] ایضاً ص ۱٦٦

محمود غازی انار اللہ برہانہ برابر اس سورۃ کو پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھکو دولت اور شوکت اسی سورۃ کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت ابراہیم شاہ[1] بھی ایسا ہی فرماتے تھے خود میں نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورۃ کی برابر تلاوت کریں اور رجال الغیب کے مقابلے سے اجتناب کریں اور کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں اور عدل وانصاف کے اصول میں ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کریں، تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو۔[2]

ایک اور موقع پر فرمایا:

تمام ارکانِ دولت اور اعوانِ مملکت ایک نہ ایک عضو اور ایک نہ ایک حاسہ یا قوت کے مرتبہ میں ہیں مثلاً مستوفی، مشرب ،ناظر، عارض، طغرائی منشی، دبیر، حاجب، خازن، استاذ الدار اور دوسرے عہدیدار حواسِ خمسہ وقوائے بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر، خیال، وہم، حافظہ، ذاکرہ اور حسِ مشترک کے مانند ہیں، امرائے سلطنت اپنی قوت، شوکت ،ہمت، رجولیت وغیرہ کے ساتھ اعضاء رئیسہ ہیں اور ادنی درجے کے امرا مثل ہاتھ، بازو، ران، پنڈلی اور پاؤں کے ہیں۔ حاشیہ نشین، قوم اور رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق رگ اور پٹھے وغیرہ ہیں جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے اور ایک کے بغیر اسکے جسمانی نظام کو نقصان پہنچ جاتا ہے اسی طرح ایک بادشاہ کو چاہیے کہ ارکانِ دولت واصحابِ مناصب کو ان کی اہلیت واستعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم اور اچھی طرح پرکھ کر ان کو مختلف حصوں میں مقرر کرے اور اختیار دے تاکہ وہ اپنے کاموں کو پورے شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور دربار کی بہبودی کے مطابق انجام دیں اور بادشاہ ان کے کاموں سے باخبر رہے۔

(لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۱۴)

---

[1] اس سے مراد ابراہیم شاہ شرقی ہیں

[2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱٦۷-۱٦۸

حضرت اشرف جہانگیر کی مذکورہ بالا تعلیمات کا اثران کے مرید سلطان ابراہیم شاہ شرقی پر نہایت گہرا پڑا اوپر کے ایک اقتباس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ یہ سلطان سورۃ قد سمع اللہ کی مواظبت کیا کرتا تھا چنانچہ اس سورۃ کی برکت سے اس کی سلطنت ''گل گلزار'' اور ''لالہ زار''[1] بن گئی تھی مؤرخین اور تذکرہ نویس اس سلطان کو دین پناہ، علمائے شریعت محمدی کا قدر دان، درویش دوست اور رعیت پرور لکھتے ہیں، تاریخ فرشتہ میں ہے:

> ''ابراہیم شرقی کے زمانہ میں ـــــ جونپور کا ہر چھوٹا بڑا بادشاہ کے وجود کو باعثِ برکت سمجھتا اور بے حد عیش وآرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا شاہ و گدا سب خوش وخرم تھے اور ملک میں حزن واندوہ کا نام ونشان نہ تھا ـــــ''

ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا چنانچہ متبرک ایام میں قاضی صاحب شاہی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ہوئے ابراہیم ان کی عیادت کو گیا مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوایا، مولانا کے سر پر سے پیالہ کو تصدق کر کے پانی خود پی لیا، اور دعا کی کہ اے خدا جو بلا مولانا کے لئے مقرر ہے وہ مجھ پر نازل فرما اور ان کو شفا دے، اس روایت سے بادشاہ دین پناہ کا مذہبی خلوص اور علمائے شریعت محمدی ﷺ کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔[2]

مرآۃ الاسرار میں ہے:

> ''سلطان ابراہیم بادشاہ نیک ودرویش دوست ورعیت پرور بود خلائق بعہداو درمہد امن وآسائش قرار گرفت''

اپنی مملکت میں شریعت کی ترویج کی خاطر اس نے فتاوی ابراہیم شاہی مرتب کرایا جس کو مولانا قاضی شہاب الدین نے مدوّن کیا تھا۔[3]

بلادِ اسلامیہ کی سیاحت: کچھوچھہ میں کچھ دنوں کے قیام کے بعد حضرت جہانگیر شیخ بدیع الدین

---

1 لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱٦۸

2 تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ٦۰۳ ونیز اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ ص ۸۷-٦۸٦

3 ایضاً

مدار کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، شیخ بدیع الدین مدار تو ہندوستان واپس آگئے لیکن حضرت اشرف جہانگیر مدینہ منورہ کی زیارت کو چلے گئے وہاں سے نجف اشرف اور کربلائے معلی آئے پھر روم پہنچے جہاں مولوی جلال الدین رومی کے سجادہ نشین اور لڑکے سلطان ولد اور دوسرے مشائخ سے ملاقات کی، روم سے شام آئے دمشق میں شیخ فخرالدین عربی کی زیارت کی وہاں سے پھر مکہ معظمہ آکر حج کی سعادت حاصل کی حج کے بعد بغداد پہنچ کر حضرت غوث الاعظم، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے مزاروں کی زیارت کی پھر کاشان رونق افروز ہوئے، جہاں شیخ عبدالرزاق کاشانی سے ملاقات کی کاشان سے اپنے اصلی وطن سمنان کو رونق بخشی۔ اس وقت ان کی ہمشیرہ زندہ تھیں، ان سے مل کر ان کی دلجوئی کی اور وہاں سے مشہد مقدس آئے جہاں حضرت امام علی رضا کے آستانے میں معتکف رہے ان ہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضا کے مزار کی زیارت کو آیا تھا وہ حضرت اشرف جہانگیر سے بہت ہی عقیدت مندانہ طریقہ پر ملا۔ مشہد مقدس سے ہرات وارد ہوئے، ہرات سے چل کر ماوراء النہر پہنچے جہاں شیخ بہاؤالدین نقشبندی کی صحبت میں رہ کر خرقہ خلافت پایا وہاں سے ترکستان تشریف لائے اور اپنے نانا شیخ احمد یسوی کی اولاد سے ملے۔ ترکستان سے بخارا میں نزولِ اجلال فرمایا پھر قندھار غزنی اور کابل میں قیام کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ ملتان سے اجودھن پہنچکر حضرت گنج شکرؒ کے مرقد مبارک کی زیارت کی اجودھن سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آکر حضرت خواجہ معینؒ کے آستانے سے برکت حاصل کی اجمیر سے دکن کی طرف بڑھ گئے گلبرگہ میں حضرت خواجہ محمد گیسودرازؒ سے ملے گلبرگہ سے سراندیپ چلے گئے وہاں سے گجرات آئے، پھر گجرات سے اپنی خانقاہ کچھوچھہ شریف واپس ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۶-۳۷۵)

سیاحت ربع مسکون: دوسری بار امیر کبیر سید علی کے ساتھ تمام دنیا کی سیاحت کی لطائف اشرفی جلد دوم (لطیفہ سی و پنجم) میں غالباً اسی سیاحت ربع مسکون کا ذکر ہے اس باب میں حضرت اشرف جہانگیر کی زبانی جن خاص خاص مقامات جزیرے اور پہاڑی علاقوں کی تفصیل درج ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں جزیرہ صفت، ایلاق، سیلان، جبل الفتح، بیت المقدس، دمشق، جبل لبنان، جبل النھاوند، جبل الطور جبل القدم، بغداد، گاذرون، جبل القاف، حصلان جبل الابواب، ولایت جھنکھر، ولایت خفچاق، جبل القرون، جبل البہ وغیرہ۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس سیاحت

میں ایک سو نوے اولیاء اللہ سے فیوض حاصل کیے اس سیاحت کے زمانہ میں تیسری بار حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بھی ملے حضرت مخدوم نے چار سو کاملین وقت سے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب حضرت جہانگیر کے سینے میں منتقل کر دیا۔[1] اس سفر میں حضرت اشرف جہانگیر اپنے مرشد کے آستانے پر بھی پہنچے اور وہاں سے تبرکات لے کر کچھوچھہ واپس ہوئے جہاں آخر وقت تک قیام پذیر رہے۔

سفر آخرت: وصال کی تاریخ ۲۷ محرم ۸۰۸ھ ہے اشرف المومنین سے مادہ تاریخ نکلتا ہے وفات سے کچھ روز پہلے سکر کا عالم طاری رہا نماز کے وقت عالم صحو میں آتے مرض الموت میں بھی رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا اسی زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف لطائف اشرفی رقمطراز ہے:

> "ہمہ اہالی دیار داعالی نامدار نواحی کبارمی آمدند وہر یک را بشارت وسعادت می دادند درین سہ روز چند ان خلائق بشرف توبہ وانابت وخلافت مشرف گشند کہ شرح آں خدائے داند اشرف الملک والی ولایت بدو ازدہ ہزار کس آمدہ بشرف ارادت مشرف گشتند۔" (ج۲ص۴۰۸)

وفات کے روز حضرت نورالعین، شیخ نجم الدین اصفہانی شیخ محمد دریتیم، خواجہ ابوالمکارم، شیخ احمد ابوالوفاخوارزمی، شیخ عبدالسلام ہروی، شیخ ابولواصل وشیخ معروف الدینوی، شیخ عبدالرحمن خندی، شیخ ابوسعید خرزی، ملک محمود، شیخ شمس الدین اودھی اور دوسرے اکابر کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور ان کے مراتب ومدارج کے مطابق ان کو نصیحتیں کیں اور تبرکات دیے حضرت سید عبدالرزاق الملقب بہ حضرت نورالعین کو حضرت جہانگیر نے اپنا دینی فرزند بنایا تھا اس لئے وصال کے وقت ان کو اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر فرمایا اور ان کو وہ خرقے عطا کئے جو ان کو (یعنی حضرت اشرف جہانگیر کو) حضرت شیخ علاء الدین لاہوری، شیخ الاسلام شام اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملے تھے بزرگان چشت کے وہ تبرکات بھی دیے جو ان کو ان کے مرشد کے ذریعے سے دستیاب ہوئے تھے پھر حضرت نورالعین کے لڑکوں کو بلا کر ان کے لئے دعائیں کیں اسی طرح اپنے مختلف خلفاء کو بھی نصیحتیں کر کے خاص خاص آیتیں دیں اور تبرکات دیے پھر ظہر کی نماز ادا کی نماز کے بعد قوالوں کو

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۶

طلب کر کے محفل سماع کی خواہش کی قوالوں نے سعدی کی غزل شروع کی جب انہوں نے یہ شعر گایا:

گر بدست تو آمدہ است اجلم — قد رضینا بما جرے القلم

تو ان پر وجد طاری ہوا اور جب قوالوں نے یہ اشعار پڑھے:

خوب ترزین دگر نباشد کار — یار خنداں رود بجانبِ یار

سیر بیند جمال جاناں را — جاں سپارد نگارِ خنداں را

تو مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور اسی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔[1] وصال کےوقت عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی روضہ مبارک کی تعمیر زندگی ہی میں ہوگئی تھی اسی میں محو خواب ابدی ہیں۔

روحانی مرتبہ: حضرت اشرف جہانگیر صوفیہ کرام میں امام السالکین برہان العاشقین قطب ربانی غوث الانام اور محی الاسلام کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں لطائف اشرفی کے مؤلف نے ان کے لئے قدوۃ الکبراء کا لقب استعمال کیا ہے صاحب اخبار الاخیار رقمطراز ہیں:

''از کاملان است صاحب کرامات و تصرفات۔'' (ص ۱۵۶)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

''از عظماء اولیاء کبرائے اتقیای خطہ ہندوستان است۔'' (ج ۱ ص ۳۷۱)

مرآۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:

''آن سلطان مملکت الدنیا والدین آن سر حلقہ عارفان ارباب علم ویقین آن محب ومحبوب خاص ربانی غوث الوقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ از بے نظیران روزگار بود وشانے بغایت رفیع وہمتے بلند و کرامتے وافر داشت۔''
(قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۵۲۹)

علمی مرتبہ: علمی حیثیت سے بھی حضرت اشرف جہانگیر کا مرتبہ بلند تھا وہ معقولات ومنقولات کے بھی جید عالم تھے اور جب کبھی علماء وفضلاء سے علمی بحث کرتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی

1 تفصیل کے لئے دیکھو لطائف اشرفی ج ۲ ص ۴۱۲-۴۰۶

لطائف اشرفی میں بعض علمی مسائل پر بھی مباحث ہیں۔ان مباحث سےان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے وہ صوفیانہ رموزو نکات بیان کرنے میں بھی عالمانہ انداز اختیار کرتے تھے [1] اور کسی حال میں بھی جادہ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرماتے، تمام علوم وفنون میں علم شریعت کو زیادہ اہمیت دی ہے اور علم کے ساتھ اس کی متابعت کی بھی پوری تاکید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک وہ ظاہراً باطناً قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہیں ہے۔

"اولیاء بہ فناء فی اللہ والبقاء باللہ نمی رسند مگر بمتابعت شریعت آن پیشوائے قوافل اصفیا مقتدائے طوائف اولیاء یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ ظاہراً و باطناً، قولاً و فعلاً، اعتقاداً و حالاً ہر کسے در ظلمات نفس عادی و درکات اسویہ باطلہ ہادی گشتہ ودر اسفل السافلین طبیعت مقید شہوت واسیر ضلالت واخلاق ناپسندیدہ شدہ اگر اہل علم است بمقتضائی علم وعمل نمی کند و بشرط علم در مجموع اوقات احوال متابعت شریعت نمی نماید بدرجات رفیعہ جنانی واعلی علیین معارف ربانی ومقعد صدق عرفانی عیانی نرسد واز مشرب عذاب آب معرفت رحمانی کہ چون آب حیات در ظلمات طبیعت انسانی ست شربتے نچشد وجام شیرین شراب وجدانی بکام القانی نکشد۔"

(ج ا ص ۱۳۵)

نماز جمعہ کی پابندی: زندگی کا زیادہ تر حصہ سیاحت میں گذرا لیکن سفر میں بھی شریعت کی پابندی کا التزام رکھا، حتی کہ نماز جمعہ تک ترک نہیں ہوئی، لطائف اشرفی میں ہے:

"حضرت قدوۃ الکبراء را قاعدہ مقرر و قانون مستمرہ بود کہ نماز جمعہ درسفرو حضر متروک نشدہ است۔" (ج ا ص ۲۲)

خلفاء: حضرت اشرف جہانگیر کے خلفاء میں زیادہ ترعلماءوفضلاء تھے ان میں سے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی شیخ شمس الدین اودھی شیخ صفی الدین ردولوی شیخ سماء الدین ردولوی مولانا علم الدین جائسی شیخ خیر الدین سدھوری قاضی محمد سدھوری کے علم وفضل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور دوسرے

---

[1] مثال کے لئے دیکھو لطائف اشرفی ج ا ص ۲۶-۲۵ و ج ۲ ص ۱۲۹-۱۳۰

خلفاء میں شیخ سلیمان نہایت ممتاز محدث اور فقیہ تھے۔[1] شیخ معروف الدیموی کو ہر قسم کے علوم وفنون میں مہارت تھی علم، زہد، تقوی، عبادت اور ریاضت کی وجہ سے اپنے وقت کے جنید و شبلی سمجھے جاتے تھے۔[2] حضرت قاضی حجت معقولات ومنقولات کے متبحر عالم تھے کچھوچھہ کے پاس ہی ایک گاؤں میں رہ کر عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے۔[3] شیخ الاسلام گجراتی کو اپنے علم کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی شروع میں ان کو ہیئت، نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا غرور تھا حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود جب احمد آباد میں ہوا تو شیخ الاسلام نے ان سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کیے اور ادب کا لحاظ نہ رکھا لیکن پھر بڑی ندامت محسوس کی تائب ہو کر حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی مدراج طے کر کے حقائق ومعارف کے سرچشمہ بنے اس لئے خلیفہ بھی بنائے گئے گجرات کے مریدوں کی تربیت انہی کے ذمہ تھی انھوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد وفوائد الاشرف کے نام سے لکھا۔[4]

گجرات کے ایک دوسرے جید اور ممتاز عالم شیخ مبارک بھی حضرت اشرف جہانگیر کے خلیفہ تھے۔[5]

تمام خلفاء شریعت کے پابند ہوتے ان میں سے شیخ راجا کو زہد، تقوی اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ وہ تارک صلوۃ سے ملنا جلنا بولنا چالنا اور اسکے ساتھ کھانا پینا کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتے تھے۔[6]

خلفاء میں حضرت سید عبد الوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا، ایک بار حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا، وہاں سے واپس آئے تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو اپنا جوتا عنایت کیا حضرت سید عبد الوہاب نے غایت احترام میں جوتے کو اپنے سر

---

1 لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۲

2 ایضاً

3 یضاً ص ۴۰۳

4 یضاً ص ۴۱۰

5 یضاً ص ۴۱۱

6 لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹

پر رکھ لیا، اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے۔[1]

بعض امراء بھی خلیفہ ہوئے نواب سیف خان حاکم اودھ کی خلافت کا ذکر پہلے آچکا ہے حضرت اشرف جہانگیر جب حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندی سے نیاز حاصل کرنے کے لئے ماوراءالنہر تشریف لے گئے تو وہاں امیر علی بیگ کے گھر پر امیر تیمور صاحبقران کے ایک امیر شیخ ابو المکارم سے ملاقات ہوئی، پہلی ہی ملاقات میں شیخ ابوالمکارم کا دل سلطنت کے کاروبار سے منحرف ہو گیا اور امارت وشوکت چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے، بارہ سال تک ریاضت شاقہ کی اور جب مکاشفات و واردات کی منزلیں طے کرلیں تو مرشد نے ان کو خلافت دی اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے ابوالمکارم کہلائے مرشد کے حکم کے بموجب سمرقند میں سکونت اختیار کی جہاں ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا لطائف اشرفی میں ہے کہ انکے ملفوظات اور دوسری تصانیف حقائق و معارف کے رموز و نکات سے پر ہیں۔"[2]

امیر تیمور کے ایک دوسرے امیر شیخ جمشید بیگ کو بھی حضرت اشرف جہانگیر نے خلافت دی حضرت اشرف جہانگیر اپنی سیاحت کے زمانہ میں جب باغستان پہنچے، تو ہزاروں اوزبک، برمک، خفچاق، لاچیں اور قوچین قبیلوں کے خواص وعوام ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور ان کی خدمت میں گھوڑے اور دوسرے جانور پیش کیے، اس طرح ان کے ارد گرد ایک لشکر کا سامان جمع ہو گیا اس زمانہ میں امیر تیمور سمرقند میں تھا، بعض لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت اشرف جہانگیر ایک لشکر جمع کرکے تیمور کے خلاف فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن تیمور حضرت جہانگیر کو پہلے سے جانتا تھا اس لیے اس خبر سے پریشان ہونے کے بجائے اپنے ایک درباری امیر جمشید بیگ کو نذرانے دے کر حضرت اشرف جہانگیر کی خدمت میں بھیجا، نذرانے میں بہت سے مال واسباب تھے لیکن جب یہ سامان حضرت اشرف جہانگیر کے پاس پہنچا تو انھوں نے تمام چیزوں کو فقراء ومساکین میں تقسیم کرادیا جمشید بیگ حضرت اشرف جہانگیر سے مل کر اس قدر متاثر ہوئے کہ تیمور کے دربار سے علیحدہ ہو کر درویشی اختیار کر لی اور مرید ہو کر حضرت کے ساتھ ہندوستان آئے اور جب پوری تعلیم و تربیت کے بعد ان کو خلافت ملی

---

[1] ایضاً ص ۴۰۸

[2] ایضاً ص ۴۰۴

تو کچھوچھہ سے پھر اپنے وطن واپس کردیے گئے جہاں انھوں نے رشدوہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔[1]

ایک خلجی امیر شیخ حسین بھی دنیاوی جاہ و حشم چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے اور حضرت اشرف جہانگیر سے خلافت پائی دونیری میں رہ کر اطراف وجوانب کے لوگوں کے اخلاق و کردار سنوارتے تھے بنگالہ کا معاصر حکمران ان کا بہت معتقد تھا۔[2]

خلفاء میں حضرت سید عبدالرزاق کہ حضرت اشرف جہانگیر کے دینی فرزند کہلاتے تھے۔اس لئے ان کا لقب نورالعین تھا بارہ سال کی عمر میں بیعت کی، ۶۸ سال تک مرشد کی خدمت کی چنانچہ مرشد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے ایک سوبیس سال کی عمر پائی۔

سب سے زیادہ چہیتے خلیفہ شیخ کبیر مسرور پوری تھے جن پر حضرت اشرف جہانگیر اسقدر نظر التفات رکھتے کہ خود حضرت سید عبدالرزاق نورالعین کو ان پر رشک ہوتا تھا ان کے فرزند شیخ محمد کو بھی خلافت ملی حضرت اشرف جہانگیر ان کو اپنے حجرہ خاص میں روحانی تعلیم دیا کرتے تھے ان کا لقب دریتیم تھا۔[3]

بعض اور دوسرے خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں سید عثمان ، شیخ رکن الدین ، شیخ قیام الدین (دونوں لاچیں ترک تھے عراق سے ہندوستان آئے تھے)شیخ اصیل الدین، شیخ جمیل الدین ،مولانا ابوالمظفر لکھنوی، شیخ فخرالدین ،قاضی شیخ رکن الدین، شیخ آدم عثمان، شیخ تاج الدین شیخ محمود کنتوری، شیخ عبداللہ بنارسی، شیخ کمال جائسی،ابو محمد عرف معین متھن سدھوری۔[4]

تعلیمات : حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات ان تین کتابوں میں پائی جاتی ہیں: ۱۔ بشارت المریدین، ۲۔مکتوبات اشرفی، ۳۔لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی، لطائف اشرفی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر اپنے وصال سے پہلے ایک شبانہ روز قبر میں جا کر رہے اور وہیں اپنی کیفیات کو قلمبند کیا جس کا نام بشارت المریدین رکھا۔ (ج ۲ ص ۴۱۰)

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹-۴۱۰

[2] ایضاًص ۴۱۱

[3] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۱ میں وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے "گوہر اسرار وجوہر انوار از بحر قابلیت وی بہ ساحل ظہور سر برآوردہ تسمیہ وی بہ دریتیم کردہ اند"۔

[4] ان خلفاء کے حالات کیلئے دیکھو لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۱-۴۱۲

مکتوبات کے بارہ میں اخبار الاخیار میں ہے:
اور امکتوبات است مشتمل بر تحقیقات غریبہ (ص۱۵۶)

اخبار الاخیار میں ان کا ایک طویل مکتوب منقول ہے جو انھوں نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو تحریر فرمایا تھا اس میں فرعون کے ایمان کے متعلق بحث ہے حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات واضح اور مبسوط طریقہ پر لطائف اشرفی میں ملتی ہیں جن کو حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی نے مرتب کیا ہے وہ حضرت اشرف جہانگیر کے مرید تھے اور ان کی صحبت میں تیس سال رہے، لطائف اشرفی ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع دہلی میں چھپی ہے اور نوسو صفحے پر مشتمل ہے یہ حضرت اشرف جہانگیر کی سوانح عمری بھی ہے اور ان کی تعلیمات کا آئینہ بھی اس میں کہیں تصوّف کی اصطلاحات کی پوری تشریح و توضیح ہے تو کہیں ذکر وفکر کی تمام تفصیلات ہیں کہیں صوفیانہ غوامض پر مباحث ہیں تو کہیں صوفیہ کرام کے مختلف خانوادوں کی مختصر تاریخ، کہیں رسول اللہ ﷺ کہیں خلفاء راشدین اور کہیں ائمہ کبار کے حالات ہیں تو کہیں صوفی شعراء پر دلچسپ تبصرہ ہے غرضیکہ اس کو تصوف کا ایک قاموس کہا جاسکتا ہے۔

حضرت اشرف جہانگیر چشتیہ سلسلہ سے منسلک تھے اس لئے ان کی تعلیمات وہی ہیں جو اکابر بزرگان چشت کی تھیں اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں پھر بھی انھوں نے بہت سے ایسے مسائل کی وضاحت اور تشریح کی ہے جن کو ہم اپنی حقیر تالیف کے گذشتہ اوراق میں پیش نہیں کر سکے ہیں اس لیے ان کو ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

علم کی اہمیت: حضرت اشرف جہانگیر نے حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ علم کے بغیر ایک زاہد شیطان کا مسخرہ ہے، اس لئے راہ سلوک میں توحید، معرفت، ایمان، شریعت، طریقت وغیرہ سے پوری واقفیت رکھنا ایک سالک کے لئے ضروری قرار دیا ہے فرمایا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں تو اس کو صرف علم فقہ حاصل کرنا چاہیے علم دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔ (ج۱ص۱۳،۱۰)

ولایت: توحید کا واقف اور اللہ کا واصل، ولی کہلاتا ہے۔ ولی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عالم ہو

جاہل نہ ہو لطائف اشرفی (ج ا ص ۴۰) اس کے افعال و حرکات پسندیدہ ہوں اور شریعت و طریقت کے مطابق ہوں وہ سیرت نبوی ﷺ اور اوصاف مصطفوی کا متبع ہو (ج ا ص ۶۴) اس میں لطافت زبان حسن اخلاق شگفتگی، فیاضی اور بے غرضی ہو (ج ا ص ۶۴) وہ اوصاف ذمیمہ کی پستی سے نکل کر اوصاف حمیدہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہو اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا ہو یہی اس کی معراج ہے۔ (ج ا ص ۶۹)

ایک موقع پر فرمایا:

ہر کہ ازیں طائفہ خلاف روش نبوی و غیر متابعت مصطفوی پیش گرفتہ بمقصود نرسیدہ است (ج ا ص ۲۶)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محالست سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

ولایت کے شرائط: ایک ولی اللہ کے منجملہ فرائض میں ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے لیکن وہ یہ فرض اسی وقت انجام دے سکتا ہے جب کہ ۱۔ اس کے شیخ نے اس کو شیخوخت کی اجازت دی ہو (ج ا ص ۱۴۸) ۲۔ وہ دل میں خدا کا حضور اور آگاہی حاصل کر چکا ہو ۳۔ وہ اپنے مرید کے تمام ہفوات کا مؤاخذہ کرتا ہو لطائف اشرفی (ص ۱۴۹) ۴۔ وہ اپنے مرید سے اس کے افعال کا محاسبہ کرسکتا ہو (ج ا ص ۱۵۱) ۵۔ اپنے مرید کے سامنے تقدس کی پوری شان میں ظاہر ہوتا ہو (ج ا ص ۱۵۲-۱۵۳) ۶۔ مریدوں کو دوسرے شیخ کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا ہو (ج ا ص ۱۵۴) ۷۔ مریدوں کو ان کی قوت زکیہ کا یقین دلاتا ہو (ج ا ص ۱۵۶) ۸۔ اگر کسی شیخ کو اپنے سے برتر پاتا ہو تو اس کی صحبت اختیار کرلیتا ہو (ج ا ص ۱۵۷)، ۹۔ وہ عالم ہو (ج ا ص ۱۶۱) ۱۰۔ مریدوں کے ساتھ چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ بیٹھتا ہو (ج ا ص ۱۶۲)۔

ارادت کے شرائط: مریدوں کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں:

۱۔ وہ اپنے شیخ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں (ج ا ص ۱۶۲) ۲۔ وہ اپنے شیخ پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں (ج ا ص ۱۶۳) ۳۔ طلب شیخ میں صادق ہوں (ج ا ص ۱۶۶) ۴۔ شیخ کو جو کچھ کرتے دیکھیں اس کی اقتدا بلااجازت نہ کریں (ج ا ص ۱۶۹) ۵۔ شیخ کے کلام اور احکام کی تاویل نہ کریں (ج ا ص ۱۷۰) ۶۔ شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ کریں (ج ا ص ۱۷۰)

۷۔اپنے آپ کو ہر شخص سے کمتر سمجھیں (ج ۱ ص ۱۷۲) ۸۔شیخ کے احکام میں خیانت نہ کریں (ج ۱ ص ۱۷۳) ۹۔دونوں جہاں میں سے کسی چیز کی خواہش نہ کریں (ج ۱ ص ۱۷۸) ۱۰۔شیخ جس کو اپنے سے افضل سمجھے اسکی وہ بھی اطاعت کریں (ج ۱ ص ۱۷۵)

مرید کے آداب: مرید کے آداب حسب ذیل ہیں:

۱)۔ وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لئے فتح الباب سمجھتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۰)

۲)۔ وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۱)

۳)۔ دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۲)

۴)۔ شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۳)

۵)۔ اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۴)

۶)۔ شیخ کی صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو (ج ۱ ص ۱۰۵)

۷)۔ شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو اور نہ کہتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۶)

۸)۔ شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو اس کو افشا نہ کرتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۶)

۹)۔ شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۹)

۱۰)۔ شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنی فہم کا خیال رکھتا ہو (ج ۱ ص ۲۱۰)

ماخوذ از "بزم صوفیہ"

مولانا عبدالحی حسنی
ترجمہ: عبدالماجد ندیم

حضرت شاہ اجمل بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ

م ۸۶۴ھ

السید الشریف اجمل بن امجد بن علی الحسینی الجونپوری رحمۃ اللہ علیہ، سرزمین ہند کے مشہور مشائخ میں سے ہیں انہوں نے سلسلہ طریقت حضرت سید جلال الدین الحسین بن احمد البخاری الاوچی سے حاصل کیا۔ مرشد نے انہیں برکت کی دعا دی، فرمایا: ''پیر شوی، میر شوی، وزیر شوی''۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی کہ انہیں خوب مال عطا کیا اور شہر جونپور میں انہیں عہدہ قضا بھی ملا وہ اصلاً بہرائچ کے رہنے والے تھے انہوں نے طریقہ مداریہ شیخ معمر بدیع الدین شاہ مدار مکن پوری سے حاصل کیا اور ان سے شیخ مبارک بن امجد، شیخ بڈھن اور خلق کثیر نے اخذ کیا اور ان کا سلسلہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے واسطے سے بلادِ عرب و عجم میں پھیلا ہوا ہے۔

آپ نے تاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۸۶۴ھ کو بعہد سلطنت سلطان بہلول لودھی وفات پائی۔

(ماخوذ از ''نزھۃ الخواطر'')

مولانا عبدالحی حسنی
ترجمہ: عبدالماجد ندیم

حضرت سید شاہ بڈھن بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ

م ۸۸۰ھ

الشیخ الصالح الفقیہ السید بڈھن العلوی البہرائچی مشہور زمانہ مشائخ میں سے تھے شیخ حسام الدین فتح پوری سے جو شیخ عبدالمقتدر بن رکن الدین الشریحی الکندی کے اصحاب میں سے تھے۔ حضرت شاہ بڈھن نے طریقہ چشتیہ اُن سے حاصل کیا اور طریقہ مداریہ، سہروردیہ اور دوسرے معروف طریقے سید اجمل بن احمد الحسینی البہرائچی سے حاصل کیے اور شیخ بڈھن سے محمد ابن القاسم اودھی نے اخذ کیا۔ آپ نے تاریخ ۸ شوال ۸۸۰ھ کو بعہد سلطنت سلطان بہلول لودھی وفات پائی مزار پرانوار شہر بہرائچ میں بستی اوتر حضرت مولوی شاہ نعیم اللہ قدس سرہ کے مزار کے قریب زیرِ درخت املی بالائی چبوترہ واقع ہے۔

(ماخوذ از ''نزہۃ الخواطر'')

ڈاکٹر خالد سیف اللہ

سیّد بہاءُ الدّین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

م ۹۷۳ھ

مولد و مسکن: حضرت کا مولد بغداد شریف ہے۔ وہاں سے اپنے والد بزرگوار سید تاج محمود کے ہمراہ سیر کے ارادے سے ہندوستان تشریف لائے اور بدایوں میں آکر آباد ہوگئے۔ آپکے والد ماجد یہاں شہادت سے سرخرو ہو کر مدفون ہوئے۔ حضرت بہاول شیرؒ نے بدایوں کو اپنا مستقل مسکن نہ بنایا۔ اور مختلف علاقوں مثلاً قصبہ پٹی ضلع لاہور، جھنگ، دیپالپور وغیرہ سے ہوتے ہوئے بالآخر اس جگہ پہنچے جو اب حجرہ شاہ مقیم کے نام سے مشہور ہے اسی جگہ کو اپنا مستقل مسکن بنالیا۔

خاندان واولاد: آپ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپکا شجرہء نسب یہ ہے۔ حضرت سید بہاء الدین بن سید محمود بن سید علاؤالدین اسمہ ثانی زین العابدین بن سید فتح اللہ بن سید صدر الدین بن سید ظہیر الدین بن سید شمس الدین اسمہ ثانی شمس العارفین بن سید مومن بن سید محمد مشتاق بن سید صالح بن سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرھم العزیز۔

فیوض و برکات: آپ نے علمِ باطن اپنے والدِ گرامی سے حاصل کیا۔ عمر شریف کا اکثر حصہ سیر وسیاحت اور گوشہ نشینی میں گزارا۔ آپکی عادت شریفہ یہ تھی کہ دن میں آپ ایک دفعہ ضرور سواری کرتے تھے۔ جب مراقبے سے فارغ ہوتے تو گھوڑے پر سوار ہو کر اسکو خوب دوڑاتے اور پھر واپس آکر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے، آپ انتہائی رحمدل اور اعلی اخلاق کے مالک تھے۔

آپکے مسکن جو کہ اب حجرہ شاہ مقیم کے نام سے مشہور ہے، کے نواح میں قوم دھوں آباد تھی جوآپ ہی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئی۔ جو کہ اب بھی موجود ہے اور انکی آبادی کے کھنڈرات حجرہ شریف سے شمال کی طرف تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر موجود ہیں۔

وفات: آپ کا انتقال ۱۸ شوال ۹۷۳ھ بمطابق ۱۵۶۵ء کو ہوا۔ آپ حجرہ شریف میں مدفون ہیں۔ آپکے انتقال کے بعد آپکے صاحبزادے حضرت سید شاہ نور محمد صاحبؒ آپکی وصیت کے مطابق جانشین ہوئے۔

سیّد اظہار احمد گیلانی

حضرت سیّد قمیص القادریؒ

م ۹۹۲ھ

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزند سید عبدالرزاقؒ کی نسل میں دسویں صدی ہجری میں ایک صاحبِ سلسلہ شیخ حضرت سید قمیص الاعظم قادریؒ ہوئے جو بھارت کے ضلع انبالہ کے قصبہ ساڈھورہ میں آسودہ ہیں اور جن کے علم و فضل اور فیضِ روحانی سے پنجاب، بنگال اور بہار کا علاقہ مالامال ہوا۔ آپ کی کرامات کی شہرت تمام ہند میں پھیلی اور لاکھوں بندگانِ خدا میں صحیح روحانیت، تقوی اور ان کی زندگی میں ایمان، احتساب اور اخلاص پیدا ہوا۔

حضرت شاہ قمیصؒ کے حالات تحریر کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''اخبار الاخیار'' میں فرماتے ہیں:

> ''انہیں قبولِ عام اور شہرت کاملہ نصیب ہوئی اور اس علاقے کے نواح سے بے شمار مخلوقِ خدا ان کے حلقہ ارادت و عقیدت میں داخل ہوئی اور درویشانِ اہل کی ایک جمعیت نے ان سے انتساب کیا۔''

''خزینۃ الاصفیاء'' میں غلام سرور لاہوری رقم طراز ہیں:

> ''شاہ قمیص بن سید ابی الحیات گیلانی قدس سرہ بزرگان دین اور مشائخ اہلِ یقین میں سے ہیں سلسلہ عالیہ قادریہ سید ابی الحیات اور شاہ قمیصؒ کی ذات بابرکات سے ہندوستان میں جاری ہوا۔''

اسی طرح نزہۃ الخواطر جلد چہارم میں سید عبدالحی حسنی بریلوی فرماتے ہیں:
''السیدّ الشریف قمیص بن ابی الحیاتؒ سرزمین ہند کے مشہور مشائخ میں سے تھے''۔
نام و نسب: آپ کا اسم گرامی محی الدین اور لقب قمیص الاعظم ہے آپ نجیب الطرفین سیّد ہیں، والد ماجد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے اس طرح ملتا ہے:

''حضرت قمیص قادریؒ ابن سید ابی الحیات قادریؒ ابن سید تاج الدین ابن سید بہاء الدینؒ ابن سید جلال الدینؒ ابن سید شاہ داؤدؒ ابن سید شاہ علی نصرؒ ابن سید شاہ ابوصالح نصرؒ ابن سید شاہ عبدالرزاقؒ ابن سید غوث الاعظم شیخ عبدالقادر الجیلانیؓ''

آپ کا ننھیال بنگال کا حکمران خاندان تھا آپ کی والدہ محترمہ کا سلسلہ نسب چوبیس واسطوں سے سید الشہداء حضرت حسینؓ ابن علیؓ تک پہنچتا ہے۔
ولادت باسعادت: سید شاہ قمیص الاعظمؒ کی ولادت ۹۲۲ھ-۱۵۱۶ء لکھنوتی المعروف بہ گوڑ میں ہوئی۔
تعلیم اور تربیت باطنی : حضرت شاہ قمیص قادری عالم باعمل، فاضلِ یگانہ اور فقہ اسلامی میں کاملِ روزگار تھے ۔ آپ نے ملاّ علاء الدین اصولی امورک بنگالی سے علم دین حاصل کیا۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت آپ کے والد گرامی سید ابی الحیات قادریؒ نے فرمائی جو شیخ الوقت تھے۔
خلافت و سلسلہء طریقت: تکمیلِ باطنی کے بعد حضرت شاہ قمیص قادریؒ نے خرقۂ خلافت اپنے والد گرامی سید ابی الحیاتؒ سے حاصل کیا۔ والد محترم کے علاوہ آپ نے دیگر مشائخ وقت سے بھی اکتساب فیض کیا۔ آپ کا ایک معروف سلسلۂ طریقت ''ضیاء القلوب''، مؤلفہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قدس اللہ سرہ العزیز(م-۱۳۱۷ھ)، میں اس طرح درج ہے:

''... حضرت شیخ قمیص از شیخ الیاس مغربیؒ از شیخ عبدالحق مغربیؒ از شیخ احمد قدسیؒ ز شیخ عبدالقادر راسیؒ از شیخ عبدالوہابؒ از شیخ موسیؒ از شیخ زین الزاہدؒ از شیخ عبدالرزاقؒ از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ.....''

بحوالہ کتاب کنز الانساب حضرت شاہ قمیصؒ کی بیعت اپنے بھائی سید شاہ محمد ذاکر القادری سے

ہوئی اور خرقہ بھی حاصل ہوا۔

مراجعت ہند : قدیم تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ قمیصؒ خواب میں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا روحانی اشارہ پا کر دوبارہ ہندوستان تشریف لائے۔آپ کو خواب میں قصبہ سالورہ خضر آباد نواح دہلی جا کر وہاں متوطن ہونے اور اس علاقے میں دین اسلام کی اشاعت اور روحانی سرگرمیاں شروع کرنے کا حکم ہوا۔اس سفر مراجعت میں آپ کے دست حق پرست پر بےشمار بندگان خدا مسلمان ہوئے اور ہزاروں گناہگاروں نے تائب ہو کر اپنی عاقبت درست کی ۔آپ کے ہمراہ قادری درویشوں کی ایک جماعت بھی تھی ۔ کئی مقامات پر چلّہ کشی کرتے ہوئے آپ اجمیر تشریف لائے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (م ۶۳۲ھ)کے مزار اقدس پر معتکف ہوئے اجمیر سے روانہ ہو کر آپ دہلی، گنگوہ، انبیٹھہ، تھانیسر اور سرساوہ ہوتے ہوئے خضر آباد شہر میں وارد ہوئے۔ یہ شہر بادشاہ دہلی سید خضر نے آباد کیا تھا۔

اس سفر میں آپ کی ملاقات بقول ملّا پیر محمد لاہوری حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے بھی ہوئی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے(۹۴۴ھ-۱۵۳۷ء) میں رحلت فرمائی۔اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو آپ کی ملاقات شیخ عبدالقدوسؒ سے واپسی سفر کی بجائے آغاز سفر میں زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ گنگوہ سے روانہ ہو کر آپ تھانیسر پہنچے۔شیخ جلال الدین تھانیسریؒ(م ۹۸۹ھ)نے آپ کا پرجوش استقبال کیا اور عزت واحترام کے ساتھ کئی روز مہمان ٹھہرایا۔تذکرۃ الرشید مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی میں مرقوم ہے کہ ایک روز حضرت مولانا رشید احمد محدّث گنگوہیؒ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تھانیسری اور حضرت شاہ قمیصؒ کا زمانہ ایک تھا اور دونوں حضرات کے آپس میں دوستانہ مراسم تھے۔

ساڈھورہ میں تشریف آوری: ساڈھورہ میں حضرت شاہ قمیصؒ کی آمد اور قیام کے بارہ میں آپ کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں وہ ملک بنگال کی طرف سے راہ فقر و تجرید اختیار کئے ہوئے ملک دہلی میں تشریف لائے اور قصبہ ساڈھورہ میں خانقاہ بنا کر متوطن ہوئے۔ (ثمرات القدس)

مناکحت اور ساڈھورہ میں مستقل سکونت: ''اخبار الاخیار''ہی میں مرقوم ہے:

''سید نصر اللہ ایک عالم و عامل، صاحبِ حال و متبع و متقیم بزرگ قصبہ سالورہ میں تھے انہوں نے اپنے جگر گوشہ کا عقد حضرت قمیص قادریؒ سے فرمایا اس تعلق کے قائم ہوجانے کے بعد آپ نے اس جگہ توطن اور سکونت اختیار فرمائی۔''

''خوارقات حضرت قمیص قادری'' میں لکھا ہے کہ شادی کے بعد رخصتی کے وقت آپ نے سید نصر اللہ واسطی کی حویلی کی ڈیوڑھی پار کرنے سے پہلے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ سے فرمایا: ''اس زینتِ دنیاوی کے مظہر زیورات کو اتار کر خدا کے رستہ میں مستحقین میں تقسیم کر دو مجھے ان زیورات سے بد بو آتی ہے۔'' چنانچہ بی بی صاحبہ نے ایسا ہی کیا۔

شادی کے بعد آپ نے قلندرانہ وضع ترک کر کے چرمی لباس پہننا چھوڑ دیا اور پیراہن سفید زیب تن کیا و رسنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق متاہلی زندگی کا آغاز کیا۔آپ عمر بھر ساڈھورہ میں رہے اور آپ کی ولاد یہیں پھلی پھولی۔البتہ تبلیغ دین اور اپنے خلفاء اور منتسبین کی تربیت کی غرض سے آپ دور دراز کے سفر ختیار کرتے رہے۔عمر کے آخری زمانے میں بنگال و بہار تشریف لے گئے۔''اخبار الاخیار'' کے مطابق بادشاہِ وقت شہنشاہ محمد کبر نے آپ کو بنگال بھیجا تھا۔پیر جی سید نظام الدین کی تحقیق کے مطابق یہ مغلیہ فوج کی بنگاں و بہار کی بازیابی کی مہم تھی جس کے لیے آپ کی معاونت اور روحانی و اخلاقی مدد ضروری سمجھی گئی۔کیونکہ بنگاں و بہار میں آپ کے بے شمار مرید امرائے سلطنت اور رشتہ داروں میں موجود تھے۔آپ وہاں کچھ عرصہ مقیم رہے۔

وصال مبارک: حضرت شاہ قمیصؒ کی وفات بہار شریف میں ۲۳ذی قعدہ ۹۹۲ھ۔۱۵۸۴ء کو ہوئی مادہ تاریخ ''ریحان گلستان ایقان'' ہے۔آپ کا جسد خاکی بہار شریف میں دفن کیا گیا۔بعد میں آپ کے صاحبزادگان آپ کے جسدِ مبارک کا تابوت ساڈھورہ لائے اور شہر سے باہر ایک پر فضا جگہ پر دفن کیا۔آپ کا مزر قدس ایک باغ کے اندر واقع ہے اور اسے ملک عنبر امیر دربار اکبری نے تعمیر کرایا تھا۔

سیرت طیبہ: مشائخ اور اہل اللہ کے تذکروں میں حضرت شاہ قمیص کے مختصر حالات و کوائف ملتے ہیں۔نیز آپ کے ملفوظات اور مختلف رسائل ہیں ان میں بیان کردہ نصائح و نکات اور ''خوارقات قمیص قادری'' میں مختلف واقعات سے آپ کی شخصیت کی جو تصویر جھلکتی ہے وہ نہایت دل آویز اور جمال وجلال کا حسین مرقع ہے آپ نے اپنے صاحبزادہ اکبر سید شاہ محمد قادری کو خرقہِ خلافت عطا

فرماتے ہوئے جو نصیحت کی وہ قابل غور ہے آپ نہ صرف خود اس پر عمل پیرا تھے بلکہ اپنی اولاد اور تمام خلفاء کو اس دستور العمل پر دائم عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے تھے۔ فرمایا:

"اے مرے فرزند جگر بند سید شاہ محمد! اگر تم ابدال اور رئیس الغیب کا مقام حاصل کرنا چاہو تو زیادہ تر خلوت میں رہ کر قلت طعام، قلت منام اور قلت صحبت عوام کا مسلک اختیار کرو اصلاح نفس حاصل کرنے کے بعد اپنے مریدین کو ہدایت کرو کہ وہ سر کے بال ترشوائیں انکی اصلاح نفس اور تربیت اخلاق ان کے احوال کی مناسبت سے کرو اور ان کی طاقت کے مطابق عبادات میں مشغول کراؤ نیز صلاح و مشورہ سے انہیں احسن طریقہ پر تربیت دو ذکر الہیٰ کی جو تلقین حسب طریق غوث پاک تمہیں کی گئی ہے اوروں تک پہنچاؤ۔ خانقاہ کو زائرین کے لئے کھلا رکھو فقراء و مساکین اور دیگر مہمانوں کی اس آمدنی سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق حلال سے عطا کی ہے خدمت کرو۔ متوکلانہ زندگی بسر کرو جس طرح تمہارے جدّ امجد حضرت غوث پاک نذر قبول فرماتے تھے تم بھی ان کا اتباع کرو اس نذر کی آمدنی سے حسب ضرورت ذاتی ضروریات اپنے اہل و اعیال و خدام کے مصارف کے لئے خرچ کر سکتے ہو اپنا وقت ادائے فریضہ صلوۃ و تلاوت قرآن کریم، مجاہدہ اور ارشاد شریعت و طریقت میں گزارو۔ مگر ان نیک کاموں میں تصنع کا شائبہ تک نہ ہو خالصتاً للہ ایسا کرو تمہارا قول و فعل ہر حال میں نیک نیتی پر مبنی ہو حقوق والدین خویش و اقرباء اور عامۃ الناس ادا کرو اگر وہ تم پر ظلم کریں برداشت کرو جہاں تک ہوسکے ان سے نیکی سے پیش آؤ، ان کے مال پر حریصانہ نگاہیں نہ جماؤ تمہاری اشیائے ملبوس، مطعوم اور مشروب حلال ذرائع آمدنی سے ہوں۔ اپنی دعاؤں میں مجھے نہ بھولنا۔"

حضرت قمیص ایک رہبانیت پسند درویش نہ تھے بلکہ ادائے فریضہ حق اور تبلیغ دین کی خاطر مختلف شہروں مثلاً مراد آباد، سنبھل وغیرہ بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح بہار شریف کے قریب ایک ہندو رجہ کی مسلم کش پالیسی کے خلاف جہاد کے لئے بھی اکیلے روانہ ہوگئے۔ غریبوں اور بے کسوں کی امداد کے لئے ور ان کو ظالم حاکموں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لئے بادشاہ اور اعلیٰ احکام سے بھی کبھی کبھی ملتے تھے۔

کرامات: اگرچہ آپ کی ذات بابرکات سے بے شمار خوارق و کرامات کا تسلسل تواتر کے ساتھ ظہور

ہوا جس کی تفصیل" خوارقاتِ قمیص قادری"میں موجود ہے جس کا اعتراف آپ کے تمام تذکرہ نویسوں نے کیا ہے مگر بقول مصنف ثمرات القدس آپ کا نظریہ کرامات کے بارے میں یہ تھا کہ ان کا کلی اخفا ہی بہتر ہے اور آپ ان کرامات کو اپنے ساتھیوں سے مخفی رکھتے تھے اور اظہار سے اجتناب فرماتے تھے۔

اولاد: سید نصر اللہ واسطی کی دختر عائشہ سے آپ کے دو فرزند سید شاہ محمد قادری (م ۱۰۱۳ھ) اور سید ابو المکارم حیدر قادری (م ۱۰۲۸ھ) تھے جو عالم وفاضل اور صاحبان تصنیف بزرگ تھے پیر جی سید نظام الدین کے تذکرہ میں آپ کی ایک اور بیوی سیدہ فاطمہ دختر دیوان صوبہ سرہند سید الیاس واسطی کا حوالہ ہے جن سے تین صاحبزادے شہزادہ سید محمود خطاب خان عالم (م ۹۹۷ھ)، شہزادہ سید غلام مصطفےٰ (خطاب خان خانان۔م ۱۰۰۰ھ) اور شہزادہ مجتبےٰ (خطاب خان جہاں ثانی۔م ۱۰۱۴ھ) بتائے گئے ہیں۔ ان کی اولاد بنگال و بہار کے مختلف اضلاع میں سکونت پذیر ہے۔

اوّل الذکر دو صاحبزادگان کی اولاد میں بے شمار اولیاء علماء اور صلحاء ہوئے اورر ان کی اولاد کا سلسلہ صوبہ جات مشرقی پنجاب یوپی حیدرآباد دکن اور احمد آباد میں پھیلا۔

آپ کی اولاد میں حضرت شاہ رحم علی پنجلاسوی بڑے بزرگ شیخ گزرے ہیں، جن کے خلفاء میں نمایاں ترین شاہ عبدالرحیم شہید ولایتیؒ (شہادت ۱۲۴۶ھ) تھے۔جو سلسلہ قادریہ قمیصیہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے شیخ الشیخ ہوئے ہیں۔ نیز حضرت شاہ رحم علیؒ کے ایک اور خلیفہ سید اکبر علی قمیصی تھے جو آپ کے برادرِ حقیقی شاہ لطف علی کے پوتے تھے۔شاہ اکبر علی ۱۱۸۴ھ کے بعد فوت ہوئے۔

میر سید امانت علی ساڈھوروی (شہید بالاکوٹ ۱۲۴۹ھ) حضرت سید شہید کی جماعت مجاہدین میں تھے، حضرت سید صاحب نے آپ کو لشکر میں غلے کی تقسیم پر مامور فرمایا تھا۔

خلفائے کرام: حضرت شاہ قمیص قادری کے فیضِ باطنی سے لاکھوں افراد نے راہنمائی حاصل کی۔ آپ کے بے شمار خلیفہ ہوئے ہیں۔

(ماخوذاز"تذکرہ قمیص القادری")

○

خود فرمودہ حالات

سیّد علی غوّاص ترمذی

م ۱۰۴۰ھ

صوبہ سرحد کے صوفیائے کرام میں جن بزرگوں نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ان میں حضرت سید علی غواص اور ان کے مرید حضرت اخوند درویزا کا اسم گرامی سب سے زیادہ جلی نظر آتا ہے۔

آپ کے حالاتِ زندگی میں ہمیں آپ کے مرید و خلیفہ حضرت اخوند درویزا کی کتاب ''تذکرۃ الابرار والاشرار'' سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کتاب میں اخوند درویزا نے آپ کے حالاتِ زندگی ''تذکرہء اول'' کے عنوان سے ایک جگہ تحریر کردیے ہیں، جو انہوں نے خود اپنے پیر کی زبانی سنے تھے۔ اخوند درویزا نے اپنے پیر کے ذریعہ سے یوں روایت کیا ہے:

''میرے والد کا اسم مبارکِ گرامی قنبر علی تھا۔ چونکہ وہ شاہانِ وقت سے مناسبت رکھتے تھے، اس لیے وہ اپنی مناسبتِ طبعی کے اعتبار سے دنیاوی منصب وجاہ کے بلند مراتب پر پہنچے۔ اسی لیے ان کو امیر نظر بہادر بھی کہا جاتا تھا۔ وہ نسباً سادات ترمذ سے تھے اور وطن کے اعتبار سے قندس کے رہنے والے تھے۔ میرے والد نے اپنے والد کے آبا واجداد کا طریقہء زہد اور ریاضت چھوڑ کر دنیا کے مناصب و مراتب کی طرف توجہ کی اور اس میں بڑا نام پیدا کیا، لیکن میرے دادا حضرت امام المسلمین سید الدنیا والدین سید احمد یوسف اپنے آبا واجداد کے پسندیدہ طریقے پر سلسلہء کبرویہ کے

سجادے پر بیٹھ کر اپنے وطن قندس و بدخشاں میں مصروف رشد و ہدایت رہے۔ دنیا کے حالات کی طرف ان کی کوئی توجہ نہ تھی۔ میرے دادا مجھ پر خاص شفقت فرماتے تھے ایک عجیب تر بات یہ ہے کہ میں اپنے ظاہرہ حالات کی وجہ سے اپنے خاندان میں ناقابلِ التفات سمجھا جاتا تھا۔ ایک روز ہمارے گھر میں میرے بھائی بہنوں کی پسندیدگی کا تذکرہ چلا۔ مجھے سب لوگ دیوانہ کہتے تھے اس لیے مجھے کسی نے پسند نہ کیا، میرے دادا نے فرمایا کہ میں اس دیوانے کو پسند کرتا ہو، تمہیں اس سے کچھ سروکار نہیں[1]۔

سلسلہء نسب: حضرت اخوند درویزا نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الابرار والاشرار'' میں حضرت سید علی کا سلسلہء نسب حسب ذیل طریقے پر درج کیا ہے:

''سید علی بن قنبر علی، بن سید احمد نور بن سید یوسف نور، بن سید محمد نور بخش ترمذی بن سید احمد بیغم بن سید براق بن سید احمد مشتاق، بن سید شاہ ابو تراب بن سید حامد بن سید محمود بن سید اسحاق بن سید عثمان بن سید جعفر بن سید عمر بن سید محمد بن سید حسام بن شاہ ناصر خسرو بن سید امیر علی بن سید عبدالرحیم بن سید محمود مکی، بن سید محمد مہدی بن حسن عسکری بن سید علی نقی بن سید محمد تقی بن سید امام موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی اصغر رحمہم اللہ اجمعین بن امام حسین شہید کربلا بن بی بی فاطمہ زہرا (منکوحہء مطہرہ علی مرتضیٰؑ) بنت سرورِ کائنات ﷺ[2]''۔

تعلیم و تربیت: چنانچہ میں اپنے دادا کی خدمت میں رہنے لگا اور میں نے ابتدائی تعلیم و تربیت ان ہی سے حاصل کی، یہاں تک کہ شرح مُلّا جامی بھی انہیں سے پڑھی۔ میرے قلب میں ابتدا زہد و ریاضت کا چراغ بھی میرے دادا کی توجہ ہی سے روشن ہوا۔

سلسلہء کبرویہ میں اجازت: یہاں تک کہ جب میرے دادا کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے بیٹے جو کچھ بھی تم کو قرآن میں سے یاد ہو پڑھو، میں نے سورۃ تبارک الذی

---

[1] ''تذکرۃ الابرار والاشرار'' ص ۱۳۴

[2] ایضاً۔ ص ۱۳۴ – ۱۳۵۔

پڑھی، فرمایا کہ پھر پڑھو، میں نے پھر یہی سورۃ پڑھی، فرمایا کہ پھر پڑھو، پھر میں نے یہی سورۃ پڑھی، پھر فرمایا کہ میرے بیٹے! ہر وہ برکت و نعمت جو مجھے حاصل تھی، ان میں سے بعض میں نے اپنے آبا و اجداد سے حاصل کی تھیں اور بعض نعمتیں مجھے سلسلۂ کبرویہ سے حاصل ہوئی تھیں، وہ سب میں نے تم کو بخشیں۔

دادا کی وفات: اپنے دادا کی وفات کے بعد میں بالکل بے یار و مدد گار رہ گیا۔ میری یہ حالت تھی کہ نہ مجھے اہلِ دنیا کے ساتھ قرار تھا اور نہ ان سے کوئی مفر تھی، نہ مجھے لذّاتِ دنیوی سے فرحت حاصل ہوتی تھی اور نہ میں وظائف کے لطائف پر یکسوئی حاصل کر کے کامیاب ہو سکتا تھا۔

ہمایوں کے دربار میں: یہاں تک کہ سلطان ارجمند ہمایوں بادشاہ[1] نے ہندوستان کی طرف توجہ کی۔ میرے والد بزرگوار مجھ کو تبرکات کے ساتھ ہمایوں کے دربار میں لے گئے۔ کبھی کبھی وہ مجھ کو درباری لباس پہناتے اور ہمایوں کے دربار میں لے جاتے، لیکن منشائے خداوندی یہ تھا کہ مجھ کو دنیا اور اہلِ دنیا سے متنفر رکھے۔ میں وہ شاہی آداب بجا نہیں لاتا تھا جو لشکریوں کے مناسبِ حال ہوتے

---

[1] بابر کی وفات کے بعد ۹۳۷ھ (۱۵۳۰ء) میں اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا، لیکن محرم ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں شیر شاہ سوری کے مقابلے میں اس کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ اس نے لاہور آکر دم لیا، مگر یہاں بھی باہمی نفاق کی بدولت شیر شاہ سے مقابلے کی تیاری نہ کر سکا، میرزا حیدر نے ہمایوں کو کشمیر چلنے کی رائے دی، مگر وہ جنوبی حاکم روانہ ہو گیا تا کہ مرزا شاہ حسن ارغون حاکمِ سندھ سے مدد حاصل کرے، لیکن وہ اپنے شہر میں مغلوں کے داخلے تک کا روادار نہ ہوا۔ مارواڑ کے راجا نے جان نثاری کے وعدے اور منّت کے بلاوے بھیجے تھے، لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں، پھر وہ دوبارہ سندھ آیا اور ملک کو چھوڑ کر سیستان کے راستے شاہِ ایران کی پناہ لی۔ وہاں صفویوں کی شاہانہ مہمانی اور مذہبی بدگمانی کے تماشے دیکھے۔ آخر دو سال کی کوشش و کاوش سے دس ہزار ایرانی قزلباش ساتھ لے کر کئی مہینے کے محاصرے کے بعد پہلے قندھار اور پھر کابل و بدخشاں کو فتح کیا۔ جب سوری خاندان کا شیرازہ بکھرا تو چودہ برس بعد پھر وہ ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) میں ہندوستان آیا، متذکرہ متن واقعہ اسی زمانے کا ہے۔ ہمایوں نے ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) کو دھلی میں زینے سے گر کر وفات پائی۔ اس کی تاریخ وفات "ھمایوں بادشاہ از بام افتاد" سے نکلتی ہے (ماخوذ از تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت جلد اول (ص ۳۹۸ - ۴۲۰)۔

ہیں اور دربار شاہی سے لوٹ کر اس درباری لباس کو اتار پھینکتا اور اس دور کے علما وصلحا کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل عمل میں مشغول ہو جاتا تھا۔

پانی پت میں تشریف آوری: الغرض ایک مدت کے بعد میں حصولِ علم اور طلب روحانیت کے لیے پانی پت آیا اور پابرہنہ حضرت سلطان العارفین، امام المومنین شیخ الاسلام والمسلمین شیخ شرف الدنیا والدین، شیخ شرف الدین پانی پتی کے مزار مبارک پر حاضر ہوا۔ شیخ کے یمن و برکت کی وجہ سے میرے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوئی اور میں آپ کے مقبرے سے نکل کر کسی نامعلوم الاسم مقام پر پہنچا اور وہاں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ ایک زمانے کے بعد میرے گھر والوں کو خبر ملی۔ وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے حضرت شیخ کے مقبرے تک آئے اور مجھے انہوں نے وہاں نہ پا کر یہ سمجھا کہ میں چونکہ دنیا کے جاہ و منصب سے متنفر اور حق طلبی کی طرف مائل تھا، اس لیے بھاگ گیا۔

والد سے ملاقات: آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد انہوں نے مجھ کو ایک زاویے میں پایا۔ میں نے اپنے والد کا استقبال کیا اور ان کے پاؤں میں گر کر ان سے اجازت چاہی کہ میں طلبِ حق کے لیے باہر چلا جاؤں۔ میرے والد نے مجھے روکنے کے لیے بہت سی نصیحتیں کیں، لیکن مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مجبوراً وہ راضی ہو گئے اور مجھے کچھ نقدی دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے سفر کا توشہ ہے۔ میں نے والد سے عرض کیا کہ ابّا جان! اسے رہنے ہی دیجیے اور مجھے اس قید سے آزاد کیجیے۔ جب میں طلبِ حق میں جارہا ہوں تو اپنی روزی بھی حق تعالیٰ ہی سے طلب کروں گا، اگر مجھے اس روپے پر اعتما ہوتا تو میں اس سے کیوں بھاگتا۔

شیخ سیلونہ کی خدمت میں حاضری: آخر میں اپنے والد سے اجازت لے کر روانہ ہوا اور پرگنۂ مانک پور پہنچا اور مخدوم زماں، کہف الاماں، ماحی البدعۃ وطریقۂ ھوا، محی السنت وشریعت شیخ سیلونہ علیہ الرحمۃ والغفران کی خدمت میں حاضر ہوا[1]۔ میرا شوق علم دیکھ کر وہ انتہائی شفقت سے پیش آئے

---

[1] شیخ سیلونہ اپنے وقت کے جلیل القدر علما اور اولیا میں سے تھے۔ وہ دنیا سے منہ موڑ کر بالکلیہ ظاہری و باطنی طور پر حق کی طرف متوجہ تھے، سوائے درس کے ان کا تمام وقت عبادت الٰہی میں صرف ہوتا تھا یہاں تک کہ داہنے

اور میں ان کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرنے لگا، یہاں تک کہ فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" تک میں نے اپنی تعلیم پہنچائی۔

شیخ سیلونہ سے بیعت کی درخواست: شیخ سیلونہ کے علمی تبحر، غیر معمولی تقویٰ اور زہد و ریاضت کو دیکھ کر ایک روز میں نے نہایت عاجزانہ طور پر ان سے درخوست کی کہ مجھ کو بھی شغلِ باطن سے بہرہ مند کیجئے، لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ابھی اس بارِ گراں کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ میرا اصرار بڑھتا رہا، یہاں تک کہ میرے اصرار کو ایک روز دیکھ کر فرمایا کہ یہ کام سرسری نہیں ہے بلکہ مشکاۃِ نبوت سے مقتبس ہو کر یداً بید مشائخ کرام تک پہنچتا ہے۔ اسی بنا پر صرف اسی شیخ کو اس کا حق پہنچتا ہے جو حضرت خیر البشر سے یداً بید اجازت یافتہ ہو، وہ سجادے پر بیٹھ کر عوام الناس کو دعوت دے اور بیعت کا دروازہ کھولے۔ چونکہ میں اپنے شیخ سے اس کی اجازت نہیں رکھتا، اس لیے میں بیعت کرنے سے معذور ہوں، مگر میں ایسے شیخ کی طرف رہبری کرتا ہوں جو حاذق طبیب روحانی ہیں اور جنہیں ہمارے شیخ بہاء الدین صامت سے اجازت حاصل ہے۔ تم ان کے آستانے پر حاضر ہو، وہاں تمہارا مقصد پورا ہو سکے گا۔

شیخ سالار رومی کی خدمت میں حاضری: چنانچہ میں آپ کے ارشاد پر اجمیر میں حضرت سالار رومی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مجھ پر خصوصی توجہ فرمائی اور میرے حسب و نسب سے واقف ہو کر فرمایا، اے سید، طریقۂ باطنی کا حصول بغیر مرشدِ کامل متشرع کی صحبت کے ممکن نہیں۔ پھر انہوں نے میرے لیے خلوت اور خدمت کو پسند فرمایا۔ میں ان کی خدمت کو حصول سعادت کا سب سے بڑا ذریعہ جانتا تھا اور ایک لمحہ کے لیے اس سے غافل نہ ہوتا تھا۔ اس طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ جب شیخ سالار رومی نے مجھے اپنی خدمت میں سچا پایا تو بے حد شفقت فرمائی اور مجھے علمِ تصوف اور سلوک کی تعلیم دینے لگے۔

ہاتھ کی انگلیاں بیداری اور سونے کی حالت میں تسبیح کے لیے ہمیشہ حرکت میں رہتی تھیں۔ شغلِ باطنی کی وجہ سے ان پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ایک دفعہ کوٹھے سے ذکرِ جلی کرتے ہوئے غلبۂ حال میں گر پڑے، لیکن انہیں کچھ خبر نہ ہوئی۔ (ماخوذ از "تذکرۃ الابرار والاشرار"، تالیف اخوند درویزا مطبوعۃ ہندو پریس ص ۱۴۰)۔

سلسلہء طریقت: حضرت سید علی عواص کا سلسلہء طریقت متاخر تذکرہ نگاروں نے سلسلہء چشتیہ لکھتے ہوئے ان کو حضرت نظام الدین تھانسیری کا مرید و خلیفہ بنایا ہے، اور حضرت سالارِ رومی کے واسطہ سے سلسلہء سہروردیہ و سلسلہء شطاریہ میں بھی اجازت تھی۔

حضرت سید علی عواص نے عہد شاہجہانی میں ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) میں وفات پائی"[1]۔

طریقہء تعلیم: میں اپنے شیخ سے اس طرح تعلیم حاصل کرتا تھا کہ علم تصوف کا جو سبق بھی حضرت شیخ سے حاصل کرتا، ایک ہفتے تک خلوت اختیار کرکے اس پر غور وفکر کرتا اور بے شمار ریاضت کے بعد جو کچھ میں محسوس کرتا اسے اپنے شیخ کے سامنے پیش کرتا، شیخ مجھے مبارک باد دیتے اور میری تقریروں کو پسند کرتے پھر دوسرا سبق دیتے، اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا، یہاں تک کہ شیخ نے مجھے اجازت دی۔

رُشد وہدایت کے لیے شیخ کا حکم: اجازت دینے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ سالک کو سلوک میں بہتر ممانعات اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیش آتی ہیں، جن کے ذریعے سے اس کا ابتلا اور امتحان ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سالک کو تمام ملک وملکوت میں شہرت بخشتا ہے اور عوام وخواص کی توجہ اس کی طرف مبذول کردیتا ہے۔ اگر اس منزل میں سالک عوام پر قانع ہوگیا اور لوگوں سے ملنے ملانے میں اصل مقصد کو بھول گیا، تو وہ اصل مقصد سے دور ہوکر اسی چکر میں مبتلا رہے گا اور اگر وہ اس منزل میں لوگوں سے نہ ملا، بلکہ ان سے بھاگا تو پھر دوسری ممانعت پیش آتی ہے اور وہ کشف وکرامات ہیں۔ اگر وہ کشف وکرامات کے چکر میں پڑگیا تو وہ دوستی کے قابل نہیں اور اگر وہ اس منزل سے بھی صحیح وسلامت گزر گیا اور اس نے کشف وکرامات کی طرف توجہ نہ کی اور دوسری ممانعات سے بھی گزر گیا اور لقائے دوست کے سوا اس نے اپنا کوئی مقصد نہ قرار دیا، وہ اس وقت ولایت اور دوستی کے لائق ہوگا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھے گا اور عالم میں برگزیدہ کرے گا۔

پہلے مرید: چنانچہ شیخ کے حسبِ ارشاد میں نے دیکھا کہ عوام وخواص کی توجہ میری طرف ہوئی،

---

1 "خزینۃ الاصفیا" جلد اول۔ ص ۴۰۶ – ۴۶۷۔

جیسا کہ حاجی سیف اللہ گگیانی، اور ملک گدانی، اور ملک گدائی خان گگیانی، جنہیں ہمایوں اپنے ہمراہ پشاور سے ہندوستان لے گیا تھا، میرے مرید ہوئے اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ طریقت کی جستجو میں میرے گرد چکر لگانے لگے۔ اس وقت میں نے پیر دستگیر حضرت شیخ مخدومی سالار رومی سے التماس کی کہ مجھے لوگوں کے اجتماع سے چھٹکارا دلایے۔

کوہستان میں جانے کا حکم: حضرت سالار رومی نے مجھے ہدایت کی کہ میں پہاڑی علاقے کی طرف جاؤں، چنانچہ میں نے شیخ کے ارشاد کی بنا پر کشمیر جانے کا ارادہ کیا، اور راستے مین علاقہء گجرات کے موضع داؤد پنڈ میں مقیم ہوا۔ وہاں ایک شخص کیلاس نامی نے جواسی موضع کا رہنے والا تھا، ملا۔ اس نے مجھے دیکھ کر تمام موضع میں شور بلند کیا کہ میں نے جس شخص کو خواب میں دیکھا تھا، اس کی ساری علامتیں، اس شخص میں پائی جاتی ہیں، اور یقیناً یہ وہی ہے، ہمیں چاہیے ہم اسے پیر کہیں اور اسکے مرید ہوں۔ یہ ہم کو شریعت کے طریقے پر چلائے گا۔ میں نے متعجب ہو کر اس سے کہا کہ اگر واقعی تونے کوئی خواب دیکھا تھا تو اس سے پہلے اگر یہ خواب تونے کسی سے بیان کیا ہو تو اس پر گواہ لا۔ وہ بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لایا اور ان سب نے بیان کیا کہ بے شک اس نے ہم سے اپنا خواب بیان کیا تھا اور وہ تمام علامتیں جو آپ میں پائی جاتی ہیں، اِس نے وہ بھی ہم سے بیان کی تھیں، یہاں تک کہ جو آپ کی پیشانی پر تِل ہے، اس نے ہم کو وہ بھی بتلایا تھا۔ اس نے ہم سے کہا تھا کہ ایک ایسا شخص کہیں باہر سے ہمارے ہاں آئے گا اسے ہمیں اپنا پیر اور پیشوا بنانا چاہیے۔ میں نے اس وقت وہاں کے لوگوں کو بیعت کیا، اور ایک مدت تک اس موضع میں مقیم رہا۔

والد سے دوبارہ ملاقات: اس زمانے میں کہ ہمایوں بادشاہ نے شیر شاہ سے شکست کھائی اور اپنے بقیہ لشکر کے ساتھ کابل کا رخ کیا، اسی موضع میں مجھے اپنے والد مشفق کے ساتھ ملاقات کا دوبارہ اتفاق ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا، اور مشفقانہ انداز میں کہا کہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا تھا، لیکن تم نے اپنے آباواجداد کے طریقے کو اختیار کیا، اور خدا کا شکر ہے کہ تم اس بلند مرتبے پر فائز ہوئے۔ پھر دو تھیلیاں، جن میں سے ایک میں سونا اور دوسری میں چاندی تھی، میرے سامنے رکھیں، اور مجھ سے فرمایا کہ اے میرے عزیز بیٹے! یہ تمہاری نذر ہیں، امید ہے کہ تم انہیں

درویشوں پر صرف کروگے۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

اجمیر کو واپسی: حضرت سید علی کے صاحبزادے کی روایت ہے کہ اس زمانے میں جب کہ والد محترم حضرت شرف الدین پانی پتی کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور ایک عجیب کیفیت آپ میں پیدا ہوئی، تو آپ نے اپنے گھوڑے اور ہتھیاروں کو ایک بنیے کے سپرد کیا تھا کہ وہ یہ سامان آپ کے والد تک پہنچا دے، لیکن اس کے بعد آپ کی ملاقات اپنے والد سے نہ ہوئی تھی۔ میرے والد کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح میں حضرت شیخ سالار رومی کی خدمت میں پہنچوں اور اپنے آپ کو اس پیری مریدی کے جھگڑے سے آزاد کروں،۔ چنانچہ میں اس ارادے سے روانہ ہوگیا۔ میں کئی روز تک سفر کرتا رہا، یہاں تک کہ مجھے راستے میں شیر شاہ کے چند سوار ملے جو ہمایوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ چونکہ میں فارسی بولتا تھا اور افغانوں میں عصبیت اس قدر غالب ہے کہ جو شخص فارسی میں گفتگو کرتا ہے، اسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں وہ میرے قتل کی سوچنے لگے، اور میں بھی تقدیر الٰہی پر راضی ہوگیا۔ میں خاموش رہا، یہاں تک کہ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے کہا کہ سونے اور چاندی کی دو تھیلیاں ہیں۔ پھر میں نے اپنے خادم کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو دے دے۔ اس نے وہ تھیلیاں ان کو دے دیں۔ پھر ہم نے اپنی راہ لی، لیکن تقدیر میرے ارادے پر ہنس رہی تھی، کیونکہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت شیخ سالار رومی وفات پا چکے تھے۔

خرقہء خلافت اور شیخ سالار رومی کے صاحبزادے کی ہدایت: جب میں شیخ سالار رومی کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ حسین مراقبے میں سر بگریباں ہیں۔ میرے آنے کی اطلاع پا کر سر مراقبے سے اٹھایا، اور فاتحہ و استغفار پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اے سید علی! میں نے اسی وقت، اسی جگہ اسی مراقبے اور مشاہدے میں اپنے والد محترم اور اپنے پیر کو دیکھا کہ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ بیٹا! میرے دو خرقے باقی ہیں، ایک کو پھاڑ کر اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے میرے مریدین اور معتقدین میں تقسیم کردو، اور دوسرے خرقے کو ایک آنے والے کو جسے تم اس حال میں پاؤ، اس کو دو کہ حق اس کی جانب ہے۔ لہذا میں اس حال کے مطابق تمہیں پاتا

ہوں، یہ فرما کر انہوں نے دو نوں خرقے طلب کیے، اور ایک خرقے پر جس پر پہلے ہی سے میرا نام لکھا ہوا تھا، مجھ کو پہنایا۔ خدا کی عجیب حکمت تھی کہ میں قیدِ پیری سے چھٹکارا حاصل کرنے آیا تھا، اور یہاں آکر اور قید بڑھ گئی۔ چند روز کے بعد صاحبزادے صاحب نے فرمایا کہ میرے والد محترم نے تم کو کوہستان میں رہنے کے لیے حکم دیا تھا، اس لیے مناسب یہ ہے کہ کسی پہاڑی علاقے میں جسے تم مناسب سمجھو سکونت اختیار کرو، یا اپنے وطن چلے جاؤ کہ اس کا تعلق بھی پہاڑی علاقے سے ہے۔

پشاور میں تشریف آوری: چناں چہ میں مخدوم زادے کے ارشاد پر وطن کے ارادے سے روانہ ہوا۔ جب شہر پشاور میں پہنچا تو میرے معتقدین و مخلصین میں حاجی سیف اللہ ملک گدائی نے جو گگیانی ملکوں میں سے تھے اصرار کیا، اور کہا کہ ہمارا وطن قریب ہے، کچھ روز وہاں قیام فرمایے تاکہ ہمارے اہل و عیال، متعلقین اور اس شہر کے رہنے والے آپ کے رشد وہدایت سے مستفید ہوں، اور بدعت اور مخالفت شریعت طریقوں سے مجتنب ہوں۔ ان کے اصرار پر میں راضی ہو گیا، اور میں نے ان کے وطن دوآبہ کی طرف رخ کیا، اور ان کے شہر میں مقیم ہو گیا۔ اس شہر کے عوام وخواص میری طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں سے بعضوں نے مجھ سے طریقت اور شریعت میں استفادہ کیا، اور بعض میری مجلسوں میں شریک ہو کر وعظ و نصیحت سے مستفید ہوتے رہے۔ لیکن اس کے بعد پھر ممنوعات کے مرتکب ہوئے، اس لیے کہ اکثر افغانوں کی بلکہ تمام افغانوں کی عادت یہ ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں کو پسند کرتے ہیں، خواہ وہ باتیں خیر ہوں یا شر۔ اپنے جہل کی وجہ سے وہ خیر پر بہت کم عمل کرتے ہیں، بلکہ اکثر افغان خیر کی باتوں سے بھاگنے والے اور شر کی باتوں کے سننے کے متجسس ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف اور مواعظ و نصائح کے فرائض ان میں ادا کرنا دشوار ہے۔

یوسف زئی علاقے میں دو پیران ملحد: دوآبے میں ایک سال کی اقامت کے بعد، میں نے چاہا کہ اپنے وطن روانہ ہو جاؤں، لیکن گگیانی قبیلے کے بعض محب اور مخلص مانع ہوئے اور انہوں نے مجھے روکنے کے سلسلے میں کہا کہ علاقۂ یوسف زئی میں دو ملحد، سرکش اور شریعتِ محمدیہ کے مخالف مشہور ہیں، ایک ان میں سے پیر طیّب نامی ہے جو خلجی افغانوں سے تعلق رکھتا ہے دوسرے کو پیر ولی کہتے ہیں جو برطیچی افغانوں میں سے ہے، ان دونوں کی وجہ سے لوگ شریعت محمدیہ سے روگردانی

اختیار کر رہے ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گانا بجانا سنتے ہیں، اور اس کو مباح جانتے ہیں۔ عورتوں، مردوں، چھوٹوں اور بڑوں کو اپنے گرد جمع کرتے ہیں اور ان سے واہی باتیں جو حدودِ شریعت سے باہر ہیں، کہتے ہیں، یہاں تک کہ پیر ولی اپنے آپ کو خدا کہتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ اس علاقے کی طرف توجہ کریں، تاکہ وہاں کے لوگ کفر و ضلالت سے نجات پائیں۔ میں نے اس علاقے کی گمراہیوں کو سن کر اس علاقے کی طرف توجہ کرنا اپنا فرض سمجھا۔

سُدم میں تشریف آوری: دوآبے سے روانہ ہو کر میں علاقہء یوسف زئی کے موضع سدم میں مقیم ہوا۔ افغانوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ کوئی نئی آواز سنتے ہیں، اور کوئی نیا عالم یا شیخ یا صالح و عابد ان کے درمیان آتا ہے تو اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، اور جماعتوں کی جماعتیں اس کی زیارت کے لیے آتی ہیں تاکہ اس کی باتیں سنیں، کیونکہ افغانوں کو صرف باتیں سننے اور جمع ہونے سے دلچسپی ہے، اور عمل کرنے سے ان کا تعلق نہیں۔ اپنے غلبہء جہل کی وجہ سے وہ اہلِ حق اور اہل باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے اور نہ انہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نیا آنے والا اہلِ حق سے ہے یا اہل باطل سے، مگر ان میں بعض دانا اور عقلمند ایسے بھی ہیں کہ اہلِ حق کو اہلِ باطل سے پہچان لیتے ہیں۔ چنانچہ جب میں ان کے علاقے میں پہنچا، تو اطراف و جوانب سے لوگ جوق در جوق میرے گرد جمع ہونے لگے، اور وعظ و نصیحت سننے لگے۔ میں ان کے سامنے اہل ھوا و بدعت کی برائیوں کو ظاہر کر کے ان سے دور رہنے اور شریعت پر عمل کرنے کی ان کو تلقین کرتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ طالبِ دین اور حق کے متلاشی تھے، میری تقریروں نے ان کے دلوں پر اثر کیا، اور وہ اہلِ ہوا و بدعت سے مجتنب اور محترز ہو گئے۔

دونوں پیروں سے مقابلہ: پھر مجھے خیال ہوا کہ ان دونوں سرکش پیروں سے مل کر مذہب سنت و جماعت کے حق ہونے میں اور اہل ہوا و بدعت کی تردید میں گفتگو کرنی چاہیے، تاکہ عوام واقف ہو جائیں کہ یہ دونوں کے دونوں باطل پر ہیں۔ لیکن پیر طیب نے، جو نواحِ ہندوستان کا رہنے والا تھا، جب میرے آنے کی خبر سنی تو بھاگ کر ہزارہ چلا گیا، اور پیر ولی نے بھی ملنے سے گریز کیا، اور اس طرح وہاں کے عوام و خواص نے محسوس کیا کہ یہ دنوں باطل پر ہیں۔

ازدواج: پھر وہاں کے لوگوں نے مجھ سے نہایت الحاح وزاری سے خواہش کی کہ ایک سال میں ان کے حدود میں سکونت اختیار کروں، تا کہ عوام پیر طیب کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے گمراہ نہ ہوں۔ عوام کے اصرار پر میں اس پر راضی ہو گیا۔ افغانوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی عالم یا صالح جو ان کے قوم اور قبیلے سے نہ ہو، ان میں آجاتا ہے، تو اس قبیلے یا قوم کا سردار اپنی بہن یا لڑکی مہر موجل کے ساتھ اس کے نکاح میں لاتا ہے، تا کہ اس طرح سے وہ شخص ان کے شہر میں رہے، اور وہ اس سے استفادہ کرتے رہیں، اس بنا پر ملک دولت ملی زئی نے جو قبیلہء بارک زئی سے تھا، اپنی بہن بی بی مریم سے میرا نکاح کر دیا، اگرچہ میں نکاح کے علائق میں پڑنا نہ چاہتا تھا، لیکن کسی مسلمان کے دل کو رنجیدہ کرنا، مجھے مروت کے خلاف معلوم ہوا، اور میں نے شادی کر لی۔ اس وقت میں سمجھا کہ میرے پیر کا اشارہ اسی کوہستان کی طرف تھا، یہیں میرے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

والدین کی خدمت میں حاضری اور علاقہ یوسف زئی میں سکونت: کچھ زمانے کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے۔ میں اپنے وطن قندس پہنچا، لیکن میرے والد انتقال فرما چکے تھے، اور میری والدہ حیات تھیں۔ ان کی زیارت سے مشرف ہوا، اور میں نے ان سے اپنی شادی کا حال بیان کیا۔ میں نے چند دن وہاں قیام کیا۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو میری والدہ نے مجھے از راہ شفقت بہت سا سامان دے کر کہا کہ اے بیٹے! اگر ممکن ہو تو اپنی بیوی بچوں کو بھی لانا، ورنہ میں نے تمہیں حقِ مادری بخش دیا تم وہیں رہنا۔ اس کے بعد میں اپنی والدہء محترمہ کے حکم کے مطابق مستقل طور پر علاقہ یوسف زئی میں مقیم ہو گیا۔

پاجا کلے (بونیر) میں قیام: صاحب یوسف زئے پٹھان کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت سید علی ترمذی پاجا کلے (بونیر[1]) میں مقیم ہو گئے، اور یہیں وہ "پیر بابا" کے نام سے مشہور ہوئے، یہاں ان کے مریدوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اور انہوں نے لنگر جاری کیا۔

---

[1] علاقہء بونیر سرحد پاکستان پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں کوہستان سوات ہے، مغرب میں علاقہء سوات اور سمہ رانی زئی، جنوب میں چند دوسرے قبائل، اور مشرق میں اس کی سرحدیں ضلع ہزارہ سے جا ملتی ہیں۔ بدھ مت کے دور حکومت میں بونیر کی بہت سی آبادیاں یاترا کے لیے مشہور تھیں۔ (یوسف زئی پٹھان ص ۴۲۱)

وفات: اور اسی جگہ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں آپ نے وفات پائی، اور یہیں آپ کا مزار پرانوار آج بھی مرجع خاص وعام ہے۔ یہ مزار درہ کڑاکڑ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر ایک ندی کے کنارے واقع ہے جو بونیر اور سوات میں حدِ فاصل کا کام دیتی ہے۔ مزار کے شمال کی طرف ایک اور درہ ہے، جس سے گزر کر زائرین بہ آسانی سوات کے دارالسلطنت سیدو شریف تک جا پہنچتے ہیں۔ اس مزار کا محلِ وقوع بہت خوب صورت ہے۔اس کی پشت پر ایلم اور دوسرا کی پہاڑی چوٹیاں اس کی خوبصورتی کو اور بھی چار چاند لگا رہی ہیں۔

اولاد: آپ کے دو صاحبزادے سید عبداللہ اور سید قاسم اور تین صاحبزادیاں سیدہ رحیمہ، سیدہ کریمہ، اور سیدہ زینبہ بیان کی جاتی ہیں [1]۔

حضرت سید علی ترمذی کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور خاندان کو بھی روحانی اور سیاسی اقتدار حاصل رہا، اور سوات کے دورِ جدید میں انھیں کی اولاد سے سید اکبر شاہ اور سید عبدالجبار کو سوات کا بادشاہ منتخب کیا گیا تھا۔

خلفاء: حضرت سید علی ترمذی کے خلفاء میں حضرت اخوند درویزا نے غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل کی۔

(ماخوذ از "تذکرۃ الأبرار والأشرار")

○

[1] حضرت سید علی کے بونیر کے قیام، وفات اور اولاد کی تفصیل یوسف زئے پٹھان، ص ۲۷۶ و ۲۷۷ سے ماخوذ ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ

م ۱۰۲۴ھ

حضرت شاہ ابو المعالی قادریؒ، شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی[1] کے برادرزادے، داماد اور خلیفہ تھے۔ قادریہ سلسلہ کی نشرواشاعت کے لیے انہوں نے مسلسل اور انتھک کوششیں کی تھیں۔ ارشاد وتلقین میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ جن میں تحفہ قادریہ، نغمات داؤدی، مونس جاں، زعفران زار، گلدستۂ باغ ارم وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ''غربتی'' تخلص تھا۔ ملّا عبدالقادر ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''درچابک روئی یگانہ زمانہ ودرحالات ومقامات فقروفنا نشانہ، اگرذکر موافقاں رود نام اواوفق، اگر نام سابقاں درمیان آید ذکراواسبق''۔[2]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ شرح فتوح الغیب کے خاتمہ پر اُن کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

''اسدالدین شاہ ابولمعالی کہ شیر بیشۂ جلالت وسرہنگ دیوان قدرت و از و الہاں آگاہ وعاشقان درگاہ قادریہ است''۔[3]

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۱-۲۰۲

[2] منتخب التواریخ جلد سوم۔ ص ۱۰۲

[3] شرح فتوح الغیب۔ ص ۴۲۱

اخبار الاخیار میں شیخ داؤد کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''اکنوں جانشین شیخ داؤد شیخ ابو المعالی است کہ بغایت مناسبت عالی وقدر متعالی دارد و ریاضت ومجاہدہ میکشد وقبولی تمام یافتہ وحسن مقال وضمیہ صحت حال ساختہ مناقب حضرت غوث الثقلین رادر لباس عبارت فارسی درآوردہ''[1]۔

شیخ محدثؒ ان سے اپنا ''احوال دروں'' بیان فرمایا کرتے تھے اور ان کی روحانی رہنمائی اور دعاؤں کے ملتجی رہتے تھے۔ایک خط میں انہوں نے نہایت تفصیل سے اپنی قلبی کیفیات کو بیان کیا ہے۔''نفس بد کیش'' نے ان کو دھوکا دیا کہ'' تو آہن سردمی کوبی و ترادریں راہ نصیبے نیست ''اور ترغیب دی کہ عوام کی راہ اختیار کر کہ اس میں بے شمار فوائد ہیں۔اس طرح ان کے اندر ایک عجیب ذہنی اور قلبی کشمکش پیدا ہو گئی۔جب قلق واضطراب نے کرب وبے چینی کی صورت اختیار کر لی تو اُنہوں نے شاہ صاحبؒ سے رجوع کیا اور امداد کی التجا ان الفاظ میں کی:

''بالجملہ اندوہ وتنگ دلی از حد گذشتہ وقت امداد و اعانت است ،فریادرسی می باید کرد ورائے اغاثہ کبریٰ کہ منتہی بجناب حضرت غوث الاعظم است می باید پوشید وذرع داودی در بر کرد ودر قالب حقیقت عظمیٰ غوثیہ درآمد وتصرف کرد و توجہ بارواح مقدسہ مشائخ سلسلہ نمودہ و استکشاف حال کرد وخبرے گرفت واعلام نمود تادل بمرکز قرار آید:

دل می رود زدستم صاحبدلاں خدارا　　　دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا''[2]

خط کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شیخ محدثؒ سخت قسم کی قلبی تکلیف میں مبتلا تھے۔اور انہیں شاہ ابوالمعالیؒ کے علاوہ کوئی دوسرا بزرگ نظر نہ آتا تھا جس سے رہنمائی اور امداد کے خواہاں ہوں۔

اسی مکتوب کے آخر میں نہایت غمگین لہجہ میں یہ شعر لکھا ہے:

فریاد دل غم زدہ را گر نکنی گوش　　　پس پیش کہ از دست تو فریاد تواں کرد[3]

---

[1] اخبار الاخیار۔ص ۲۰۲

[2] کتاب المکاتیب۔ص ۲۲۷

[3] کتاب المکاتیب۔ص ۲۲۷

شیخ محدثؒ ان کی روحانی صلاحیتوں کے دل سے قائل تھے۔ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ایسا سنگ دل کون ہوسکتا ہے جو اُن کی صحبت کے اثر سے نرم نہ ہوجائے۔ پھر فرماتے ہیں:

"ذوق صحبت ایشاں ورنگ حال ایشاں کہ درظاہر وباطن فقیر نشستہ است بتقریر گنجائش بیان ندارد"[1]

شیخ محدث نے ان کو اپنا روحانی رہبر بنا لیا تھا۔ایک مرتبہ کچھ اہم باتیں دریافت کرنے کے لیے شیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب مشکلات حل کرنے کے بعد کہا اگر تو نے افشائے راز کیا تو

"ترا رسوائے مرد وزن سازیم"

اس کے بعد لاہور میں کچھ عرصہ کے لیے مقید کردیا[2]۔اس قید سے شاہ ابوالمعالی کا مقصد اُن کی روحانی تربیت تھی۔ یہ ۱۰۲۵ھ سے قبل کا واقعہ ہے[3]۔

شاہ ابوالمعالیؒ نے شیخ محدثؒ کو بہت سے مشورے دیے تھے جن پر وہ تمام عمر عامل رہے اور جن کی وجہ سے ان کے علمی کاموں میں بڑی سہولت پیدا ہوگئی تھی۔ مثلاً فرمایا کہ

"بگفتگوئے خلق وملامت ایشاں گوش نہ نہند ودر کار خود بجد باشید[4] "

شیخ محدثؒ کے تصنیفی کارناموں میں بھی ایک حد تک شاہ ابوالمعالیؒ کے مشورہ اور اصرار کو دخل تھا کہ فتوح الغیب کی شرح انہی کے اصرار پر لکھی گئی تھی[5]۔ مشکوٰۃ کی شرح کے سلسلہ میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جلد اس کو مکمل کرلو۔

"ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند[6] "

---

1 یضاً۔ص ۳۰۵

2 یضاً۔ص ۳۰۲

3 سی خط میں شیخ لکھتے ہیں کہ شاہ ابوالمعالی نے مشکوٰۃ کی شرح مکمل کرنے کا اصرار کیا تھا۔ شرح مشکوٰۃ (۱۰۲۵ھ-۱۶۱۶ء) میں مکمل ہوئی۔

4 کتاب المکاتیب۔ص ۳۰۳

5 شرح فتوح الغیب۔ص ۴۲۱

6 کتاب المکاتیب۔ص ۳۰۶

اس کے بعد مشورہ دیا تھا کہ شرح میں جا بجا اشعار درج کیے جائیں تا کہ انداز بیان دلچسپ اور موثر ہو جائے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے شیخ محدثؒ کو ہدایت کی تھی کہ وہ دہلی سے باہر قدم نہ نکالیں وہیں گوشہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے اپنا کام کریں۔ایک مرتبہ شیخ محدثؒ شاہ صاحب سے ملنے کے لیے لاہور چلے گئے تو ان کو اس سے بھی ناگواری ہوئی اور فرمایا:

"اکنوں بدہلی بروید کہ دہلی در فراق شما بزبان حال می نالد، بروید، بروید"[1]

ایک مرتبہ شاہ ابوالمعالی کی علالت کی خبر سُن کر شیخ محدثؒ نے عیادت کے لیے لاہور جانے کا ارادہ کیا لیکن جب شاہ صاحب کی تنبیہ کا خیال آیا تو مجبور ہو کر بیٹھ رہے اور اس مضمون کا ایک عریضہ ارسال خدمت کیا:

"قضیہ شوق و محبت و مقتضائے عرف وعادت آں بود کہ بہ شنیدن ایں حال بیتابانہ بہ ملازمت می رسید کہ امروز دوستی برائے خود کہ خیر دنیاوآخرت خواہد جزذات شریف ایشاں رانمی داند، دل وجان فدائے ایں محبت بلکہ ہر جا کہ نشانے از محبت است باداماچوں رضاء ایشاں بخلاف ایں حال متعلق شدہ است جرأت نہ توانست۔[2]
"

جب صحت کی اطلاع ملتی ہے تو لکھتے ہیں:

"حق جل وعلا سایۂ عنایت و محبت ایشاں را برفقرائے ایں سلسلہ پائندہ دارد کہ وسیلہ حل بسے از مشکلات، و سبب آسانی دشواریہاست۔[3] "

ماخوذ از "حیات شیخ عبدالحق محدّث دہلوی"

○

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۰۳

[2] ایضاً۔ ص ۲۲۳۔۲۲۴

[3] یضاً۔ ص ۲۲۳

پروفیسر خلیق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد موسیٰ گیلانی شہید رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۰۰۱ھ

حضرت موسیٰ گیلانیؒ قادریہ سلسلہ کے مشہور ومعروف بزرگ مخدوم سید حامد المعروف بہ حامد گنج بخشؒ (المتوفی ۹۷۸ھ-۱۵۷۰ء) کے فرزند ارجمند اور خلیفہ راستین تھے۔ مخدوم سید حامدؒ کے متعلق شیخ محدثؒ کا بیان ہے:۔

''مخدوم شیخ حامد بن شیخ عبد الرزاق بن شیخ عبدالقادر الحسنی الجیلانی صاحب سجادہ برحق وخلیفہ مطلق حضرت غوث الثقلین بود، بزرگ وعالیشان ورفیع المکان مظہر کبریا وجلال وصاحب تصرف وکرامت وعظمت وابہت وجلالت ہمتے بس عالی داشت ومقامے بس بلند ازمتاع دنیاوی از ہر قسم کہ تصور کنند قسطے وافر اورا حاصل بود ولیکن ہر گز مالک نصاب نامی کہ شرط وجوب زکوۃ باشد نشدہ وے مرید جد خودست شیخ عبدالقادر ثانی قبولے عظیم	شیخ حامد بن شیخ عبدالزاق بن سید عبدالقادر الحسنی الجیلانی صاحب سجادہ برحق اور خلیفہ مطلق حضرت غوث الثقلین کے تھے بزرگ عالیشان ورفیع المکان مظہر کبریا وجلال صاحب تصرف وکرامت وعظمت وابہت وجلالت تھے۔ ہمت ان کی بہت عالی اور مقام بہت بلند تھا دنیا کے اسباب میں سے کل چیزیں ان کے پاس موجود تھیں لیکن کبھی نصاب کے جس سے زکوۃ واجب ہو مالک نہ تھے اور مرید اپنے دادا کے ہیں۔ شیخ عبدالقادر ثانی نے اپنے زمانہ

داشت و در زمان خود کوس بزرگی و مشخیت و خلافت میں نقارہ بزرگی و مشیخت اس سلسلہ کا خوب بجایا
ایں سلسلہ علیہ میزد..... شیخ حامد اور خلقت میں قبول عظیم رکھتے تھے جو شیخ حامد نے
در حالت حیاتِ خود امر خلافت و سجادہ نشینی اپنی حیات ہی میں اپنے صاحبزادہ کو امر خلافت
را بولد شریف خود سپرد (یعنی شیخ موسیٰ)"[1] وسجادہ نشینی سپرد کر دیا تھا۔

شیخ حامد کے وصال کے بعد ان کے بیٹوں شیخ موسی اور شیخ عبد القادر میں سجادہ نشینی کے مسئلہ پر جھگڑا شروع ہوا۔اور عرصہ تک چلتا رہا[2]۔ شیخ موسی ،اوچہ چھوڑ کر دربار میں آگئے اور یہاں اکبر نے اُن کو پانسو کا منصب دیا۔[3]

شیخ موسیٰؒ اتباع شریعت وسنت میں مشہور تھے۔لکھا ہے :۔

"در خلق و خلق وارث حضرت نبوی است ﷺ"[4]

ملّا بدایونی کا بیان ہے کہ مذہبی معاملات میں وہ بادشاہ کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔اگر وہ بادشاہ کے حضور میں ہوتے اور نماز کا وقت ہو جاتا تو دیوان خانہ میں خود اذان دے کر نماز باجماعت شروع کر دیتے تھے ،اور کسی کو ان کے روکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔لکھا ہے:

در حضور بادشاہ درعین دیوان خانہ خاص وعام اگر وقت نماز می رسید خود اذان گفتہ نماز بحضور ﷺ خلیفہ وقت بجماعت میگذارد، وہیچکس چیزے نمی توانست گفت"[5]

شیخ موسیٰؒ قادریہ سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ شیخ محدث کا بیان ہے:۔

"وے دریں سلسلہ علیہ عالیہ (یعنی سلسلہ قادریہ) مطلع انوار ومہبط اسرار تجلی بود وجمال صورت و معنی داشت"[6]

---

[1] اخبار الاخیار۔ص ۲۰۰۔اردو ترجمہ ص ۲۹۵-۲۹۶

[2] "درمیان شیخ عبد القادر و شیخ موسی برادر خوردش سالہائے دراز بر سر سجادۂ مشیخت مناقشہ افتاد" منتخب التواریخ۔جلد سوم ص ۹۱۔

[3] منتخب التواریخ ۔جلد دوم ص ۴۰۴

[4] اخبار الاخیار۔ص ۲۰۱

[5] منتخب التواریخ ۔جلد سوم ص ۹۲

[6] رسالہ وصیت (قلمی)

شیخ موسی کی صحبت میں بڑی کشش تھی۔جو ان کے پاس پہنچ جاتا تھا اُن ہی کا ہوجاتا تھا۔شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔

كانت في عيني موسى ملاحة من رآه أحبّه [1]

موسیٰ کی آنکھوں میں نمکینی تھی جوان کو دیکھتا تھا ان سے محبت کرتا تھا

شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار میں دو بزرگوں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ موسیٰؒ کے تذکرہ میں انشا پردازی کا پورا زور صرف کردیا ہے اس کا ایک ایک حرف عقیدت و ارادت میں ڈوبا ہوا ہے۔ شیخ موسیٰ کا تعارف اس طرح کرانے کے بعد_____

کسیکہ قدم برقدم مصطفےٰ بود..........سعادت آں سر است کہ پائمال او گردد"[2]

فرماتے ہیں____

"دیگراں قطب اند او قطب الاقطاب است و اگر ایشاں سلاطین او سلطان السلاطین محی الدین کہ دین اسلام زندہ گردانید"[3]

یہ دونوں جملے شیخ محدثؒ کی اپنے پیرومرشد سے عقیدت کی وجہ پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔شیخ موسی (۱) قدم بر قدم مصطفےٰ بود (۲) دین اسلام زندہ گردانید۔خود شیخ محدثؒ کی زندگی ان ہی دو جملوں کی تفسیر ہے۔

آگے چل کر شیخ محدثؒ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں:

برسر من عیسیٰ نفسے را فرستاد کہ ہر نفس او مائدہ	میرے واسطے ایک عیسیٰ نفس کو بھیجا جن کا ہر
بود از آسمان معرفت نازل و باعث عید و سرور	سانس آسمان سے نازل ہونے والا مائدہ تھا
او اخر و اوائل موسی مقامے کہ جمال	اور اگلے پچھلوں کے واسطے عید و سرور، موسی
او ناریست از شجر وحدت طالع و نورے	مقام جن کا جمال شجر وحدت کی نار اور حقیقت
از جانب حقیقت طور لامع خلیل کہ	کا نور ہے، خلیل خلت جن کا رخسار زیبا
رخسارہ زیبا ئش گلزار بوستان خلت و	گلزار بوستاں خلت اور گلستان دین وملت ہے

---

[1] خبار الاخیار۔ص ۲۰۱

[2] ایضاً ص ۳۰۴

[3] یضاً۔ص ۳۰۴

گل گلستان دین وملت ست، مصطفیٰ	مصطفیٰ جمال کہ جن کا دہان نمکداں خوان انا
جمالے کہ دہانش نمک داں خوان انا الملح	الملح اور جنکی زبان تبیان قرآن انا افصح
وزبانش تبیان قرآن انا افصح ست مرتضیٰ	ہے۔ مرتضیٰ کمال جن کا دل مدینہ علم وفتوح ہے
کمالے کہ دلش باب مدینہ علم وفتوح وبر	اور ان کے ضمیر دل پر ابواب
ضمیرش ابواب اسرار وکشف مفتوح،	اسرار وکشف مفتوح ہیں حسن سیرت
حسن سیرتے وارث مرتبہ وانک لعلی خلق عظیم	وارث انک لعلی خلق عظیمہ ونائب
ونائب منصب بالمؤمنین	منصبہٗ بالمؤمنین رؤف رحیم
رؤف رحیم حسین سریرتے کہ مصدق	حسین سریرتے جن کے مصداق آیت تطہیر
ویطہرکم تطہیر آمد ومصداق الا المودۃ	ہے اور مصداق الا المودۃ فی القربیٰ زین العابدین والامام
فی القربیٰ شد زین العابدین وامام الصادقین	الصادقین السید النقی
السید النقی التقی والعلوی العلی الہدی	التقی والعلوی والعلی الہدی سمی کلیم اللہ
سمّی کلیم اللہ ومحبوب حبیب اللہ	ومحبوب حبیب اللہ۔

رُباعی

احمد خوئے کہ عالم بندہ اوست یوسف روئے کہ ماہ شرمندہ اوست
عیسیٰ نفسے کہ جان ودل زندہ اوست موسیٰ کہ لقائے دوست خواہندہ اوست

جب تعریف کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو بے اختیار پُکار اٹھتے ہیں:

حقا بیان شوق بپایاں نمی رسد کوتاہ ساز قصّہ دور ودراز را

شیخ محدث ؒ ۶ شوال ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) کو حضرت سید موسیٰ گیلانی کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے۔ شیخ نے ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کو خلافت سے بھی نوازا خود فرماتے ہیں:

"غایت محبت بمن داشت، ومرا بفرزندی قبول کرد، وتلقین نمود وخلافت داد"

ماخوذ از "حیات شیخ عبد الحق محدّث دہلوی"

○

سیدنفیس الحسینی

حضرت خواجہ خاوند محمود رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۰۵۲ھ

حضرت خواجہ قطب الارشاد، جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کا مرتبہ عالی تھا۔

آپ کا نسب شریف خواجہ علاؤ الدین عطارؒ سے ملتا ہے جو شاہ بہاء الدین نقشبندؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام میر سیّد شریف بن خواجہ ضیا بن خواجہ میر محمد بن تاج الدین حسین بن خواجہ علاء الدین عطار ہے۔ اور یہ خوارزم کے سادات عظام سے تھے۔

خواجہ خاوند محمود اگرچہ بظاہر مرید خواجہ ابواسحاق سفید نقشبندی کے تھے مگر علاوہ ازیں خواجہ شاہ بہاء الدین نقشبندؒ سے نسبتِ اویسیہ رکھتے تھے۔

منکرِ اولیاء اللہ کی سزا: حضرت ایشاں کو بیس سال کے سن میں ذوق وشوق الہی دامنگیر ہوا۔ بخارا سے دخش آئے ایک دن باقی بیگ حاکمِ دخش کی مجلس میں جانا ہوا۔ وہ سخت مزاج تھا۔ اُس نے خواجہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ لوگ جو خواجہ زادہ کہلاتے ہیں فی الحقیقت خلقت کو گمراہ کرتے ہیں۔ ناک کان کاٹ کر ان کی تشہیر کرنا چاہیے۔ میں باقی بیگ نہیں اگر یہ کام نہ کروں۔ یہ بات سُن کر حضرت ایشاں نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ایک دن تیرے ناک کان کاٹے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ایک سبب پیدا کردیا اور وہ یہ کہ عبداللہ خاں شاہ بخارا کا میر شکار اپنے شکاری جانور لے کر دخش آیا۔ اُس سے کوئی خطا ہوئی (جو معلوم نہیں ہوسکی —نامی) باقی بیگ نے اسے پٹوایا۔ اور دخش سے نکال دیا۔ اُس

نے بادشاہ کے خاص باز کو راہ میں مار ڈالا اور بادشاہ (عبداللہ خان) کے پاس فریاد کرتا ہُوا پہنچا کہ باقی بیگ نے ناحق مجھے پٹوایا ہے اور غصے سے بادشاہی باز کو بھی مار ڈالا ہے۔ بادشاہ نے دو سپاہی بھیج کر باقی بیگ کو پکڑ بلایا اور حکم دیا کہ اس کے دونوں کان ناک سمیت کاٹ دیئے جائیں چنانچہ وہ قطع کر دئے گئے۔ اور یہ مُنکرِ اَولیا اپنی سزا کو پہنچا۔

سیاحت: جب عبداللہ خان شاہِ بخارا اور اس کا بیٹا عبدالمومن خان فوت ہوگئے اور ہمایوں بادشاہ ہوا۔ تو حضرت ایشانؒ اشارہ غیبی سے بخارا سے کابل آئے۔ یہاں کچھ عرصہ مقیم رہ کر کشمیر پہنچے اور جمیل خاں حاکم کشمیر کے ہاں منزل گزین ہوئے یہاں صدہا آدمیوں نے حاضر ہو کر بیعت کی۔ آپ بڑا عرصہ یہاں تشریف فرما رہے۔ چنانچہ آپ کی اولاد اور مرید ہزاروں کی تعداد میں کشمیر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد حضرت کشمیر سے لاہور تشریف لے آئے۔

دہلی اور اکبر آباد وغیرہ میں بھی قیام فرمایا اور جلال الدین اکبر، جہانگیر اور شاہجہان بادشاہ آپ کو بڑا احترام سے ملے تھے۔

کرامتِ باراں: ایک دفعہ حضرت ایشاں کشمیر سے دوستاق کی طرف تشریف لے گئے۔ گرمی کا موسم تھا اور ماہِ رمضان ہمراہیوں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ پیاس سے جان لبوں پر آگئی۔ چلنے کی طاقت نہ رہی۔ آخر آپ سے التجا کی کہ بارش کے لئے دعا فرمائیں آپ نے منہ آسمان کی طرف کر کے ہونٹوں کو حرکت دی۔ اسی وقت بادل نمودار ہوا۔ تقاطر شروع ہوا ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ سورج ڈوبنے تک ابر محیطِ آسمان رہا۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھی منزل پر بہ آرام پہنچ گئے۔

کتاب رضوانی میں لکھا ہے کہ جب حضرت ایشانؒ کی وفات کے دن آئے تو آپ نے پندرہ دن پہلے عصر کی نماز کے بعد اپنے مرید نواب افتخار خان عالی جاہ کو فرمایا کہ میں پندرہ دن بعد دارالبقا کی طرف رحلت کر جاؤں گا۔ سولھواں دن پہنچا تو بروز سہ شنبہ (منگل) نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد چند بار مولانا جامیؒ کا یہ شعر پڑھا۔

الٰہی غنچہ اُمید بکشا! گلے از روضہ جاوید بنما

وفات خواجہ: پھر عشاء سے پہلے سجدہ میں سر رکھا اور جانِ عزیز جان آفرین کو سونپ دی۔ جب غسل کے لئے نعش مبارک کو صندلین تختے پر لٹایا تو قضا کار تہ بند کا پیچ ڈھیلا پڑ گیا اور قریب تھا کہ کھل جائے۔ نہلانے والا اس بات سے غافل تھا کہ خواجہ نے دونوں ہاتھ ملا کر پیچ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور بے ستر نہ ہونے دیا اس موقع پر شاہجہان بادشاہ کی طرف سے جو لاہور میں موجود تھا۔ میراں سیّد جلال الدین صدر الصدور تجہیز و تکفین خواجہ کے لئے حاضر تھے۔ انہوں نے لحد میں نعش کو لٹانے کے بعد جب روئے مبارک سے پردہء کفن زیارت کے لئے اٹھایا تو دیکھا کہ مبارک ہونٹ ہلتے ہیں۔

تاریخ وفات: آپ ۱۲ شعبان ۱۰۵۲ھ (مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۶۴۲ء) کو واصل بحق ہوئے۔ مزار پرانوار حضرت ایشانؒ لاہور سے مشرق جانب شالامار باغ کے متصل واقع ہے۔

خلفاء حضرت ایشاں: آپ کے سولہ خلفاء ہوئے۔ جو بعد تربیت و تکمیل مختلف اقالیم دور دراز پر ہدایت خلق کے لئے حسب الارشاد مامور ہوئے۔ (اول) فرزند خواجہ احمد (دوم) خواجہ عبدالرحیم نقشبند جو خواجہ حسن عطار بن علاء الدین عطار کی اولاد سے تھے (سوم) خواجہ سید یحیی جو شاہ شجاع کرمانی کی اولاد سے تھے (چہارم) خواجہ محمد امین وحیدی (پنجم) خواجہ عبدالعزیز وحیدی (ششم) خواجہ ترسون المشہور بہ خواجہ باقی (ہفتم) خواجہ شادمان کابلی (ہشتم) مرزا ہاشم برادر خواجہ دیوانہ بلخی جو سبحان قلی خان بادشاہ بلخ کے پیر تھے (نہم) خواجہ لطیف درخشی (دہم) مرزا ابراہیم برادر میر نعمان جو شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ کے اعاظم خلفاء سے تھے (یازدہم) خواجہ باندی کشمیری (دوازدہم) خواجہ حاجی طوسی۔ (سیزدہم) حاجی ضیاء الدین (چہاردہم) خواجہ ابوالحسن سمرقندی (پانزدہم) مولانا پائندہ حارثی (شانزدہم) خواجہ معین الدین فرزند دلبند حضرت ایشاں مولف کتاب رضوانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

مولانا سیّد زوّار حسین شاہؒ

حضرت سیّد آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۰۵۳ھ

شیخ عارف ولیِ کبیر حضرت آدم بن اسمعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن الحسین حسینی کاظمی بنوری ساداتِ صحیح النسب سے تھے[1]۔ آپ کا اصلی وطن روم ہے آپ کے بزرگ کسی وجہ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان آئے اور قصبہ بنور (مضافاتِ سرہند) میں سکونت اختیار کرلی تھی[2]۔

حضرت شیخ آدم بنوریؒ فرماتے تھے کہ میرے والد ایک شب خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر کوئی چیز میرے والد ماجد کو عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کو کھالو، چنانچہ انہوں نے کھالی۔ بعد ازاں میری والدہ حاملہ ہوئیں اور میں پیدا ہوا، اب مجھ کو بتایا گیا ہے کہ وہ عطیہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا وجود تھا[3]۔

نقل ہے کہ آپ ابتداء میں شاہی لشکر میں ملازم ہوئے۔ لشکر کشی کے دوران اتفاقاً شاہی لشکر کافروں کے ایک گاؤں پر حملہ آور ہوا آپ بھی اس لشکر میں شامل تھے، وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کردیا گیا، آپ ان کی عبادت گاہ گئے اور اسے مسمار کرنا چاہا تو دیکھا کہ وہاں بُت کے سامنے ایک شخص پرستش

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۔

[2] سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانیؒ تالیف مولانا سید زوار حسین شاہ ص ۱۱۳۔

[3] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۴ و حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۲۸۔

میں مشغول ہے اور ایسا مستغرق ہے کہ اسے قتل کا کوئی خوف وہراس نہیں، آپ نے اس کے سامنے ہو کر اسے تلوار دکھائی اور کہا یا تو مسلمان ہوجاور نہ ابھی سر اڑا دوں گا۔ اس نے آپ کی بات کی ذرا پروا نہ کی حتی کہ قتل ہو گیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر آپ نے شاہی ملازمت ترک کر دی اور فقراء کی خدمت اختیار کرلی، اس زمانے کے بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا لیکن کسی سے باطنی کشائش نصیب نہ ہوئی حتی کہ ایک روز آپ نے ایک گوشہ نشین فقیر سے دریافت کیا کہ "میں کوشش تو بہت کرتا ہوں لیکن حاصل کچھ نہیں ہوتا اس کا کیا سبب ہے؟" اس نے کہا تمہارا حصہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ہے جو اس وقت تمام اولیاء امت سے افضل ہیں ان سے تم کو کشائش باطنی حاصل ہو گی اور انہی کی توجہ سے بہت سی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آپ نے یہ خوشخبری سن کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بارگاہ کا رخ کیا۔ اثناء راہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے خلیفہ حاجی خضر خان افغان سے ملتان میں ملاقات ہو گئی۔ آپ کو چونکہ باطنی سلوک حاصل کرنے کا غایت درجہ شوق تھا اس لئے انھیں سے طریقہ عالیہ کے خواستگار ہوئے اور کچھ مدت حاجی خضر خان افغان کی خدمت میں رہ کر مقامات عالیہ سے مشرف ہوئے۔ چونکہ آپ کی استعداد کہیں زیادہ تھی اس لئے حاجی صاحب سے پوری طرح تسکین نہ ہوئی تو حاجی صاحب نے آپ کو ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں اجمیر بھیج دیا کیونکہ ان دنوں حضرتؒ اجمیر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے آپ کو قبول کیا اور توجہ و نسبت خاصہ کے القا سے مشرف فرمایا جس سے شیخ کو پوری طرح تسکین و تشفی ہو گئی اور اس طریقہ کی فنا و بقا سے مشرف ہو گئے[1]۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے خلاصۃ المعارف کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو شیخ طاہر لاہوری سے بھی جذباتِ ربانیہ کا کچھ حصہ حاصل ہوا[2]۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت آدم بنوری علیہ الرحمہ نے اپنے کچھ بلند حالات حاجی خضر خانؒ سے بیان کئے تو انھوں نے فرمایا مجھ کو اس سے زیادہ حاصل نہیں ہے اس لئے اب تم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں جاؤ۔ چنانچہ آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے حالات بیان کئے تو حضرت نے فرمایا یہ ابتدائی حالات ہیں ابھی کمال حاصل نہیں ہوا۔ یہ سن کر آپ نے اپنے دل میں خیال

---

[1] روضۃ القیومیہ ص ۲۱۴۔

[2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۔

کیا کہ حضرت نے میرا شوق بڑھانے کے لئے ایسا فرمایا ہے۔ ورنہ اس سے زیادہ کمالات اور کیا ہو سکتے ہیں، مگر چونکہ عقیدت پختہ تھی اس لئے حضرت کی خدمت اختیار کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ واقعی گزشتہ احوال موجودہ حالات کی نسبت سے ابتدائی بھی نہ تھے۔ پھر چند ماہ بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر ارشاد کی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے وطن بنور جانے کی اجازت دی[1]۔

شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ محض اُمّی تھے، فیضِ روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علومِ ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی، اتباعِ سنت و دفعِ بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا۔ ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا رسیدہ کیا۔ آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، آپ کے خلفا کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے[2]۔ نزہۃ الخواطر[3] میں آپ کے خلفا کی تعداد ایک ہزار اور مریدین کی تعداد چار لاکھ درج ہے۔

''نکات الاسرار'' میں شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شیخ (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی آخری توجہ ہمارے ہزار سالہ سلوک سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے، اسی نے ہمیں قربِ پروردگار کے انتہائی مقامات پر پہنچایا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے فرمایا کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا شکر واجب ہے کہ تو ان کمالات کو پہنچ گیا، آجکل شاذو نادر ہی کوئی ایسے مقامات پر پہنچتا ہے۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی توجہ کی برکت سے ہے۔ اجمیر میں حضرت نے مجھے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت سے سرفراز فرمایا اور اجمیر ہی میں حقیقتِ قرآن کی بھی خوشخبری عنایت فرمائی، سرہند شریف میں خلافت سے مشرف فرمایا بعد ازاں حضرتؒ کا وصال ہو گیا اور ہم مہجوروں کو داغِ مفارقت دے گئے[4]۔

شیخ آدم بنوریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرتؒ کے مزارِ فائض الانوار پر دو سال تک رہا، بعد ازاں آنجناب

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۵ وحالات مشائخ نقشبندیہ ص ۲۳۹۔

[2] تذکرہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ص ۳۲۳۔

[3] ص ۲ ج ۵۔

[4] روضۃ القیومیۃ ص ۲۱۵

نے ظاہر ہو کر رخصت فرمایا اور جو میرا مقصود تھا پورا ہوا جس قسم کا باطنی افادہ بحالتِ زندگی حضرت سے ہوا کرتا تھا ویسا ہی آپ کے مزار سے ہوا[1]۔

ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے شیخ آدم بنوریؒ کو مخدوم زادوں کے لئے بہت سے تحفے دیکر سرہند شریف بھیجا اور احتیاطاً اپنے مرید دریاخاں کے سو سوار شیخ کے ہمراہ کر دیئے جب شیخ صاحب سرہند سے واپس آئے تو شیخ کی گرمی مجلس کا اثر اُن لوگوں پر ہوا گو وہ اسوقت تک مرید نہ تھے لیکن شیخ کی مجلس میں بالکل خاموش بیٹھتے اور بہت معتقد ہوگئے۔ اور دریاخاں سے شیخ کی بہت تعریف کی۔ چنانچہ دریاخاں بھی شیخ صاحب کا معتقد ہو گیا۔ پہلے پہل جو شیخ صاحب کے مرید ہوئے وہ وہی سو سوار تھے۔ شیخ صاحب زیادہ تر دریاخاں کے لشکر میں رہتے اور جو پٹھان اپنے وطن سے آتے وہ دریاخاں کے پاس ٹھیرتے اور چند دن بعد شیخ صاحب کے معتقد و مرید ہوجاتے۔ اس طرح شیخ صاحب کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی۔ پہلے شیخ کا نام آدم خاں تھا جب حضرتؒ نے خلافت عنایت فرمائی تو خاں کو حذف کرکے شیخ آدم مقرر فرمایا[2]۔

آپ کی مجلس میں کسی امیر کو کسی فقیر پر فضیلت حاصل نہ تھی، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا آپ کا خاص شیوہ تھا بالخصوص دنیاداروں کو ایسی سختی سے تنبیہ فرماتے کہ اس طرح کہنے کی کم لوگوں کو جرأت ہوتی ہے۔ اور آپ کی نصیحت بااثر ہوتی تھی سننے والا فوراً تائب ہوجاتا تھا[3]۔

تذکرۂ آدمیہ میں ہے کہ آپ نے ۱۰۵۲ھ میں لاہور کا سفر کیا تو آپ کے ساتھ دس ہزار مشائخ واکابر تھے[4]۔ اس وقت وہاں شاہجہاں بادشاہ بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ کہیں یہ لوگ فساد برپا نہ کردیں اس لئے سعد اللہ خاں وزیر کو آپ کے پاس حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا آپ نے وزیر کی جانب کچھ التفات نہ کیا اور اس نے جو بات کی اس کا بھی بہت لاپرواہی سے جواب دیا۔ اس پہ وزیر برا فروختہ ہو گیا اور بادشاہ کو ورغلایا۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا۔ آپ پہلے ہی حج بیت

---

[1] روضۃ القیومیۃ ص ۲۷۸۔

[2] ایضاً ص ۲۱۵۔

[3] حضرات القدس ص ۳۵۴۔

[4] نزھۃ الخواطر ص ۲ ج ۵۔

اللہ اور زیارت روضہء رسول اللہ ﷺ کے مشتاق تھے اس لئے آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ لاہور سے وطن ہوتے ہوئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حرم محترم میں اجازتِ اربعین حاصل کی۔ ان ممالک میں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی[1]۔

حالاتِ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ میں ہے کہ جب آپ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ روضہء انور ﷺ پر حاضر ہوئے تو مرقدِ اطہر سے دونوں دستِ مبارک ظاہر ہوئے اور شیخ نے بہزار شوق بڑھ کر مصافحہ کیا اور بوسہ دیا، یہ معاملہ حاضرین نے بھی مشاہدہ کیا۔ اور جب آپ نے مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ کی جانب سے بشارت ہوئی کہ یاَ وَلَدِی أَنتَ جَوارِی (اے میرے فرزند میرے پڑوس میں رہو) چنانچہ آپ نے وہیں قیام فرمایا اور ۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سر زمین میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مزار پاک کے قریب ہے[2]۔

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ حقایق ومعارف میں آپ کے چند رسائل بھی ہیں جن میں سے ایک کا نام "خلاصۃ المعارف" ہے جو دوجلدوں میں بزبان فارسی ہے اس کی شروع عبارت اس طرح ہے:الحمد للّٰہ رب العالمین حمداً کثیراً بقدر کمالات اسمآئہ والآئہ۔ وہ لکھتے ہیں کہ الحمدللہ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اور آپ کا ایک رسالہ نکات الاسرار ہے[3]۔

حضرت آدم بنوریؒ اُمّی تھے شروع میں علوم ظاہری حاصل نہ تھے ایک روز آپ نے واقعہ میں دیکھا کہ ہاتفِ غیب نے ندا کی "اے شیخ آدم قرآن کیوں نہیں پڑھتے" عرض کیا کہ بار الہا تو قادر مطلق ہے اب بھی تعلیم فرما سکتا ہے۔ اسی وقت ایک نورانی ہاتھ ظاہر ہوا اور اس نے آپ کے سینہ بے کینہ کو مَس کیا، قرآن شریف حفظ ہو گیا اور ظاہری علوم بھی حاصل ہو گئے[4]۔

---

[1] حضرات القدس دفتر دوم ص ۳۵۵ و ۳۵۶ وحالات مشائخ نقشبندیہ ص ۲۲۹۔

[2] حضرات مشائخ نقشبندیہ ۲۳۰۔

[3] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۔

[4] خزینۃ الاصفیا جلد ۱ ص ۶۳۰۔

تذکرہء آدمیہ میں ہے کہ شیخ محمد جو شیخ آدمؒ کے دوستوں میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ قحط سالی کے دنوں میں جبکہ گندم نایاب تھا خانقاہ کے فقراء غلہ کی غیر موجودگی اور خرچ کی زیادتی کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے آخر شیخ کی خدمت میں عرض حال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ غلہ دان میں جسقدر غلہ ہے اس کا منہ اوپر سے بند کردو اور اس کے نیچے سوراخ کرکے ہر روز بقدرِ ضرورت اس سے غلہ نکالتے رہو ان شاء اللہ برکت ہوگی۔ چنانچہ مریدوں نے ایساہی کیا اور ہر روز بقدرِ ضرورت اس سوراخ سے نکال کر کام چلاتے رہے حتیٰ کہ چھ مہینے اسی طرح گزر گئے اور غلّہ کم نہ ہوا۔ جب نئے غلہ کا موسم آیا اور غلہ ملنے لگا تو غلہ دان کا منہ کھول کر دیکھا، معلوم ہوا کہ غلہ اسی قدر موجود تھا جتنا کہ غلہ دان کا منہ بند کرتے وقت تھا[1]۔

نقل ہے کہ ایک لڑکی جن کے آسیب میں گرفتار تھی جب وہ لڑکی اپنے خاوند کے پاس جاتی تو وہ جن اس کو نہ چھوڑتا اور اس کے خاوند کو بھی ستاتا تھا آخر لڑکی کا باپ عاجز ہو کر شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اب جب بھی جن آئے تو اس کے کان میں کہ دینا کہ شیخ آدمؒ کا فرمان یہ ہے کہ یہاں سے چلاجا ورنہ شیخ تجھ کو جلادے گا۔ لڑکی کےوالد نے ایساہی کیا۔ اسی وقت جن بھاگ گیا اور لڑکی کو صحت حاصل ہو گئی[2]۔

شیخ صالح نقشبندی فرماتے ہیں کہ جب میں طریقۂ آدمیہ نقشبندیہ میں داخل ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخ متقدمین کے طریقے بہت متبرک اور بزرگ تھے افسوس کہ میں ان مشائخ کے وقت میں پیدا نہ ہوا اور اب میں طریقہء مجددیہ آدمیہ میں داخل ہوا جو سب طریقوں کے بعد میں ہے دیکھیے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ اسی دن خواب میں دیکھا کہ ہر طریقہ کے مشائخ اپنے اپنے مریدوں کی کثیر جماعت کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے، میرے ساتھ مصافحہ کیا اور فرمایا کہ تو بہت سعادتمند شخص ہے کہ طریقہ مجددیہ آدمیہ میں مرید ہوا ہے کہ یہ آخری طریقہ متقدمین کے طریقوں میں سب سے بہتر ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو بہت خوش ہوا اور اسی وقت خوشی خوشی حضرت شیخ آدمؒ کی خدمت میں حاضر

---

[1] خزینۃ الاصفیاج ۱ ص ۶۳۱

[2] ایضاً ص ۶۳۴۔

ہوا۔ ابھی میں کچھ بھی عرض کرنے نہ پایا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا "اے صالح! الحمدللہ کہ تیرے دل نے تسلی پائی"[1]۔

شیخ محمد شریف و شیخ ابو نصر جو کہ حضرت آدم بنوریؒ کے اکابر اصحاب میں سے تھے فرماتے تھے کہ ایک مدت تک ہم آپ کی پیشانی مبارک پر لفظ اللہ لکھا ہوا دیکھتے رہے اور دوسرے اصحاب نے بھی ایسا ہی دیکھا ایک روز ہم نے آپ سے اس معاملہ کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، اس بات کے اظہار سے منع فرمایا اور اسی وقت اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر پھیر کر اس لکھے ہوئے کو پوشیدہ کر دیا[2]۔

آپ کی اولاد میں چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھی صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

شیخ محمد اولیا، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد حسن، شیخ غلام محمد[3]۔

مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانی میں آپ کے نام کوئی مکتوب نہیں ہے۔

حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں حضرت شیخ سعدی بلخاری کا نام نامی بہت نمایاں ہے ان کے حالات مبارک میاں محمد عمر پشاوری بن ابراہیم پشاوری نے "ظواہر السرائر" کے نام سے ان کے قلمبند کیے ہیں۔

لڑکپن سے ہی پیر روشن ضمیر کے زیر سایہ عاطفت پرورش پائی اور استحکام ظاہری اور جمعیت باطنی بہم پہنچائی۔ شیخ محمد عمر پشاوری نے جو شیخ سعدی کے احباب میں سے ہیں۔ کتاب "ظواہر السرائر" میں شیخ موصوف کے احوال واقوال تولد سے لے کر وفات تک لکھے ہیں اور اس میں آپ کے بے شمار خوارق و کرامات درج فرمائی ہیں۔ اسی طرح شرف الدین کشمیری مجددی نے بھی کتاب "روضۃ السلام" میں آپ کے مناقب وخوارق تحریر کئے ہیں۔ اس جگہ "یکے از ہزار اور اند کے از بسیار" نقل کئے جاتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ بیان کرتے تھے کہ جب میری عمر آٹھ برس کی تھی تو میں اپنے گاوں کے نزدیک

---

[1] خزینۃ الاصفیاج ۲ ص ۶۳۳ و ۶۳۴۔

[2] خزینۃ الاصفیاج ۲ ص ۶۳۳۔

[3] خزینۃ الاصفیاج ۲ ص ۶۳۵۔

کنویں کے کنارے وضو کر رہا تھا کہ مولانا حاجی سعد اللہ وزیر آبادی جو شیخ آدم بنوریؒ کے خلفاء میں سے تھے اور بنور جا رہے تھے اس راہ سے گزرے جب مجھے پوری احتیاط سے وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے دوستوں سے کہا کہ اس خرد سالی میں یہ لڑکا کیسی احتیاط سے وضو کر رہا ہے۔ پس ایک لمحہ میری طرف متوجہ رہ کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے اُن کے بعض ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں اور کیا نام ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حاجی سعد اللہ نام ہے اور بنور جا رہے ہیں کہ اپنے پیر روشن ضمیر سے ملیں۔ میں یہ سُن کر جاذبِ حقیقی کے جذب سے ان کے عقب میں چل پڑا اور راہ میں مولانا کے کسی فقیر سے اختلاط اور آمیختگی نہ کی۔ اور بے خور و خواب ان سے علیحدہ مشغول رہا۔ جب بنور پہنچے اور حضرت شیخ کی ملازمت سے مشرف ہوئے تو شیخ نے مولانا جی سے ہر ایک فقیر کا حال الگ الگ دریافت کیا۔ آخر جب میری باری آئی تو مولانا نے عرض کیا یہ لڑکا بھی ہمارے ساتھ آیا ہے اور اس کے عجیب وغریب حالات ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ یہ لڑکا ہمارے ہمراہ آیا ہے بلکہ کہو کہ ہم اس کے ہمراہ آئے ہیں۔ یہ لڑکا ازلی سعادتمند اور مقبولِ خدا ہے۔ پھر شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ عرض کیا کہ سعدی۔ آپ نے مبارک دیتے ہوئے فرمایا کہ جہاں جاؤ سعدی جہاں رہو سعدی۔ دنیا میں بھی سعدی ہو اور عقبیٰ میں بھی سعدی۔

حضرت شیخ سعدی کے چار فرزندِ ارجمند تھے۔ (۱) خواجہ محمد سلیم (۲) خواجہ محمد غنیؒ (۳) خواجہ محمد یوسف (۴) خواجہ محمد عارف۔ چاروں خانہء دین کے ستون تھے جو پدر عالی قدر کی دستگیری سے ظاہری اور باطنی کمالات تک پہنچے۔

مفتی غلام محمد سرور مرحوم فرماتے ہیں کہ: شیخ سعدی لاہوری بروز چہار شنبہ سوم ماہ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ (مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۶۹۶ء) فوت ہو کر لاہور میں متصل محلہ عزیز پیر جو اب موضع مزنگ کے نام سے مشہور ہے دفن ہوئے۔

(ماخوذ از ''حضرت مجدد الف ثانیؒ'')

سیدنفیس الحسینی

حضرت سید فتح محمد حسینی رحمۃ اللہ علیہ

آپ خواجہء دکن حضرت سید محمد حسینی الملقب بہ گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے نسب نامہ حسب ذیل ہے:

''حضرت شاہ فتح محمد حسینی بن شاہ یداللہ بن سید مخدوم حسینی بن شاہ حسن ریوری بن سید محمد اصغر بن شاہ یداللہ ثانی بن سید احمد حسینی بن شاہ یداللہ حسینی بن مخدوم زادہء خُرد سید محمد اصغر حسینی بن خواجہء دکن حضرت سید محمد گیسودراز قدس سرہ''

سید فتح محمد حسینی کا بچپن نہایت پاکیزہ ماحول میں گزرا عالم شباب میں دہلی چلے گئے اور شاہجہانی فوج میں ملازمت اختیار کرلی۔ سلطان عالمگیر کے زمانے میں سیواجی اور اُس کے بیٹے سنبھاجی کے فتنے نے سر اٹھایا کیونکہ سنبھاجی نے مسلمانوں کو بے حد آزار اور نقصان پہنچایا اس لئے اس کو ہلاک کرنا ہر طرح سے قرین مصلحت سمجھا گیا۔ علمائے ملت نے اُس کو واجب القتل قرار دے دیا۔

سنبھاجی کی گرفتاری اور ہلاکت: قانون قدرت کا تقاضہ ہے کہ بداندیش وفتنہ پرداز افراد اپنے کردار کی سزا پاتے ہیں اور جس طرح کہ دنیا کو اپنے مظالم کے جہاں سوز شعلہ سے جلاتے ہیں اسی طرح

خود بھی غضب الہیٰ کی آتش بے پناہ سے خاک سیاہ ہوتے ہیں۔

جس زمانہ میں سلطان عالمگیر بعض مہمات کے سرانجام دینے کے لئے اکلوچ میں قیام پذیر تھے مژدہء فرحت افزا جس کی سماعت کی عرصہ دراز سے تمنا تھی سنائی دیا، مسلمانوں نے اس مسرت خیز خبر کو سن کر شادیانے کی آواز سے آسمان سر پر اٹھالیا شہر یار معدلت آثار کی ترقیٔ عمر واقبال کی دعائیں بلند ہوئیں، بادشاہ دین پناہ کے احسان سے اہل عالم گراں بارمنت ہوئے، فتنہء بیدار ہمیشہ کے لئے سویا، ابلیس نظر بند ہوا اور امن وامان کا دور دورہ ہوا، یعنی سنبھاجی مرہٹہ شاہی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ نظام حیدرآبادی مقرب خاں کے خطاب سے سرفراز اور فنون سپاہ گری کا ماہر اور اپنے زمانہ کا مشہور بہادر تھا یہ امیر بست وپنج ہزاری وبست ویک ہزار سوار کا منصب دار تھا، اس کے مناصب میں علاوہ اس کی ذات کے اس کے فرزند واعزاء بھی داخل تھے جہاں پناہ نے شیخ نظام کو بیجاپور سے اس لئے روانہ فرمایا تھا کہ قلعہ پرنالہ کو جس پر سنبھاجی قابض ہے سر کرے۔

چونکہ سنبھاجی باوجود ممنون احسان ہونے کے ناسپاس گزاری کرتا رہا اور ایک مرتبہ اپنے باپ کے ہمراہ حضور شاہی سے اور دوسری مرتبہ دلیر خاں مغفور کے ہاتھ سے عذر وحیلہ کرکے امان حاصل کرچکا تھا اس مرتبہ سزا دہی کے لائق قرار پایا، اور اسی شب اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی، اور دوسرے روز کب کلس کی زبان نکال لی گئی، سبحان اللہ جو عقیدہ کہ ظاہر میں اشخاص کی رائے میں کبھی حل ہونے والا نہ تھا بادشاہ دین پناہ کی حسنِ نیت سے اس کی گرہ چشم زدن میں کھل گئی، غور کرنے کا مقام ہے کہ کہاں سنبھاجی اور اس کی روز افزوں طاقت اور کہاں وہ آسمان سپر حصار رہبری اور کجا اس کا اس طرح گرفتار ہو کر اپنے اعمال بد کی سزا بھگتنا۔

ہر چند کہ اکثر شعراء وانشاء پرداز اشخاص نے اس واقعہ کی تاریخیں نظم کیں لیکن چونکہ عنایت اللہ وکیل محمد اعظم شاہ کا مصرعہ تاریخ مطابق واقعہ تھا، یہی تاریخ پسند آئی اور ناظم عنایات شاہی سے سرفراز فرمایا گیا، تاریخ مذکور حسب ذیل ہے۔

''بازن وفرزند سنبھا شد اسیر''

ایک واقعہ:اس واقعہ سے سلطان عالمگیر کی حق شناسی وحق آگاہی کا کامل ثبوت ملتاہے، واضح ہو کہ قبل اس کے کہ سنبھاجی کی گرفتاری کی افواہ بھی زبان زدعام نہ ہوئی تھی، بلکہ اس قسم کی خبر محال سمجھی جاتی تھی، حضرت سید فتح محمد جوخواجہ بندہ نواز حضرت گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں، گلبرگہ شریف سے خدمت شاہی میں حاضر ہوئے، سیدصاحب نے عرصہ تک فوجی ملازمت کرکے اپنے وطن میں خلوت نشینی اختیار کرلی تھی سلطان عالمگیر کو اولیائے کبار کے ساتھ جو عقیدت وخلوص ہے وہ ظاہر ہے اور ان برگزیدہ نفوس کے اسلاف واخلاف تمام افرادجہاں کی نگاہ میں بے حد معزز ومکرم رہے ہیں، بادشاہ دین پناہ نے حضرت سید فتح محمد کے ترک دنیا کے بعد ان کے خلفِ رشید یداللہ کو جس کے چہرہ سے آثار رُشد ظاہر اور جوہر طرح بزرگان دین کی سجادگی کے لائق روضہ خُرد[1] کاسجادہ نشین مقرر فرما کرعلاوہ دیگر انعامات کے چند مواضعات کی سرکاری آمدنی بطور معافی عطافرمائی، حضرت سید فتح محمد آستانہء والا پر حاضر ہوئے اور انہوں نے جہاں پناہ سے عرض کیا کہ میں نے سنبھاجی کے معاملہ اور اس کی تباہی کے متعلق بارہا حضرت گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ مبارک پر مراقبہ کیا، عرصہ کے بعد ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ اپنے نیک ارادے کے مطابق متبرک مقامات کی زیارت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں اور اکثر خدام کو اعانت وامداد کے لئے حکم صادر ہوا ہے، حضرت نے اس فقیر کو دیکھ کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم کہاں جارہے ہو میں نے اپنا ارادہ بیان کیا حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ ہماری راہ میں ایک خنزیر عرصہ سے حائل ہے جس سے نہ صرف مجھ کو بلکہ دیگر مسلمانوں کو بھی ناقابل برداشت تکلیف پہنچ رہی ہے تم بھی اس ناپاک وموذی کے ہلاک کرنے میں ہماری مدد کرو، میں خواب سے بیدار ہوا اور مجھ کو یقین آگیا کہ بہت جلد شاہی لشکر مرہٹہ فتنہ پرداز کی سرکوبی کے لئے روانہ ہونے والا ہے، چونکہ فقیر کو خواب میں ارشاد ہوچکا ہے کہ اس کار خیر میں شریک ہو، لہذا اس کام کو انجام دینے کے لیے آستانہ والا پر حاضر ہوا ہوں۔

---

[1] روضہء حضرت شاہ یداللہ نبیرہ حضرت خواجہ گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ

سلطان عالمگیر یہ خواب سن کر بے حد مسرور ہوئے خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ اس واقعہ کو ایک ہفتہ ہی گزرا تھا، کہ سنبھاجی گرفتار ہوا، جہاں پناہ نے حضرت سید فتح محمد کو اپنے حضور میں طلب فرمایا اور شاہانہ نوازش سے سرفراز فرما کر سید صاحب کو سفر خرچ عنایت کیا اور گلبرگہ شریف واپس جانے کی اجازت عطا فرمائی۔

سلطان عالمگیر باوجود انتہائی شوکت دنیا حاصل ہونے کے ہمیشہ ہر امر میں خالق بے نیاز کی بارگاہ میں رجوع فرماتے ہیں اور حلِّ مطالب کے لئے مقبولانِ بارگاہ ایزدی سے طالب امداد ہوتے ہیں۔

سلطان عالمگیر کی حضرت بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت: جہاں پناہ کو عقیدت حضرت بندہ نواز حضرت گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، سلطان عالمگیر نے حضرت سید فتح محمد کو جو انعام وعطیات مرحمت فرمائے اس کے علاوہ دس ہزار روپے مزید عطا فرما کر حکم دیا کہ یہ رقم روضہ گلبرگہ شریف کے مجاوروں اور دیگر حاجت مندوں کو تقسیم کی جائے۔

حضرت سید فتح محمد حسینی کے ایک فرزندِ ارجمند شاہ یداللہ تھے، وہ شاہ عالم بہادر شاہ کے لشکر سے منسلک تھے۔ حضرت شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری نے اپنے رسالہ ''اسرار الطریقت'' میں ان کا ذکر خیر اس طرح سے کیا ہے فرماتے ہیں:

> ''حضرت سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے میر سید یداللہ ساکن شاہجہان آباد ایک بزرگ میرے دوست تھے نوکری اور سپہ گری کرتے تھے، بہادرشاہ (ابن عالمگیر) کے ساتھ پشاور میں آئے۔ علم تصوف اور حقائق ومعارف کے بیان میں ماہر کامل تھے۔ چنانچہ ''فصوص الحکم'' و ''فتوحات مکیہ'' اور دوسری کتب تصوف انہیں ازبر یاد تھیں۔ شیخ محمد اعظم درویش ساکن دکن بھی فوجی ملازمت کے سلسلے میں تھے عموماً میر سید یداللہ اور یہ دونوں مل کر فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ تصوف کی کتابوں میں پوری مشق رکھتے تھے مجھے ان دوستوں سے ملاقات کا موقع بھی ملا۔ مگر ان دوستوں میں عمل اور حال کے

متعلق کچھ معلوم نہیں پڑا۔ تو ممکن ہے کہ مجھ کو معلوم نہ ہوا ہو لیکن ان میں ہو۔ ہاں حقائق ومعارف کے مقدمات کے بیان اور تصوف کی کتابوں میں تو یہ بے نظیر تھے۔ میں بھی ان دنوں فصوص کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی، ان عزیزوں کے پاس بیان کرتا اور شافی جواب پاتا''

(اردو ترجمہ اسرار الطریقت ص ۵۱)

شجرہ طریقت شاہ یداللہ بن شاہ فتح محمد حسینی

شاہ یداللہ از شاہ کلیم اللہ بیدری از خواجہ امین الدین حیدر الثانی ابوالحسن علی بیدری از خواجہ سید شاہ علی بن محمد از خواجہ سید محمد الملقب شاہ کلاں از شاہ امین الدین ابو الحسن بیدری از شاہ محمد بن احمد از شاہ علی قطب الثانی بیدری از شاہ فصیح اللہ از شاہ ناصر الدین از شاہ ابوالحسن از شاہ کلیم اللہ از خواجہ ابوالفیض شاہ منِ اللہ بیدری از شاہ یداللہ حسینی از حضرت خواجہ محمد گیسودراز رحمہم اللہ تعالی!

خاندانِ گیسودراز کے ایک فردِ فرید حضرت شاہ حفیظ اللہ حسینی جو اپنے آبائے کرام کے محاسن وکمالات کے حامل تھے اسی زمانے ۱۱۳۴ھ میں واردِ پنجاب ہوئے اور سیالکوٹ کے مضافات کو اپنا مستقر بنایا انکی اولادِ امجاد اسی علاقے میں پروان چڑھی اور پھلی پھولی بحمد للہ تعالی راقم الحروف کا تعلق خاندانِ گیسودراز کی اسی شاخ سے ہے۔

اعجاز الحق قدوسی

حضرت شاہ عبدُاللّطیف بِھٹائیؒ

م ۱۱۶۵ھ

نام و نسب: آپ کا نام عبداللطیف، آپ کے والد ماجد کا نام سید حبیب شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ شاہ عبداللطیف بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم بن سید اللہ[1]۔ آپ کی والدہ درویش مخدوم عربی دیانہ کی صاحبزادی تھیں[2]۔ آپ کے خاندان کا تعلق کاظمی سادات سے ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید حیدر ۸۰۱ھ میں سندھ تشریف لائے اور قصبہ ہالہ میں سکونت اختیار کی، پھر سید حیدر کے خاندان کے کچھ افراد بُلڑی میں آباد ہوگئے جو حیدر آباد سندھ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس خانوادے کے جو افراد بُلڑی میں آباد ہوئے۔ اسی شاخ میں سید عبدالکریم متعلوی بھی ہیں جو شاہ عبداللطیف کے پردادا ہیں[3]۔ شاہ عبداللطیف کے والد سید حبیب شاہ بہت ہی زاہد وعابد بزرگ تھے۔ صاحبِ وجد وحال تھے۔ ہمیشہ آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ پر استغراق میں اس درجہ محویت طاری رہتی تھی کہ کبھی آپ کے صاحبزادے شاہ عبداللطیف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گفتگو کرتے تو آپ

---

[1] نذر لطیف مضمون حیات جاوداں مرتبہ علی مظہر رضوی

[2] نذر لطیف مضمون سندھ کے صوفی شاعر ص ۱۷ مرتبہ اللہ بخش صاحب عقیلی۔

[3] نذر لطیف مضمون شعلہ نوا ص ۷۹ مرتبہ نصر اللہ خان

پوچھتے ''تم کون ہو؟'' وہ فرماتے کہ حضور کا غلام عبداللطیف ہے، فرماتے کہ میں نہیں جانتا۔ مخدوم محمد صادق نقشبندی نے سید حبیب شاہ کی تاریخ وفات اس حدیث سے نکالی ہے۔ الموت جسر، یوصل الحبیب الی لقاء الحبیب[1]۔

ولادت: شاہ عبداللطیف کی ولادت باسعادت بالاحویلی[2] جو پرگنہ ہالہ کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء میں ہوئی۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کا زمانہ تھا۔

تعلیم: آپ نے کن مدارس میں تعلیم پائی اور کون سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا اس سلسلے میں آپ کے تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ شاہ عبداللطیف نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور وہ اُمی تھے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ اُن کی شاعری اور کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ عربی، فارسی اور ہندی پر آپ کو بڑی قدرت تھی۔ قرآن مجید، حدیث، تصوف اور دوسرے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ قرآن وحدیث کے اعلیٰ مضامین کو اور تصوف کے معارف اور اصطلاحوں کو جس دلکش انداز میں آپ نے اپنی سندھی شاعری میں سمویا ہے یہ سب چیزیں آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔

آپ کے بچپن کا زمانہ اپنے والد سید حبیب شاہ کے ساتھ بالاحویلی ہی میں گزارا۔ لیکن جب آپ کے والد کوٹڑی چلے آئے تو آپ بھی اپنے والد کے ساتھ چند دن کوٹڑی میں رہے۔

ابتدا ہی سے علم وعرفان، سلوک ومعرفت کا نور آپ کے چہرے سے ہویدا تھا آپ زمانہ شعوری ہی سے ذکروفکر میں مصروف رہتے تھے۔

بھِٹ میں قیام: جس مقام کو حضرت شاہ عبداللطیف نے اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا، یہ مقام اب شاہ بھٹ کے نام سے مشہور ہے۔ بھٹ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ شاہ

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۷۳۔

[2] نذر لطیف میں ص ۱۰۰ پر احمد بشیر صاحب نے اپنے مضمون رومی پاکستان میں لکھا ہے کہ شاہ عبداللطیف کی پیدائش کے وقت شاہ حبیب بالاحویلی کے مقام پر آباد تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی جائے پیدائش بالاحویلی قرار پاتی ہے۔

کی برکات سے یہ ویرانہ مقام خوب آباد ہوا۔ جس وقت آپ بھٹ میں آباد ہوئے اس وقت آپ کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ اسی مقام پر بیٹھ کر آپ نے علم و عرفان کے چشمے جاری کئے اور رشد و ہدایت کی وہ شمع روشن کی جس کی روشنی سندھ سے نکل کر دور دور پھیلی۔

شاہ عبداللطیف نے سترھویں اور اٹھارویں صدی کے بہت سے انقلابات دیکھے تھے۔ اورنگزیب نے جب وفات پائی تو اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ سلطنت مغلیہ کے عروج کا آفتاب زوال پذیر ہو رہا تھا، اُن کے وطن میں خاندان کلھوڑا کی حکومت مرکزی حکومت کا جوا کندھے سے اُتار کر تیزی سے خود مختاری کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ انہوں نے وہ وقت بھی دیکھا کہ جب سندھ کو نادر شاہ[1] نے لوٹا، اور کلھوڑا فرمانروا ایران کے باجگزار بنے۔ انھیں کے سامنے وہ وقت بھی آیا جب احمد شاہ ابدالی دندناتا ہوا دہلی آیا اور اس نے سندھ کو کابل کے ماتحت بنایا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ایک طرف سیاسی نظام متزلزل ہو رہا تھا تو دوسری طرف اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ فکر و عمل و اخلاق و کردار کا قوام بگڑ چکا تھا۔ طبقاتی تفاوت نے غریبوں کے لئے زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا۔ زندگی کی ساری راحتیں امیر اور دولت مند طبقے کے لئے تھیں، اور غریب بیچارے زمین کا بوجھ بنے ہوئے تھے۔ صوفیائے خام اور علماء سوء رشد و ہدایت کے پردے میں گمراہیوں کو رواج دے رہے تھے۔ یہ تھا وہ ماحول جس نے شاہ عبداللطیف کے حساس دل کو بے حد متاثر کیا۔ انہوں نے وقت کی آواز کو پہچانا اور دکھی انسانیت کو محبت کا پیغام دیا۔ آپ کی ساری زندگی کی جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے، رسول اکرم ﷺ کی محبت سے قلوب کو گرمایا جائے۔ بگڑی ہوئی زندگی کو حسنِ اخلاق اور پاکیزہ کردار سے آراستہ کیا جائے۔ ظلم کے خبیث درخت کو اُکھیڑ کر انسانیت کو محبت و خلوص سے آشنا کیا جائے۔ بھٹ میں قیام فرمانے کے بعد تقریباً چالیس سال تک اس مقصد کے لئے شاہ

---

[1] نادر شاہ ۱۱۵۲ ھ کے اواخر میں سندھ آیا اور ۱۱ محرم ۱۱۵۳ ھ کو لاڑکانہ سے ایران روانہ ہوا اور ۱۱۶۰ ھ میں قتل ہوا۔ (فٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین صاحب راشدی ص ۸۷، ۲۰۶)

عبد للطیف نے جو انتھک کوشش کی ہے، ان کی پوری شاعری اس پر گواہ ہے انھوں نے اپنے پیغام کو عام بنانے کے لئے اپنی شاعری میں سندھ کی اُن رومانی داستانوں کو بنیاد بنایا ہے جنہیں سندھ کے لوگ بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔ انھیں کہانیوں کے پردے میں آپ نے عوام کے دکھوں اور غموں کی ترجمانی کی ہے، اور اُن میں زندگی کی ایک نئی اُمنگ اور ولولہ پیدا کیا ہے۔ خالق اور مخلوق کی محبت ان کی شاعری کا موضوع خاص ہے۔ اُن کی شاعری میں تصوف اور شعریت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے کہ پڑھنے والا ان کے نغموں میں ایک روحانی کیف محسوس کرتا ہے۔

شاہ جو رسالو: شاہ کے مجموعہ کلام کا نام ''شاہ جو رسالو'' ہے۔ جو سندھ کے چپے چپے میں نہایت عقیدت واخلاص کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ کلام اُن کے مریدوں اور فقیروں نے جمع کیا تھا۔ اُن کے بعض مرید تو ایسے تھے کہ انھیں شاہ کا پورا کلام زبانی یاد تھا۔ ہاشم، تمر اور بلال کے متعلق تو مشہور ہے کہ شاہ کا کوئی شعر ایسا نہ تھا جو اُن کو زبانی یاد نہ ہو۔

''شاہ جو رسالو'' کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹرمپ نے جرمنی سے طبع کرایا تھا۔ اب تک اُس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پھر اس کا ایک ایڈیشن ڈاکٹر گربخشانی نے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن سب سے زیادہ مقبول ہوا کیونکہ اس کی تصحیح میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت و تحقیق سے کام لیا ہے۔ اب سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے سندھ کے فاضل و محقق علامہ ڈاکٹر داؤد پوتہ ''شاہ جو رسالو'' پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

غریبوں کی محبت: شاہ عبداللطیف کو غریبوں سے بے حد محبت تھی۔ وہ اُن کے دکھ درد کو محسوس کرتے اور اپنی شاعری میں عوام اور غریبوں کی ترجمانی کرتے تھے۔

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبداللطیف ''شاہ بندر'' گئے اور کسی قریب کے گاؤں میں شتربانوں کے خیمے میں ٹھہرے۔ شاہ عبداللطیف جہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کچھ اُونٹ چیختے، چلّاتے اور بلبلاتے ہوئے آئے۔ آپ نے اونٹ والوں سے اسکی وجہ پوچھی۔ انھوں نے بتایا کہ ڈیرے نامی گاؤں کا حاکم جو بہت بڑا ظالم انسان ہے اس گاؤں میں جو غریب اُونٹ والے بھولے سے آنکلتے ہیں یہ ان اونٹوں کی ٹانگوں اور دُموں میں کپڑے

کے گولے بنوا کر اُن گولوں میں آگ لگوا دیتا ہے۔ جب وہ جلنے کی تکلیف سے بلبلاتے ہیں تو یہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہ اُونٹ اسی تکلیف سے بلبلا رہے ہیں۔ شاہ عبداللطیف کو یہ بات سُن کر بہت دکھ ہوا اور اُونٹوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا۔ آپ نے اسی وقت سندھی میں ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ:

یہ محل غارت ہوں، شتر بانوں کے خیمے آباد رہیں میں اونٹنیوں کے دودھ
کو کبھی نہیں بھول سکتا شتربان ہمیشہ آباد رہیں، اور اُن کو ستانے
والے دُودھ کو ترسیں۔

پھر شاہ نے اُن اونٹ والوں سے کہا، جاؤ میرے بیٹو! کچھ دن نہیں گزرتے کہ کہر قوم کے محل ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنیں گے۔ کہتے ہیں کہ کچھ دن بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ گاؤں ویران ہو کر اُونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنا[1]۔

وطن کی محبت: رسول اکرم ﷺ نے حب الوطنی کو ایمان کی نشانی قرار دیا ہے۔ شاہ عبداللطیف کو اپنے وطن (سندھ) سے غیر معمولی محبت تھی۔ انھوں نے ''شاہ جور سالو'' میں جا بجا اپنے وطن کے لئے خیر و برکت کی دعا کی ہے۔ ایک دوہے میں فرماتے ہیں۔

میری خواہش ہے کہ اپنے وطن کو دیکھتے دیکھتے جان دوں
میرے جسم کو قید نہ کرنا
پردیسن کو اس کے محبوب سے جُدا نہ کرنا
میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے وطن تھر کی ٹھنڈی ٹھنڈی مٹی اپنے سر پر ڈال لوں۔
اگر میں پردیس میں مرجاؤں تو میری لاش کو ملیر میں دفن کرنا۔

شاہ صاحب کی حب الوطنی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کا چرچا تھا اور اس دور کے سندھی شعراء فارسی میں شعر کہنا اپنا طرہء امتیاز سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کو ایک سرکاری حیثیت حاصل تھی اور فارسی شاعری ہی سے اس زمانے

---

[1] نذر لطیف ص ۶۵ مضمون بعنوان ''شاہ پر تحقیق'' مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ پروفیسر سندھ یونیورسٹی

کے اُمراء اور اہلِ کمال کی مجلسیں گونجتی تھیں عین اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کی مقبولیت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ شاہ نے زمانے کی رَوسے ہٹ کر سندھی زبان کو اپنی شاعری کا ذریعہ بنایا۔ اور اپنی بے مثل شاعری سے سندھی زبان کو مالامال کر دیا۔ اس لحاظ سے شاہ عبداللطیف سندھی زبان کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

شاعری: شاہ کی شاعری پر اُن کے تبصرہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ سندھی زبان، سندھ کی قدیم تہذیب اور تصوف کے حقائق ومعارف پر وسیع نظر رکھتا ہو۔ ان عناصر کے بغیر اُن کے شعر کی اعماقِ روح تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن اِس وقت تک ان کے کلام کا جو حصّہ اُردو میں منتقل ہو چکا ہے ہم اُس میں سے چند دوہے نمونتاً یہاں نقل کرتے ہیں جو اُن کے شاعرانہ کمالات کے مظہر ہیں اور جن میں ان کی فکر رسانے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بیحد حُسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ایک جگہ خود ہی اُنھوں نے اپنے کلام کے مقصد اور مطمحِ نظر کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو، یہ آیات رَبّانی ہیں
یہ آیات، پڑھنے والوں کو محبوبِ حقیقی کی طرف لے جاتی ہیں

ایک جگہ وہ اپنے محبوب کے استغنا اور شانِ جمال کو بیان کرتے ہوئے، جو دلکش انداز بیاں اختیار کرتے ہیں۔ شاید ہی اس کی مثال ہمیں کسی دوسری زبان کی شاعری میں مِل سکے۔ فرماتے ہیں۔

جب میرا محبوب اپنی شانِ جمال کے ساتھ خراماں ہوتا ہے تو
زمیں بھی بِسم اللہ پکار اُٹھتی ہے
دیکھو جہاں جہاں اس کے قدم گزرے وہاں راہ بھی بوسہ زن ہے
حوریں ایک طرف ادب سے کھڑی ہیں
میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے محبوب کا چہرہ سب سے زیادہ حسین ہے۔

عاشق کے کردار کی بلندی، محبوب کے دیئے ہوئے درد کی لذت، اہل درد سے اُلفت، ان کیفیات کو شاہ نے جس نفاست و دلکشی کے ساتھ ادا کیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہیں فرماتے ہیں۔

کسی نے پوچھا تمہارا محبوب کبھی تم سے بات کرتا ہے

''نہیں''

''پھر وہ محبوب کیسا''

محبوب کا سکوت ہی میرے لئے سلام ہے

◈ میری آنکھوں نے مجھ پر احسان کیا کہ میرے گھر کے سامنے سے ہزاروں انسان گزرتے ہیں لیکن وہ کسی کو نہیں دیکھتیں

میری آنکھیں اگر محبوب کے سوا کسی اور کو دیکھیں تو اے کاگا اُن کو نکال کر گڑھے میں ڈال دے

◈ میرے دل میں درد اٹھا کر چلے گئے، اور مجھے یہ درد اس لئے پیارا ہے، کہ وہ محبوب کا دیا ہوا ہے اس لئے مجھے طبیبوں کی آواز بھی بری لگتی ہے، مجھے طبیبوں کے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں، اس لئے کہ میرا سب سے بڑا دوست تو محبوب کا دیا ہوا درد ہے

◈ اُن کا دیا ہوا زخم سدا مجھ سے یہ کہتا رہتا ہے کہ طبیب کے پاس مت جا ورنہ میں اچھا ہو جاؤں گا

◈ آؤ چلیں ایک رات اُن کے پاس گزاریں، جن کے جسم درد سے چاک ہیں لیکن جب لوگ آتے ہیں تو اُن سے اپنا درد چھپاتے ہیں

حسن کی معصومیت، اُس کی توصیف کے نغمے شاہ نے جس انداز سے گائے ہیں، اس اندازِ فکر تک دوسروں کی رسائی نہیں۔ فرماتے ہیں۔

میرے محبوب کی پیشانی سے نیکیوں کے انوار ہویدا ہیں یہی وجہ تو ہے کہ وہ مجھ جیسے بد اطوار کے پاس آنے سے گریز نہیں کرتا، اسی لئے تو میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ سورج و چاند میرے محبوب کا مقابلہ نہیں کرسکتے، اُن میں حسن تو ہے، نیکی نہیں

◈ میرا محبوب مجسم بھلائی ہے، وہ یہ بالکل فراموش کر چکا ہے۔

کہ وہ سرتاپا نیکی ہے، اس کی نیکی اور معصومیت کی سب سے
بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ میرے پاس آیا تھا، لیکن اُس نے مجھ سے
میرے عیبوں اور میری کوتاہیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

◈ اے چاند! تو میرے محبوب کا مقابلہ کرتا ہے، میں تجھے للکارتا
ہوں۔ تو چودھویں رات کا جو سنگھار چاہے کر، ساری کائنات
کا حسن اکٹھا کرلے، لیکن میرے محبوب کے ایک جلوے کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔

◈ تم اور تمہارے جیسے ایک سو سورج بھی نکل آئیں، پھر بھی
محبوب کے بغیر میرے لئے اندھیرا رہے گا، جاؤ نیچے اُتر جاؤ۔
تمہاری روشنی میں محبوب نہیں ملنا چاہتا۔

شاہ کی شاعری کا اصل موضوع وحدت الوجود ہے۔ انھوں نے اٹھارویں صدی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہایت اعتدال اور احتیاط کے ساتھ حصّہ لیا ہے۔ وہ اپنے کلام میں جا بجا نئے ڈھنگ سے اس نظریہ کو بڑے دلآویز طریقے پر پیش کرتے ہیں مگر احتیاط کے دامن کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جنگل اور صحرا میں تو کیوں جاتا ہے، کیوں اپنے محبوب کو
ادھر اُدھر ڈھونڈتا ہے؟ اے لطیف! محبوبِ حقیقی کسی دوسری
جگہ نہیں چھپا ہے، آنکھوں کو نیچے کر کے دیکھو، تیرے اندر ہی دوست کا مسکن ہے۔

◈ معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کے لئے بہت سے راستے ہیں، کوئی
بھی راہ اس کا مشاہدہ کرا سکتی ہے، ایک قصر ہے جس کے لاکھوں
دروازے اور ہزاروں کھڑکیاں ہیں، جس طرف نظر پھیرتا ہوں،
ادھر خدا کا جلوہ ہے۔

حب الوطنی شاہ کی شاعری کا موضوع خاص ہے، وہ نت نئے طریقوں پر اپنے اہل وطن کے قلوب میں محبت وطن کے چراغ روشن کرنا چاہتے ہیں، ماروی کے پردے میں وہ اپنے ہم وطنوں کو حب الوطنی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر میں پردیس میں مر جاؤں تو میری مٹی بیابانوں میں بستے ہوئے غریب رشتہ داروں
کے ساتھ ملانا اور میری میت کو آبائی وطن کی باڑوں سے دھواں دینا۔

وہ اپنے وطن کی بے عمل اور جامد زندگی کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں، اور اس جمود کے طلسم کو توڑنے کے لئے وہ سندھی معاشرے کی ایک قدیم رسم کو تمثیل بنا کر عمل اور حسنِ عمل کی عجیب دلکش انداز میں دعوت دیتے ہیں:

تمھیں کاتنے سے ذرا دلچسپی نہیں، سوئی ہوئی کروٹیں بدل
رہی ہو۔ یکایک عید آئے گی، لوگ نئے کپڑے سے محروم
رہیں گے، خود تمہارے پاس بھی کپڑے نہیں ہوں گے،
جب تمہاری سہلیاں تمھیں باہر لے جانے کو آئیں گی۔
گرمی سردی میں چلتے رہو، بیٹھنے کا وقت نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ
اندھیرا ہو جائے، اور محبوب کے قدموں کا شرف حاصل نہ ہو سکے

بارش کی پہلی بوند پڑنے پر اہلِ سندھ کی زندگی میں جو ولولے اور اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں ان کی عکاسی شاہ کے قلم نے جس اچھوتے اور انوکھے انداز میں کی ہے وہ سندھی ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو لطیف! گھنے بادل نیچے اُتر رہے ہیں، اور پانی کی بڑی
بڑی بوندیں پڑنے لگیں، اپنے بیلوں کو باہر نکالو اور میدانوں کا
رُخ کرو —— یہ وقت مایوس بیٹھنے اور سُستی کرنے کا نہیں،
لو دیکھو پھوار پڑنے گی۔

- کل رات پدم جھیل پر بارش کے دیوتا نے گھڑے کے گھڑے اُنڈیل دیئے
لیکن وہ جن کے شوہر پردیس میں ہیں، ان بادلوں کو دیکھ کر غمگین ہیں۔
- وہ موسم آگیا جب لوگ خوش ہو کر باتیں کرتے ہیں، اور موسیقی
کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، کسان اپنے ہل درست کر رہے ہیں،
گلہ بان خوش ہیں، اور میرے محبوب نے بارش کی خوشی میں
اچھے سے اچھے کپڑے پہنے ہیں

- جو لوگ قحط کے سہارے پر جیتے ہیں، اور جو لوگ کنجوس ہیں،
اُن سے کہو کہ چلے جائیں، گایوں کے گلّے بارش کی خبر لا رہے ہیں
تری رحمت کو اپنے قریب محسوس کر رہے ہیں۔
- ساون کی رات آئی، قہقہے اور چہچہے بلند ہوتے ہیں
کوئل کی تیکھی تیکھی کوک فضا کو چیرتی ہے
ہاریوں نے ہل جوت لئے، گوئیے خوش ہیں
برکھا کی رات آگئی، خوشی کے چہچہے اور میٹھے زمزمے بلند ہوئے
مٹکے مکھن سے بھرپور ہوگئے

ایک جگہ وہ راہ محبت کے راہیوں کو عشق کی راہ کی کٹھنائیوں سے واقف کراتے ہوئے، نہایت ہی شیریں الفاظ میں دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دار اور سولی پر چڑھنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ میرے ساتھ اگر کسی کو چلنا ہے تو چلے، دار پر جانا تو اُن لوگوں کا کام ہے جو محبت کا نام لیتے ہیں، سولی عاشقوں کو اپنی طرف بلا رہی ہے اگر تم عشق و محبت کے طالب ہو تو پیچھے مت ہٹو، پہلے سر تن سے الگ رکھو، پھر محبت کا نام لو، سولی اور دار تو درحقیقت عاشقوں کے لئے باعثِ زیب و زینت اور ہار ہے۔ ہچکچانا یا پیچھے ہٹنا تو اُن کے لئے ایک عتاب ہے۔ وہ تو برملا دار پر آتے ہیں۔ محبت کی راہ و رسم میں قربان ہونا اور سر کا تن سے جُدا ہونا عاشقوں کا (ادنیٰ کرشمہ) اور ان کی زندگی کا جزوِ لاینفک ہے[1]۔

مخالفین سے حُسن سلوک: حلم و عفو کی درویشانہ صفت آپ میں بدرجۂ کمال موجود تھی، خدا کی مخلوق سے عناد رکھنے کو آپ خلاف طریقت سمجھتے تھے۔

---

[1] یہ تمام اشعار نذر لطیف شائع کردہ محکمہ اطلاعات سندھ کے مختلف مضامین سے ماخوذ ہیں۔

مرزا مغل بیگ ارغون کی لڑکی آپ سے منسوب تھی۔ لیکن مرزا مغل بیگ کسی وجہ سے آپ سے انتہائی بغض و عداوت رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو آپ کے کسی مرید نے آپ کے سامنے اُس کی یہ تاریخ وفات کہی: "بود خبیث ۱۱۲۴ھ"، آپ نے سنا تو فرمایا کہ ایسا مت کہو، بلکہ کہو، "یک مغل بہ بود[1] ۱۱۲۴ھ"

وفات: حضرت شاہ عبداللطیف تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء میں بھٹ میں واصل الی اللہ ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ تاریخ وفات ان دو مصرعوں سے نکلتی ہے۔

(۱) گردیدہ محوِ عشق وجودِ لطیف میر (۱۱۶۵ھ) (۲) شد محو درمراقبہ جسمِ لطیفِ پاک (۱۱۶۵ھ)

صاحبِ مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ جس روز آپ کا انتقال ہوا آپ کے بعض مرید اس صدمہ جانکاہ کو برداشت نہ کرسکے اور جان دے دی[2]۔

آپ کا روضہ مبارک کلھوڑا خاندان کے چوتھے بادشاہ میاں غلام شاہ نے ۱۷۵۴ء میں تعمیر کرایا[3]۔

فضائل: صاحب مقالات الشعراء نے آپ کے محامد و فضائل کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"سید عبداللطیف المعروف "بتارک" از نبایر کرام میر سید عبدالکریم صاحبِ بلڑی۔ خامہ خامکار راچہ یارا کہ شمارِ کرامات و خوارق عادات آں قطب زمانہ بر روی صفحہ روزگار ثبت نماید جنابِ لطیف شان ہمانان دریں زمانہ آخریں در رتبہ ولایت عدیل نداشتہ۔ چوں از آثارِ کراماتِ او و اوصافِ خوارق وی جہان مطلع، وہم یکی از ہزاراں احوالاتِ دی کتابی علیحدہ خواہد از طولِ کلامِ اختصار کردہ آمد[4]۔

(ماخوذ از "تذکرہ صوفیائے سندھ")

○

---

[1] مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ص ۴۲۹

[2] مقالات الشعراء ص ۴۲۸

[3] مقالات الشعراء ص ۴۲۸۔

[4] مقالات الشعراء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ص ۴۲۸

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

حضرت شاہ عَلَمُ اللہ رائے بریلویؒ

م ۱۰۹۶ھ

مولانا سید محمد فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید شاہ علم اللہ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ کو قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے، والد ماجد مولانا سید محمد فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا تقریباً ڈھائی مہینے پہلے مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا تھا اور والدہ ماجدہ نے جب آپ کی عمر دو تین سال کی تھی وفات پائی، ماموں سید ابو محمد امرائے شاہجہانی میں سے تھے، انہوں نے اپنے یتیم بھانجہ کی پرورش کی، چچا زاد بھائی دیوان خواجہ سید احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے عالم اور مدرس تھے، انہوں نے تعلیم و تربیت کا ذمہ لیا اور دینی علوم کی تعلیم دی، ہوش سنبھالا تو ماموں سید ابو محمد نے شاہی لشکر میں بلا کر ملازمت دلادی، مگر شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ دنیا طلبی سے شروع ہی سے دل برداشتہ تھے، ماموں کے اصرار سے لشکر میں چند دن رہے مگر خدا طلبی اور دنیا بیزاری کا ایسا غلبہ ہوا کہ لشکر میں رہ کر بھی نفس کی اصلاح اور تہذیب و تربیت کا مشغلہ جاری رکھا، بالآخر تھوڑے دن ہی میں لشکر کو چھوڑ چھاڑ کر مشہور شیخ طریقت حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں جا پہنچے، جن کا آفتاب رشد و ہدایت پورے عروج پر تھا، حضرت سید آدم بنوریؒ، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔

شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اس وقت تقریباً ۱۵ سال کی تھی اس کم عمری اور نوجوانی میں حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور تھوڑی مدت میں راہ سلوک کے سارے منازل طے کر کے بلند مرتبہ کمالات حاصل کیے اور خلافت و نیابت سے سرفراز ہوئے، حضرت سید آدم بنوریؒ

نے اپنا عمامہ اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی دستار مبارک عنایت فرما کر وطن کو رخصت کیا، شاہ علم اللہ نے رخصت ہوتے وقت عرض کیا کہ اودھ میں بہت سے اولیاء اور عالی مرتبہ لوگ ہیں میری ان میں کیا حیثیت ہوگی، حضرت سید آدم بنوریؒ نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور پھر فرمایا "ان میں تمہاری حیثیت ہوگی جیسے چراغوں میں شمع کی" پھر کچھ دیر اور مراقبہ کرکے ارشاد فرمایا "سید خاطر جمع ہو کر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تمہاری نسبت ان میں ایسی ہوگی جیسے ستاروں میں آفتاب کی۔"

اس ملاقات اور رخصت کرنے کے بعد حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ ہجرت کا تھا رخصت ہوتے وقت شاہ علم اللہؒ نے بھی ہجرت کی اجازت مانگی، حضرت سید آدم بنوریؒ نے فرمایا ہجرت کرسکتے ہو مگر کوئی مرد خدا تم کو روکے تو ٹھہر جانا۔

شاہ علم اللہؒ پر مدینہ طیبہ ہجرت کا جذبہ بہت طاری تھا، مرشد سے رخصت ہو کر وطن نصیر آباد پہنچے اور اپنے اہل وعیال کو لے کر ہجرت کے ارادہ سے وطن چھوڑ کر رائے بریلی شہر آئے اور چند دن اپنے ایک عزیز کے یہاں قیام کیا، دریا کنارے ایک مجذوب اور خدارسیدہ بزرگ شاہ عبدالشکورؒ[1] رہتے تھے ان سے ایک روز صبح کو ملاقات ہوئی، شاہ عبدالشکور نے ان کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور مرشد کا قول یاد دلایا شاہ علم اللہؒ نے قیام پر آمادگی ظاہر کردی، شاہ عبدالشکورؒ ان کو لے کر اپنی قیام گاہ سے چند فرلانگ مغربی جانب ایک جگہ پہنچے اور لب دریا خط کھینچ کر مسجد، مکان اور مقبرہ کی نشاندہی کی، وہ جگہ شاہ عبدالشکورؒ کے ایک مرید کی ملک میں تھی، انہوں نے بخوشی دس بیگھہ زمین نذر کی اور شاہ علم اللہؒ نے جھونپڑی ڈال کر اپنے اہل وعیال کو اس میں ٹھہرا دیا اور قریب ہی میں ایک خس پوش مسجد بنائی، ہر طرف جنگل اور خود رو درخت تھے، اہلیہ صاحبہ کو جنگلی جانوروں کا خوف ہوا تو شاہ صاحب نے خدا کی جناب میں ان سے حفاظت کی دعا کی اور درخت صاف کرکے غیر آباد جگہ کو آباد کیا، چند ہی دنوں میں حضرت سید آدم بنوریؒ کی بشارت کے آثار نمودار ہوئے اور طالبین سلوک کا ہجوم ہونا شروع ہوا، عزیزوں کی آمد ورفت ہوئی اور وہ جگہ ذکر وشغل سے معمور ہونے لگی، ۱۰۷۵ھ میں شاہ علم اللہؒ نے پہلا حج کیا، ۱۰۸۲ھ میں دوبارہ حجاز تشریف لے گئے، واپسی پر کعبہ کا نقشہ اور اس کی صحیح پیمائش ساتھ لائے اور خام مسجد کی جگہ

---

[1] شاہ عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دریائے سئی کے کنارہ راج گھاٹ پل کے قریب واقع ہے۔

پر پختہ مسجد بنائی اور بالکل کعبہ کی شکل پر خدا کا گھر تعمیر کیا اس وقت کئی صاحبزادے جوان تھے، سعادت مند بیٹوں کی مدد سے خدا کا گھر تیار کیا اور اس کی بنیاد میں آب زم زم ڈالا، اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی اولاد کو وہیں اسی نیت سے آباد کیا۔

مولانا سید محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ مصنف "اعلام الہدی "مسجد کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:

"رخصت کے وقت مسجد حرام کا نقشہ لمبائی چوڑائی اور بلندی کے ساتھ ایک کاغذ پر کھینچ لائے اور ۱۰۸۳ھ میں اسی نقشہ کے مطابق سئی ندی کے کنارہ مسجد کی تعمیر شروع کی، کچھ انگل بلندی، چوڑائی اور لمبائی میں ادباً کم رکھا، روشنی کے لیے چاروں طرف تین تین دروازے رکھے اور اس کے گرد حرم شریف کی مشابہت کے لیے مطاف بنایا ایک سال میں تعمیر مکمل ہوئی، "قبلۃ ثان" سے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے"۔

۱۰۹۶ھ میں اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مسجد کے مشرقی جنوبی گوشہ میں بلند جگہ پر مدفون ہوئے جو اب ایک چہار دیواری سے گھری ہوئی ہے، انتقال کی شب کو عالمگیر نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انھوں نے کہا اس رات سید علم اللہ کی وفات ہوئی ہوگی کہ وہ اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کے قدم بہ قدم تھے [1]۔

حضرت سید شاہ علم اللہؒ کے چار اہل علم وفضل صاحبزادے ہوئے، سید ابوحنیفہ کا ۱۰۸۸ھ میں والد کی حیات میں نتقال ہوگیا بقیہ تین صاحبزادے بعد تک رہے، ان میں سید آیت اللہ، سید محمد ہدی، سید محمد جی تھے۔

حضرت سید شاہ علم اللہؒ کی سیرت کا اصل جوہر جس نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز کر رکھا تھا، عبادات کے ساتھ روزمرہ کی زندگی اور عادات میں بھی اتباع سنت، ہمیشہ عزیمت پر عمل اور تقوی تھا، ان کی خدمت میں آنے والے علماء، مشائخ اور اصحاب علم ان کے بڑے معترف اور مداح تھے۔

---

[1] س خواب کا تذکرہ حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات "درالمعارف "میں ہے، "بحر زخار" میں ہے کہ عالمگیر نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کا جنازہ اور ارواح مقدسہ کا اجتماع دیکھا اور کسی آزاد مشرب صوفی نے یہ تعبیر دی۔

خواجہ محمد امین بدخشی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سید آدم بنوریؒ کے مجاز مقرب تھے، ''نتائج الحرمین'' میں شاہ صاحب کے ایک فیض یافتہ شخص شیخ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حضرت میر سید علم اللہ حضرت آدم بنوریؒ کے خلفاء میں نہایت متقی کامل العلم والاحوال بزرگ ہیں، نسبتاً حسنی الحسینی ہیں، ان کا ظاہر و باطن کمال اتباع سنت سے آراستہ اور ان کی ساری زندگی اور تمام اوقات سنن و مستحبات سے معمور ہیں، اور وہ خود اور ان کے تمام پیرو ہمیشہ فقر وفاقہ سے گزر کرنے والے، دنیا کی بو بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتے، ہندوستان اور عرب میں بھی ان کے تقوی اور استقامت کا غلغلہ ہے، اکثر مشائخ کو ان کا تقوی اور ریاضت واستقامت دیکھ کر رشک آتا ہے، اور حسرت ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ دیکھو، مقبولان ازلی کو اللہ کی طرف سے ایسی استعداد وقابلیت نصیب ہوتی ہے، اپنے دوستوں، رفیقوں اور فرزندوں میں بھی ان کا عمل عزیمت ہی پر ہے، اپنے بیٹوں اور جاننے والوں میں سے کوئی اگر کسی امر مباح یا رخصت پر عمل کرے تو اس سے ناراض ہوجاتے ہیں، اور اگر ''نعوذ باللہ'' کسی سے کوئی بدعت کا فعل سرزد ہوجائے تو اس سے اس درجہ بیزار ہوجاتے ہیں کہ اس کا منہ دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے، جب تک کہ وہ از سر نو تائب ومتقی نہ ہوجائے۔

فقرا اور فرزندوں پر اور گھر کے اندر اور باہر کھانے کی تقسیم مساوی طور پر کرتے ہیں، جو عمل بھی سنت یا مستحب ہے، اس سے ذرا تجاوز نہیں کرتے، ایک رسالہ ''قوت العمل'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو امر بالمعروف اور ایسے بہت سے حقائق ومعارف الٰہیہ پر مشتمل ہے کہ عارفین کے سوا ہر شخص کماحقہ نہیں سمجھتا، اپنے احوال کا بہت اخفا فرماتے ہیں اور اپنی عاجزی اور شکستگی ظاہر کرتے ہیں، اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی ہوں گے، پابندِ شرع دوستوں اور طالبین کے ساتھ بڑی خوش خلقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے ہیں،

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡم''[1] کی متابعت کا پرتو آپ میں بہت نمایاں ہے۔

ہدایا اور نذر متقی کے سوا کسی سے قبول نہیں کرتے، منقول ہے کہ ایک روز دلیل خاں جو عہد شاہجہانی کے امرائے کبار میں سے تھے، ملاقات کے لیے آئے، ان کو آپ نے امر بالمعروف کیا اور تمام

---

[1] اور بے شک آپ اخلاق کے اعلی پیمانے پر ہیں۔

امور خلاف شرع سے توبہ کرائی، توبہ کے بعد جو نذر وہ لائے تھے قبول فرمائی، وہ رخصت ہو کر تقریباً ایک کوس گئے ہوں گے کہ ان کے لشکر سے نقارہ کی آواز آئی، اسی وقت نذر واپس بھیج دی۔

میاں شیخ عثمان شاہ جہاں پوری نے، جو حضرت آدم بنوریؒ کے لوگوں میں سے تھے، آپ کی تنگیٔ معاش کا حال سن کر سلطان اورنگ زیب کو رقعہ لکھ کر میر سید علم اللہ اور میاں شیخ سلطان[1] کی خدمت کی ترغیب دی اور ان کا استحقاق ثابت کیا، بادشاہ نے فرمایا کہ میاں شیخ سلطان کے فقرائے خانقاہ کے لئے ایک روپیہ روزینہ مقرر کردیا جائے، چونکہ بادشاہ کو معلوم تھا کہ سید صاحب موصوف (شاہ علم اللہؒ) روزینہ قبول نہیں فرمائیں گے، اس لئے فرمایا کہ جس حلال مال سے ہمارے کھانے کا انتظام ہے، اس میں سے دو سو روپئے سید صاحبؒ کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کیے جائیں، لیکن شاہ علم اللہ صاحبؒ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا، شاہ صاحب کا زہد و تقوی رو بہ ترقی تھا، بخلاف اکثر مشائخ کے کہ سلوک کی ابتداء میں ریاضتیں کر کے آخر میں فارغ و سبکدوش ہوجاتے ہیں لیکن شاہ صاحب نے اوں تنگی و سختی وفقر کو راحت سمجھ کر اور فقر وفاقہ کو سنت کی پیروی میں جو اختیار کیا، تو آخر تک اس میں ذرا فرق نہیں آنے پایا اور لذات دنیاوی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا[2]۔

صاحب ''بحر زخار'' نے آپ کے تذکرہ میں یہ لفظ لکھے ہیں:

> ''مجاہد اتیکہ ازاں یگانہء زمانہ درباب نصرت دنیا باتباع طریقہء نبویہ ظہور آمدہ بعد از صحابہ کرام رضی اللہ عنہم در دیگر اولیائے امت متاخرین کمتر یافتہ می شود''۔

صاحب ''بحر زخار'' اور صاحب ''اعلام الہدی'' لکھتے ہیں:

> ''مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگ آپ کی اس قوت عمل، کمال اتباع اور عزیمت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے، ''ھذا کأبی ذر'' یعنی شاہ علم اللہ اس زمانہ میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہیں، یہ فقرہ حرمین میں زبان زد ہو گیا تھا۔''

---

[1] حضرت سید آدم بنوریؒ کے نہایت ممتاز و جلیل القدر خلفاء میں سے تھے، پورب میں سلسلہ نقشبندیہ کے دو امام تھے، شیخ محمد سلطان ساکن بلیا اور سید علم اللہ ساکن رائے بریلی، حالات کے لئے ملاحظہ ہو ''نتائج الحرمین''۔

[2] ''نتائج الحرمین''۔

شیخ عبد الحمید ابدال رحمۃ اللہ علیہ (شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک معاصر بزرگ فرماتے تھے کہ اتباع سنت اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں سید علم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مثال اس زمانہ میں نہیں ہے، اور سلف میں بھی خاص خاص لوگ اس درجہ کے ہوئے ہیں، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی فرزندگی کے علاوہ آپ کی محبوبیت بھی حاصل ہے، چنانچہ آپ کی اس مقبولیت اور محبوبیت کے بہت سے واقعات اور رؤیائے صادقہ کتابوں میں مذکور ہیں۔

شیخ عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کی شہادت لکھتے ہیں:

''دریں زمانہ مشہور است کہ ہم چنیں باستقامت در شریعت وطریقت ومطابقت سنت کم کسے خواہد بودالاماشاء اللہ''۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حد درجہ کے متواضع اور سادہ تھے، خرد وکلاں، حتی کہ نوکر چاکروں کو تعظیم سے خطاب کرتے، اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے، جھاڑو دیتے، پانی بھرتے، لکڑی کاٹ کر لاتے، کھانا پکانے میں نوکروں کے ساتھ شریک ہوتے، ایک مرتبہ سیلاب کے بعد ایک مخلص نے حویلی کی کرسی بلند کرنے کے لئے پانچ سو روپے بھیجے، آپ نے صاحبزادوں اور ساتھیوں سے فرمایا، ''یہ رقم آئی ہے، چاہے مزدوروں سے کام لیاجائے اور ان کو مزدوری دی جائے، چاہے تم خود محنت کرو اور مزدوری لو''۔ سب نے اسی کو منظور کیا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سب کی شرکت میں روزانہ محنت کرکے حویلی تعمیر کی اور سب کام سب کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کیے۔

ہر کام میں دوسروں کا ہاتھ بٹاتے اور کسی سے خدمت نہ لیتے، بازار سے سامان خرید کر سر پر اٹھا کر لاتے، شیخ وقت اور مخدوم خلائق ہونے کے باوجود مشیخت ومخدومیت کی بو بھی نہیں پائی جاتی تھی۔

شاہ صاحب کو رسوم وبدعات اور خلاف شریعت رواج سے بڑی نفرت تھی، اس رنگ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، جو شیخ عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے:

''عید الاضحی کے روز سورج نکلے آپ مسجد سے نکل کر مکان تشریف لائے، دروازے پر پہنچے تھے کہ دو سپاہی حضرت کی ملاقات کے لیے آئے، آپ دروازہ سے واپس ہوئے اور ان کی خاطر سے اپنی نشست گاہ میں آکر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا ''تم شادی غمی میں اپنے عزیز واہل برادری کے ساتھ کیا عمل کرتے ہو، سنت کے

موافق یا بدعت؟ ان میں سے ایک نے جو حضرت سے پہلے سے تعلق رکھتا تھا، جواب دیا "ہمارا عمل حضرت کی مرضی اور ارشاد کے موافق ہے اور ہم شادی غمی میں کسی بدعت کی محفل میں شریک نہیں ہوتے" فرمایا "جزاک اللہ" اس کے ہمراہی نے کہا "ہمیں جب اللہ توفیق دے گا تو ہم بھی بدعت کے ان کاموں سے باز آجائیں گے، ہمارا اس میں کچھ اختیار نہیں، حضرت نے فرمایا اس طرح مت کہو ہر عاقل و بالغ کو اللہ نے اختیار دیا ہے اور یہ کہنا کہ "اللہ توفیق دے کل قیامت کو اللہ کے حضور میں یہ دلیل کچھ کام نہیں آئے گی، اگر یہ دلیل کارآمد ہو، تو ہر شخص کی گلو خلاصی ہوجائے، دیکھو آدم علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ ان کا گیہوں کھانا ایک تقدیری امر تھا، لیکن انہوں نے بھی اپنی تقصیر کا اعتراف کیا اور کہا " رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا " (۷:۲۳) یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا، اور یہ نہیں کہا "اے اللہ گیہوں نہ کھانے کی توفیق تو نے کیوں نہیں دی؟ کسی آدمی کا کسی پر قرض ہوتا ہے اور وہ آدمی اس سے مطالبہ کرتا ہے تو قرضدار یہ نہیں کہتا "اگر خدا توفیق دے گا تو تیرا قرض ادا کردوں گا، بلکہ چارو ناچار کہیں نہ کہیں سے انتظام کرنا پڑتا ہے یا نہ ہونے پر بالکل عذر کرتا ہے، یا اسے معاف کروا لیتا ہے یا کسی دوسرے وقت پر رکھتا ہے، اسی طرح اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ اسلام کے مفہوم پر عمل کریں، اسلام کیا ہے؟ اللہ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا اور اس کے ممنوعات سے بچنا، بس اللہ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا چاہیے اور ان تمام چیزوں سے جن سے اللہ نے روکا ہے، مجتنب رہنا چاہیے اور سنت کی پیروی کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ بندہ جب نیک کام اختیار کرتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے کرم سے اس کی امداد و اعانت فرماتا ہے اور اس کو خیر کی زیادہ توفیق دیتا ہے، جب بندہ کا اخلاص اللہ سچا دیکھتا ہے تو اس کی طرف سے فضل و کرم ہی کا معاملہ ہوتا ہے، البتہ بندہ کو استقامت سے کام لینا چاہیے"۔

شاہ صاحبؒ کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر سختی سے عمل تھا، کوئی خلاف شرع یا خلاف سنت بات دیکھتے تو بے تامّل ٹوک دیتے، کسی کا رسوخ و وجاہت، ریاست و امارت یا علم و فضل اس سے مانع نہ ہوتا۔

حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے زمانہ کے نہایت جلیل القدر عالم شیخ وقت اور اودھ کے کثر علماء کے استاد تھے، ایک مرتبہ رائے بریلی آپ کی قیامگاہ پر تشریف لائے اور دونوں جلیل القدر معاصرین کی ملاقات ہوئی، شاہ پیر محمد صاحبؒ کے جسم پر اس وقت ایک رنگین گلابی لباس اور گردن میں مالا پڑی ہوئی تھی، شاہ علم اللہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا "جناب رئیس العلماء اور کتاب وسنت سے سب سے زیادہ واقف ہیں، یہ فرمائیں کہ اس مالا اور زنار کے درمیان بافت اور تافت کے سوا کیا فرق ہے"؟ شاہ صاحب ممدوح نہایت منصف مزاج بزرگ تھے، بے تامل مالا گردن سے اتار دی، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد فرمایا : "یہ رنگین گلابی کپڑے بھی خلاف سنت لباس اور ہندوستان کے جوگیوں کی پوشاک ہے، آپ جیسے خواص کے شایان شان نہیں"، شاہ پیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "یہ رنگ میل نہیں قبول کرتا اور ذرا دیر میں دھونے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے حالت سفر میں مباح ہے،" شاہ علم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں، جناب کا یہ کرتہ اور چادر اور عمامہ جس قیمت کا ہے، اس میں اس بات کی کیا رخصت ہو سکتی ہے؟ پھر جناب کے خدام کو یہ زحمت برداشت کرنی چاہیے" شاہ پیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اعتراف فرمایا اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات قبول کی، جب رخصت ہو کر وہاں سے تشریف لے گئے تو خادموں اور شاگردوں نے عرض کیا "جناب نے شاہ علم اللہ صاحبؒ کے اعتراض کو اس قدر جلد قبول کر لیا، تو ہم خدام بڑے محجوب ہوئے حضرت ملک العلماء اور یکتائے زمانہ ہیں، بہت سی توجیہات فرما سکتے تھے، شاہ پیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہ علمائے راسخین اور اولیاء کاملین میں سے تھے، اور نفسانیت اور انانیت کا کانٹا دل سے نکل چکا تھا رفقاء سے فرمایا "سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بالکل حق اور سنت کے موافق تھا، ایسی بات میں سینہ زوری کرنے سے حق بات کا انکار اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کا خطرہ تھا"۔

عزیمت اور صبر و استقامت کی مثال یہ ہے کہ محبوب فرزند سید ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بتیس سال کی عمر میں انتقال کیا، لیکن گھر سے کوئی آواز اور آہٹ بھی ایسی نہیں سنی گئی، جس سے اس واقعہ کا علم ہوتا، اہل خانقاہ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، نماز کے بعد خلاف معمول مصلے سے اٹھ کر دروازہ تک آئے اور خدام خاص میں سے ایک کو بلا کر فرمایا "رات

میاں ابو حنیفہ کا انتقال ہو گیا، تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا چاہیے" اسی دن دفن کرنے کے بعد متوجہ ہو کر فرمایا "الحمد للہ" میاں ابو حنیفہ اس دنیا سے دولت ایمان کے ساتھ گئے"۔ اس خوشی میں پانچ روپیے کی مٹھائی تقسیم کی، ایک ضعیفہ روزانہ چرخہ چلایا کرتی تھیں، گھر تشریف لے گئے، فرمایا "آج چرخہ کیوں بند ہے؟" ن بڑی بی نے عرض کیا "حضرت ایسا لائق و جوان بیٹا دنیا سے اٹھ جائے، اس کے غم میں ہم اپنا چرخہ بھی بند نہ کریں؟" فرمایا "یہ سب قضا و قدر کی باتیں ہیں اللہ کے حکم میں کسی کو دم مارنے کا چارہ نہیں، زندگی مستعار ہے رضی برضا رہنا چاہیے[1]۔ اپنی پوری زندگی میں کوئی جاگیر یا روزینہ قبول نہ فرمایا جس طرح متاع دنیا سے دامن جھاڑ کر نصیر آباد سے رائے بریلی آئے تھے، اسی طرح اس دنیا سے رخصت بھی ہو گئے۔

آخر عمر میں سارا وقت مسجد میں گزرنے لگا تھا ملاقاتوں اور مجلسوں سے کنارہ کشی کر لی تھی، غذا بالکل کم کر دی تھی، ہمیشہ سے آرزو تھی کہ ان کی عمر حضور ﷺ سے زیادہ نہ ہو اللہ نے ان کی یہ آرزو پوری کی۔

سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے ملفوظات مختلف علماء نے نقل کیے ہیں جو اتباع سنت، معرفت و ولایت، صفائی باطن، صبر کی حقیقت اور دوسرے مضامین پر مشتمل ہیں اور مختصر مقالہ بھی ہے جو "قوت عمل" کے نام سے طبع بھی ہو چکا ہے۔

حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں ان کے صاحبزادہ مولانا سید محمد جی، شیخ محمود رسن تاب خور جوی، شیخ فتح محمد انبالوی، شیخ عبدالاحد نبیرہء حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ، سید عبداللہ محدث اکبر آبادی، شیخ محمد ولی کاکوروی، شیخ محمود خان افغان قابل ذکر ہیں۔

سید شاہ علم اللہؒ کے رسالوں اور تصنیفات میں "قوت عمل" کے علاوہ "عطیات" "عنایت"، "الہادی" بھی ہیں، افسوس ہے کہ "قوت عمل" اور "عطیات" کے علاوہ کوئی چیز محفوظ نہیں[2]۔

(ماخوذ از "خانوادہء علم اللہی")

---

[1] ماخوذ از "سیرت سید احمد شہید" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

[2] حضرت سید علم اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ کریں "تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ از مولانا محمد الحسنیؒ، ناشر مکتبہء اسلام لکھنؤ۔

اعجاز الحق قدوسی

حضرت پیر محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۲۳۳ھ

نام و نسب: آپ کا اسمِ گرامی محمد راشد، آپ کے والد ماجد کا نام نامی سید محمد بقا تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ سید علی مکی تھے۔

پیر محمد راشد کے والد سید محمد بقا کی ولادت با سعادت یکم شعبان ۱۱۳۵ھ کو رسوں پور عرف سانڈی (علاقہ ریاست خیر پور) میں ہوئی، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سید محمد بقا نے مختلف سلسلوں کے بزرگوں سے رُوحانی فیوض حاصل کئے، سلسلہ قادریہ میں انھوں نے سید عبدالقادر حسینی سے اکتسابِ فیض کیا۔ جو حضرت شیخ سید صالح شاہ قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔

سلسلہء چشتیہ اور نقشبندیہ میں اُن کے رہبرِ طریقت مخدوم محمد اسماعیل ساکن موضع پریاں لو تعلقہ روہڑی تھے، جنھوں نے ۱۱۷۴ھ میں وفات پائی۔

آپ کے سلسلہ چشتیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پریاں لوئی، حضرت خواجہ جماں اللہ شیخ حاجی ایّوب، شیخ سعدی لاہوری اور حضرت شیخ سید آدم بنوری سے حضرت مجدّد الف ثانی تک اور حضرت مجدّد الف ثانی کے بعد، اُن کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد، ان کے شیخ حضرت شیخ رکن

الدین گنگوہی[1]، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی، حضرت شیخ جلال کبیر الاَولیاء پانی پتی، حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی، حضرت شیخ سید مخدوم صابر کلیری، حضرت بابافرید گنج شکر اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے واسطے سے خواجہ اجمیر حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی تک پہنچتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا تسلسل مخدوم محمد اسماعیل پریاں لوئی کے واسطہ سے حضرت مجدد الف ثانی تک اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ، خواجگی امکنگی خواجہ درویش محمد، خواجہ محمد زاہد، خواجہ عبید اللہ احرار اور خواجہ یعقوب چرخی کے ذریعہ سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند سے جاملتا ہے۔ آپ کے طریقت کے یہ تینوں سلسلے سید علی گوہر حسینی نے اپنی کتاب خزینۃ المعرفت (قلمی) ص ۶-۷- ۸- ۹ پر مفصل اور مسلسل نقل کئے ہیں۔

حضرت سید محمد بقا نے قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ خاندان کے سر چشموں سے فیضیاب ہو کر سندھ میں عرفان و تصوّف کی دولت کو عام کیا، اور اپنی پوری زندگی رشد وہدایت اور اعلائے کلمۃ الحق میں صَرف کی۔ وہ اپنے زمانے کے نہ صرف عارفِ کامل اور عظیم المرتبت عالم تھے، بلکہ سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔

۹ ربیع الثانی ۱۱۹۸ ھ میں سید محمد بقا کتابوں کا ایک گٹھا سر پر رکھے ہوئے تشریف لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے اس گٹھے کو مال و دولت کا انبار سمجھ کر آپ کو شہید کردیا۔ قصبہ شیخ طیب (ریاست خیر پور) میں آپ مدفون ہوئے ذیل کے قطعہ سے آپکی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

چوں سید محمد بقا شد شہید		حلاوت زرحمت الہی چشید
بسے بود نافع بہر خاص وعام		کزو زود طالب خدا شد رسید
خرد سال تاریخ او دردلم		بگفتا "بدرجہ شہادت رسید"

۱۱۹۸ھ

سید محمد بقا کے اٹھارہ صاحبزادے تھے۔ جن میں پیر سید محمد راشد نے اپنے علم و فضل، تقویٰ

---

[1] حضرت شیخ رکن الدین، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند تھے۔

و تقدس اور عرفان و تصوف کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ اور عوام میں (روضے دھنی) روضے والے کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ولادت: حضرت پیر محمد راشد کی ولادت باسعادت ۱۱۷۱ ہجری میں ہوئی۔

سید محمد راشد کے عالم طفلی کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد جب پہلا رمضان آیا تو آپ نے دن میں اپنی والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا۔ قیاس چاہتا ہے کہ اُس کی بنا پر آپ ابتداً عوام میں (روزہ دھنی) کے لقب سے مشُہور ہوئے ہوں۔ اور بعد میں جب آپ کے مزار مبارک پر گنبد کی تعمیر ہوئی اور روضہ بن گیا تو لوگ آپ کو (روضہ دھنی) "روضہ والا" کہنے لگے۔

تعلیم و تربیت: علوم دینیہ کی تعلم آپ نے قصبہ کھوڑہ کے مشہور عالم مخدوم احمدی اور شاہ فقیر اللہ علوی اور دوسرے یگانہ روزگار علماء سے حاصل کی، اور اپنے والد ماجد حضرت سید محمد بقا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر روحانی تربیت اور فیض حاصل کیا۔

اساتذہ کا ادب: حضرت پیر محمد راشد اپنے اساتذہ کا بیحد ادب اور احترام فرماتے تھے، آپ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے بے حد عقیدت و ارادت تھی اور شاہ صاحب بھی آپ سے غیر معمولی شفقت اور محبّت رکھتے تھے، چنانچہ شاہ فقیر اللہ علوی کے ملفوظات میں (حضرت میاں صاحب) کے نام سے جو تذکرہ ملتا ہے اُس سے مراد حضرت پیر محمد راشد ہی ہیں۔

حضرت پیر محمد راشد کے اخلاف بھی اپنے بزرگوں کی طرح حضرت شاہ فقیر اللہ علوی سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ اس عقیدت و محبّت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شاہ فقیر اللہ علوی کی وفات کے بعد ان کے کتب خانے سے صحیح بخاری کا ایک نسخہ پیر سید صبغۃ اللہ نے تبرکاً منگوایا۔ جب لوگ اُس نسخے کو لے کر آئے تو پیر صبغۃ اللہ نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ اپنے والد کے استاد کے اس نسخے کا استقبال کیا اور اِس نسخے کے حصول کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھا[1]۔

رُشد و ہدایت: اپنے والد کی شہادت کے بعد سید پیر محمد راشد سندھ کے آسمان ولایت پر رُشد و

---

[1] ماخوذ از رسالہ سروش (فارسی) ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء مضمون شاہ فقیر اللہ علوی مرتبہ آقامی سید عبد الحی جیسی۔

ہدایت کا آفتاب بن کر طلوع ہوئے اور اپنے علم و فضل، عرفان و فیوض کی ضیا باریوں سے نہ صرف سندھ کو، بلکہ جودھپور، جیسلمیر اور دوسرے علاقوں کو منور اور درخشاں بنا دیا۔

خلفاء: حضرت پیر سید محمد راشد کے متعدد خلفاء تھے۔ جنھوں نے مختلف مقامات پر ارشاد وہدایت کی خانقاہیں آراستہ کیں، اور جن کے فیوض و برکات کا سلسلہ آج بھی مختلف مقامات پر جاری وساری ہے، اُن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:—

(۱) خلیفہ محمد حسین مہیسر

(۲) خلیفہ سیٔ والے، جن سے بھرچونڈی کے بزرگوں نے رُوحانی اکتساب کیا اور ان سے امروٹ شریف کے بزرگوں نے اس رُوحانی امانت کو حاصل کیا، امروٹ شریف ہی کے بزرگوں کے ارشد تلامذہ میں مولانا عبیداللہ سندھی جیسے دینی اور سیاسی مفکر تھے۔ جن پر ہندو پاکستان کی تاریخ کو ناز ہے۔

(۳) خلیفہ خانگڑہ تعلقہ میر پور ماتھیلہ ضلع سکھر

(۴) خلیفہ محمود کڑیائی

(۵) خلیفہ نبی بخش لغاری مٹھی والا۔ اِن سے یہ سلسلہ ''کچھ'' اور کاٹھیاواڑ میں پھیلا اور ان علاقوں کے بہت سے لوگ، خلیفہ نبی بخش کی ہدایت سے اس سلسلے میں داخل ہوئے۔

(۶) خلیفہ گل محمد ہالائی، صاحبِ دیوانِ گل

تصانیف: حضرت پیر محمد راشد کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ رشد وہدایت، اعلائے کلمۃ الحق سے جو وقت بچتا، اس کو حضرت پیر محمد راشد تالیف و تصنیف میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح اسماء اللہ الحسنٰی، جمع الجوامع اور آپ کے مکاتیب آپ کی علمی اور محققانہ قابلیت، تبحر اور روحانی افکار وخیالات کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے ملفوظات بھی، آپ کے دو ممتاز خلفاء یعنی خلیفہ محمد حسین مہیسرا اور خلیفہ محمود نظامانی کڑیہ والے نے علیحدہ علیحدہ جمع کئے تھے، یہ ملفوظات عرفان و تصوف، تاریخ و تمدن اور علم و ادب کے وہ گوہر گرانمایہ ہیں کہ جنکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوحانی رہبر کی حیثیت سے حضرت پیر محمد راشد ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

وصال: ۱۲۳۳ھ کو حضرت پیر محمد راشد نے ۶۳ سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور

واصل الی اللہ ہوئے، حکیم سید محمد شجاع نے حسبِ ذیل قطعہ تاریخ وفات میں اپنے حزن وملال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

وا محمد راشدِ رہ نمائے شیخ وشاب — شد شہید از سم و واصل گشت باحق درشتاب
سال وتاریخ و روز وصال و وقت گو — اول وشعبان معہ جمعہ طلوع آفتاب

سجّادگی: حضرت پیر محمد راشد کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے پیر صبغۃ اللہ شاہ اول مسند آرائے رشد وہدایت ہوئے اور دستارِ سجادگی اُن کے سر پر باندھی گئی۔ اس خاندان میں یہ پہلے پیر ہیں جو پیر پاگارا (صاحبِ دستار) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے دوسرے بھائی پیر محمد یاسین جھنڈا یا علَم لے کر دوسری جگہ چلے گئے، اس لئے اُنھوں نے پیر جھنڈا کے لقب سے شہرت پائی۔ پیر جھنڈا کا کتب خانہ آج بھی علمی دُنیا میں غیر معمولی شہرت وعظمت رکھتا ہے۔

سید صبغۃ اللہ اول نے مسند جب رشد وہدایت کو زینت بخشی، اس وقت سلطنتِ اسلامیہ کا چراغ جھلملا رہا تھا۔ پنجاب پر سکھ چھائے ہوئے تھے، اور سندھ کے حصول پر انگریزوں اور سکھوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ حالات کی ناسازگاری نے مسلمانوں کو اس درجہ بدحواس، وحشت زدہ اور کم ہمّت بنا دیا تھا کہ اُن کے قوائے عملی شل ہو چکے تھے، سارے معاشرے پر انحطاط کا رنگ غالب تھا۔ مذہب کی رُوح مفقود ہوچکی تھی، اوہام اور رسوم پرستی کو مذہب کا نام دیا جاتا تھا۔ اس تنزل و انحطاط کے زمانے میں شاہ صبغۃ اللہ اول نے اعلائے کلمۃ الحق، تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا، اس مردِ حق آگاہ نے جب یہ دیکھا کہ سکھ حکومتِ سندھ کی جانب پھیلنے لگے ہیں تو آپ نے جہاد کا عزم مصمم کرلیا۔ آپ کا کوئی وعظ جہاد کی ترغیب اور فضائل سے خالی نہ ہوتا تھا۔ کچھ اور لار کے مُرید جو ان مواعظ میں شریک نہ ہوسکتے تھے، آپ نے ان پر مختلف خطوط کے ذریعہ سے جہاد کی اہمیت کو واضح کیا، اور انھیں جہاد کے لئے دعوت نامے لکھے۔

سید صبغۃ اللہ شاہ اول کی سندھ میں مقبولیت اور اُن کے علمی، رُوحانی مراتب کا اندازہ سید حمید الدین کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے سید صبغۃ اللہ شاہ کے متعلق تحریر کیا ہے۔

در تمام مملکتِ سندھ ہمچو او شیخے — باشندگانِ سندھ کے نزدیک سارے

ومرشدے درزعم مرداں ملک	ملک میں اُن (پیر صبغۃ اللہ) جیسا
ملک نیست — قریب سہ لک	کوئی شیخ ومرشد نہیں ۔ تقریباً تین
مرید انش از قومِ بلوچ ہستند، و	لاکھ بلوچ ان کے مرید ہیں، مرجع خلق
بکمال جاہ وجلال ورجوعات خلائق	عام ہیں، جاہ جلال سے زندگی گزار رہے
خوش میگزرانند، درجودو کرم و	ہیں۔ جودو کرم، اخلاص ومروّت میں بھی
اخلاص ومروّت ہم شہرہء آفاق۔	بھی شہرہء آفاق ہیں۔
درخانہ سید مذکور کتب خانہ عجیب و	ان کا کتب خانہ بڑا عجیب وغریب
غریب بہ نظر آمد کہ ہرگز درخانہ سلاطین	کتب خانہ ہے۔ بادشاہوں اور اُمراء کے
واُمرا نبودہ باشد، پانزدہ ہزار جلد نامی	پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا۔ پندرہ ہزار
از کتبِ معتبرہ درآں موجود است۔	معتبر کتابیں اس میں موجود ہیں۔

انھیں مریدوں میں سے سید پیر صبغۃ اللہ نے ایسے سرفروش اور جانباز مجاہدوں کی جماعت تیار کی جو وقت پڑنے پر ملتِ اسلامیہ کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکیں انھیں مجاہدین کو ''حُر'' کا لقب دیا گیا، اور یہی حُر تحریک کا پہلا نقطہ تھا۔

جب سندھ میں سید صبغۃ اللہ شاہ اس دینی تحریک کی بنیاد رکھ رہے تھے اُسی زمانے میں ہندوستان میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی تحریک آزادی سکھوں اور انگریزوں کے خلاف شروع ہو چکی تھی۔ دونوں کا نقطہ نظر ایک تھا۔ دونوں یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان سے سکھوں اور انگریزوں کا اقتدار ختم کرکے اسلامی نظامِ حکومت کو برسرِ عمل لایا جائے، جو شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو تاکہ مظلوم اور دکھی انسانیت کے درد کا مداوا ہو سکے۔

حضرت سید احمد شہید پہلے ہی حضرت سید صبغۃ اللہ کی تعریف سُن چکے تھے۔ اور آپ سے ملنے کے مشتاق تھے۔ جب حضرت سید احمد شہید غازیوں کے ساتھ سرحد جاتے ہوئے سندھ میں تشریف لائے اور آپ کا قیام رانی پُور میں ہوا تو اتفاق سے سید صبغۃ اللہ بھی اپنے ایک سو مریدوں کے ساتھ رانی پُور آئے ہوئے تھے۔ یہیں آپ کی پہلی ملاقات حضرت سید احمد شہید سے ہوئی۔

دونوں ایک دوسرے سے مل کر بیحد خوش ہوئے، اور حضرت صبغۃ اللہ نے آپ کو اپنے وطن پیر گوٹھ تشریف لے چلنے کی دعوت دی۔ جس کو حضرت سید احمد شہید نے منظور فرما لیا۔ کسی ضرورت سے سید صبغۃ اللہ کو ایک دن رانی پور میں ٹھہرنا پڑا، لیکن آپ نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کو اپنے بھائی کے ہمراہ پیر گوٹھ بھیج دیا۔

۱۷/ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ کو حضرت سید احمد شہید پیر گوٹھ پہنچے۔ سید صبغۃ اللہ کے مُریدوں اور بھائیوں نے مہمان نوازی اور مدارت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، دوسرے دن سید صبغۃ اللہ بھی تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے حضرت سید احمد شہید اور غازیوں کی مہمان داری کا اس درجہ اہتمام کیا کہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، تیسرے روز سید صاحب نے اُنھیں باصرار روکا اور لشکر میں رسد بٹنے لگی۔ تقریباً تیرہ روز حضرت سید احمد شہید پیر گوٹھ میں مقیم رہے۔ اور وہاں سے شکار پور روانہ ہوئے۔

دونوں کے خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت سید احمد شہید نے اپنے اہل وعیاں کو پیر گوٹھ میں ہی سید صبغۃ اللہ کی حفاظت میں چھوڑا، دونوں میں مسلسل خط و کتابت جاری رہی۔ حضرت سید احمد شہید کی روانگی کے وقت غالباً دونوں میں یہ فیصلہ ہوا کہ جب صحیح طور پر جنگی مرکز قائم ہوجائے گا تو سید صبغۃ اللہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ سید صبغۃ اللہ جانے کے لئے بالکل تیار تھے اور اس کی اطلاع آپ نے حضرت سید احمد شہید کو دے بھی دی تھی کہ اچانک افغانستان اور پشاور کا راستہ مسدود ہوگیا اور آپ مجبوراً وہاں نہ پہنچ سکے۔

جو اعتماد، خلوص اور محبت حضرت سید احمد شہید کو سید صبغۃ اللہ سے تھی اُس کا اندازہ اُن خطوط سے ہوتا ہے جو آپ نے سید صبغۃ اللہ کو مختلف اوقات میں لکھے۔ ہم اُن میں سے چند خطوط کے اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں۔

ایک خط میں میدانِ جہاد سے سید صبغۃ اللہ کو تحریر فرمایا۔

آپ تمام مسلمانوں کو دعوت دیں اور مخلصین کی ایک جماعت ساتھ لے کر سکھوں کی سرحد سے متصلِ محفوظ مقام پر بیٹھ جائیں اور جہاد شروع کردیں۔ اپنے اہل عیال کے ساتھ میرے اہل وعیاں

کو بھی کسی ایسی جگہ بٹھادیں جو دشمن کی دسترس سے باہر ہو۔

جب سرحد میں حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعتِ امامت ہوچکی تو آپ نے اپنے نائب بیعت لینے کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ محمد قاسم کو بیعت لینے کے لئے سندھ بھیجتے ہوئے سید صبغۃ اللہ کو ایک گرامی نامے میں تحریر فرمایا کہ:

سندھ میں نیابتاً میری جانب سے بیعت لینے کے اہل صرف آپ تھے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے بھائی اس کی وجہ سے رقابت میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ اور شاید اسی باعث اس امرِ مسنون کی بجاآوری سے محروم رہ جائیں، لہٰذا میں نے نیابت کے لئے دوسرے آدمی کو بھیج دیا[1]۔

جب آپ پنج تار سے راج دواری روانہ ہونے لگے تو سید صبغۃ اللہ کو لکھا:—

''اگر ہماری زندگی جہاد ہی میں پوری ہوجائے تو ہمارے اہل وعیال کو حرمین شریفین پہنچادیں''۔

غرض یہ کہ سندھ میں سید صبغۃ اللہ اول ہماری تاریخ آزادی کا وہ جلی اور روشن عنوان ہیں کہ جن کو ملّت اسلامیہ ہندو پاکستان کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

اولاد: ان کے بعد پیر سید محمد راشد کی اولاد راشدی خاندان سے موسوم ہوئی راشدی خاندان آج بھی اپنی وجاہت، شرافت اور علمی عظمت کے لحاظ سے سندھ کے ممتاز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔

(ماخوذ از ''تذکرہ صوفیائے سندھ'')

---

[1] سید احمد شہید ص ۳۰۵ بحوالہ منظورۃ السعدا ص ۶۳۹۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

حضرت سیّد احمد شہیدؒ

م ۱۲۴۶ھ

ذیل میں تصوف وسلوک کی مشہور کتاب "صراط مستقیم" کے خاتمہ کا اردو ترجمہ پیش کیاجاتا ہے۔ "صراطِ مستقیم" کے مُرتب زبدۃ الاولیاء الکاملین، عُمدۃ العلماء المجاہدین شیخ الاسلام و المسلمین حضرت مولانا شاہ محمد اسمعیل شہید قدس سرّہٗ نے اپنے پیرو مرشد امیر المومنین، امام المجاہدین، قطب الاقطاب مجدّد مائۃ سیز دہم حضرت سیّد احمد شہید قدس سرہٗ کے حصولِ نسبتِ نبوّت اور تحصیلِ سلوک ولایت پر عارفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

جی چاہتا ہے کہ "خاتمہ" سے پہلے ابتدائیہ کی وہ سطور بھی نقل کردی جائیں جن میں مریدِ اخلاص کیش اور جاں نثار نے اپنے مُرشدِ یگانہ وہادیٔ زمانہ کو عقیدت ومحبّت کی زبانِ شیریں سے ان الفاظ میں یاد کیا ہے:

"عاجز ذلیل الراجی لرحمۃ اللہ الجلیل بندۂ ضعیف محمد اسمعیل کہ نعم الہیٰ درباره این ضعیف نامتناہی است وازاعاظم آں حضورِ محفل ہدایت منزلِ ملازمانِ فخرِ خاندانِ سیادت، مرجعِ اربابِ ہدایت، مرکزِدائرہ ولایت، دلیلِ سبیل فلاح وشاد رہنمائے طریقِ استقامت وسداد، مظہرِ انوارِ نبوی ﷺ، منبعِ آثارِ مُصطفوی ﷺ، سلالہ خاندانِ صلب طاہر سیّد الاولیاء اعنی علیُ المرتضیٰؓ، نقاوۂ دُودمانِ سبطِ اکبر سند الاصفیاء اعنی حسنِ مجتبیٰؓ، مقتدائے اصحابِ شریعت، پیشوائے اربابِ طریقت، ہادیٔ زمانہ، مُرشدِ یگانہ، سراج المحبّین، تاج المحبوبین، الامام الاوحد السّید احمد متعَ اللّٰہُ المسلمین بطُولِ بقآئہٖ ونفعنا وسآئرِ الطّالبینَ باقوالہ وافعالہ واحوالہ است"۔

پس جاننا چاہیے کہ حضرت ایشاں (سیّد احمد شہیدؒ) کی جبلّت ابتدائے فطرت ہی سے کمالاتِ طریقِ نبّوت پر اجمالاً مائل تھی۔اس طریق کے آثار یعنی وجدانی طور پر مناجات کی لذّت پانا، بالخصوص نماز میں، اور شرع شریف کی تعظیم، اتباعِ سُنّت کی نہایت درجہ رغبت، آلودگیِ بدعت سے کمال نفرت، طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی وسیّئات سے جبلی کراہت بچپن سے آپ پر ظاہر و باہر تھی۔القصّہ طہارت جبلیہّ کے آثار آپ کی طبیعت کی تہ میں ظاہر اور سعادتِ ازلیہ کے انوار آپ کی جبینِ مُبارک پر ہویدا تھے ۔حتیّ کہ سعادتوں کے خزائن کی کلید کہ جس کی مدد سے ہر دو طریق یعنی طریقِ نبوّت اور طریقِ ولایت کے بند دروازے کھُل جائیں، آپ کے ہاتھ آگئی۔یعنی آپ جناب ہدایت مآب، قدوہ اربابِ صدق وصفا، زبدہ اصحابِ فنا وبقا، سیّد العُلماء وسند الاولیاء حجۃ اللہ علی العالمین، وارث الانبیاء والمرسلین، مرجعِ ہر ذلیل وعزیز، مولاناومُرشدنا الشیخ عبدالعزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہ واعزّنا وسائرا لمسلمین بمجدہ وعلائہ کی خدمت میں پہنچے۔آپ کو اُن کے حضور طریقہَ نقشبندیہ میں بیعت کا شرف حاصل ہُوا۔ حصولِ بیعت کے یُمن ور آنجناب کی توجّہات کی برکت سے آپ پر نہایت عجیب ونادر معاملات ظاہر ہُوئے۔اُنھیں وقائع عجیبہ کے سبب کمالاتِ طریقِ نبوّت جو ابتدائے فطرت ہی سے اجمالی طور پر مندرج تھے، تفصیل وشرح کے ساتھ نجام پائےاور مقاماتِ طریقِ ولایت نہایت اچھی صورت میں جلوہ گر ہُوئے۔

ان معاملات میں سب سے اوّل اور افضل یہ ہے کہ آپ نے جناب رسالت مآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔آنحضور ﷺ نے تین کھجوریں اپنے دستِ مبارک سے آپ کو کھلائیں اس انداز سے کہ ایک ایک کھجور اپنے دست مبارک میں لے کر آپ کے دہن میں رکھتے تھے۔اسکے بعد جب آپ بیدار ہُوئے تو اپنے اندر اس رویائے حقّہ کا اثر ظاہر و باہر محسوس کیا اس واقعہ سے آپ کو سلوکِ طریقِ نبّوت کی ابتدا حاصل ہو گئی۔

بعد ازاں ایک دن جنابِ ولایت مآب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور جنابِ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کو خواب میں دیکھا پس جناب علی مرتضیٰؓ نے آپ کو اپنے دستِ مبارک سے غسل دیا اور آپ کے بدن کو خُوب اچھی طرح سے مل مل کر دھویا جس طرح والدین اپنے بچوں کو نہلاتے دُھلاتے ہیں۔ پھر جناب حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے ایک نہایت نفیس لباس اپنے دستِ مبارک سے آپ کو پہنایا۔پس اس واقعہ

کے سبب سے کمالاتِ طریقِ نبوت نہایت جلوہ گر ہُوئے اور مقبولیت ازلی جو کہ ازل الآزال میں مخفی تھی منصّۂ ظہور پر آگئی، عنایتِ رحمانی اور تربیتِ یزدانی بغیر کسی واسطے کے آپ کے حال کی متکفل ہوئی ۔اور ''معاملاتِ متواترہ'' اور ''وقائع متکاثرہ'' پے در پے وقوع میں آئے ۔یہاں تک کہ ایک روز حضرت جلّ وعلانے آپ کا داہنا ہاتھ اپنے ''دستِ قدرتِ خاص ''میں پکڑا اور ''امورِ قدسیہ ''میں سے ایک چیز جو کہ نہایت رفیع وبدیع تھی ،آپ کے سامنے کر کے فرمایا ،ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے اور دیگر چیزیں بھی دیں گے۔

حتیٰ کہ ایک شخص نے حضرت سیّد صاحبؒ کی خدمت میں بیعت کی استدعا کی۔ حضرت اُن دنوں عام طور پر بیعت نہیں لیا کرتے تھے ،اس بنا پر اُس شخص کی التماس قبول نہ فرمائی ۔اُس نے نہایت درجہ الحاح کی، حضرت نے اُسے فرمایا: کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہیے بعد میں جو کچھ مناسب وقت ہو گا وہی عمل میں آئے گا۔ پھر آپ حضرتِ حق کی جناب میں استفسار واجازت کے لئے متوجّہ ہُوئے اور عرض کیا کہ آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ مجھ سے بیعت کی استدعا کرتا ہے ۔آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہُوا ہے اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے تو ہمیشہ دستگیری کا پاس کرتا ہے ۔آپ کے اوصاف کو مخلوقات کے اخلاق سے کچھ بھی نسبت نہیں ، پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے؟ بارگاہِ حق سے حکم ہُوا کہ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت ہوں گے ،اگرچہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں ،ہم سب کو کفایت کریں گے۔''

القصہّ اس قسم کے واقعات اور ایسے ایسے معاملات سینکڑوں پیش آئے۔ یہاں تک کہ کمالاتِ طریقِ نبوّت اپنی انتہائی بلندی کو پہنچے اور الہام اور کشفِ علوم حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہُوئے ۔یہ ہے طریقِ استفادہ کمالاتِ راہِ نبوّت۔اور کمالات راہِ ولایت کے استفادہ کا طریق ،اول اس طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اولیاء اللہ کے طریقوں میں سے ہر طریق میں مجاہدات وریاضات ، اذکار واشغال اور مراقبات معین کیے ہوئے ہیں ۔ان اُمور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں اثر پیدا کرتا ہے اور اشغال کے ثمرات وارد ہونے کے سبب سے ایک ''امرِ مستقر ''طالب کے اندر پیدا ہوجاتا ہے ۔اس امر کے سبب سے طالب عالمِ قدس سے ارتباط رکھتا ہے ۔اور وہی امر حضرت حق جلّ وعلا کے ساتھ طالب کے علاقے کا مُوجب ہوتا ہے وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے ،خواہ اس امر کی جانب طالب کی نظر

ہو یا نہ ہو۔ہاں اس امر کی طرف توجہ کے سبب اس کے آثار منصہّ ظہور پر آجاتے ہیں ورنہ اس کے جوہر نفس میں مخفی رہتے ہیں۔ اس امر کو عرف قوم (صوفیہ) میں ''نسبت'' کہتے ہیں۔مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص جو معقول کی کتابوں کی بتکرار خواندگی کرتا ہے یا دوسرے صنائع جیسے موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو کچھ مدّت کے بعد اس کے اندر ایک ''امرِ مستقر'' پیدا ہو جائے گا، جسے ملکہ صناعت کہتے ہیں ۔وہ ملکہ اُس شخص کے نفس میں دائماً مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس ملکہ کی جانب التفات کرے یا نہ کرے۔ہاں البتہ جب یہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے اور اس کو بروئے کار لاتا ہے تو اس کے آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں ورنہ پردۂ اخفا میں مخفی رہتے ہیں۔

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیے کہ اگرچہ عادت اللہ اس قانون پر جاری ہے کہ مجاہدات وریاضات واذکار واشغال کے مبادئ کی تحصیل کے بعد ''نسبت'' ہاتھ آتی ہے۔لیکن خرقِ عادت کے طور پر بعض نفوسِ کاملہ کو اولاً نسبت حاصل ہوتی ہے بعد ازاں مبادئ۔مثلاً عادۃ اللہ اس قانون پر جاری ہے کہ کتاب وسنّت کے مضامین کتبِ عربیہ اور فنونِ ادبیہ کی تحصیل کے بعد ہاتھ آتے ہیں لیکن بعض نفوسِ کاملہ کو خرقِ عادت کے طور پر اوّلاً ان مضامینِ لطیفہ پر اطّلاع بخشی جاتی ہے، اسے اصطلاحِ قوم (صوفیہ) میں علمِ لدُنی کہتے ہیں ۔فنونِ ادبیہ انھیں ثانیاً حاصل ہوتے ہیں ، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحصیلِ مبادئ میں وہ دُوسرے مبتدیوں کی مانند ان فنون کے اساتذہ کے محتاج ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی مبادئ سے عاری ہی رہ جاتے ہیں۔

القصہّ حضرتِ ایشان (سیّد صاحب) کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ ،چشتیہ اور نقشبندیہ کی نسبت مبادئ سے پہلے حاصل ہو گئی نسبت قادریہ و نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ آنجناب ہدایت مآب (حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدّس سرہ) کی بیعت کی برکت اور ان کی توجہات کے یمُن سے جناب حضرت غوث الثقلینؒ اور جنابِ حضرتِ خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی مقدّس رُوحیں آپ کے متوجّہ حال ہُوئیں اور قریباً ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روحیں مقدّسین کے مابین فی الجمُلہ ایک تنازع رہا۔ کیونکہ ان ہر دو اماموں میں سے ہر ایک آپ کو بتمامہ اپنی جانب جذب کرنے کا متقاضی تھا۔ یہاں تک

کہ تنازع کا زمانہ گزرنے اور شرکت پر مصالحت واقع ہونے کے بعد ایک روز دونوں مقدس روحیں حضرت پر جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر تک دونوں امام آپ کے نفسِ نفیس پر "توجہ قوی" اور تاثیر "زور آور" فرماتے رہے حتیٰ کہ اسی ایک پہر میں حضرت کو ہر دو طریقہ کی نسبت نصیب ہو گئی۔

اور نسبت چشتیہ کا بیان اس طرح ہے کہ ایک روز حضرت ایشان (سیّد احمد شہید) حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مرقدِ منور کی طرف تشریف لے گئے اور اُن کے مرقدِ مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اس اثنا میں اُن کی رُوحِ پُرفتوح سے ملاقات متحقق ہوئی، آنجناب حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توّجہ فرمائی۔ اس توجہ کی وجہ سے نسبتِ چشتیہ کا ابتدائی حصول متحقق ہو گیا۔ اس واقعہ سے ایک مدّت گزرنے کے بعد ایک روز مسجدِ اکبر آبادی واقع شہر دہلی (اللہ تعالیٰ اسے آفاتِ زمانہ سے محفوظ رکھے) میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، چنانچہ راقم الحروف بھی اس محفلِ ہدایت منزل کے آستان بوسوں کی سلک میں منسلک تھا، سب حاضرینِ محفل مراقبہ کے گریبان میں سر ڈالے ہُوئے تھے، اور حضرت سب مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے۔ اس مجلس ملائک مانس کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جلّ وعلا نے محض اپنی عنایت سے بلاواسطہ کسی کے نسبتِ چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے طریقہ چشتیہ کی تلقین و تعلیم میں بازوئے ہمّت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی جن پر یہ کتاب مستطاب (صراطِ مستقیم) مشتمل ہے۔ یہ ہے طریقہ تینوں نسبتوں کے استفادے کا۔

اور باقی تمام نسبتوں، نسبت مجّددیہ وشاذلیہ وغیرہ کا استفادہ، تو جاننا چاہیے کہ کمالاتِ راہِ نبوّت، اربابِ کمال کی بصیرت کو کحلِ قدُسی سے سرمہ ناک کر دیتے ہیں اور کحلِ قدسی کی وجہ سے اُن کا نُورِ بصیرت حدّت و تیزی اختیار کر لیتا ہے۔ اُن کی رُوحِ قدسی آنکھ کی مانند کھُل جاتی ہے حتی کہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اُس چیز کے دقائق در دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ پالیتے ہیں۔ پس گویا ولایت کی تمام نسبتیں سالکِ راہ نبوّت کے کمال میں مجملاً مندرج ہوتی ہیں جونہی کسی چیز کی طرف ادنیٰ التفات متحقق ہُوا تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح و بسط کے ساتھ اُن کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

سلاسلِ طریقت

الحمدللہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمّد وسیلہ الطالبین وعلیٰ آلہ واصحابہ السالکین امّابعد پس طالب ،شرف بیعت وتوبہ سے مشرف ہُوا اور فقیر سیّد احمد کی وساطت سے طریقہ عالیہ چشتیہ وقادریہ ونقشبندیہ ومجدّدیہ ومحمّدیہ کی سلک میں منسلک ہُوا۔اس فقیر (سیّد احمد شہید) کو ان طریقوں کی برکات دو وجہ سے حاصل ہیں۔

وجہ اوّل :اُویسیہ

یہ فقیر اُویسی طور پر طریقہ چشتیہ میں حضرت خواجہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رُوحِ مقدّس سے اور طریقہ قادریہ میں حضرت غوث الثقلین حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی روحِ مقدّس سے ور طریقہ نقشبندیہ میں حضرت امام الشریعت والطریقت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ سے متحقق ہُو ور طریقہ مجدّ دیہ و محمّدیہ میں بلاواسطہ کسی کے حضرتِ حق کی بارگاہ سے مستفید ہُوا۔مقامِ اُویسیّہ کا یہ حصول گرچہ محض بفضل الہیٰ متحقق ہُوا لیکن ظاہری اسباب میں یہ سبب اس فقیر کے حق میں حضرتِ پیر ومُرشد کی دُعا کا نتیجہ ہے۔

وجہِ ثانی: بطریق بیعت واجازت

یہ فقیر سلاسلِ مذکورہ کے مشائخ کی سلک میں بطریقِ بیعت واجازت منسلک ہے۔اس طریقہ پر کہ اس فقیر کو قدوۃ العلماء والمحدثین، وارث الانبیاء والمرسلین حجۃ اللہ علی العالمین مولانا ومرشدنا شیخ عبدالعزیز سے انتساب بیعت واجازت ہے۔اور اُن کو اپنے والدِ ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ سے اور اُن کو اپنے والدِ ماجد حضرت شیخ عبدالرحیمؒ سے۔اور اُن کو

طریقہ چشتیہ

میں اپنے نانا بزرگوار شیخ رفیع الدین ؒ سے انتساب بیعت واجازت ہے

اور اُن کو	شیخ قطبِ عالمؒ	سے
؍ ؍	شیخ نجم الحق چائیں لدہؒ	؍
؍ ؍	شیخ عبدالعزیزؒ	؍
؍ ؍	قاضی خاں یوُسف ناصحیؒ	؍
؍ ؍	شیخ حسن طاہرؒ	؍

〃 〃	سیّد راجی حامد شاہؒ	〃
〃 〃	شیخ حسام الدین مانکپوریؒ	〃
〃 〃	خواجہ نور قطبِ عالمؒ	〃
〃 〃	شیخ علاء الحقؒ	〃
〃 〃	شیخ اخی سراجؒ	〃
〃 〃	سُلطان الاولیا حضرتِ نظام الدینؒ	〃
〃 〃	امام الزاہدین حضرت شیخ فرید الدین شکر گنجؒ	〃
〃 〃	قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	〃
〃 〃	نائب رسُول اللہ ﷺ حضرت خواجہ معین	〃
〃 〃	الدین چشتیؒ	〃
〃 〃	خواجہ عثمان ہارُونیؒ	〃
〃 〃	حاجی شریف زندنیؒ	〃
〃 〃	خواجہ مودُود چشتیؒ	〃
〃 〃	خواجہ یوُسف چشتیؒ	〃
〃 〃	خواجہ محمد چشتیؒ	〃
〃 〃	خواجہ ابوُاحمد چشتیؒ	〃
〃 〃	خواجہ ابوُاسحاق چشتیؒ	〃
〃 〃	شیخ علی دینوریؒ	〃
〃 〃	ابی ہبیرہ بصریؒ	〃
〃 〃	حذیفہ مرعشیؒ	〃
〃 〃	سُلطان التارکین حضرت ابراہیم ادہمؒ	〃
〃 〃	فضیل ابن عیاضؒ	〃
〃 〃	عبد الواحد بن زیدؒ	〃
〃 〃	خیر التابعین حضرت حسن بصریؒ	〃

امام الاولیاء قدوۃ الاتقیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اور اُن کو سیّد الانبیاء والمرسلین محبوب رب العلمین احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ سے۔

سلسلۂ قادریہ

اور اسی طرح شیخ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ العزیز کو طریقۂ قادریہ میں سیّد عبداللہ اکبرآبادی سے انتسابِ بیعت و اجازت ہے۔

اور اُن کو	سید آدم بنوریؒ	سے
″ ″	امامِ ربانی قیومِ زمانی مجدّدِ الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ	″
″ ″	اپنے والد ماجد شیخ عبد الاحدؒ	″
″ ″	شاہ کمالؒ	″
″ ″	شاہ فضیلؒ	″
″ ″	سیّد گدائے رحمٰنؒ	″
″ ″	سید شمس الدین عارفؒ	″
″ ″	سیّد گدائے رحمٰن بن ابی الحسینؒ	″
″ ″	شیخ شمس الدین صحرائیؒ	″
″ ″	سیّد عقیلؒ	″
″ ″	سیّد بہاء الدینؒ	″
″ ″	سیّد عبد الوہابؒ	″
″ ″	سیّد شرف الدین قتّال	″
″ ″	سیّد عبد الرزاق	″
″ ″	حضرت غوث الاعظم سیّد محی الدین عبد القادر جیلانیؒ	″

" " شیخ ابوسعید مخزومیؒ "
" " شیخ ابی الحسن القرشیؒ "
" " شیخ ابی الفرح طرطوسیؒ "
" " شیخ ابی الفضل عبدالواحد علیؒ "
" " شیخ ابی الفضل یمنیؒ "
" " شیخ ابی بکر شبلیؒ "
" " سیّد الطائفہ جنید بغدادیؒ "
" " شیخ ابی الحسن سرّی سقطیؒ "
" " شیخ معروف کرخیؒ "
" " امام علی رضاؒ "
" " امام موسیٰ کاظمؒ "
" " امام جعفر صادقؒ "
" " امام محمّد باقرؒ
" " امام زین العابدینؒ
سیّد الشہداء حضرت حسینؓ
سیّد الاولیاء خاتم الخلفاء حضرت علیؓ

اور اُن کو سیّد الانبیاء خاتم الرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ اجمعین سے۔

سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ

اور اسی طرح شیخ عبدالرحیم قدس سرّہ کو طریقہ نقشبندیہ و مجدّدیہ میں سیّد عبداللہ اکبر آبادی سے انتسابِ بیعت واجازت ہے

اور اُن کو سیّد آدم بنوریؒ سے
" " شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ "
" " خواجہ باقی باللہؒ "

〃 〃 خواجہ املکنگیؒ 〃

〃 〃 مولانا درویش محمّدؒ 〃

〃 〃 مولانا زاہدؒ 〃

〃 〃 خواجہ عبید اللہ احرارؒ 〃

〃 〃 مولانا یعقوب چرخیؒ 〃

〃 〃 امام الشریعت والطریقت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ 〃

〃 〃 خواجہ محمّد بابا سماسیؒ 〃

〃 〃 خواجہ رامیتنیؒ 〃

〃 〃 خواجہ محمود انجیر فغنودیؒ 〃

〃 〃 خواجہ عارف ریوگریؒ 〃

〃 〃 خواجہ خواجگان خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ 〃

〃 〃 خواجہ یوسف ہمدانیؒ 〃

〃 〃 ابی علی فارمدیؒ 〃

〃 〃 امام ابی القاسم قشیریؒ 〃

〃 〃 شیخ ابی علی دقّاقؒ 〃

〃 〃 شیخ ابی القاسم نصر آبادیؒ 〃

〃 〃 شیخ ابوبکر شبلیؒ 〃

〃 〃 سیّد الطائفہ جنید بغدادیؒ 〃

〃 〃 شیخ ابی الحسن سری سقطیؒ 〃

〃 〃 شیخ معروف کرخیؒ 〃

〃 〃 امام علی رضاؒ 〃

〃 〃 امام موسیٰ کاظمؒ 〃

〃 〃 امام جعفر صادقؒ 〃

〃 〃 رئیس الفقہاء والتابعین قاسم بن محمّدؒ 〃

صاحب رسول اللہ ﷺ حضرت سلمان فارسیؓ
امیر المومنین سیّد المسلمین افضل الخلفاء الراشدین حضرت ابی بکر
الصدیقؓ
اور اُن کو سیّد المسلمین امام المتقین احمد مجتبیٰ محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ اجمعین سے۔
نماز پنجگانہ ادا کرنا فرض ہے اور اس کا ترک کفر ہے۔ لازم ہے کہ ہر مومن جان ودل سے خدا کا حکم بجا لائے۔

طریقہ نقشبندی امیر المومنین حضرت سیّد احمد دام فیضہم

حضرت شاہ عبد العزیزؒ	شاہ ولی اللہؒ	شیخ عبد الرحیمؒ
سید عبد اللہؒ	سید آدم بنوریؒ	شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ
خواجہ باقی باللہؒ	خواجہ امکنگیؒ	مولانا درویش محمدؒ
مولانا زاہدؒ	خواجہ عبید اللہ احرارؒ	مولانا یعقوب چرخیؒ
حضرت خواجہ جناب بہاء الدین نقشبندؒ	خواجہ محمد بابا سماسیؒ	خواجہ رامیتنیؒ
	خواجہ عارف ریو گریؒ	خواجہ خواجگان خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ
خواجہ محمود ابخیر فغنویؒ	خواجہ ابو علی فارمدیؒ	خواجہ ابو القاسم قشیریؒ
خواجہ یوسف ہمدانیؒ	ابو القاسم نصر آبادیؒ	ابو بکر شبلیؒ
شیخ ابو علی دقاقؒ	ابو الحسن سری سقطیؒ	معروف کرخیؒ
سید الطائفہ جنید بغدادیؒ	امام موسیٰ کاظمؒ	امام جعفر صادقؒ
امام علی رضاؒ	حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت امیر المومنین ابو بکر الصدیقؓ
قاسم بن محمدؒ		

سید المرسلین امام المتقین احمد مجتبیٰ، محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ اجمعین

۔۔اجازت نامہ۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و سیلۃ الطالبین و علیٰ آلہ و اصحابہ ائمۃ السالکین امابعد۔ پس برادر دینی جمیع مومنین کے خیر خواہ سید احمد کے ہاتھ پر شرفِ بیعت و توبہ سے مشرف ہوا اور طریقہ چشتیہ وقادریہ و نقشبندیہ و مجددیہ و محمدیہ کی سلک

میں فقیر کے توسط سے منسلک ہوا۔ اللہ ان طریقوں کی نعمتیں انہیں نصیب فرمائے اور شریعتِ غرء کی تباع میں استقامت عطا فرمائے، آمین۔

مؤرخہ ہفتم ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ، من مقام تختہ بند
(ماخوذ از "صراط مستقیم")

○

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مسافرِ اسلام ہندوستان کے غربت کدے میں!

صحیح حدیث میں ہے "اسلام کا آغاز مسافرانہ بے کسی میں ہوا اور پھر وہ مسافرانہ بے کسی میں ہوگا تو مسافرت کے بے کسوں کو مبارک باد" اسلام کا آغاز اس وقت ہوا، جب حق کی آواز بند ہو چکی تھی، دین ابراہیم علیہ السلام کا وجود سایہ ہو کر رہ گیا تھا، کفر اور شرک کی تاریکی ہر طرف پھیلی تھی، نبوت کا نور چھ صدیوں سے زیر نقاب تھا، توحید کی دعوت ایک بیگانہ آواز تھی، جو مسافرانہ بے کسی کے عالم میں محمد بن عبداللہ ﷺ کی زبان مبارک سے بلند ہوئی، یورپ، پچھم، دائیں، بائیں، ہر طرف اس صدائے حق کو اجنبی اور نامانوس سمجھا گیا، آواز دینے والے نے حسرت سے چاروں طرف دیکھا اور ہر طرف اس کو وہی بیگانگی، اجنبیت اور مسافرانہ بے کسی کا منظر نظر آیا۔

رفتہ رفتہ یہ اجنبیت دور ہوئی، بیگانگی کافور ہوئی، آواز کی کشش اور نوائے حق کی بانسری نے دلوں میں اثر کیا، کان والے سننے لگے اور جو سننے لگے سر دھننے لگے، یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ سارا عرب اس کیف سے معمور اور اس شراب سے مخمور ہو گیا اور اسلام کا مسافر اپنے گھر پہنچ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ٹھہر گیا۔

اب وہ قافلہ بن کر آگے چلا عرب کے ریگستان سے نکل کر عراق کی نہروں اور شام کے گلستانوں میں پہنچا، پھر آگے بڑھا اور ایران کے مرغزاروں اور مصر کی وادیوں میں آکر ٹھہرا، اس سے آگے بڑھا تو ایک

طرف خراسان و ترکستان ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں اور ساحلوں پر اس کا جلوہ نظر آیا اور دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں کو طے کر کے اس کا نور بحرِ ظلمات کے کنارے چمکا۔

اب آہستہ آہستہ قافلے کے لوگ چھٹنے لگے، تماشائی تماشا کرتے دور نکل گئے، کتنے حسن ظاہر کے طلب گار اور طبعی مناظر کے شیفتہ ان تماشوں میں اپنے سفر کے مقصد کو بھول گئے، اور جہاں پہنچ گئے وہیں رہ گئے۔

اب وہ مسافر پھر تنہا تھا، اس کی آواز میں پھر بیگانگی آگئی، صدائے حق صدا بصحرا ہو گئی، آخر قافلے کی بانگِ درا خاموش ہو گئی اور کارواں یکسر خوابِ غفلت میں محو ہو گیا۔

اس غفلت کی نیند پر چار سو سال گزر گئے اور مسافر کے آغازِ سفر پر ہزارواں برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا، جب عجم کے ایک جادو گر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دینِ عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہو گئی، اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امّی کے ذریعے نبی اُمّی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبے اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس بے میل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو "دبستانِ مذاہب" کا مطالعہ کرے، کتنے زُنّارداروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زُنّار نظر آئیں گے! بادشاہی آستانے پر کتنے امیروں کے سر سجدے میں پڑے اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے، اور مسجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دے گی۔

تعالیٰ شأنُه ، اللّٰهُ اکْبَر![1]

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی "راستہ صاف کرو کہ راستے کا چلنے والا آتا ہے" ایک فاروقی مجدد فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جہانگیر کے طوق و سلاسل نے بڑھ کر ان کے قدم لئے اور وہ شاہی قیدی کی حیثیت میں اسیرِ زنداں ہوئے، اس یوسف زندانی نے بھی یوسف کنعانی کی طرح "ءَ أربابٌ متفرّقونَ خيرٌ أمِ اللّٰهُ الواحدُ القهّارُ"[2] کا نعرہ لگایا، اس نعرے نے سوتوں کو جگا دیا، مسافر اسلام کی درا کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دینے لگی۔

---

[1] اس کی شان بلند ہے، اللہ اکبر

[2] جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یگانہ و برتر؟ (۱۲: ۳۹)

سرہند کے اس فاروقی مجدد کی آواز نے دلی کے ایک اور فاروقی خاندان کو گرمادیا، یہ شاہ عبد الرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو عالمگیر کے معاصر تھے، ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہوئے، جن کو ملت نے حکیم الامت کا خطاب دیا، یہ اس دوسرے دور کے مجدد ہوئے، اس دور میں جس کو ملا، ان سے ملا اور جس نے پایا، ان سے پایا[1]۔

شاہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی، شاہ صاحبؒ کے اخلاف نے پوری صدی تک وہ چراغِ ہدایت، جو ان کے پدر بزرگوار نے جلایا تھا، روشن رکھا۔

شاہ وجیہ الدین، جیسا کہ ان کے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، سلطان اورنگ زیبؒ کی فوج میں تھے، اور جنگِ برادران میں بڑی بہادری سے اورنگ زیب کی طرف سے لڑے تھے، بادشاہ جب دکن میں ہنگامہ آرا تھے تو شاہ صاحب ممدوح بھی جہاد میں شرکت کے لیے دکن جا رہے تھے۔ کہ راستے میں ڈاکوؤں سے لڑائی ہوئی اور شہادت پائی، شاہ عبد الرحیمؒ کے مجاہدانہ جذبات کا پتہ ان کے خطوط سے ملتا ہے، ان کے مکاتیب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانے میں میری نظر سے گزرا ہے، اس میں ان کا ایک خط نظام الملک آصف جاہ اول کے نام ہے، جس میں انہوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات کو پڑھ کر کوئی اس کا پتہ بھی نہیں پاسکتا کہ ان کے زمانے میں جو سیاسی انتشار اور پراگندگی تھی، اس کا ان کی جمعیتِ خاطر پر کچھ بھی اثر پڑا ہے، مگر ذرا ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے اس باب پر کوئی غور کی نظر ڈالے، جو بادشاہ اور ارکان حکومت کے فرائض پر لکھا ہے، اور ''ازالۃ الخفاء'' میں خلافت اور امامت کا جو خاکہ کھینچا ہے، اس کو کسی نے ذرا گہری نظر سے دیکھا ہے تو معلوم ہوگا کہ دادا نے جو نقشہ تیار کیا تھا، پوتے نے اسی نقشے کو اپنے خون سے رنگ کر تیار کرنا چاہا۔

شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی تعلقات تیموریوں کی گرتی ہوئی قوت کے ساتھ نہ تھے، بلکہ روہیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ تھے، اور نواب نجیب الدولہ افغانستان کی سلکِ فضلا میں منسلک تھے[2]۔

مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدانہ کارنامے عالم آشکار ہیں، اور ان سے کتاب کے صفحات لبریز ہیں۔

---

1 ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کی تصریح کی تھی، اور واقعہ نے اس کی تصدیق کی۔

2 ''جام جہاں نما'' قلمی، مؤلفہ قدرت اللہ سنبھلی، تالیف ۱۱۹۱ھ موجودہ کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی۔

مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد دہلویؒ کے فضل و کمال اور مجاہدہ وحال کے دو آتشے سے رائے بریلی کے خمکدے میں ایک اور سہ آتشہ تیار ہوا، یہ سادات حسنی کا خاندان تھا، جس میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کا فیض آکر مل گیا تھا، اس خاندان کا آغاز شیخ الاسلام امیر کبیر قطب الدین محمد مدنی سے ہوا، جنہوں نے ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں ہندوستان آکر کڑا مانک پور کے نواح میں، جو اس زمانے میں الہ آباد سے پہلے الہ آباد تھا، جہاد کیا۔

اس خاندان کے آخری مورث شاہ سید علم اللہؒ ہیں، جو عالمگیرؒ کے زمانے میں تھے، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے مستفیض اور مشرق کے دیار میں ان کے خلیفہء خاص تھے، اس خاندان کے ممتاز افراد مجدد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضِ درس اور فیضِ صحبت سے سیراب تھے، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی برکتیں اور سعادتیں جمع ہو گئیں۔

تیرہویں صدی کا آغاز تھا کہ اس خاندان میں چودھویں کا چاند طلوع ہوا، یعنی ۱۲۰۱ھ میں مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی، چند سال کے بعد یہ چاند مجاہدہ و عرفان کا آفتاب بن گیا۔

کتاب کا موضوع اسی آفتاب عالمتاب کے انوار کمالات کی تابش و بینش ہے۔

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم　　　چو غلام آفتابم، ہمہ ز آفتاب گویم!

تیرہویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی، اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم و بدعات کا زور تھا، مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی، یہ وہ وقت تھا، جب سارے پنجاب پر سکھوں کا اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا، ان دو بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی، جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق اس علم کے پیچھے جمع ہونے لگے، اس مجددانہ کارنامے کی عام تاریخ لوگوں کو یہیں تک معلوم ہے کہ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔ حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے۔

یہ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس کی کھل کر پوری تاریخ لکھنی بھی اب سے پہلے مشکل

تھی، اس کے متفرق مضامین رسالوں اور کتابوں میں بکھرے تھے، کچھ معلومات بزرگوں کے سینوں اور کچھ قلمی کتابوں کے دفینوں میں بند تھے، ان سب کو سمیٹ کرایک دفتر میں فراہم کرنا بھی ایک کام تھا، ہم کو خوشی ہے کہ اس کام کے لئے بھی اس خانوادے کے ایک نوجوان کو جس کو علم وعمل اور فکرو ذوق کی دولت سے حصہء وافر ملاہے، توفیق بخشی گئی، مولوی سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ، شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بڑی کوشش سے ان متفرق معلومات کو یکجا کیاہے، اور اس طرح ترتیب دیاہے کہ یہ تاریخی داستان کے بجائے نوجوان مسلمانوں کے لئے عملی روح کا سامان بن گیاہے۔

ان مجاہدوں کی تاریخ بتائے گی کہ ان کی تحریک کا یہ ناکام انجام کیوں ہوا، واقعہ ڈھکا چھپا اور اسباب نامعلوم نہیں، وہی جماعتوں کا نفاق اور امرا کا اختلاف ان کی ناکامی کا سبب ہوا، جو ہمیشہ سے ناکاموں کی ناکامی کا سبب بنتارہاہے، پشاور کے پٹھان اُمرا اگروفاداری سے کام لیتے توآج ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔

اس تحریک نے اپنے پیروؤں میں للہیت ،خلوص ، اتحاد، نظم، سیاست اور تنظیم کا جوجوہر پیدا کردیا تھا، اس کے سمجھنے کے لئے کتاب کا چوتھا باب کافی ہے، بنگال کی سرحد سے لے کرپنجاب تک اور نیپال کی ترائی سے لے کر دریائے شور کے ساحل تک اسلامی جوش وعمل کا دریا موجیں ماررہا تھا، اور حیرت انگیز وحدت کا سماں آنکھوں کو نظر آرہا تھا۔

سیدصاحب کے خلفا ہر صوبے اور ولایت میں پہنچ چکے تھے، اور اپنے اپنے دائرے میں تجدید، اصلاح اور تنظیم کا کام انجام دے رہے تھے، مشرکانہ رسوم مٹائے جارہے تھے، بدعتیں چھوڑی جارہی تھیں نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن رہے تھے، جو مسلمان نہ تھے، وہ بھی اسلام کا کلمۃ پڑھ رہے تھے[1]۔ شراب کی بوتلیں توڑی جارہی تھیں، تاڑی اور سیندھی کے خم پھوڑے جارہے تھے، بازاری فواحش کے بازار سرد ہورہے تھے، اور حق وصداقت کی بلندی کے لیے علماء حجروں سے اور اُمراء ایوانوں سے نکل نکل کر میدان میں آرہے تھے، اور ہر قسم کی ناچاری ، مفلسی اور غربت کے باوجود تمام ملک میں اس تحریک کے سپاہی پھیلے تھے اور مجاہد تبلیغ اور دعوت میں لگے تھے۔

---

[1] کہتے ہیں کہ اس تحریک سے چالیس ہزار مسلمان ہوئے

کتاب[1] میں پہلے چند ابتدائی عنوان ہیں، اور یہ کہنا چاہیے کہ کتاب کے پانچ سو صفحوں میں جو کچھ ہے، اس کی روح انہیں چند ابتدائی عنوانوں میں کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ اس کے بعد چار باب ہیں، پہلے باب میں اس تحریک کے بانی حضرت سید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بچپن سے حج تک ہیں، دوسرے باب میں ان کے جہاد کے اغراض ومقاصد اور سفر جہاد کی پر اثر کیفیتیں اور دشمنوں سے معرکہ آرائی کی تفصیلات اور شہادت کا حال لکھا ہے، تیسرے باب میں سید صاحبؒ کی تجدید، امامت اور تزکیے کے حالات ہیں، ساتھ ہی اس باب میں اصول تزکیہ روحانی پر جو کچھ لکھا ہے، بہت خوب لکھا ہے اور چوتھے باب میں جو آخری ہے، سید صاحبؒ کے خلفاء کی سوانح اور ان کے کارنامے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ اس ایک آفتاب کے پر تو سے کتنے ذرّے چمک اٹھے تھے، اور اس گئی گزری حالت میں بھی طبیعتوں میں کتنی اچھی استعدادیں موجود تھیں۔

مصنف نے یہ کتاب بڑے وقت سے لکھی ہے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں رشدوہدایت اور عزم وہمت کا ایک صحیفہ دے دیا ہے، کیا عجب کہ مسلمان اس تاریخی موقع پر اس کتاب سے اصلاح وہمت کا فائدہ اٹھائیں اور اپنے ماضی کے آئینے میں اپنے مستقبل کی شکل وصورت دیکھیں۔

ماخوذ از "مقدمہ سیرت سیّد احمد شہید"

○

---

[1] کتاب کا یہ تعارف کتاب کی پہلی اشاعت کے لیے لکھا گیا تھا موجودہ ایڈیشن میں تغیر واضافہ ہوا ہے

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

جہاد اور اسکی تیاریاں

جہاد کے سلسلہ میں خود حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ارشاد فرمایا مختصر تحریر کیاجاتا ہے۔
حضرت سید صاحب نے جہاد کی تبلیغ ودعوت کے لیے جو خطوط مختلف لوگوں کو تحریر کیے ان میں سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جن سے تحریک جہاد کا اصل مقصد بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

"اس تمام جدوجہد سے فقیر کا مقصود صرف یہ ہے کہ اہل کفر وضلالت سے جنگ کرنے کے بارے میں جواحکام وارد ہوئے ہیں، ان کی تعمیل کی صورت پیدا ہو"۔ (بنام سردار یار محمد خاں)

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہم نے محض اللہ کے لیے علم جہاد بلند کیا ہے۔ ہم مال ومنال، جاہ وجلال، امارت وریاست، حکومت وسیاست کی طلب وآرزو سے آگے نکل گئے ہیں، خدا کے سوا ہمارا کوئی مطوب نہیں"۔ (بنام علماء ورؤساء سرحد)

علماء ومشائخ ہندوستان کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ کفار اور سرکشوں سے ہر زمانہ اور ہر مقام میں جنگ کرنا لازم ہے، لیکن خصوصیات کے ساتھ اس زمانہ میں کہ اہل کفر وطغیان کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے مظلوموں کی آہ وفریاد کا غلغلہ بلند ہے، شعائر اسلام کی توہین ان کے ہاتھوں صاف نظر آرہی ہے، اس بناء پر اب اقامت رکن رکین یعنی اہل شرک سے جہاد عامہ مسلمین کے ذمہ کہیں زیادہ مؤکد اور واجب ہو گیا ہے۔"

شاہ سلیمان والی چترال کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکوں نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ ہو گیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ گئے ہیں''۔

راجہ ہندو راؤ وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:

''جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں''۔

حضرت سید صاحب جہاد کو امت اسلامیہ کے لیے رگ جاں کی حیثیت دیتے تھے اور اس کو اعلاء کلمۃ اللہ اور دین اور شعائر دین کی بلندی اور کفر و شرک کی بیخ کنی کے لیے ضروری قرار دیتے تھے، اور دین و شریعت کے قیام کے لیے سلطنت کے قیام کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

''میرا اس منصب (امامت) قبول کرنے سے اس کے سوا کوئی مقصود نہیں کہ جہاد کو شرعی طور پر قائم کیا جائے، اور یہ میری آرزو ہے کہ اکثر افراد انسانی بلکہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام جن کا نام شرع متین ہے کسی کی مخالفت کے بغیر جاری ہو جائیں''۔

فرماتے ہیں:

''دین کا قیام سلطنت سے ہے اور دینی احکام جن کا تعلق سلطنت سے ہے، سلطنت کے نہ ہونے سے صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھوں ان کی ذلت و نکبت اور شریعت مقدسہ کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مساجد و معابد کی تخریب جو ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے''۔

مزید فرماتے ہیں:

''چونکہ زبانی دعوت و تبلیغ، شمشیر و سناں سے جہاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس لیے رہنماؤں کے پیشوا اور مبلغوں کے سردار محمد ﷺ آخر میں کفار سے جنگ کے لیے مامور ہوئے اور دینی شعائر کی عزت اور شریعت کی سربلندی و ترقی اسی رکن، جہاد کی اقامت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی''۔

یہ اقتباسات اس بات کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد صرف اعلاء

کلمۃ اللہ اور شریعت مصطفوی کا نفاذ تھا جس کے لیے وہ ہر قدم اٹھانا ضروری سمجھتے تھے۔

ہجرت:

ہندوستان میں اس وقت اسلام کی بے بسی وبے کسی، اہل دین کی بے وقعتی اور کسمپرسی کا جو حال تھا اس کا پورا نقشہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دور رس نگاہوں سے چھپا ہوا نہیں تھا، خصوصاً پنجاب اور اس کے ملحقہ علاقوں کے حالات سخت ناگفتہ بہ تھے، مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں کی املاک ضبط کرلی جاتی تھیں، مسجدیں منہدم کردی جاتی تھیں اور بے شمار مسجدیں کفار کے قبضہ و تصرف میں آرہی تھیں، لاہور کی بادشاہی مسجد، شاہی اصطبل اور اس کے حجرے گولہ بارود رکھنے کے لیے ستعمال ہوتے تھے، بلند آواز سے اذان دینے پر پابندی عائد تھی، اس وسیع سرحدی علاقہ میں جو پنجاب کہلاتا تھا مسلمان، آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں تھے، لیکن رنجیت سنگھ مہاراجہ پنجاب کی باقاعدہ حکومت کے قائم ہوجانے کے باوجود، ظلم و ستم کی ایسی چکی میں پس رہے تھے، جس نے ان کے سارے مذہبی وسماجی امتیازات ختم کردیے تھے، اور وہ یک ایسی محکوم اور غلام قوم کی حیثیت اختیار کرگئے تھے جو اپنا دینی وملی شعور بھی کھو بیٹھی تھی۔

ان حالات کا تقاضہ تھا کہ پنجاب و سرحد کے مسلمانوں کی اعانت کی جائے، اور ان میں جہاد کی روح بیدار کی جائے تاکہ یہ علاقے جو اسلامی حکومت کو نیا خون فراہم کرتے تھے پھر اپنا وہی کردار ادا کرنے لگیں، اور جہاد کا وہ فریضہ زندہ ہو جو ایک مدت سے مردہ ہو چکا تھا۔

تمام جغرافیائی اور سیاسی حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت سید صاحب نے فیصلہ کیا کہ آزاد قبائل کے علاقہ کی طرف جہاد کی نیت و ارادہ سے ہجرت کی جائے، اور فوجی اور سیاسی تدبر کا یہ تقاضہ بھی تھا کہ ایسے علاقہ کو منتخب کیا جائے جو پرجوش اور طاقتور افغان قبائل کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک کے ساتھ مربوط بھی ہو۔

دوشنبہ ۷ جمادی الآخرۃ ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو اپنے وطن رائے بریلی سے آپ نے سفر کا آغاز کیا۔ فتح پور سے بھوا ہوتے ہی چلہ پاگھاٹ کے رستے دریائے جمنا عبور کی اور یہی وہ مبارک مقام تھا جہاں سے اس محبوب عمل اور عبادت عظمیٰ کا آغاز ہونا تھا جو برسوں کی جہد مسلسل اور رفقاء کی دینی و جسمانی تربیت کا مقصد اولین تھا، جس کی خاطر یہ پرمشقت سفر کیا گیا، جس کی نظیر اسلامی ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

"تذکرہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ"

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

مشہد بالاکوٹ

شہادت کی صبح

۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ ھ کی صبح صادق نمودار ہوئی تواذان ہوئی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ نماز اشراق کے بعد پھر مسجد تشریف لے گئے اور سائبان کے نیچے بیٹھ گئے۔

پہلا شہید

پٹیالہ کے سید چراغ علی بیٹھے کھیر پکارہے تھے، قرابین ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی، اس وقت ان پر ایک اورہی حالت طاری تھی، یکبار گی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو ایک حور کپڑے پہنے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر بعد بولے دیکھو ایک پوشاک پہنے ہوئے آتی ہے یہ کہہ کر وہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہوئے کہ ب تمہارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف دوڑ پڑے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔

پہلے مورچہ پر

حضرت سید صاحب مسجد کے سائبان کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، سکھوں کی طرف سے مسلسل گولیاں آرہی تھیں۔ آپ نے مجاہدین کو مقابلہ کی اجازت دی اور اس طرح دونوں طرف سے گولیاں چلنے لگیں، پھر آپ دعامیں مشغول ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد مسجد سے نکل کر بالاکوٹ کے میدان کی طرف بڑھے۔ پھر آپ نے بلند آواز سے تکبیر کہ کر حملہ کیا۔ اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے آگے آگے سپر بن کر چل رہے تھے، وہاں سے پچیس تیس قدم پر ایک پتھر ابھرا ہوا تھا، آپ نے اس کی آڑ لے کر مورچہ بنایا، جیسے ہی سکھوں کا گروہ سامنے آیا یکبار گی تکبیر کہ کر بندوق والوں نے ایک باڑھ ماری اس کے بعد دوسری باڑھ قرابین والوں نے ماری، ان دونوں باڑھوں میں بے شمار کفار مقتول ہوئے۔ حضرت سید صاحب مسلسل سکھوں پر بندوق سے گولی چلاتے رہے اور آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی خون آلود ہو گئی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب دھان کے ایک کھیت میں مورچہ جمائے بندوق سے گولیاں چلارہے تھے۔

دونوں لشکروں کی طرف سے اس قدر شدت سے گولہ باری ہورہی تھی کہ آسمان بارود کے دھویں کے سبب تاریک ہوچکا تھا۔ اس وقت مجاہدین نے بندوقیں اور قرابین گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور یکبار گی بہ آواز بلند اللہ اکبر، اللہ اکبر کہہ کر زبردست حملہ کیا۔ اس وقت سکھ لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ اسی درمیان سب لوگوں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو نہ سید صاحب کا نشان نظر آیا اور نہ آپ خود دکھائی دیے۔ اس صورت حال کا مجاہدین پر یہ اثر پڑا کہ اکثر لڑائی میں سست ہوگئے اور حضرت کو تلاش کرنے کے لیے جا بجا پھرنے لگے اسی اثناء میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کے سر میں گولی لگی اور آپ شہادت سے سرخرو ہوئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر سکھوں نے دوبارہ سخت حملہ کیا، مجاہدین دل برداشتہ اور منتشر ہوچکے تھے ان میں سے اکثر حضرت سید صاحب کو تلاش کرنے میں لگے ہوئے تھے اس لیے بہت آسانی کے ساتھ سکھوں کی گولیوں کا شکار ہورہے تھے، اسی اثناء میں ایک آواز آئی، غازیو! تم یہاں کیا کرتے ہو؟ حضرت امیر المومنین کو گوجر لوگ ست بنے کے نالہ میں ہو کر لیے جاتے ہیں۔ یہ سن کر اکثر غازی اس طرف چل پڑے اور ان میں سے کچھ شہید ہوئے اور کچھ بچ کر سلامت نکل گئے۔

سکھوں نے بالاکوٹ قصبہ میں آگ لگا دی اور بیمار مجاہدین کو شہید کردیا۔ مجاہدین کی باقی ماندہ جماعت پانی کے چشمہ پر اکٹھا ہوئی، وضو کرکے باجماعت نماز ادا کی گئی، اور وہیں اس بات کی تحقیق ہوئی کہ حضرت امیر المومنین کی ران پر بندوق کی گولی لگی اور سرِ مبارک پر پتھر سے زخم آئے۔

شہداء کی تدفین

سکھوں کے جانے کے بعد بالاکوٹ کے باشندوں نے تمام لاشوں کو اکٹھا کیا اور مولانا محمد اسماعیل صاحب اور ارباب بہرام خان کو علیحدہ علیحدہ دفن کیا اور باقی لاشوں کو مٹی کوٹ کے ایک نالہ میں جمع کیا، اوپر سے مٹی ڈال کر گنج شہیداں بنادیا۔

حضرت سید صاحب کی شہادت

واقعہ بالاکوٹ کے بعد مجاہدین و دیگر اہل تعلق میں اس بات کا بڑا چرچا رہا کہ حضرت سید صاحب کی شہادت ہوئی یا آپ بہ مصلحت روپوش ہوگئے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا شہادت کا خیال غالب آتا گیا۔

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری "سوانح عمری" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایسی بہت سی روایتیں ہیں کہ اس واقعہ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سید صاحب اور ان کے رفیقوں کو دیکھا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی شہادت اور غیوبت میں روزِ اول سے اختلاف ہے لیکن اب بُعد زمانہ کے سبب جو ساٹھ برس سے زیادہ ہو گئے خیال غیوبت خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے"

مولانا سید جعفر علی صاحب خضر خاں کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ بعض ملکیوں سے جو سکھوں کے لشکر میں تھے معلوم ہوا کہ جنگ کے اختتام کے بعد شیر سنگھ نے بعض غازیوں سے جو زندہ گرفتار ہو گئے تھے کہا کہ سچ سچ بتلاؤ کہ ان لاشوں میں سے خلیفہ صاحب کا جسم مبارک کون سا ہے؟ انہوں نے لاشوں میں ایک جسم دیکھا جس کا سر نہیں تھا، اس جسم کو انہوں نے آپ کا جسم قرار دیا۔ شیر سنگھ نے اس پر دوشالہ ڈال دیا اور خاصے کے دو تھان اور پچیس روپے خیرات کے لیے دیے اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کریں، چنانچہ ملکیوں نے اسی طرح عمل کیا۔

مدفن

حضرت سید صاحب کی قبر کے بارے میں قرین قیاس بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا جسم و سر مبارک جمع کر کے دریائے کنہار کے قریب دفن کیا گیا۔ بعد میں اکالیوں نے قبر کھود کر جسم مبارک دریا میں بہا دیا اس طرح جسم اور سر مبارک دریا میں بہتے ہوئے دو علیحدہ مقامات پر دفن کئے گئے۔

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرت سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگان دین کے مزارات پر مشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شدومد کے ساتھ روکتے ہیں لیکن خود آپ کے ہزاروں مرید اور ہزاروں معتقد ملک میں ہیں، آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وہی ہوگا جو دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر ہو رہا ہے اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی۔ حضرت نے فرمایا:۔ میں درگاہ الٰہی میں بصد آہ وزاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے، نہ قبر رہے گی نہ اس پر شرک و بدعت ہوگی۔ خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہیں چلا۔"

ماخوذ از "تذکرہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شہداء بالاکوٹ کا مقام اور پیغام

بالاکوٹ کے معرکہ میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے جو عالم انسانیت کے لیے رونق وزینت، اور مسلمانوں کے لیے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے، مردانگی و جوانمردی، پاکیزگی و پاکبازی، تقدس و تقوی، اتباع سنت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا، اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا "عطر مجموعہ" صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا، اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لیے کافی تھا، ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کررہ گیا، مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی، حکومت شرعی ایک عرصہ کے لیے خواب بے تعبیر ہو گئی، بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنج شہیداں سے گلزار بنی جس کے اخلاص وللّٰہیت، جس کی بلند ہمتی واستقامت، جس کی جرأت وہمت، اور جس کے جذبہ جہاد وشوق شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے، بالاکوٹ کی سنگلاخ وناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عشّاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاع گرانمایہ کا مخزن ہے۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے　　　　قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندہ کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا اس کے نام کی بلندی، اور اس کے دین کی فتح مندی کے لیے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا تھا۔ جب تک ان کے دم میں دم رہا اسی راہ میں سرگرم رہے، بالآخر اپنے خون شہادت سے اسی پیمان وفا پر آخری مہر لگادی، یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ۲۴ ذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سبکدوش وسبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعت شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست وناکامی پر عتاب ہے نہ کسی سلطنت کے عدم قیام پر محاسبہ، وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں، صدق واخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال، اس لحاظ سے شہداء بالاکوٹ اس دنیا میں سرخرو ہیں، اور ان شاء اللہ دربار الٰہی میں بھی باآبرو، کہ انہوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لیے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ان کا وہ خون شہادت جو ہماری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے، ۲۶ ذوالقعدہ کی بارش نے ان کو بھی دھو دیا، وہ خون جس کے نتیجہ میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی کسی قوم کا مادی وسیاسی عروج نہیں ہوا، اور کوئی نخل آرزو اس سے سرسبز ہو کر بارآور نہیں ہوا، اس خون کے چند قطرے اللہ کی میزان عدل میں پوری پوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں، یہ فقیرانِ بے نوا جنہوں نے عالم مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دنیا میں کوئی مادی یادگار نہیں یہ اللہ کے یہاں اُن بانیانِ سلطنت اور مؤسسین حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں، جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ "وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ" (منافقون ۴)

بے شک شہداء بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی وجغرافیائی نقشہ میں کوئی فوری تغیر پیدا نہیں کیا، خون شہادت کی ایک مختصر سی سرخ لکیر ابھری تھی، اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشہ میں تھی، نہ مؤرخ کے سیاسی مرقع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خونِ شہادت دفتر قضا وقدر میں کس اہمیت واثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کے نوشتہء تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو واثبات کا عمل جاری رہتا ہے "یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ" (رعد ۳۹) کون سے نئے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لئے خاتمہ وزوال اور کسی پس ماندہ قوم کے لیے عروج واقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا، اور کس سرزمین کی قسمت جاگی اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنادیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھادیا۔

یوں توشہداء بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ، ''يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُوْنَ، بِمَاغَفَرَلِی رَبِّي وجعلني مِنَ الْمُكْرَمِيْن'' (یس ۲۶، ۲۷) مگر گوش شنوا اور دیدہ بینا کے لیے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطہء زمین کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کی منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی صداقت و عزت کا قائل کرسکیں، جہاں نفس وشیطان، حاکم وسلطان اور رسم ورواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت واطاعت ہو ''ويكونَ الدِّينُ كُلُّهُ لله'' (الانفال ۳۹) جہاں طاعت وعبادت اور صلاح وتقوی کے لئے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو، اور فسق وفجور ومعصیت کے لئے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گزرجانے کے بعد پھر ''اَلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الأَرْضِ أَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وآتُوا الزَّكٰوةَ وأَمَرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ''[1] کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے، تقدیر الٰہی نے ہمارے لئے اس سعادت ومسرت اور اس آرزو کی تکمیل کرنے کے مقابلے میں میدان جنگ کی شہادت اور اپنے قرب ورضا کی دولت کو ترجیح دی، ہم اپنے رب کے اس فیصلہ پر رضامند وخورسند ہیں، اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصہ میں کوئی ایسا خطہ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو، اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری مخل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو، اور ان شرائط واوصاف کا ثبوت نہ دو، جو مہاجرین ومظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغہ امتیاز ہیں[2]، تو تم ایسے کفران نعمت اور ایسی بدعہدی کے مرتکب ہوگئے، جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لیے جدوجہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کردیا، اکوڑے اور شیدو کے میدان اور نورو اور مایار کی رزم گاہ سے لیکر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خونِ شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں، تم کو خدا نے اس زمین کے لیے وسیع رقبہ اور سرسبز وشاداب خطے سپرد فرمائے، اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام

---

[1] وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے (الحج: ۴۱)

[2] أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقاتَلُونَ بأَنَّهُمْ ظُلِمُوا، وَإِنَّ الله عَلى نَصْرِهِمْ لقَدِيرٌ، الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيارِهِمْ بغيرِ حقٍّ إلاَّ أن يَّقُولُوْا رَبُّنَا الله، ولَوْلا دَفْعُ الله النّاسَ بعضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُفِيهَا اسْمُ الله كثيراً ولَيَنْصُرَنَّ الله من يَّنصُرُه، إنّ الله لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ''۔(الحج ۳۹- ۴۰)

کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا، ''ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَآئِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِم لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ[1]'' اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خدا داد سلطنت کی اس دولت کو جاہ واقتدار کی حصول اور حقیر وفانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا، تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین، ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا، اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنتیں اپنی تہذیب ومعاشرت اور اپنے قانون وسیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم وتربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے، جن سے تم نے مسلمانوں کے لیے الگ خطہ زمین کا مطالبہ کیا اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دوگے؟ خدا نے تم کو ایک ایسا نادر وزریں موقع عطا فرمایا ہے، جس کے انتظار میں چرخ کہن نے سیکڑوں کروٹیں بدلیں، اور تاریخ اسلام میں ہزاروں صفحے الٹے، جس کی حسرت وآرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی ہمت بندے دنیا سے چلے گئے، اس موقع کو اگر تم نے ضائع کردیا، تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہوگا، بالاکوٹ کے ان شہیدوں کا جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشہ میں آسودہ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لیے جو اقتدار واختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں پیغام ہے۔ ''فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ[2]''

ماخوذ از ''سیرت سیّد احمد شہید''

---

[1] پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس ۱۴)

[2] کیا یہ احتمال بھی ہے کہ اگر تمہاری حکومت ہو تو تم زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی سے کام لو (محمد ۲۲)

سیّد نفیس الحسینی

حضرت حاجی عبدالرحیم شہید رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۲۴۶ھ

آپ سادات کرام روہ افغانستان سے ہیں۔ نام مولا کی طلب میں وطن سے نکلے۔ پہلے حضرت سیّد رحم علی شاہ صاحب (م ۱۲۰۴ھ) (از احفاد حضرت شاہ قمیص سادھوری قدس سرہ) سے جو مقام پنجلاسہ انبالہ میں مقیم تھے مشرف بہ بیعت ہوئے اور عرصہ تک ریاضت میں مصروف رہ کر نسبتِ طریقہء قادریہ حاصل کی۔ بعد ازاں نسبت عشقیہ چشتیہ کا اکتساب حضرت شاہ عبدالباری امروہی قدس سرہ (م ۱۲۲۶ھ) سے کیا اور آخر میں بیعتِ جہاد باطریقت حضرت سید احمد شہید قدس سرہ (۱۲۴۶ھ) سے کی۔ (انوار العارفین، تحفۃ الابرار ص ۱۸۷ ج ۲، انوار العاشقین ص ۸۲)

ملفوظ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ: "مومن خاں صاحب مومن دہلوی مجھ سے فرماتے تھے کہ ایک بار چند حضرات شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھ رہے تھے کہ تذکرہ اکابروں کا آگیا ہم لوگوں نے عرض کیا اب بھی کوئی ایسا اکابر ہے شاہ صاحب نے فرمایا کہ پرسوں کو ہمارے پاس فلاں حلیہ کا ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آئے گا وہ مرد کامل ہے۔ سمت اور وقت بھی معین کردیا۔ ہم لوگ روز موعود پر زینت المساجد میں کہ دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے ان کے اشتیاق میں بیٹھے تھے وقت مقررہ پر دریا کے کنارے اُسی حلیہ کے ایک بزرگ نمودار ہوئے اور سب ان کی زیارت سے مشرف ہوئے وہ بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ تھے"۔

حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی قدس سرہ نے امیر المومنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید سے اس وقت بیعت کا شرف حاصل کیا جب دوآبے کا مشہور تاریخی و تبلیغی دورہ کرتے ہوئے سید صاحب

سہارنپور میں رونق افروز ہوئے۔ اس تمام سفر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا عبدالحی صاحب اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید ہمرکاب تھے۔ ان کے مواعظ سے بہت اصلاح وانقلاب ہوا۔ اس ایک سفر نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے مشائخ کا تزکیہء باطن اور بڑے بڑے علماء و مصلحین کی برسوں کی تربیت ظاہر کرتی ہے ہر ہر جگہ سینکڑوں آدمی متقی، متورع، عابد، متبع سنّت اور ربّانی بن گئے۔

(سیرۃ سید احمد شہیدؒ ص ۱۴۴ ج ۱)

سہارنپور میں حضرت سید صاحب کا والہانہ عقیدت سے خیر مقدم کیا گیا۔ مؤلف سیرۃ سید احمد شہیدؒ منظورۃ السعداء کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

سہارنپور سے باہر ایک جم غفیر استقبال کے لئے موجود تھا۔ آپ نے مغرب کی نماز مسجد ابونبی میں پڑھی۔ اس کے ایک حجرے میں حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ رہتے تھے جو بڑے مشائخ میں سے تھے۔ سینکڑوں آدمی ان کے مُرید تھے۔ انہوں نے اپنے تمام مریدوں کے ساتھ بیعت کی اور اپنے تمام نیاز مندوں کو بلا کر کہہ دیا کہ سب آپ سے بیعت ہوجاؤ، ایسا مرشد کامل پھر ملنا مشکل ہے۔ تہائی رات تک بیعت کرنے والوں سے آپ کو فرصت نہیں ہوئی۔ دو روز تک انھیں کے گھر دعوت رہی''۔

(سیرۃ سید احمد شہیدؒ ص ۱۴۴ ج ۱)

''نقش حیات''میں اس تاریخی ملاقات کا ذکر حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان صدق ترجمان کے حوالے سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''حضرت سیّد صاحب اپنے دورہ تبلیغ میں حضرت شاہ حاجی عبدالرّحیم صاحب ولایتیؒ پیرومرشد حضرت میانجیور رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقی ہوئے تو منجملہ اور لوگوں کے خود حضرت شاہ صاحب نے بھی حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی (دراں حالیکہ وہ خود صاحب ارشاد مکمل تھے اور ہزاروں آدمی ان کے مرید تھے) اور فرمایا کہ واقعہ میں مجھے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی حاجت نہیں، مگر میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی اسی میں ہی دیکھتا ہوں (نظر کشفی سے) اور اسی لیے بیعت ہوتا ہوں پھر (خلوت ہوئی) اور دونوں حضرات فیوض روحانیہ کا اکتساب کرنے کے لیے حجرہ میں چلے گئے۔ جب نکلے تو سیّد صاحب پر نسبت چشتیہ اور گریہ و بکا کا غلبہ ہوا اور حضرت حاجی شاہ عبدالرّحیم ولایتیؒ پر نسبت نقشبندیہ کا۔　(ج ۲)

مسجد ابو نبی میں حضرت مولانا شاہ محمد اسمعیل شہیدؒ کا وعظ بھی ہوا آج بھی اس مسجد کے اندر درمیانی دروازے میں چند اینٹیں نمایاں طور پر لگی ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہیں کھڑے ہو کر حضرت شاہ اسمعیل شہیدؒ نے وعظ فرمایا تھا۔ وہ حجرہ آج بھی موجود ہے جس میں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ رہتے تھے۔ اسی میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے ملاقاتیں رہیں۔ راقم سطور شوال ۱۳۹۰ھ میں اس مسجد اور حجرے کی زیارت سے چند بار مشرف ہوچکا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ نے اپنے مرید مخلص حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانویؒ کو بھی لوہاری سے سہارنپور بلالیا اور اپنے سامنے حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست حق پرست پر بیعت کرایا۔ اور اجازت و شجرات بھی عطا کیے گئے۔ حضرت شیخ محمد محدث تھانوی (مرید و خلیفہ حضرت میانجیو صاحب جھنجھانویؒ) اپنی تالیف ''انوار محمدی'' میں رقمطراز ہیں:

حضرت حاجی صاحب دادا پیر، حاجی عبدالرحیم مصدر الاوصاف بحضرت شیخ المشائخ میانجیو صاحب پیرو مرشدم تحریر فرمودہ از سہارنپور بمقام لوہاری ارسال داشتند، ہنگام رونق افروزئ آنجناب نزد جناب میر صاحب حضرت سید احمد صاحب وقبلہ دادا پیر قدس اسرارہم در بلدہء سہارنپور، درہماں زماں حاجی صاحب قبلہ ممدوح قدس سرہ پیرو مرشد میانجیو صاحب قبلہ را روی بروی خود بیعت از سید صاحب ممدوح کنانیدند واجازۃ وشجرات عنایت شُدند''۔ (ص ۳۵، مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۹۱ھ)

دوآبے کا تبلیغی دورہ مکمل کرنے کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ اپنے وطن رائے بریلی تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ یہ زمانہ بڑے روحانی و علمی فیوض و برکات کا زمانہ تھا۔ حضرت سید صاحبؒ کا وجود علماء ومشائخ ہندوستان کا اجتماع، یکسوئی، یہ سب نعمتیں جمع تھیں۔ ایک غیر معروف چھوٹا سا گاؤں کہکشاں بن گیا تھا، جس کی زمیں پر چاند کے ساتھ سارے روشن ستارے اتر آئے تھے۔ ہندوستان کے نامور علماء ومشائخ حجۃ الاسلام مولانا محمد اسمعیل صاحب شہیدؒ، شیخ الاسلام مولانا عبدالحی صاحب، قطب وقت مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی (نبیرہء حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ) شیخ المشائخ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی (شیخ الشیخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی) حضرت شاہ ابوسعید صاحب (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب) ایک وقت میں جمع ہوئے۔

(سیرۃ سیّد احمد شہید ص ۱۵۱ ج ۱)

حضرت سید صاحب کا تقریباً ایک سال رائے بریلی میں قیام رہا۔ اس قیام کے اہم واقعات میں سے جہاد کی تیاری عسکری مشق و تربیت کا اہتمام ہے۔

''سیرۃ سید احمد شہید'' میں ہے:

''یوں تو عبادت وسلوک کے ساتھ جہاد کی تیاری آپ ہمیشہ کرتے رہتے تھے لیکن اس قیام میں اس طرف سب سے زیادہ توجہ تھی۔ جہاد کی ضرورت کا احساس روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور یہ کانٹا تھا، جو آپ کو برابر بے چین رکھتا تھا۔ دن رات اسی کا خیال رہتا تھا۔ زیادہ تر یہی مشاغل بھی رہتے۔ آپ اکثر اسلحہ لگاتے تا کہ دوسروں کو اسکی اہمیت معلوم ہو اور شوق ہو۔ دوسروں کو بھی اسکی ترغیب دیتے''۔

(ص ۱۹۵ ج ۱)

جب فنونِ حرب کی مشق و تعلیم میں زیادہ انہماک ہوا اور زیادہ تر وقت اسی میں صرف ہونے لگا، یہاں تک کہ سلوک کے کاموں میں کمی ہونے لگی، تو رُفقاء نے آپس میں گفتگو کرنی شروع کی اور مشورہ کیا کہ مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی اس بارے میں سید صاحب سے گفتگو کریں اور جماعت کے ان خیالات کی اطلاع دیں۔ مولانا نے سید صاحبؒ سے عرض کیا، سید صاحبؒ نے آپ کو جواب دیا کہ:

''ان دنوں اس سے افضل کام ہم کو درپیش ہے۔ اسی میں ہمارا دل مشغول ہے، وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیاری ہے۔ اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں، وہ کام یعنی تحصیل علمِ سلوک اس کام کے تابع ہے۔ اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے، تمام رات عبادت و ریاضت میں گزارے اور نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں میں ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک گھڑی بھی بارود اڑائے تا کہ کفار کے مقابلے میں بندوق لگاتے آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رتبے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور وہ کام (سلوک و تصوف) اس وقت کا ہے، جب اس کام (تیاری جہاد) سے فارغ البال ہو۔ اب جو پندرہ سولہ روز سے نماز یا مراقبے میں دوسرے انوار کی ترقی معلوم ہوتی ہے، وہ اسی کاروبار کے طفیل سے ہے۔ کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیر اندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے، کوئی پھری گدکا کھیلتا ہے، کوئی ڈنٹر پیلتا ہے۔ اگر ہم اس کام کی اس وقت تعلیم کریں تو ہمارے یہ بھائی اس کام سے جاتے رہیں۔ یوسف جی، تم خود اپنا حال دیکھو کہ گردن ڈالے ہوئے ایک عالم سکوت میں رہتے ہو۔ اسی طرح اور لوگ بھی کوئی کمبل اوڑھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرے میں بیٹھا ہے،

کوئی جنگل جا کر مراقبہ کرتا ہے کوئی ندی کنارے گڑھا کھود کر بیٹھا رہتا ہے۔ ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا مشکل ہے۔ تم ہمارے بھائیوں کو سمجھاؤ کہ اب اسی کام میں دل لگائیں۔ یہی بہتر ہے۔ حاجی عبدالرحیم صاحبؒ سے مشورہ کرکے جواب دو'' (سیرۃ سید احمد شہیدؒ ص ۱۹۶ - ۱۹۷ ج ۱)

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کا بیان: حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ نے جب یہ سنا تو پہلے اپنا حال بیان کیا کہ جب مجھ کو حضرت سید صاحبؒ سے بیعت نہ تھی۔ اپنے مشائخ کے طور وطریق پر تھا، چلہ کشی کرتا تھا، جَو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، میرے صدہا مرید تھے اور جو درویشی کا طالب میرے پاس آتا، اس کو تعلیم کرتا تھا اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی اپنے مطلب کے لیے دوچار کوس یا دو ایک منزل لے جانے کی درخوست کرتا، للّٰہ فی اللّٰہ چلا جاتا تھا اور میری نسبت کا یہ طور تھا کہ اگر آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا تھا، تو اسی جگہ اس کو حال آجاتا اور بعض بعض باتیں مجھ میں اس سے بڑھ کر تھیں اور میں اپنے اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بعض بعض صاحبِ تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے جب اللہ تعالیٰ نے ان سید صاحب کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور ان کا طریقہ دیکھا، اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مرجاتا، تو میری بری موت ہوتی، پھر میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو، تو اب دوسری مرتبہ ان سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرو یا اس عقیدے سے میری ہی بیعت کرو، اور جو نہ کرے گا، وہ جانے۔ میں نے آگاہ کردیا ہے۔ اس کا مؤاخدہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں۔ پھر سب نے دوبارہ بیعت کی۔ سو میں نے تمام عیش وآرام اور ناموس ونام ترک کرکے سید صاحب کے یہاں کی محنت ومشقت و تنگی وکلفت اختیار کی۔ اینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار بھی اٹھاتا ہوں، گھاس بھی چھیلتا ہوں، لکڑی بھی چیرتا ہو اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو نعمت دی اور خیر وبرکت عطا کی، اس کے دسویں حصے کے برابر ان اول معاملات کی تمام خیر وبرکت کو نہیں پاتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی؟'' سو میری صلاح اس بارے میں یہی ہے کہ تم اپنا سارا کاروبار حضرت پر چھوڑو۔ وہی جو کچھ بہتر جان کر تم کو فرمائیں، اسی کو مانو اور اپنی بہتری اسی میں سمجھو اور اپنی ناقص رائے کو اس میں دخل نہ دو''۔

حاجی صاحب چونکہ فنِ سلوک اور قوت نسبت میں مسلم تھے اور مشہور شیخ اور عارف تھے۔ اس لیے ان کی تقریر سن کر سب لوگ خاموش ہوگئے اور مقدمات جہاد میں دل وجان سے مشغول ہوگئے۔ دن رات یہی مشغلہ تھا۔ بھرماری، تیر اندازی کرتے، چورنگ لگاتے اور فنونِ سپہ گری کی پوری مشق کرتے تھے۔
سیرۃ سید احمد شہیدؒ ص ۱۹۷ – ۱۹۸ ج ۱، بحوالہ وقائع احمدی ص ۸۴۴ ج)

اس پورے واقعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ دل وجان سے حضرت سید صاحب کے عاشق تھے اور ان کی نظر میں حضرت سید صاحبؒ کا مرتبہ ومقام نہایت درجہ رفیع وبلند تھا۔ ادھر حضرت سید صاحب بھی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ کو ایک عالی نسبت شیخ طریقت جانتے تھے اور اس سلسلے میں ان کو صائب الرائے مانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تربیت سلوک کے لیے بعض خاص مسترشدین کو بھی ان کے سپرد فرمادیا کرتے تھے۔

کلکتہ میں ایک پیرزادے تھے۔ خلاف شرع امور سے اجتناب نہیں کرتے تھے۔ حضرت سید صاحب سفرحج پر جاتے ہوئے کلکتہ ٹھہرے تو وہ پیرزادے متاثر ہوکر بیعت ہوگئے۔ اور منہیات سے توبہ کی۔ حضرت سید صاحبؒ نے ایک دن کے بعد ان کو ایک کرتا دیا اور پگڑی عنایت فرمائی، مولانا عبدالحی صاحبؒ سے خلافت نامہ لکھوا کر انھیں دیا۔ اور ان کو حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے سپرد کردیا۔ ایک دن انھوں نے سید صاحبؒ سے عرض کی کہ مجھ پر اللہ تعالی نے بڑی عنایت کی اللہ تعالی نے اس شہر میں آپ کو گویا میری ہی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔
(سیرۃ سید احمد شہیدؒ ص ۱۰۳ ج ۱)

ایک اور واقعے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ حضرت امیر المومنینؒ کی جانب سے اہم خدمات بھی انجام دیتے تھے، چنانچہ جب لشکر اسلام ہجرت کا سفر طے کرتا ہوا راجستان کے راستے سے سندھ پہنچا تو امیرانِ سندھ کی عملداری کا آغاز ہوگیا، حضرت سید صاحبؒ عمر کوٹ جانا چاہتے تھے، چنانچہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کو اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے قلعدار کے پاس بھیجا۔ صوبہ سرحد پہنچ کر بھی حضرت حاجی صاحبؒ خاص خاص خدمات پر فائز رہے۔
(سیرۃ سید احمد شہید ص ۲۹۶)

منظورۃ السعداء میں ہے: کالاباغ کی راہ سے ڈیرہ اسماعیل خاں کو جہاں نواب اسماعیل خاں کا لشکر شہر کے باہر اترا ہوا تھا، حاجی عبدالرحیم صاحبؒ حضرت امیر المومنینؒ کی اجازت سے اس لشکر میں

اقامت رکھتے تھے تاکہ ہندوستان سے آنے والے جہادی قافلے ڈیرہ اسماعیل خاں جو کہ مقامِ مخدوش ہے نہ جائیں بلکہ اُس سے بالابالا سمتِ جنوب کی جانب ہو کر گزریں۔ (ص ۱۲۴)

حضرت سید صاحبؒ کی نگاہ میں حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کی بڑی قدرو منزلت تھی ذیل کے واقعہ سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

منظورۃ السعداء میں ہے کہ:

(درمکہ معظمہ) آنجناب حضرت امیر المومنینؒ اپنی رہائش گاہ میں تشریف فرما تھے کہ حاجی عمر جو حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کے رفیق تھے اور نہایت درجہ صالح وسعید وعابد وزاہد اور متقی تھے، حضرت امیر المومنینؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرنے آئے۔ آپ نے ان کی عزت و توقیر زیادہ سے زیادہ فرمائی اور ان کی توصیف میں حضرت امیر المومنینؒ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ صادر ہوا کہ ان جیسے لوگوں سے ملائک بھی شرم رکھتے ہیں اور ان جیسے لوگ وہ ہیں جو ملائکہ پر شرف رکھتے ہیں۔

(منظورۃ السعداء ص ۱۱۰)

حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت و تعلق کا پہلا اثر عقیدے کی صحت وصفائی اور توحید وسنت میں پختگی کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا اور وہ اثر اکثر متعدی اور بہت طاقتور ہوا کرتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ سہارنپور میں حضرت سید صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے ہی ایسے متاثر ہوئے کہ وہ اس کے مستقل داعی بن گئے۔

ارواح ثلاثہ میں ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائیپوریؒ فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ سے جو لوگ اُن کے سید صاحب سے بیعت ہونے کے بعد بیعت ہوئے اُن کی حالت نہایت اچھی تھی اور اُن پر اتباع سنت نہایت غالب تھا اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے ان کی حالت اس درجہ نہ تھی نیز مولانا رائیپوریؒ نے فرمایا کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہو چکے تو اس کے بعد وہ سادھورہ تشریف لے گئے اور وہاں تشریف لے جا کر اپنے سابق پیر صاحب کے خدام کو اور نیز قصبہ کے عوام وخواص کو بلا کر ایک جلسہ کیا اور اس جلسہ میں آپ نے فرمایا کہ میرے پیر صاحب کا عرس گو پہلے بھی ہوتا تھا مگر ترقی اسے میں نے دی تھی اور موجودہ حالت اس کی

میری کوشش سے ہوئی ہے مگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے اور میری سمجھ میں اس کی برائی آگئی ہے اس لئے میں آپ صاحبان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس عرس کو موقوف کردیا جائے۔

(ارواحِ ثلاثہ ص ۱۶۶)

آپ نے اس زمانے میں اپنے خلیفہ میانجی نور محمد صاحب جھنجانویؒ کو جو اجازت نامہ لکھا ہے، اس کے لفظ لفظ سے یہ اثر ظاہر ہوتا ہے تحریر فرماتے ہیں:

اجازت نامہ:

"از حاجی عبدالرحیم بخدمت میانجیو صاحب، مہربان مخلصان میانجیو نور محمد صاحب بعد سلام مسنونُ الاسلام مکشوفِ ضمیر آنکہ مدعاے ضروری آنکہ آں صاحب را اجازت است ہر کسے کہ ارادہء بیعت ازاں مہربان دارد، آں مخلص بہ دل جمعی تمام بَیعت و تلقین بطالبین کردہ مانند۔ دریں امر ہر گز در گزر رواندارند، و وسوسہ و خطرہ مخالفِ ایں معنی را اصلا بدل راہ ند ہند وازاہمِ مقاصد و اعظم مرادات آنست کہ انسان خود بذاتہ مستحکم علی الشریعۃ بظاہر و باطن ہر وقت ماند واز بدعت و شرک بہر کیف پاک باشد و ہمچنیں براے دیگر مؤمنین مخلصین ابتداء ملحوظِ خاطر ماند۔ اللہ بس! زیادہ خیریت والسلام۔

و شرک فقط ہمیں نیست کہ غیر خدا را خدا گوید۔ بلکہ شرک را اقسام است شرک فی

حاجی عبدالرحیم کیطرف سے میانجیو صاحب کی خدمت میں مہربانِ مخلصان میانجیو نور محمد صاحب، بعد سلام مسنون الاسلام کے معلوم ہو کہ ضروری مدعا یہ ہے کہ آپ کو (بیعت لینے کی) اجازت ہے، جو آپ سے بیعت کا اردہ کرے، آپ پورے اطمینان قلب کے ساتھ طالبین کو بیعت و تلقین فرمائیں۔ اس معاملے میں ہرگز تکلف سے کام نہ لیں۔ اور کسی مخالف وسوسے اور خطرے کو دل میں جگہ نہ دیں۔

اہم مقصد و مطلوب یہ ہے کہ انسان خود بذاتہ شریعت پر ثابت قدم ظاہراً و باطناً ہر وقت رہے اور ہر طرف کے شرک و بدعت سے پاک رہے۔ اسی طرح سے دوسرے مومنینِ مخلصین کی ہدایت اس کے پیش نظر رہے، زیادہ خیریت والسلام۔

یاد رہے کہ شرک فقط یہی نہیں کہ غیر اللہ کو خدا کہے۔ شرک کی کئی قسمیں ہیں:

شرک فی العبادۃ، وہ یہ ہے کہ جو افعال

العبادۃ وآں آنست کہ افعال برائے تعظیم خدا مشروع اند برا ے غیر خدا بعمل آرد، چنانچہ سجدہ۔ وشرک فی العلم وآں آنست کہ عالم غیب سوائے خدائے تعالی دیگرے راداند۔ چنانچہ جُہالِ ایں زماں می دانند، آنچہ می گوئیم پیرِ ما می شنوند۔ وشرک فی القدرۃ ، آں آنست کہ دیگرے را مثل قدرۃ خدائے تعالی ثابت کند مثلاً بگوید کہ ایں فرزند مرا فلاں پیر زادہ دادہ است یا رزقم فلاں پیر می دہد۔ وبدعت آنست کہ درشریعت کہ از پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام ثابت گردیدہ برآں زیادتی کمی نماید چنانچہ سجدہ ورکوع دررکعت دومشروع اند، کسے سہ کند وفہمد کہ زیادہ عبادت است ویا کمی کند چنانچہ یک رکوع یا سجدہ او، گوید کہ من عبادت کردم ۔ ایں ہر دو عند الشرع مردود اند، فقط۔ از حکیم مغیث الدین سلامِ شوق مطالعہ باد از کاتب الحروف امان اللہ سلام شوق مطالعہ باد![1]

خدا کی تعظیم کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، ان کو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے بجالائے جیسے سجدہ۔ شرک فی العلم، اور وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھے جیسے کہ اس زمانے کے جہلاء سمجھتے ہیں، مثلاً ہم جو کچھ کہتے ہیں ہمارا پیر سنتا ہے شرک فی القدرۃ، اور وہ یہ ہے کہ دوسرے کے لیے اللہ تعالی کی سی قدرت ثابت کردے مثلاً یوں کہے کہ میرا یہ لڑکا فلاں پیرزادے کا عطا کیا ہوا ہے یا میری روزی فلاں پیر دیتا ہے۔

اور بدعت یہ ہے کہ اس شریعت میں، جو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت ہے، کچھ زیادتی کمی کرے۔ چنانچہ رکعت میں ایک رکوع اور سجدے دو مشروع ہیں ۔ کوئی تین کردے اور سمجھے کہ زیادتی عبادت ہے، یا کمی کرے ، چنانچہ ایک رکوع ایک سجدہ کرے اور کہے کہ میں نے عبادت کی ہے ۔ یہ دنوں شرع کے نزدیک مردود ہیں۔ فقط حکیم مُغیث الدین کی طرف سے اور کاتب الحروف امان اللہ کی طرف سے سلام شوق پہنچے۔

حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کی محبت میں ایسے فریفتہ

---

[1] رسالہ انوار محمدی از مولانا شیخ محمد تھانوی، مطبوعہ مطبع ضیائی ۱۲۹۱ھ

ووارفتہ ہوئے کہ حضرت شمس تبریزی اور مولانا روم کے جذبہ وعشق کی یاد تازہ کردی انہوں نے اپنی مسندِ بیعت وارشاد چھوڑ چھاڑ کر حضرت سید صاحبؒ کی مستقل معیت اختیار کرلی تھی اور سفر وحضر میں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے سفرِ حج بھی اکٹھا کیا، پھر ہجرت جہاد میں مردانہ وار ساتھ رہے حتی کہ سید صاحب کے ہمراہ مایار کی جنگ میں شہید ہوکر سرفرازی حاصل کی۔

حضرت شیخ محمد تھانوی قدس سرہ ''انوار محمدی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی مجاہد غازی شہید کہ در لشکرِ ظفر پیکر حضرت سیّد احمد صاحب قبلہء دوجہاں مصدر البیان درولایت خراسان شربتِ شہادت نوشید قدس اللہ سرہ العزیز۔

(ص ۳۰)

> لشکر اسلام کیخلاف سکھوں کے ایما پر دُرّانیوں نے لشکر کشی کی۔ ان کی پیادہ بٹالین کا ایک افسر ''کیول'' نامی فرنگی تھا۔

''منظورہ'' میں ہے کہ جس وقت سید صاحبؒ کی جماعت پر دُرّانی سواروں اور پیادوں کا حملہ ہوا، چونکہ اُن کا ہجوم بہت تھا اور سید صاحبؒ کے ساتھ کے پیادے تھوڑے تھے، حاجی عبدالرحیم خاں مرحوم جو ایک مردِ درویش اور سید صاحبؒ کے محب جاں نثار تھے، فرطِ محبت سے تاب نہ لاسکے اور سواروں کو للکار کر کہا کہ عزیزو، دُرّانیوں کے اس انبوہ عظیم نے امیر المومنین کی جماعت قلیل پر حملہ کیا ہے، اگر آپ ہی نہ رہے، تو زندگی کا کیا مزہ؟ آؤ، بائیں جانب سے حملہ کریں۔ یہ سوار چونکہ تعداد میں تھوڑے تھے اور دُرانی تین ہزار سے کم نہ تھے، مقابلہ کی تاب نہ لاسکے، اس حالت میں حاجی عبدالرحیم، سید ابومحمد، شیخ عبدالحکیم وغیرہ نے شہادت پائی اور سید موسیٰ اور رسالدار عبدالحمید خاں سخت زخمی ہوکر گھوڑے کی پیٹھ سے گرے۔ درّانی سوار جتنی بار پیادوں کے مقابلے سے پسپا ہوتے تھے، انھیں سواروں پر گرتے تھے۔

(سیرۃ سید احمد شہید ص ۲۵۵ حصہ دوم)

منظورۃ السعداء میں ہے کہ دُرّانیوں کے لشکر میں تخمیناً چار ہزار پیادے اور آٹھ ہزار سوار تھے۔ اور حضرت امیر المومنین کے ہمراہی اس وقت ہندی وملکی تین ہزار پیادے اور پانچ سو سوار تھے۔

مایار کی جنگ میں لشکر اسلام کو فتح ہوئی چالیس (۴۰) غازیوں کے قریب شہید ہوئے۔ درانیوں کو

شکست فاش ہوئی اُن کے اسی (۸۰) آدمی مارے گئے۔ لشکرِ اسلام کے شہیدوں کے چند نام حسب ذیل ہیں: شیخ عبدالرحمن رائے بریلوی، میر رستم علی چلکانوی، مولوی عبدالرحمن توروکے۔ حاجی عبدالرحیم پکھلی والے۔ (حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی، میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ کے شیخ اور سلسلہ صابریہ امدادیہ کے رکنِ رکین ہیں) شیخ عبدالحکیم پھلتی۔ کریم بخش گھاٹم پوری رحمہم اللہ تعالی۔

تورو میں تدفین: شاہ اسماعیل نے تورو سے باہر شمال و مشرقی کونے میں ایک بڑی قبر کھدوائی اور تمام لاشوں کو مندرجہ ذیل ترتیب سے رکھا: سب سے آگے قبلہ رخ حاجی عبدالرحیم پکھلی والے، (غالباً حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی پکھلی کے علاقے میں لشکر اسلام کی خدمات سرانجام دیتے تھے، پکھلی ہزارہ کے علاقے میں واقع ہے۔) ان کے ساتھ سید ابومحمد نصیر آبادی، پھر میر رستم علی، شیخ عبدالحکیم پھلتی، فضل الرحمن، مولوی عبدالرحمن ساکن تورو، کریم بخش اور باقی حضرات۔ سب کے بعد عبد لرحمن رئے بریلوی کی لاش رکھی گئی جنہیں کفن بھی پہنایا گیا تھا باقی تمام اصحاب کو بلا غسل و کفن ن کے لباسوں میں بہ دستور رکھ دیا گیا۔ مولانا نے فرمایا ان کے عماموں کا ایک سرلے کر منہ ڈھانپ دیے جائیں۔

شہداء کی تدفین اور دعا: شہداء کو دفن کے لیے لایا گیا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا سب کے چہرے ان کے عماموں سے چھپادو اور ان کے کپڑے دیکھ لو۔ جو کچھ پیسہ روپیہ وغیرہ بندھا ہو، اسکو کھول لو۔ کسی شخص نے قبر میں اُتر کر ان کے چہرے ڈھک دیے اور پٹکے وغیرہ ٹٹول لیے۔ پھر کئی آدمی ایک بڑی سی چادر قبر کے منہ پر تان کر کھڑے ہوگئے اور سب مٹی دینے لگے۔ تختے بنگلے کچھ نہیں رکھے گئے اسی طرح صرف مٹی سے توپ دیا۔ اس کے بعد مولانا صاحب اور سب نے مل کر بہت دیر تک ان سب کے لیے دعاء مغفرت کی۔ جو لوگ شریک دفن تھے، محبت سے روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ تو جس مراد کو آئے تھے، اس مراد کو پہنچے، ہم لوگوں کو بھی اللہ تعالی ایسی شہادت نصیب کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد مغرب کی اذان ہوئی۔ سب نے سیّد صاحب کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے بہت دیر تک سر برہنہ ہو کر ان شہیدوں کی مغفرت کے واسطے دعا کی۔ (سیرت سید احمد شہیدؒ)

(۳۱ دسمبر ۲۰۰۲ء کو راقمِ سطور اپنے چند رفقاء کے ساتھ اس تربتِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔)

یہ واقعہ عجیب قدرتی اتفاق ہے کہ جس مبارک تبلیغی سفر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کم سنی کے عالم میں حضرت سید احمد شہید کی گود میں دیے گئے اور سید صاحب نے انھیں بیعت تبرک میں

قبول فرمایا اسی سفر میں چند ہی روز بعد حاجی صاحب کے دادا پیر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ اور پیرومرشد حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانویؒ بھی حضرت سید صاحب کی بیعت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

الحاصل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی بنفس نفیس، ان کے مرشد اوّل حضرت مولانا سید نصیرالدین دہلوی، مرشد ثانی حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمہ اللہ اور پھر دادا پیر حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ سب کے سب امیر المومنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کے حلقۂ عقیدت وارادت اور سلسلۂ بیعت وارشاد سے وابستہ ہیں۔ **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم ۔**

ایں سلسلۂ طلائے ناب است　　　　ایں خانہ تمام آفتاب است

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کے مرشدِ ثانی حضرت شاہ عبدالباریؒ کے جانشین حضرت شاہ رحمن بخشؒ بھی حضرت سید صاحبؒ کے لشکرِ اسلام کو امداد بھیجتے رہے۔

جنگ مایار کی تاریخ "سیرت سید احمد شہیدؒ" اور "سید احمد شہیدؒ" دونوں کتابوں میں مذکور نہیں۔ البتہ سید موسی بن سید احمد علیؒ (ہمشیر زادہ حضرت سید صاحبؒ) جو جنگ مایار میں شدید زخمی ہوگئے تھے، اور اُن کو پنجتار پہنچادیا گیا تھا، "منظورۃ السعداء" میں ہے برذ قصیری میں (غالباً رجب ۱۲۴۶ھ میں) سید موسی کے انتقال کی خبر پہنچی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مایار کی جنگ رجب ۱۲۴۶ھ سے پہلے واقع ہوئی۔

"تحفۃ الابرار" میں حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ کی تاریخ وفات ۲۱ رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ مندرج ہے بعض حضرات نے حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کی شہادت بالاکوٹ میں لکھی ہے جو درست نہیں بلکہ آپ اپنے شیخ ومرشد حضرت سید احمد شہید کی حیات مبارکہ میں ہی شہادت سے سرفراز ہو کر خواجہ میر درد کے اس شعر کے مصداق ہوئے۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم　　　　سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

(ماخوذ از "سیّد احمد شہید کے روحانی رشتے")

سیّد نفیس الحسینی

حضرت سید نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۲۵۶ھ

حضرت مولانا سید نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ جامع کمالات بزرگ تھے۔ آپ کو مجد و شرف کی متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔ آپ حضرت سید ناصر الدین تھانیسری سونی پتی کی اولاد سے تھے۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ عزیز، حضرت شاہ محمد اسحق رحمۃ اللہ علیہ کے داماد، حضرت شاہ محمد آفاق مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریکِ جہاد کے رکن رکین تھے۔

۱۲۴۰ھ میں حضرت شاہ محمد اسحق رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرماتے تھے تو مولانا نصیر الدین صاحب مدرسے کے دروازے پر فراہمی زرِ اعانت میں مصروف رہتے تھے۔ آخر آپ نے خود جہاد کا عزم کرلیا۔
(سر گزشت مجاہدین ص ۱۲۰)

آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشدِ اول تھے۔

حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ میں حضرت مولانا نصیر الدین صاحب کی خدمت میں بہت کم رہا میرے والد ماجد بیمار ہوگئے تھے۔ انہوں نے دہلی سے اپنی تیمار داری کے لیے طلب کیا۔ میں حضرت سے رخصت لینے گیا۔ حضرت نے مجھے سینہء مبارک سے لگا کر بہت دعا دی اور طریقہء نقشبندیہ کی اجازت فرما کر رخصت کیا۔ میرے والد ماجد کئی مہینے مریض رہے، بہت علاج ہوئے، کچھ مفید نہ ہوا اور دنیا سے رحلت فرمائی انّا للّٰہ وانّا إلیہ راجعون ۔ اسی وجہ سے میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت

میں دوبارہ حاضر نہ ہوسکا اور اس درمیان میں حضرت بغرضِ جہاد افغانستان کو چلے گئے.....میں ان کی خدمت شریف میں بہت قلیل مدت رہا۔ کچھ لطائف جاری ہوگئے تھے۔ (امداد المشتاق ص ۱۵۲)

حضرت مولانا نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۳ ذی الحجہ[1] ۱۲۵۰ھ دہلی سے جہاد کے لیے ہجرت فرمائی۔ اس وقت امیر المؤمنین حضرت سید احمد صاحب کی شہادت کو چار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ آپ نے دعوت جہاد سے افسردہ دِل مسلمانوں کے سینے از سرِ نو گرما دیے اور ان میں سر فروشی وجانبازی کا ولولہ پیدا کردیا۔ جناب غلام رسول مہر حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد تحریکِ جہاد اور جماعتِ مجاہدین کی کیفیت وصورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا نصیر الدین کے تجدیدی کام کا ذکر کرتے ہیں۔

''ستھانہ پہنچنے کے بعد مجاہدین کی حالت خاصی کمزور ہو گئی تھی۔ ان کی کارکردگی کا دائرہ بہت محدود ہوچکا تھا۔ وہ اس عظیم الشان جماعت کا محض ایک نشان رہ گئے تھے، جو سید صاحب (سید احمد شہید) کی سرکردگی میں ہندوستان کی تطہیر کے لیے اٹھی تھی، اور جس کی مجاہدانہ سرگرمیوں نے چار سال تک پنجاب کی طاقتور سکھ حکومت کو سراسیمگی کا ہدف بنائے رکھا تھا۔ اگرچہ جاں نثارانِ حق کے چھوٹے چھوٹے گروہ وقتاً فوقتاً سرحد پہنچتے رہتے تھے، تاہم عام مسلمانوں کے جوشِ جہاد میں افسردگی پیدا ہورہی تھی۔ اس لیے کہ سرحد میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام پانے کا موقع باقی نہ رہا تھا لہذا سید صاحب کی تحریکِ جہاد کے کارفرماؤں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ دوبارہ ایک بڑی جماعت تیار کرکے آزاد علاقے میں بھیج دی جائے جس سے سید صاحب کے شروع کیے ہوئے کام میں جوش وخروش کی نئی روح پیدا ہوجائے۔ اس اہم فرض کی بجاآوری کا شرف روز اوّل سے مولانا نصیر الدین دہلوی کے لیے مقدر ہوچکا تھا، جنہوں نے سید صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا۔ دعوت جہاد سے ایک جماعت تیار کی اور سید صاحب کی طرح وطن مالوف سے ہجرت کرکے کاروبارِ جہاد کی تجدید کا انتظام فرمایا۔'' (سرگزشت مجاہدین ص ۱۲۹)

---

[1] س وقت حضرت مولانا کے پیرومرشد حضرت شاہ محمد آفاق مجددی دہلوی (م ۱۲۵۱ھ) زندہ تھے۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحق بھی حیات تھے۔ ظاہر ہے ان بزرگوں کی اجازت اور ایماء سے ہجرت جہاد فرمائی۔

جناب مہر صاحب ایک اور مقام پر مولانا نصیر الدین کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا سید نصیر الدین کا ممتاز ترین کارنامہ یہ ہے کہ جب سید صاحب (سید احمد شہید) اور ان کے دوسرے بلند منزلت رفقاء کی شہادت کے بعد جہاد کی گرم جوشیوں پر افسردگی طاری ہو گئی تو مولوی صاحب موصوف نے عزم وہمت سے کام لے کر اس کاروبار کو تازہ رونق بخشی۔ ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمان بے حسی کا شکار ہو چکے تھے اجنبیوں نے ملک کی حکومت ان سے چھین لی تھی اور نظم ونسق کو اپنی مصلحتوں کے مطابق چلانے لگے تھے، گویا عام اسلامی فضا کی جگہ سراسر غیر اسلامی فضا پیدا ہورہی تھی۔ سید صاحب اٹھے مسلمانوں کا جمود توڑا اور ان کے سامنے یہ نصب العین پیش کیا کہ جانفشانی وجانبازی سے کام لے کر کھوئی ہوئی عزت وعظمت دوبارہ حاصل کی جاسکتی ہے اور اسلامیت کا وقار از سرِ نو قائم کیا جاسکتا ہے۔ مولانا سید نصیر الدین نے جب دیکھا کہ تحریک کا جوش وخروش ختم ہورہا ہے تو جوانمردانہ میدان میں آگئے اور اپنی ذات کو بے تامل قربانی کے لیے پیش کردیا''۔(سرگزشت مجاہدین ص ۱۹۷)

نواب وزیر الدولہ والیء ٹونک بالکل بجا ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''سید صاحب کی شہادت کے بعد خلقِ خدا کی ہدایت، شریعت کے احیاء اور جہاد کا کاروبار بے آب وتاب ہورہا تھا۔ خدا کی رحمت سے مولانا سید نصیر الدین کی بدولت اس کاروبار میں بے اندازہ رونق اور جِلا پیدا ہو گئی۔'' (وزیر الدولہ کے وصایا۔ جلد اول ص ۴)

حضرت مولانا سید نصیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

۳ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ (۲ اپریل ۱۸۳۵ء) کو گھر بار، اہل وعیال اور اعزہ واحباب سے مفارقت اختیار کرکے عرب سرائے میں جا ٹھہرے جو دہلی سے تقریباً چار میل پر ہے۔ مجاہدین کی مختصر سی جماعت ساتھ تھی۔ جے پور، ٹونک، اجمیر، جودھپور، جیسلمیر، قلعہ کٹھارو اور خیر پور ہوتے ہوئے پیر کوٹ پہنچ گئے۔ جہاں سید احمد شہید کے اہل وعیال مقیم تھے۔ اس وقت سید عبدالرحمن (خواہر زادہ سید صاحب) حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ مردوں میں سے صرف سید اسمٰعیل (برادر زادہ سید صاحب) موجود تھے۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں پیر صبغۃ اللہ شاہ مسند نشین ارشادوہدایت تھے۔ انہوں نے سید صاحب سے کامل تعاون کا عہد کیا تھا اور اس کے ایفاء میں برابر سر گرم رہے۔ سید صاحب کی شہادت کے چند سال بعد وفات پائی۔

حضرت سید احمد شہید، پیر صبغۃ اللہ اول کے جذبہء اسلامیت سے اس درجہ متاثر ہوئے تھے کہ اپنے اہل وعیال کے قیام کے لیے پیر کوٹ ہی کا قیام تجویز کیا۔ چنانچہ آپ کے اہل وعیال واقعہء بالاکوٹ کے بعد بھی کئی سال تک پیر کوٹ ہی میں مقیم رہے۔ حضرت مولانا سید نصیر الدین نے اسی تعلق کی بنا پر سندھ میں پیر کوٹ کو اپنی پہلی منزل قرار دیا تھا۔ مولانا سید نصیر الدین جس زمانہ میں پیر کوٹ پہنچے، حضرت پیر صبغۃ اللہ اول کے فرزند پیر علی گوہر شاہ مسند نشین تھے۔(سرگزشت مجاہدین ص ۱۵۱)

حضرت مولانا سید نصیر الدین صاحب نے سندھ کے خاص خاص قصبوں اور شہروں میں جاجا کر دعوت جہاد دی۔ حضرت مولانا ایک طرف سندھ میں بیٹھے ہوئے مختلف اصحاب کو اعانت کے لیے تیار کر رہے تھے۔ دوسری طرف ہندوستان میں دعوت جہاد کے لیے پےدرپے اعلانات بھیجے جا رہے تھے۔ الغرض شب وروز جہاد ہی کی فکر دل ودماغ پر طاری تھی۔

پہلا معرکہ:

سندھ پہنچنے کے بعد حضرت سید نصیر الدین صاحب کو تقریباً ہر ذمہ دار آدمی نے یہی مشورہ دیا کہ مزاریوں کے علاقے میں قیام کرنا چاہیے۔ یہ مشورہ غالبا اس بنا پر دیا گیا تھا کہ اس زمانے میں مزاری سکھوں کے خلاف لڑرہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا نصیر الدین کوسب سے پہلا معرکہ روجھان کے مقام پر پیش آیا۔ روجھان مزاریوں کا علاقہ تھا جس پر سکھوں نے قبضہ جمالیا تھا۔ حضرت مولانا نے مزاریوں سے عہد وپیمان کے بعد شعبان ۱۲۵۳ھ کے آخری عشرے میں روجھان پر پیش قدمی کی اور ۲۵ شعبان کو قلعہ کا معاصرہ کرلیا۔ مجاہدین کے پاس چارشاہینیں تھیں، جنھیں مختلف مورچوں میں نصب کر لیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ اہلِ قلعہ نے دروازے بند کرلیے اور توپ لگا کر مجاہدین پر گولہ باری کرنے لگے۔ دودن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین نے تنگ آکر دست بدست لڑائی کی ٹھانی۔ وہ دو چار مرتبہ قلعے سے باہر نکلے۔ جابجا مورچے قائم کیے لیکن مجاہدین کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور قلعے میں جابیٹھے۔ دوروز میں تقریباً بیس محصورین مارے گئے اور تین مجاہدین نے شہادت پائی۔

(سر گزشت مجاہدین ص ۱۸۱)

دوسرا معرکہ:

دوسرا معرکہ روجھان سے تقریباً چار کوس دور کن کے مقام پر پیش آیا۔ یہاں سکھوں کی فوجی چوکی تھی۔ انہوں نے نقارے بجا کر مجاہدین پر حملہ کردیا۔ مجاہدین نے اللہ اکبر کے نعروں سے ان کا مقابلہ کیا اور ایک ہی حملے میں سکھوں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ لیکن اندیشہ تھا کہ وہ پلٹ کر حملہ کریں گے۔ لہذا مجاہدین دوپہر تک اس جگہ انتظار میں بیٹھے رہے۔ چنانچہ سکھ دوبارہ نمودار ہوئے اور پھر جنگ شروع ہو گئی۔ مٹھن کوٹ کا قلعہ دار کرم سنگھ اور اس کا ایک ساتھی مجاہدین کے نرغے میں آگئے۔ مجاہدین نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا اور دونوں کے سر کاٹ کر قلعہ کن کے دروازے پر لٹکا دیے۔ سکھ دوبارہ بھاگ نکلے۔ ان کے دس سوار کھیت رہے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ دوسرے دن مجاہدین کن سے روانہ ہو کر کشمور پہنچ گئے۔ پھر وہاں سے ایک اور مقام پر جا ٹھہرے، جو روجھان سے آٹھ نو کوس دور تھا۔ رمضان ۱۲۵۳ھ (دسمبر ۱۸۳۷ء) کا مبارک مہینہ آپ نے یہیں گزارا۔

انگریزوں سے جنگ:

حضرت مولانا نصیر الدین صاحب چونکہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میراث کے حامل تھے۔ لہذا انگریزوں کے بارے میں ان کے نظریات و عزائم وہی تھے جو حضرت سید صاحب کے تھے۔ حضرت مولانا سفرِ سندھ کے دوران والیانِ خیر پور کے علاقے میں قیام نہ فرمانے کی وجہ اپنے ایک مکتوب میں بیان فرماتے ہیں:

چونکہ میرانِ خیر پور زیر دستانِ فرنگیاں وآشتی دارانِ سکھاں اند، قرار خود در محروسہء ایشاں مقرونِ صلاح نمی بینم۔	والیانِ خیر پور چونکہ فرنگیوں کے زیر اثر ہیں اور سکھوں سے انھوں نے صلح کر رکھی ہے لہذا ان کے علاقے میں قیام میرے نزدیک خلاف مصلحت ہے۔

جناب غلام رسول مہر، مذکورہ بالا اقتباس سے ایک قابل غور نکتہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آخری اقتباس سے واضح ہے کہ مولانا سید نصیر الدین نے دو وجہ سے خیر پور میں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ اول ریاست کا فرنگیوں کے زیر اثر ہونا، دوم سکھوں سے مصالحانہ تعلقات رکھنا۔ مولوی صاحب موصوف سید احمد شہید کے میراث کے حامل

تھے۔ اگر انگریزوں کے متعلق سید صاحب کی رائے وہی ہوتی جو مولوی محمد جعفر تھانیسری کی تحریر کے مطابق بعض حضرات نے ایک صدی تک قبول کیے رکھی تو حضرت مولانا نصیر الدین انگریزی اثر کو کیوں موجب قدح قرار دیتے۔ حقیقت یہی ہے کہ سید صاحب اور ان کے تمام رفقاء وخلفاء ہندوستان کو ہر اس تسلط سے پاک کرنا چاہتے تھے جو مسلمان حکمرانوں کی نااہلی کے باعث یہاں قدم جماچکا تھا۔ سکھ تھوڑے سے حصے پر قابض تھے۔ ملک کا بڑا حصہ انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ پھر یہ بزرگ کس بنا پر انگریزی تسلط کو بہ اطمینانِ خاطر قبول کرسکتے تھے؟ آگے چل کر مولانا نصیر الدین صاحب نے انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کی اور معاملے کو وضاحت کی آخری منزل پر پہنچادیا۔" (سر گزشت مجاہدین ص ۱۸۰)

قیام مہرو:

روجھان اور کشمور کے بعد حضرت مولانا نصیر الدین صاحب مجاہدین کو لے کر شکار پور کی طرف تشریف لے گئے اور مہرو میں مقیم ہوئے، جو شکار پور سے ایک منزل پر واقع ہے۔ یہاں سے حضرت مولانا نے بلوچستان کو ہجرت فرمائی۔ اس سے پیشتر قلات کے وزیر اعظم سے آپ کی خط و کتابت شروع ہوچکی تھی۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ موقع ملے تو بلوچستان چلے جائیں۔ حضرت مولانا بلوچستان میں سبیؔ، ڈھاڈو اور تھل چتیالی وغیرہ میں رہے۔ (سر گزشت مجاہدین ص ۱۹۰)

اچانک گردوپیش کے سیاسی حالات میں ایسا تغیر پیدا ہو گیا کہ انگریز افغانستان کی آزادی سلب کرلینے پر تل گئے۔ امیر دوست محمد خان نے مقابلے کی ٹھانی۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا نصیر الدین نے بھی موصوف کی اعانت میں مجاہدانہ شان سے قدم آگے بڑھایا۔ (سر گزشت مجاہدین ص ۱۹۰)

غزنی کی لڑائی:

انگریزں کی ایک بہت بڑی فوج نے درہء بولان کے راستے پیش قدمی کی، اس کے ساتھ ہر قسم کا سامان کاسامان جنگ موجود تھا۔ اس فوج نے قندھار پہنچ کر شاہ شجاع کی تخت نشینی کا جشن منایا۔ پھر وہ کابل کی جانب حرکت میں آئی تو غزنی میں اسے شدید مقابلے سے سابقہ پڑا۔ جو معلومات ہمارے سامنے

ہیں، ان میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مولانا اور ان کے مجاہدین غزنی میں بڑی جانفشانی سے لڑے۔ انگریزوں کے لیے آگے بڑھنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ اس اثنامیں امیر دوست محمد خاں کا ایک عزیز انگریزوں سے مل گیا اور اس نے قلعہء غزنی کے تمام اندرونی حالات بتادیے۔ انگریزوں نے رات کی تاریکی میں ایک دروازے پر بارود کے تھیلے رکھے۔ انھیں آگ لگادی تو خوفناک دھماکا ہوا، دروازہ اڑ گیا اور انگریزی فوج قلعے میں داخل ہو گئی۔ حضرت مولانا کے اکثر ساتھیوں نے دست بدست لڑائی میں شہادت پائی۔ یہ ۲۱ جولائی ۱۸۳۹ کا واقعہ ہے۔ (سر گزشت مجاہدین ص ۱۹۳)

ولیم ہنٹر کا بیان:

جناب غلام رسول مہر نے مجاہدین اور مرکزِ ستھانہ کے حالات کے بارے میں ولیم ہنٹر کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

> ''مجاہدوں میں اونچے درجے کے آدمی بھی شامل تھے جو اس لیے ترک وطن کرکے ستھانہ پہنچ جاتے تھے کہ عیسائی حکومت کے ماتحت امن و آسائش سے زندگی گزارنا ان کے نزدیک مذہباً نادرست تھا۔ وہ سکھوں کے دیہات پر بھی چھاپے مارتے رہتے تھے اور انگریزوں پر ضرب لگانے کا کوئی موقعہ ہاتھ آتا تو اس کا بھی نہ دل سے خیر مقدم کرتے۔ انہوں نے جنگ کابل میں ہمارے دشمنوں کی امداد کے لیے بڑی فوج بھیجی اور اس میں سے ایک ہزار نے ہمارے خلاف استقامت سے جنگ کرتے ہوئے جانیں قربان کیں۔ صرف تسخیر غزنی کے دوران تین سو مجاہدوں نے انگریزی سنگینوں سے شہادت کی سعادت حاصل کی۔

(سر گزشت مجاہدین ص ۱۹۴ بحوالہ ہندوستانی مسلمان)

مجاہدین ستھانہ میں:

حضرت مولانا اور ان کے بچے کھچے ساتھیوں نے اب ستھانہ کا رخ کیا، چنانچہ وہ ہولناک مصیبتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے ستھانہ پہنچ گئے جہاں مجاہدین نے مرکز قائم کر رکھا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی جماعت مجاہدین نے انہیں اپنا امیر بنالیا قیاس ہے کہ یہ ۱۸۳۹ء کے اواخر یا ۱۸۴۰ء کے اوائل کا واقعہ ہے۔ (سر گزشت مجاہدین ص ۱۹۴)

ہزارہ گزٹیئر اردو میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مولانا نصیر الدین دہلوی بہت نرم طبع تھے اس لیے عوام میں بہت ہر دلعزیز ہوگئے۔ انھوں نے پائندہ خاں تنولی والیٔ امب کو لکھا کہ ہمارا ساتھ دو اور ہر ممکن مدد کرو۔ پائندہ خاں نے انھیں امب بلالیا۔ وہاں کئی روز مہمان رہے۔ مشہور ہے کہ پائندہ خاں نے انھیں زہر دلوادیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ امب ہی میں بیمار ہوئے اور بیماری ہی کی حالت میں ستھانہ آئے، جہاں چند روز بعد وفات پائی۔ جناب مہر صاحب کا خیال ہے کہ پائندہ خان پر زہر خوانی کا الزام پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ (سر گزشت مجاہدین ص ۱۹۵)

حضرت مولانا کی وفات:

حضرت مولانا سید نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸ شعبان ۱۲۵۶ھ ۱۸۴۰ء کو رحلت فرمائی اور ستھانہ ہی میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً

حضرت مولانا کے فضائل:

حضرت مولانا سید نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ مجمع فضائل اور منبع حسنات بزرگ تھے۔ انھیں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے محاسنِ سیرت میں بڑی مشابہت حاصل تھی۔ نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک کا بیان ہے:

> ''میں نے بہت سے درویشوں کو دیکھا، جو فیض سید صاحب سے پایا وہ کسی دوسری جگہ سے حاصل نہ ہوا۔ مولانا سید نصیر الدین میں اسی فیض کا پر تو نظر آتا ہے''۔

(سر گزشت مجاہدین بحوالہ اخبار مولوی سید نصیر الدین خلیفہ سید احمد شہید صاحب مخطوطہ ص ۲۰)

حضرت مولانا کثیر الدعاء اور کثیر البکاء تھے۔ صاحب فیض و تاثیر اور مستجاب الدعوات تھے۔ قیام جودھپور کے دنوں میں وہاں ایک فتنہ پیش آیا تو حضرت مولانا نے معمول کے مطابق دو رکعت نماز ادا کرکے عجز و انکسار سے بارگاہ باری تعالیٰ میں دعا کی، عرض کیا:

> ''میرا تو بھروسہ صرف تجھ پر ہے۔ تیرے فضل کے یقین پر، تیری رضا کے لیے گھر چھوڑا ہے کہ دین کی نصرت کا کام انجام پائے۔ میں گناہگار ہوں، میرے گناہوں سے درگزر فرما، اپنی رحمت پر نظر رکھ، تیرے سوا کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں''؟

(سر گزشت مجاہدین ص ۱۴۵)

اس دعا کے بعد مخالفین کا فتنہ دب گیا۔

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں کہ جب وہ کسی مجمع میں دعا کرتے تھے تو سب پر خاص ایمانی حالت طاری ہوجاتی تھی۔ ایک مرتبہ سندھ میں انھوں نے مجمع کثیر کے درمیان دعا کی، جس کی تاثیر سے تمام لوگ زار زار رونے لگے۔ اکثر پر بے ہوشی طاری ہو گئی بعض لوگ مجذوبیّت کے عالم میں کپڑے پھاڑ کر صحرا کی طرف چلے گئے۔ (وصایائے وزیری جلد اول ص ۲۷۳، ۲۷۴)

یہ سب حضرت مولانا کے زہد و تقویٰ، حق پرستی، عشق کتاب و سنت اور اخلاص فی العمل کا نتیجہ اور ان کے جذبۂ جہاد و سربلندیٔ اسلام کی تاثیر تھی۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیرو مرشد حضرت نصیر الدین اکثر اوقات تلاوتِ قرآن مجید فرماتے تھے اور بہت روتے تھے۔ چہرۂ مبارک پر کثرتِ گریہ سے سیاہ نشان پڑ گئے تھے۔ (شمائم امدادیہ ص ۱۰۸، امداد المشتاق ص ۱۵۲)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ اپنے والد ماجد کی بیماری کی وجہ سے اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا سید نصیر الدین کے ساتھ بغرض جہاد نہ جاسکے تھے۔ آخر والد ماجد نے ایک طویل علالت کے بعد وفات پائی۔ اب حضرت حاجی صاحب کا ارادہ تھا کہ حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> "میرا ارادہ تھا کہ میں بھی حاضر ہوں گا۔ مگر اس مابین میں شہر غزنی سے حضرت کے رحلت فرمانے کی خبر آئی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون"۔ (امداد المشتاق ص ۱۵۲)

(ماخوذ از "سیّد احمد شہید کے روحانی رشتے")

سید ابو بکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

حب آل محمد ﷺ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیّدالمرسلین وعلی ذریتہ وعترتہ واھل بیتہ اجمعین.

حضور اقدس ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ جو جو انہیں محبوب تھا ہم بھی انہیں چاہیں اور ان سے پیار کریں۔ جن جن سے تعلق خاطر تھا ہم بھی ایک قلبی رابطہ ان سے محسوس کریں اور ان کا ادب واحترام، ان کی تعظیم وتوقیر جی کی گہرائیوں میں محسوس کریں، اگر ہم ایسا محسوس نہیں کرتے توخود حضور ﷺ سے ہماری محبت میں نقص ہے، اور ہزار ہم محبّ رسول ہونے کا دعوی کریں، اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو یہ حب رسول ﷺ ایک فریب نفس ہے۔ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے وہ لباس جو محبوب پہنتا ہے اور جس میں اس کی خوشبو بسی ہوتی ہے، جی کو بھلا معلوم ہوتا ہے ایک عاشق نے کہا:

اے گل بتو خورسندم، تو بوے کسے داری

"اے پھول تو اس لیے بھلا محسوس ہوتا ہے کہ تم سے یار کی خوشبو آتی ہے"۔

اس گھر کے در ودیوار پر پیار آتا ہے، جس میں محبوب نے زندگی بسر کی ہو، قیس عامری کہتا ہے:

أمرّ علی الدّیارِ دِیارَ لَیْلَی أُقَبِّلُ ذَا الجِدار وَ ذَا الجِدَارَا

وماحبُّ الدّیارِ شغفن قلبي ولکن حبّ من سَکَنَ الدّیَارَا

''میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہو، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں، کبھی اُس دیوار کو چومتا ہوں۔ کچھ ایسی بات نہیں کہ ان کے گھروں کے پتھروں اور اینٹوں پر میں ریجھا ہوا ہوں، نہیں، یہ تو اس کی محبت کا تقاضا ہے جو ان گھروں میں رہتا تھا''

وہ راہیں جن سے یار گزرتا ہے ان راہوں پر پیار آتا ہے:

وہاں وہاں ابھی رقصاں ہے بوئے عنبر و گل   جہاں جہاں سے چمن میں بہار گزری ہے

قیس عامری کہتا ہے:

من آل لیلی وأین لیلی

''لیلی اب کہاں ہے لیلی کے بچوں کے چہرے میں لیلی کی جھلک دیکھتا ہوں''

یہ محبت کی عام واردات ہیں۔ محبت تو جہاں بھی ہو گی، اس کے برگ و بار یہی ہیں۔ ان کیفیتوں کا حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھو'' آپ ﷺ کے وضو سے جو پانی بچ جاتا صحابہ اس پر جھپٹ پڑتے۔ (صحیح بخاری کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضوء الناس، نسائی، کتاب الطہارۃ باب الانتفاع بفضل الوضوء)

صحابہ اسے تبرکاً اور تیمناً جسم پر ملتے تھے۔ آپ ﷺ کا لعاب مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر گرتا تھا۔ آپ ﷺ حجامت کرواتے تو عاشقوں کا آپ ﷺ کے گرد ہجوم ہوتا تھا اور آپ ﷺ کے بالوں کو سر سے اترتے ہی اچک لیتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی ﷺ)

صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ ﷺ کی ان نشانیوں کو آخرت کا توشہ سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد بھی اپنے آپ سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینے کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں اور اپنے عطر میں ملا لیتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو انہوں نے نصیحت کی کہ:

''میرے لاشے پر حنوط ملو تو اس میں حضور ﷺ کے پسینے میں بسا ہوا عطر بھی ملا لینا'' (صحیح بخاری کتاب استیذان)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ ﷺ کی قمیص، ایک تہ بند، ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے۔ انہوں نے وفات کے وقت نصیحت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں دفناؤ اور یہ موئے مبارک میرے ساتھ رکھو۔

ایک دن حضور ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، گھر میں مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزہ کا دہانہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ میرے آقا ﷺ کے مقدس ہونٹوں نے اس دہانے کو لمس کیا ہے (طبقات ابن سعد)

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے، اس کی گلیاں عزیز، اس کا آستانہ عزیز، اس کا پیراہن عزیز، اس کی جوتیاں عزیز، اس کا گھرانہ عزیز اور اس کے خادم عزیز۔

پس اسی ذات اطہر واقدس کی محبت کا ایک بدیہی تقاضا ہے کہ اہل بیعت سے محبت ہو جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''أحبوني لحب الله واحبوا اهل بيتي لحبّي.''، ''اللہ کی محبت کی بنا پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی بنا پر میرے گھرانے کے افراد سے محبت کرو'' (ترمذی)

پھر گھرانہ بھی وہ کہ خود خدا آخری صحیفہء آسمانی میں ان سے خطاب کرتا ہے اور ان کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان کرتا ہے:

''إنّما يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِجْسَ أهْلَ البَيْتِ ويُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً'' (الاحزاب: ۳۲)

''اے پیغمبر ﷺ کے گھر والو! خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی دور کر دے اور تمہیں ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ پاک صاف ہونے کا حق ہوتا ہے''

وہ جن کی عظمت و عزت کا یہ عالم کہ قرآن مجید میں ان پر صلوۃ سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہو جب یہ آیت نازل ہوئی:

إنّ اللّهَ وملائكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ، ياأيُّهاَ الّذِينَ آمَنُوا صَلّوا عليه وَسَلّمُوا تسْلِيْماً. (الاحزاب:۵۶)

''بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو''

تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا:

أمرَنا اللهُ أن نُصلّي عليكَ يَارسولَ اللهِ فكيفَ نُصلّي عليكَ؟

اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجیں ، آپ ﷺ ہمیں سیکھائیں کہ ہم آپ ﷺ پر کیسے درود بھیجیں؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یوں کہو:

اللهُمَّ صلِّ على مُحَمّدٍ وعلى آلِ محمّدٍ كمَا صَلَّيْتَ على إبراهِيْمَ وعلى آل إبراهِيمَ إنك حميدٌ مجيدٌ (صحیح مسلم جلد اول)

وہ جن کے مجد وشرف کا یہ مقام کہ حجّۃ الوداع کے خطبے میں کتاب اللہ کے ساتھ آپ نے ان کا ذکر کیا:

''أناتارک فیکم الثقلین، کتاب الله و أهل بیتي''

''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ چلا ہوں ، اللہ کی کتاب اور میرے گھرانے کے افراد'' (صحیح مسلم)

وہ جن کی فضیلت کعبے کا دروازہ تھام کر آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی:[1]

''ألا إن مثل أهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح، من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك''

دیکھو!میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتیءِ نوح کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا۔ (مسند امام احمد عن ابی ذر)

وہ جن کے احترام کو ملحوظ رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی:

" ولن يتفرقا حتى يردا علي الحوض فانظرواكيف تخلفوني فيهما" (ترمذی)

کتاب اللہ اور اہل بیت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوگے حتی کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔ پس خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو''.... سیّدا شباب اهل الجنة رضی اللہ عنہما.

بالخصوص حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کو ایک خاص قلبی لگاؤ تھا۔ ان کے پیدائش کے وقت خود حضور ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی تھی أشھد ان لا الہ الا اللہ کی صدا ان کی روح میں اتاری تھی، اور اپنا لعاب مبارک ان کے دہن میں ڈالا تھا۔ آپ ﷺ انہیں چومتے

---

[1] متن میں یونہی مذکور ہے، صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کعبے کا دروازہ تھام کر یہ حدیث مبارک روایت کی۔ (درالصحابہ ص ۲۶۸)

تھے اور سینے سے لگا کر بھینچتے تھے۔ مسند امام احمد میں ہے: یضم الیہ حسناً وحسیناً۔
وہ لوگ جنہیں حضور ﷺ کے انوار و برکات کی معرفت حاصل ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کیسی سعادت عظمیٰ ہے جو حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے حصے میں آئی۔ بارگاہ رسالت میں جن کی محبوبیت کا یہ عالم کہ آپ ﷺ فرمائیں : هذان ابناي وابنا ابنتي، اللهمَّ إنّي أحبّهما فأَحبَّهُما وأَحبَّ مَن يُحبُّهما۔ (ترمذی)
"حسن اور حسین یہ میرے بیٹے میری بیٹی کے بیٹے ، اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہو تو بھی ان کو محبوب بنا اور جو ان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت کر۔
اور جن کے بارے میں آپ ﷺ فرمائیں: "الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة" (ترمذی) حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔
وہ جن پر آپ ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیص پہنے ہوئے آگے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ رسول ﷺ منبر سے اترے اور دونوں کو گود میں اٹھایا اور فرمایا: صدق الله! انما اموالكم واولادكم فتنة، نظرت الى هذين الصبيين يمشيان ويعثران فلم اصبر حتى قطعت حديثي ورفعتهما ۔" (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)
اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ، تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہی تو ہیں، میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا اور اپنی بات قطع کرتے ہوئے میں نے انہیں اٹھا لیا۔
جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت حسینؓ کی عمر پانچ برس اور بعض روایتوں میں سات برس تھی۔ البدایہ والنہایہ میں ہے :كان الصديق يكرمه ويعظمه وكذلك عمر و عثمان ۔ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت حسینؓ کا احترام کرتے تھے اور ان کی تعظیم بجالاتے تھے اور یہی حال حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا تھا۔
یہ بیان حضرت حافظ ابن کثیر کا ہے جو نہایت محتاط مؤرخ اور بلند پایا محقق ہیں — یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے محبت کرتے تھے بلکہ اس پانچ سات سال کے بچے کی تعظیم بجالاتے تھے

اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا غایت درجہ احترام کرتے تھے ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسنؓ سے ملے اور کہا کہ ذرا پیٹ کھولیے، جہاں حضرت سرور عالم ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہیں میں بھی بوسہ دوں گا۔ انہوں نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا اور آپ نے وہیں بوسہ دیا۔(احمد)

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے اتفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آنکلے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص کہنے لگے: "میں تمہیں بتاؤں کہ زمین پر رہنے والوں میں آج آسمان والوں کو کون سب سے زیادہ محبوب ہے، یہی جو جارہا ہے"۔

صحابہ کرام کو جو محبت و عقیدت حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے تھی، اس کا سرچشمہ وہی عشق اور والہانہ شیفتگی تھی جو صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی ذات گرامی سے تھی۔

اک بات اس میں پائی شوخیٔ یار کی ہم نے بھی اپنی جان لٹا دی قضا کے ساتھ

پس جس گھرانے کی محبوبیت کا یہ عالم ہو اس کی محبت اور یاد میں جو صبحیں اور شامیں بسر ہو جائیں، حاصل عمر رائیگاں ہے۔ ان کی مدح و توصیف میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، کم ہیں۔ ان کی یاد، روح کی پاکیزگی اور دل کی طہارت کا ساماں ہے۔

ساتھیو! اپنے حریم دل میں جھانک کر دیکھو، اگر اس دل میں اہل بیت کی محبت اور بالخصوص حسین بن فاطمہ رضی اللہ عنہما کی محبت نہیں پاتے ہو، تو تم یقین کرلو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت بھی محض فریب نفس ہے، صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ آپ ﷺ کا پسینہ، آپ ﷺ کے وضو کا بچہ ہوا پانی، آپ ﷺ کے موئے مبارک حتی کہ آپ ﷺ کا لعاب دہن بھی انہیں عزیز تھا۔ پھر آہ صد ہزار آہ وحرماں! اگر تم اپنے سینے کو حسین بن فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ کی محبت و تعظیم سے خالی پاتے ہو، یہ بہت بڑی محرومی ہے اور شقاوت۔ تم یقین کرو کہ حضور ﷺ کی محبت اگر تمہارے رگ و پے میں اتر جائے تو ان کے غلاموں کے غلاموں کا بھی ادب کرو۔

آہ! یہ کیسی للہیت کی موت اور ایمان کی جان کنی ہے کہ بعض علماء عین منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر اس محبوب بارگاہ رسالت ﷺ، اس جگر بتول کا ذکر حقارت آمیز لہجے میں کرتے ہیں۔ وہ گھرانا جس سے تم نے فیض حاصل کیا، وہ جن کی جوتیوں کے صدقے تمہیں ایمان واسلام کی معرفت حاصل ہوئی،

تم کیا ہوا کہ تم انہی کی عیب چینیاں کرتے ہو، پھر اس عیب چینی اور خردہ گیری کے لیے تمہیں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے سوا کوئی جگہ نہیں ملتی۔ پھر تم اپنے لب ولہجہ کو تو دیکھو، یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شمر ذی الجوشن، یزید اور ابن زیاد نے اہل بیت کے خلاف مقدمے میں تمہیں اپنا وکیل بنالیا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔ ''جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں''۔

حضرت امام حسینؓ کے ولی اللہ ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے وہ صحابی بھی تھے اور اہل بیت میں سے بھی تھے۔ وہ صرف صحابی ہی نہ تھے، جلیل القدر علماء صحابہؓ میں سے تھے۔ وہ صرف اہل بیت میں سے نہ تھے، محبوب بارگاہ رسالت تھے۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی ان کی تنقیص، ان کے بارے میں سوئے ادب سراسر موجبِ حرماں ہیں

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب

ساتھیو! محض تمہارا جی بہلانے کے لیے یا تمہیں خوش کرنے کے لیے تو میں وعظ نہیں کہتا ہوں۔ خدا محض اپنی رضا اور خوشنودی کے لیے وعظ کہنے کی توفیق دے۔ تمہاری رنجش اور تمہاری خوشنودی سے کیا ہوتا ہے۔

از ردّ و از قبولِ تو فارغ نشستہ ایم اے آنکہ خوبِ ما نشناسی ززشت ما

وہ بیماریاں جو تم میں اور مجھ میں نہیں ہیں، میں ان پر بات کیوں کروں کیا ایسا کرنا محض تضییع اوقات ہوگا، وعظ کہنے کا مقصد تو اصلاحِ حال ہے، کبھی مادہء فاسد کے اخراج کے لیے عمل ناگزیر ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نشتر لگتا ہے تو مریض کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہ تکلیف بڑی سود مند ہے دوستو!

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

فبشرعبادالذین یستمعون القول فیتبعون احسنه وآخر دعونا ان الحمد للهرب العالمین۔

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

الحمد لله وحده
والصّلوة والسّلام علی من لا نبیَّ بعده

حمد و صلوة کے بعد ان احباب کا شکریہ جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں ناچیز راقم الحروف کی مقدور بھر معاونت فرمائی۔

سید منوّر حسن زیدی صاحب نے ''تاریخ زمستان حصار'' (تاریخ سیالکوٹ) کی کتابت کی۔ رضوان اور سیّد جلیل الرحمن نے موادّ فراہم کرنے میں مدد دی۔ قاضی افضل حق قرشی، قاری محمّد شاہ اور ڈاکٹر خالد سیف اللہ صاحبان نے بھی فراہمی مضامین میں مدد دی۔ محبّ عزیز عبدالماجد نے اس کتاب کے مسوّدے کی بار بار خواندگی کی۔ جمیل حسن نے سرخیاں لکھیں، غلام مصطفی نے خطّ نفیسی میں کمپوزنگ کی، محمّد عابد، محسن اور طیّب نے بھی اعانت کی۔ملک محمّد اشعر صاحب نے مالی اعانت کی پیشکش کی۔

علاوہ ازیں جملہ اہل خانقاہ: مولانا محمّد اشرف صاحب، بھائی عطاء الحق، راؤ عبدالسلام، ریحان، ڈاکٹر جمیل صاحب، ڈاکٹر مقصود صاحب، منیر صاحب، عتیق انور صاحب، سیّد دلاور و سیّد محمد سرور صاحبان، سیّد زید و شاہ بلال، سیّد کلیم الرّحمن، سیّد جمیل الرحمن، سیّد ندیم الرّحمن، سیّد سلیم الرّحمن، میاں محمّد سعید، نعیم، ندیم، احمد علی، نعمان، سلیم و ندیم (جلد ساز)، امان اللہ، حافظ شفیق الرحمن، سردار علی، قیصر عباس، سیّد فیصل، عفّان، بوستان اور سعد و اسعد و سعود اور ان کی والدہ تشکر کے قابل ہیں۔ فجزاهم الله احسن الجزاء

مآخذ

اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۲ء
الافادۃ فی تاریخ الأئمۃ السادۃ: یحییٰ بن الحسینؒ، ۱۴۱۶ھ
برگِ گل: سید نفیس الحسینی، سید احمد شہید اکادیمی، لاہور ۲۰۰۶ء
بزرگانِ لاہور: غلامی دستگیر نامیؒ، نوری بک ڈپو لاہور، ۱۹۶۶ء
بزم صوفیہ: سید صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء
تابعین: شاہ معین الدین ندویؒ
تاریخ حبیبی و تذکرہ مرشدی: علامہ عبدالعزیز واعظی، مخطوطہ ۹۴۹ھ
تاریخ دعوت و عزیمت: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء
تاریخِ محمدیہ: جہاں نما علی شاہؒ، ۱۳۳۰ھ
تاریخ مشائخ چشت: پروفیسر خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
تبع تابعین: ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندویؒ، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۷۸ء
تحفۃ الابرار: محمد نواب مرزا، مطبع رضوی دہلی، ۱۳۲۵ھ
تذکرۃ ابرار والاشرار: اخوند درویزہ
تذکرۃ الخواص: سبط ابن جوزیؒ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء
تذکرہ سید احمد شہید: سید حمزہ حسنی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۹۶ء
تذکرہء صوفیائے پنجاب: مولانا اعجاز الحق قدوسی، سَلمان اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۲ء
تذکرہ صوفیائے سرحد: اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۶ء
تذکرہء صوفیائے سندھ: مولانا اعجاز الحق قدوسیؒ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۵۹ء
تذکرہ قمیص القادری: سید اظہار احمد گیلانی، مجلس معارف صوفیہ، لاہور، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء
جب ایمان کی بہار آئی: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۲ء
جوامع الکلم: ملفوظات حضرت خواجہ گیسودرازؒ، ۱۹۰۰ء
حضرت امام ابوحنیفہؓ کی سیاسی زندگی: مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۰ء
حضرت مجدد الف ثانیؒ: مولانا سید زوار حسین شاہؒ، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: پروفیسر خلیق احمد نظامی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

خانوادہء علم اللہی: مولانا محمد ثانی حسنیؒ، سید احمد شہید اکیڈمی، رائے بریلی ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء
دیوان فرزدق: فرزدق، دار بیروت، بیروت ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء
ذکر شاہ ہمدانؒ (مجموعہ مقالات بین الاقوامی شاہ ہمدان کانفرنس منعقدہ ہمدرد مرکز راولپنڈی ۱۹۸۶ء)،
مرتبین: ڈاکٹر سیّد آغا حسین ہمدانی و سید فیض الرحمن ہمدانی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۸۸ء
رسالہ اشغال: شاہ اسماعیل شہیدؒ
ریاض نبوی ﷺ کے گلِ تر: شاہ معین الدین احمد ندویؒ، شائع کردہ تنظیم طلبہء بلتستان ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء
سید احمد شہید: جناب غلام رسول مہرؒ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
سید احمد شہید کے روحانی رشتے: سید نفیس الحسینی، سید احمد شہید اکادیمی، لاہور ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء
سیرت سید احمد شہید: مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
سیر محمدی: مولانا محمد علی سامانی، ۱۳۴۷ھ
سیرۃ النبی ﷺ: مولانا شبلی نعمانیؒ، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۱ء
شجرۃ الاشراف: سید نفیس الحسینی، حلقہء معارف گیسودراز، لاہور ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء
کشف المحجوب: سید ابوالحسن علی ہجویریؒ، تحقیق: ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، سمن پبلیکیشنز لاہور ۱۴۱۶ھ
کلیات اقبال: علامہ محمد اقبالؒ
لطائف اشرفی: مولانا نظام الدین یمنی، مکتبہ سمنانی، کراچی ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء
مآثر عالمگیری: محمد ساقی مستعد خانؒ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۲ء
مآثر الکرام: میر غلام علی آزاد بلگرامی، مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء
المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مکتبہ سید احمد شہید، لاہور، ۱۹۹۸ء
مسالک السالکین: مولانا عبدالستار سہسرامی، مطبع فیض منبع، آگرہ ۱۸۰۰ء
مظہر الاحدیہ فی بیان الانساب السّادات الزیدیہ: سید عبدالاحد جونپوری، مطبع کاظمی واقع جونپور ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء
ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ: محمد الدین فوق، ظفر برادرس تاجران کتب، لاہور ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء
نزھۃ الخواطر المعروف الاعلام: مولانا سید عبدالحی حسنیؒ، مکتبہ دار عرفات، رائے بریلی ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء
نقشِ حیات: حضرت سید حسین احمد مدنیؒ، عزیز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء